تاریخِ ٹیپو سلطان

محب الحسن

مترجمین

حامد اللہ افسر

عتیق صدیقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

پہلی اشاعت	:	1982
تیسری طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/115 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	260

Tareekh-e-Tipu Sultan

by

Mohibbul Hasan

ISBN :978-81-7587-397-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 49539000، فیکس 49539099

ای۔میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5 لارینس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھر پور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

ضمیمے

پہلا باب

اجداد، ابتدائی زندگی، تخت نشینی

ٹیپو سلطان کے خاندانی حالات، اس کے دادا فتح محمد سے قبل جنھوں نے اس خاندان کو شہرت عطا کی، بڑی حد تک پردۂ اخفا میں ہیں۔ لیکن بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپو قریش[1] مکہ کی نسل سے تھا اور اس کے اجداد، غالباً سولھویں صدی کے اواخر میں شمال مغرب کے خشکی کے روایتی راستے سے[2] ہندوستان وارد ہوئے۔ ان واقعات کے علاوہ ان کے ترکِ وطن کر کے ہندوستان پہنچنے کے بارے میں کچھ اور معلوم نہیں ہوتا۔[3]

اس خاندان کا پہلا فرد جس کے متعلق کچھ روایات محفوظ ہیں، شیخ ولی محمد ہے جو بقول کرمانی۔ بیجاپور کے فرماں روا محمد عادل شاہ (1626-1625ء) کے عہد میں اپنے بیٹے محمد علی کے ساتھ دہلی سے گلبرگہ آیا۔[4] وہ ایک دین دار آدمی تھا۔ شاہ صدر الدین حسینی کی درگاہ سے منسلک ہو گیا جو عرف عام میں گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔[5] انھیں گذر اوقات کے لیے وظیفہ ملنے لگا۔ درگاہ کے ایک خادم کی بیٹی سے اپنے بیٹے محمد علی کی شادی کی۔ ولی محمد کی وفات کے بعد محمد علی بیجاپور چلا گیا اور اپنے سات نسبی بھائیوں کے ساتھ رہنے لگا۔ جو علی عادل شاہ ثانی (1657 تا 1672ء) کی فوج میں ملازم تھے۔[6] کچھ ہی دنوں بعد مغلوں اور بیجاپوریوں میں جنگ چھڑ گئی اور محمد علی کے ساتوں نسبتی بھائی اس جنگ میں کام آئے۔ اس سانحے کے بعد محمد علی اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیجاپور سے کولار چلا گیا۔ وہاں کے حاکم شاہ محمد سے اس کی پہلے سے شناسائی تھی۔ اس نے خوش دلی سے محمد علی کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنی جائیداد کا مہتمم مقرر کیا۔ شاہ محمد کا کارندہ ہونے کے علاوہ، محمد علی کھیتی باڑی بھی کرتا تھا اور اپنے کھیت و باغات پٹہ پر بھی دیتا تھا۔[7]

فتح محمد

محمد علی کے چار بیٹے تھے۔ محمد الیاس، شیخ محمد، محمد امام اور فتح محمد۔ جب وہ جوان ہوئے تو باپ نے انھیں صلاح دی کہ اپنے دادا کی طرح وہ بھی درگاہ کے خادم بنیں۔ لیکن انھوں نے سپہ گری کو ترجیح دی۔ چنانچہ ۱۶۷۷ء کے لگ بھگ، محمد علی کی وفات کے بعد فتح محمد نے کولار کی سکونت ترک کردی اور نواب سعداللہ خان، والیٔ ارکاٹ، کی ملازمت اختیار کرلی۔ نواب نے اسے جمعدار بنادیا اور دو سو پیادوں اور پچاس سواروں کے دستے کی کمان اس کے سپرد کردی۔ کچھ عرصے کے بعد فتح محمد نے تنجور کے ایک پیرزادے کو بلوایا اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کردی۔ چوں کہ اس نے بڑی وفاداری سے نواب کی خدمت کی تھی، اس لیے اس کی کمان میں اضافہ کرکے پیادوں کی تعداد چار سو اور سواروں کی تعداد پانچ سو کردی گئی اور پچاس توپچیوں کا بھی اضافہ کردیا گیا۔ یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ فتح محمد نے ارکاٹ کیوں چھوڑا۔[۹] بہر کیف اس کے بعد وہ راجا میسور کی ملازمت میں داخل ہوا۔ یہ ملازمت اسے اپنے بھتیجے حیدر صاحب کی سفارش سے ملی تھی جو شیخ الیاس کا فرزند تھا اور پہلے ہی سے راجا کی ملازمت میں تھا۔ مگر فتح محمد زیادہ عرصے تک میسور میں رہا نہیں، اگرچہ وہاں اسے نائک کا خطاب بھی مل گیا تھا تاہم میسور کے امرا کے باہمی نزاع سے متنفر ہوا اور اس نے ریاست کو خیرباد کہہ دیا۔ اس کے بعد وہ نواب درگاہ قلی خاں والی سیرا کی ملازمت میں داخل ہوا۔ نواب نے چار سو پیادوں اور دو سو سواروں کی کمان اسے عطا کی۔ اور[۱۰] دو ڈبالاپور کا قلعہ بھی اس کی سپرد کردیا یہیں ۱۷۲۱ء میں اس کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔ اس کے ایک اور بیٹا تھا جو تین سال قبل پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام شہباز تھا۔

حیدر علی

چند سال بعد درگاہ قلی خاں کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا عبدالرسول خاں اس کا جانشین ہوا در ین اثنا ظاہر خاں نے اپنے مربی سعداللہ خاں کے اثر و رسوخ کی بدولت سیرا کی صوبیداری کے عہدے پر اپنا تقرر کرالیا۔ لیکن عبدالرسول خاں نے جسے فتح محمد خاں کی سرپرستی حاصل تھی سیرا کی صوبیداری سے دست بردار ہونے سے انکار کردیا۔ آگے نتیجے میں عبدالرسول خاں اور فتح محمد خاں میں جنگ چھڑگئی اور دونوں ہی اس جنگ میں کام آئے۔ اس طرح ظاہر خاں سیرا کا صوبیدار ہوگیا۔[۱۱] تاہم

عبدالرسول خاں کے بیٹے قلی خاں کو اپنے باپ کی جاگیر ڈوڈبالاپور پر قابض رہنے دیا گیا۔[12] فتح محمد خان چوں کہ مقروض مرا تھا[13] اس لیے عباس قلی خاں نے اس کے اہلِ خاندان پر جو قلعہ میں تھے ظلم و تعدی کا سلسلہ شروع کیا۔ اگرچہ اس وقت حیدر کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ اور شہباز کی آٹھ سال کے قریب تھی تاہم باپ کا قرض ادا کرنے کے لیے ان دونوں کو اذیتیں دی جانے لگیں۔ اس طرح سے عباس قلی خاں نے وہ سب کچھ چھین لیا جو اس خاندان کے پاس تھا۔ فتح محمد کی بیوہ نے اپنے مال و متاع کے چھن جانے کے بعد اور اس ناروا سلوک سے دہشت زدہ ہو کر جو اس کے بچوں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا اپنے خاوند کے بھتیجے حیدر صاحب کو اپنی مصیبت و پریشانی سے آگاہ کیا، جو میسور میں ملازم تھا۔[14] اس نے فوراً دیوراج سے مدد کی درخواست کی، جو راجا میسور کا بڑا الاوائی تھا۔ دیوراج نے سیرا کے صوبیدار کو لکھا جس نے عباس قلی خاں کو اس کے جابرانہ طرزِ عمل پر تنبیہہ کرتے ہوئے فتح محمد خاں کے خاندان کو فوراً رہا کرنے کا حکم دیا۔[15] فتح محمد کی بیوہ، رہائی حاصل کرنے کے بعد اپنے بچوں کو لے کر بنگلور اور پھر وہاں سے سرنگاپٹم چلی گئی۔[16] اس کے بعد یہ لوگ حیدر صاحب کی حمایت و سرپرستی میں زندگی گذارنے لگے۔ اس نے حیدر اور شہباز کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی اور سپہ گری اور شہسواری کی تربیت دلوائی۔ لیکن جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے حیدر صاحب کو چھوڑ کر عبدالوہاب خان کی ملازمت اختیار کر لی جو کرناٹک کے نواب محمد علی خاں کا چھوٹا بھائی اور چتوڑ کا جاگیردار تھا۔[17] مگر اسی دوران میں چونکہ حیدر صاحب خوشحال اور میسور میں ذی اثر ہو گیا تھا اس نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو واپس بلا لیا اور اُن کے آنے کے بعد انھیں دیوراج کے چھوٹے بھائی سپہ سالار ننج راج کی خدمت میں پیش کیا جس نے ان دونوں بھائیوں کو تین سو پیادوں اور پچاس سواروں کی کمان عطا کی۔[18] حیدر صاحب کی وفات کے بعد شہباز نے اس کے فوجی دستے کی کمان اس کے جانشین کی حیثیت سے سنبھالی۔[19] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں حیدر علی کے پاس کوئی علاحدہ کمان نہیں تھی بلکہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ منسلک تھا۔ لیکن مختلف معرکوں میں خصوصاً ڈیون پٹی کے محاصرے (1749ء)[20] کے دوران حیدر علی کے جوش ہمت اور دلاوری نے ننج راج کو بے حد متاثر کیا اور اس نے اسے خان کا خطاب دیا اور دو سو پیادوں اور پچاس سواروں کی علاحدہ سے کمان بھی دی۔[21] یہیں سے اس کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی تاریکی کا وہ پردہ بھی اٹھ جاتا ہے جو اس کی ابتدائی زندگی پر پڑا ہوا تھا اور وہ تاریخ کی تیز روشنی میں نظر آنے لگتا ہے۔

حیدر علی کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ 1749ء میں اس وقت پیش آیا، جب ننج راج علاقہ

میسور کی اس فوج کے ہمراہ بھیجا جو آصف جاہ نظام الملک کے بیٹے ناصر جنگ کی مدد کے لیے روانہ کی گئی تھی۔ ناصر جنگ نظامت کے لیے اپنے چچازاد بھائی مظفر جنگ سے برسرِپیکار تھا۔ پہلے تو ناصر جنگ نے اپنے حریف پر غلبہ حاصل کر لیا اور اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا لیکن 16 دسمبر 1750ء کی رات کو کڈاپہ کے پٹھان نواب نے اسے دغابازی سے قتل کر دیا۔ اس حادثے کے بعد جو افراتفری پھیلی اس میں ناصر جنگ کا خزانہ فرانسیسیوں کے ہاتھ آیا۔ لیکن اس کے ایک حصے پر حیدر کے ہرکاروں کی مدد سے حیدر علی نے بھی قبضہ کر لیا۔[22] یہ دولت لے کر جب وہ میسور واپس آیا تو اپنی فوج میں اضافہ کرنے اور مفرور فرانسیسی فوجیوں کی مدد سے تربیت دینے میں مصروف ہو گیا۔[23]

اسی اثنا میں کرناٹک کی گدی کے لیے محمد علی اور چندا صاحب میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ محمد علی نے اپنے حریف کے دباؤ سے مجبور ہو کر جسے فرانسیسیوں کی امداد حاصل تھی ننج راج سے مدد کی درخواست کی اور اس کے بدلے میں ترچناپلی اور اس کے متعلقہ علاقے میسور کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔[24] مزید علاقوں کے حصول کی توقع سے سرشار ہو کر ننج راج فوراً محمد علی کی مدد کے لیے ترچناپلی پہنچا۔ میسور کی فوجیں انگریزوں کے دوش بدوش فروری 1752ء تک چندا صاحب اور فرانسیسیوں سے جنگ میں مصروف رہیں۔ اگرچہ مئی میں چندا صاحب مارا گیا۔[25] تاہم محمد علی نے حسبِ وعدہ ترچناپلی کو میسور کے حوالے کرنے کی جگہ پر صرف سری رنگم[26] کا جزیرہ ہی دیا۔ اس پر ننج راج فرانسیسیوں سے مل گیا اور محمد علی اور انگریزوں سے ترچناپلی لینے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی اور مایوس ہو کر وہ میسور واپس چلا گیا۔[27] ترچناپلی کی مہم اگرچہ ننج راج کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی تاہم حیدر علی کے لیے زحمت کے بھیس میں رحمت بن گئی۔ اپنے پیادوں اور سواروں کے دوش بدوش حیدر علی بھی جنگ کے دوران ہمہ وقت میسور کی فوج کے ساتھ رہا۔ اس جنگ نے حیدر علی کو یورپ کی طرزِ جنگ سے براہِ راست واقف کر دیا۔ اس مہم میں اس نے بڑی دلیری و ثابت قدمی کا ثبوت دیا جس نے ننج راج کو بے حد متاثر کیا اور اس کی مزید ترقی کا باعث بنی۔ چنانچہ ترچناپلی سے جب وہ میسور واپس لوٹا تو اسے ڈنڈی گل کا فوجدار مقرر کیا گیا جہاں اس ضلع کے سرکش پولی گاروں (زمینداروں) کو زیر کرنے کے لیے ایک مردِ آہن کی ضرورت تھی۔ حیدر نے اس علاقے کے پولی گاروں کی گوشمالی کی اور وہاں امن و امان بحال کرنے میں اسے کامیابی ہوئی۔ اس نے اپنی فوج میں اضافہ کیا، توپ خانہ کی تنظیم کی اور فرانسیسی انجینیروں کی مدد سے اسلحہ خانہ بھی قائم کیا۔[28]

اس دوران میسور کی راجدھانی کے حالات بہت خراب ہوتے جا رہے تھے، میسور کے راجا سے ننج راج اور دیوراج کے تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے تھے، ان دونوں بھائیوں نے راجہ کو

کٹھ پتلی بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ان دونوں بھائیوں میں ریاست کی پالیسی[29] کے متعلق سنگین اختلافات بھی تھے مزید برآں ترچناپلی کی مہم کے اخراجات نظام اور مرہٹوں کے حملوں اور استحصال زر نے میسور حکومت کو مالی اعتبار سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ کئی مہینے سے فوجیوں کو تنخواہ نہیں ملی تھی۔ ان میں بے چینی تھی اور اپنی شکایات کے ازالے کے لیے نیج راج کی حویلی پر دھرنا دیے بیٹھے تھے تاکہ پانی اور اشیائے خورد و نوش اندر نہ لے جائی جا سکیں۔[30]

سرنگا پٹم کے تشویش انگیز حالات سن کر حیدر علی فوراً وہاں پہنچا کیونکہ وہاں یہ عام خیال تھا کہ صرف حیدر ہی ایک ایسا آدمی ہے جو حالات کو معمول پر لا سکتا ہے اس نے دیوراج اور نیج راج میں ملاپ کرایا۔ راجا کو اپنی حفاظت اور حمایت کا یقین دلایا اور فوجیوں کی بقایا تنخواہ کی ادائیگی کا انتظام کیا۔ ان کاموں نے اس کی قدر اتنی بڑھا دی کہ جب 1751ء میں مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تو اسے سپہ سالار مقرر کیا گیا اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے اور ان کو پسپا کرنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔[31] حیدر نے حسب معمول جرأت دکھائی اور حملہ آوروں کو کامیابی کے ساتھ پسپا کر کے مفید مطلب صلح پر مجبور کر دیا۔[32] وہ سرنگا پٹم میں ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آیا اور راجا اور پرجا نے میسور کے نجات دہندہ کی حیثیت سے اس کا خیر مقدم کیا۔

ریاست کی مالی حالت اب تک ابتر تھی فوجیوں کی تنخواہ پھر مہینوں سے ادا نہیں کی گئی تھی اور وہ ایک مرتبہ پھر دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ نیج راج کے پاس ان دشوار مسائل کا جو اسے درپیش تھے کوئی حل نہیں تھا اس کے علاوہ جنگوں میں پے در پے شکست کے بعد اس کا وقار اور اثر بھی باقی نہیں رہا تھا اس لیے اس نے سیاسی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔[33] حیدر تو اس موقع کے انتظار ہی میں تھا۔ اس نے بے غل و غش اس کی گدی سنبھال لی۔[34] مگر جلد ہی اسے اپنے خلاف ایک سازش کا پتہ چلا جو اس کے دیوان کھانڈے راؤ نے کی تھی۔ وہ حیدر کو بے دخل کر کے اس کی جگہ خود لینا چاہتا تھا۔ راجا بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ حیدر کے برسر اقتدار آنے سے اس کے لیے حالات کچھ زیادہ امید افزا نہیں ہوئے ہیں لیکن حیدر اپنی سوجھ بوجھ اور عزم و ہمت سے اپنے دشمنوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور 1761ء تک میسور کا مسلم فرماں روا بن گیا تھا۔[35]

اس کے بعد حیدر نے فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ گو مرہٹوں کے میسور پر تین حملوں (72-1764) کی وجہ سے اسے شکستیں بھی کھانی پڑیں مگر آخر کار 1778ء تک وہ ایک وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔[36]

حیدر کی پہلی بیوی سید شہباز کی لڑکی تھی جو عام طور پر شاہ میاں کے نام سے مشہور تھے اور سیرا کے پیرزادے تھے اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن زچگی میں وہ استسقا میں مبتلا ہوئی اور ساری عمر مفلوج رہی۔ اس کے بعد حیدر نے فاطمہ سے شادی کی جو فخرالنسا بھی کہلاتی تھی۔ وہ میر معین الدین کی لڑکی تھی[34] جو چند سال تک قلعہ کڈاپا کا گورنر تھا۔ جب فخرالنسا حاملہ ہوئی تو وہ اپنے خاوند کے ساتھ درگاہ حضرت ٹیپو مستان[35] اولیا پرار کاٹ میں حاضر ہوئی اور لڑکا پیدا ہونے اور زچگی بخیر گزرنے کی دعا کی۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور 20 ذی الحجہ 1163ھ مطابق 20 نومبر 1750ء کو جمعہ کے دن اس کے بطن سے ایک لڑکا دیون ہلی میں پیدا ہوا جہاں وہ اس وقت سے مقیم تھی جب میسوریوں نے 1749ء میں اس پر قبضہ کیا تھا[36]۔ اس نے اپنے لڑکے کا نام ٹیپو سلطان رکھا۔ اس کا دوسرا نام فتح علی بھی تھا جو اس کے دادا فتح محمد کے نام پر رکھا گیا تھا۔

بعض مورخوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ٹیپو نے اپنے نام کے ساتھ سلطان کے لقب کا اس وقت اضافہ کیا جب وہ اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ لیکن بیشتر معاصر مآخذ کے مطابق "سلطان" ٹیپو کے نام کا ایک جز تھا لقب نہیں تھا[38]۔ یہ صحیح ہے کہ ہم عصر انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں میں ٹیپو کو جب وہ شہزادہ تھا ٹیپو صاحب کہا جاتا تھا اور اس کے باپ کی وفات کے فوراً بعد سے ٹیپو سلطان اور کبھی کبھی نواب ٹیپو سلطان لکھا جانے لگا تھا۔ لیکن یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہیے کہ اس زمانے میں یوروپین ایشیائی ناموں کی صحت کا خیال نہیں رکھتے تھے اور صحیح نہ لکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ ٹیپو نے اپنی تخت نشینی کے وقت سلطان یا نواب کا لقب اختیار کیا ہو۔ ہاں 1787ء میں مرہٹوں سے جنگ کے اختتام پر بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ٹیپو کی ابتدائی زندگی کے متعلق معلومات بہت کم ہیں صرف اکا دکا واقعات ہی کا پتہ چلتا ہے!

جب کھانڈے راؤ نے حیدر کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی تو ٹیپو سرنگا پٹم میں اپنے باپ کے ساتھ ہی رہتا تھا اور اس وقت اس کی عمر صرف دس برس تھی۔ حیدر علی کو یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے اور وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکے گا" 12 اگست 1760ء کو راجدھانی سے نکل بھاگا اور ٹیپو کو خاندان کے اور افراد کے ساتھ وہیں چھوڑ گیا۔ کھانڈے راؤ نے ان لوگوں کو سرنگا پٹم کے قلعے کے اندر ایک مکان میں جو مسجد کے قریب تھا منتقل کر دیا اور اس کے علاوہ ان کے ساتھ لطف و عنایت سے پیش آیا[41]۔ حیدر نے جب سرنگا پٹم کو دوبارہ فتح کیا تو اپنے خاندان کے لوگوں کو بنگلور پہنچا دیا جو اس کے نزدیک راجدھانی سے زیادہ محفوظ جگہ تھی اور جب 1763ء میں بیلنور فتح کیا تو ٹیپو کو وہاں بھیج دیئے[42]

تعلیم

حیدر خود اگرچہ ناخواندہ تھا تاہم اس نے اپنے بیٹے کو ایک مسلمان شہزادے کے شایانِ شان تعلیم دینے کے لیے رواج کے مطابق قابل معلّم مقرر کیے۔[11] ٹیپو کو شہ سواری بندوق بازی اور تیغ زنی کی بھی باقاعدہ مشق کرائی گئی۔ فوجی معائنے کے وقت بھی وہ اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا تاکہ فوجی تربیت اور قواعد سے واقفیت حاصل کرے اور فنونِ جنگ سیکھے، خصوصاً وہ فنونِ جنگ جن پر یورپ والے کاربند تھے۔ اس کا فوجی معلّم غازی خان نامی ایک شخص تھا، جو حیدر کی ہنگامی فوج کا بہترین افسر تھا ان معلّمین کے نام معلوم نہیں ہو سکے جنھوں نے ٹیپو کو اردو، فارسی، عربی، کنٹر زبان اور قرآن اور فقہ کی تعلیم دی تھی۔

1766ء میں جب حیدر نے مالابار پر حملہ کیا تو ٹیپو کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا تاکہ اسے جنگ کا تجربہ ہو جائے۔[12] اس وقت ٹیپو کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس معرکے میں ایک موقع پر ٹیپو نے بڑی مستعدی اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ حیدر نے بالم پر حملہ کیا تھا جو بید نور کے جنوب میں ایک کوہستانی علاقہ ہے۔ اس کے پالیگار نے شکست کھائی لیکن اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اسی اثنا میں ٹیپو صرف دو تین ہزار فوج لے کر گھنے اور تاریک جنگل میں گھس گیا اور اس مقام پر جا پہنچا جہاں اس پالیگار کے اہلِ خاندان اور متوسلین نے پناہ لی تھی اور ان پر حملہ کر دیا ان میں سے بہت سے مارے گئے اور جو باقی بچے انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ آخر مجبور ہو کر پالیگار نے اطاعت قبول کر لی اس کی دیکھا دیکھی مالابار کے دوسرے جاگیرداروں نے بھی بہ عجلت تمام حیدر کی فرمان روائی تسلیم کر لی۔[13] حیدر اپنے بیٹے کے اس کارنامے پر اس قدر شادماں تھا کہ اس نے دو سو سواروں کی کمان اس کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دینے کے لیے اسے عطا کی اور بہت جلد ان سواروں کی تعداد بڑھا کر پانچ سو کر دی اور ایک معقول جاگیر بھی عطا کی جو ملوالی کوتا نور دھرم پوری، پیتا گرم اور ٹنکارائے کوٹائی کے اضلاع پر مشتمل تھی۔[14]

پہلی اینگلو میسور جنگ

جب پہلی اینگلو میسور جنگ (1767 تا 1769) چھڑی تو نظام اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ تھے، لیکن حیدر اس اتحاد کو توڑنے اور انگریزوں کو علاحدہ کر دینے میں کامیاب ہو گیا اس نے پہلے مرہٹوں کو الگ کر کے ان سے صلح کی۔ پھر نظام کو جو بنگلور سے جنوب مغرب کی طرف 37 میل کے فاصلے

پر چھپا پٹنہ میں خیمہ زن تھا اپنی طرف ملانے کی کوشش کی۔ ۱۱ر جون ۱۷۶۷ء کو اس نے ٹیپو کو مخدوم علی
اور میر علی رضا کے ہمراہ نظام کے پاس بھیجا۔ نظام کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرنے کے لیے وہ اپنے
ساتھ پانچ ہاتھی، دس خوبصورت گھوڑے، زرِ نقد اور جواہرات لے گیا تھا[46] نظام ٹیپو سے بہت شفقت
کے ساتھ پیش آیا اور اسے نصیب الدولہ (ریاست کی قسمت) کہہ کر مخاطب کیا[47] خلعت جواہرات
اور دوسرے تحائف عطا کیے اور فتح علی خاں بہادر کا خطاب مرحمت کیا[48] نوجوان شہزادے نے
بہت ہوشیاری، سلیقے اور موقع شناسی سے گفتگو کی اور نظام کو اپنے موافق بنانے میں کامیاب
ہوگیا اور نظام حیدر کے ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔

۱۳ر جون کو جب ٹیپو سرنگا پٹم واپس آیا تو اسے پہلی مرتبہ اس کے فوجی معلم غازی خان کی ماتحتی میں
کمان دی گئی اور مدراس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ میر علی رضا خاں، مخدوم صاحب اور محمد علی بھی اس
کے ہم رکاب تھے۔ لیکن عین اس وقت جب میسور کے سوار سینٹ تھوم اور مضافاتِ مدراس کے
دیہات اور مدراس کے کونسلروں کے مکانات کو تاخت و تاراج کر رہے تھے اور شہر کے باشندے
بڑی سراسیمگی اور پریشانی میں مبتلا تھے ٹیپو کو حیدر کا خط ملا جس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ ٹرونا
ملائی[49] پر اسمتھ نے اسے مغلوب کر لیا ہے۔ اسی خط میں حیدر نے اسے حکم دیا تھا کہ فوراً واپس آئے
چنانچہ وہ اسی وقت واپس لوٹا[50] میجر فش جیرالڈ اور کرنل ٹاڈ نے اسے راستے میں روکنے کی کوشش
کی مگر اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ان کا قابو نہ چل سکا اور وہ مرکزی فوج تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔
جو وہید جی[51] سے دس میل کے فاصلے پر چنا وڈا سے تھی۔ اس کے باپ نے ایک نوجوان غازی کی طرح
اس کا خیر مقدم کیا۔ اپنی شکستوں کا غم غلط کرنے کے لیے اب ہونہار بیٹے کے کارنامے ہی واحد ذریعہ تھے
اس وقت ٹیپو کی عمر صرف ۱۷ سال تھی۔

ٹرونیا ملائی کی شکست نے حیدر کی ہمت پست نہیں کی۔ گو برسات شروع ہو گئی تھی مگر وہ
برابر دوسرے معرکے کی تیاریاں کرتا رہا۔ اوائل نومبر میں وہ کاویری پٹنم[52] نے ٹروپا ٹور[53] اور
وانیم باڑی پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ ٹیپو[54] بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ اس نے دونوں قلعوں کو فتح
کرنے میں اس کی مدد کی۔ اس کے فوراً بعد وہ اس وقت بھی موجود تھا جب امبور[55] کا محاصرہ کیا گیا
حیدر چار ہفتے تک وہاں گھیرا ڈالے پڑا رہا مگر کپتان کالورٹ کی دلیرانہ مقاومت کی وجہ سے اس کو فتح
نہ کر سکا۔ اور کرنل اسمتھ کی سرکردگی میں انگریزی فوج کے پہنچتے ہی اس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اسمتھ
۱۷ر دسمبر کو امبور پہنچا تھا اور اگلے ہی دن صبح کو وہ حیدر پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا[56]۔ جو وینام باڑی

میں خیمہ زن تھا۔ یہ خلاف توقع حملہ تھا جس نے حیدر کو وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ٹیپو نے جس کی کمان میں میسور کے سواروں کا رسالہ تھا، اس موقع پر نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس نے انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا تاکہ مرکزی فوج بلا خوف و خطر کاویری پٹنم پہنچ جائے۔

۱۹ دسمبر ۱۷۶۷ء کو ٹیپو پھر غازی خاں کے ہمراہ ایک سبک دستے کے ساتھ لطف علی بیگ کی کمک کے لیے بھیجا گیا جو مالابار کے ساحل پر انگریزوں کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ ٹیپو بیدنور میں تھا جب اسے خبر ملی کہ میجر گاردن اور کپتان واٹسن نے یکم مارچ ۱۷۶۸ء کو منگلور پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ فوراً ایک ہزار سواروں اور تین ہزار پیادوں کے ساتھ ادھر روانہ ہوا۔ ۶ مارچ کو معمولی سی جھڑپ ہوئی مگر ٹیپو نے جنگ سے احتراز کیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ ۱۵ اور ۱۶ مارچ کو اس نے انگریزوں پر حملہ کیا مگر اسے پسپا ہونا پڑا۔ بہرحال ۶ مئی کو وہ منگلور بازار پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن قلعہ کو تسخیر کرنے کی جدوجہد میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تاہم انگریز زیادہ عرصہ تک ٹِکے نہیں رہ سکے۔ یہ سن کر کہ ٹیپو کو چار ہزار پیادوں اور دو ہزار سواروں کی کمک پہنچی ہے توپ گاڑیاں بھی آئی ہیں اور حیدر خود ٹیپو کی مدد کے لیے ساحل پر پہنچ گیا ہے، انگریزوں نے قلعہ خالی کرنے کا فیصلہ کیا اور کچھ ایسے دہشت زدہ ہو کر بھاگے کہ اپنے بیمار اور زخمی ساتھیوں کو بھی وہیں چھوڑ گئے۔ جن میں ۸۰ یورپین تھے اور ۱۸۰ سپاہی تھے اور اسلحہ و گولہ بارود بھی کافی مقدار میں چھوڑا۔[58] اس ہنگامے میں کہتے ہیں کہ سپاہیوں نے خود اپنے یورپین ساتھیوں پر گولیاں چلا دیں۔ اس کے بعد ٹیپو نے منگلور پر قبضہ کر لیا اور جب حیدر وہاں پہنچا تو اس نے انگریزوں کو اپنے مالابار کے باقی مقبوضات سے نکال دیا۔[59] ٹیپو اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو لڑتا رہا یہاں تک کہ مارچ ۱۷۶۹ء کے آخر میں حیدر نے بالکل مدراس کی چوکھٹ پر انگریزوں کو اپنی شرطوں پر صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔

مرہٹہ میسور جنگ (۱۷۶۹ء–72)

نومبر ۱۷۶۹ء میں مرہٹوں نے میسور پر حملہ کر دیا۔ حیدر باقاعدہ جم کر لڑنا نہیں چاہتا تھا اس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ بار بار حملے کر کے دشمن کو زچ کر دے۔ یہاں تک کہ پریشان ہو کر وہ اس کی قلمرو سے بھاگ جانے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ ٹیپو کو بھیجا گیا کہ وہ گھوڑوں کے چارے کو برباد کر دے کنووں اور تالابوں کے پانی کو زہر آلود کر دے اور لوگوں کو ترغیب دے کہ وہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر قرب و جوار کے قلعوں میں چلے جائیں۔ پھر اسے بیدنور کے نواح میں رہنے کا حکم دیا گیا تاکہ پونا سے آنے والے فوجی دستوں کو وہ راستے

ہی میں روکے۔ ٹیپو نے اپنے فرائض منصبی خاصی کامیابی کے ساتھ انجام دیے لیکن فروری 17[illegible]ء میں
حیدر علی نے مرہٹوں کی پیش قدمی روکنے میں مدد دینے کے لیے واپس بلا لیا[60] ٹیپو نے حکم کی تعمیل کی
چنانچہ وہ اس وقت حیدر کے ساتھ تھا جب اُس نے اپنے کمانداروں کے مشورے کے خلاف 15 مارچ
1771ء کی رات کو میلو کوٹ[61] کے قریب کے مورچے سے پیچھے ہٹ کر سرنگا پٹم جانے کا فیصلہ کیا۔ کرامی
کی رائے میں پیچھے ہٹ کر حیدر نے احتیاط اور دُور اندیشی کی طرف سے غفلت برتی اور جو کچھ پیش
کیا گیا اسے کھاپی کر جنگ کے لیے تیار ہوا۔ فوجوں نے اس کی ہدایت کے مطابق منظم ہو کر مارچ
شروع کر دیا[62] اس لیے یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ یہ پسپائی شکست فاش میں تبدیل ہو گئی ٹیپو
جو فوجی سامان کا نگران تھا فوج کے عقب میں تھا۔ حیدر نے اسے بار بار پیغام بھیجے کہ آگے کی صف
میں آجاؤ مگر اس وقت کچھ ایسی افراتفری مچی تھی کہ اگلے دن صبح تک اسے اپنے باپ کا کوئی پیغام نہ مل
سکا۔ ولکس کا بیان ہے کہ جب ٹیپو صبح کو اس کے سامنے آیا تو حیدر نے نہ صرف انتہائی غیر مہذب لہجے
میں اسے مخاطب کیا بلکہ وحشیانہ غیظ و غضب کے عالم میں اپنے ایک خدمت گار کے ہاتھ سے ایک
بڑی سی چھڑی چھین کر ولی عہد کو نہایت غیر شاہانہ اور حقیقی معنوں میں ظالمانہ سزا دی[63] ٹیپو اس ذلت
کو اٹھا کر غم و غصہ سے بیتاب ہو گیا اور باپ کے سامنے سے ہٹتے ہی اس نے اپنی پگڑی اور تلوار زمین پر
پھینک دی اور قسم کھائی کہ آج میں تلوار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

افراتفری میں جب حیدر کے بہت سے کماندار یا تو مارے گئے یا بھاگ گئے یا قید کر لیے گئے تو
ٹیپو ایک گداگر کے بھیس میں سید محمد کے ہمراہ وہاں سے بھاگ نکلا[64] اور سرنگا پٹم میں اپنے باپ سے جا
ملا۔ اس وقت حیدر ٹیپو کے چھٹ جانے کے غم سے بے قابو ہو کر حضرت قادر ولی کے مزار پر جو قلعے کے
شمال مشرق میں واقع ہے اس کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہا تھا[65]

مرہٹوں نے اگرچہ حیدر کو شکست دے دی تھی تاہم اپنی کامیابی کو وہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے لوٹ
مار میں وہ اس قدر الجھے کہ سرنگا پٹم کے قریب پہنچنے میں انھیں دس دن لگ گئے۔ اس اثنا میں حیدر نے اپنے
صدر مقام کے انتظامات مکمل کر لیے جب محاصرہ شروع ہوا تو ٹیپو نے مدافعت کے سلسلے میں اہم خدمات
انجام دیں۔ اس نے مختلف حملوں کی قیادت کی اور مرہٹوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا[66] تقریباً
33 دن تک محاصرہ جاری رکھنے کے بعد ترمبک راؤ نے سرنگا پٹم سے اپنی فوجیں ہٹا لیں اور اوائل اکتوبر
میں 35 ہزار فوج لے کر تنجور کی طرف اس نے کوچ کیا۔ وہاں سے وہ بارہ محال اور کوئمبٹور کی غارت
گری اور لوٹ مار کے لیے بڑھا۔ چنانچہ ٹیپو کو بھیجا گیا کہ وہ ترمبک راؤ کو زچ اور پریشان کرے اور

اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دئیے[67]۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ صرف چھ ہزار سواروں سے مرہٹوں کی بڑی فوج کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ اس لیے اس نے ساج دھانی کو واپس جانے کا فیصلہ کیا لیکن واپس جاتے ہوئے راستے میں اس نے مرہٹوں کے فوجی دستے کو شکست دینے اور لوٹنے میں کامیابی حاصل کی۔[68]

جنگ کے شروع میں ٹیپو کا مستقر بیدنور کا صوبہ مقرر کیا گیا تھا اور مرہٹوں کے رسل و رسائل کے راستوں کو بند کرنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی تھی۔ یہ کام اس نے بہت کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ لیکن جب اسے وہاں سے بلایا گیا۔ تو مرہٹوں کی فوجیں بلا کسی خاص دشواری کے پونا سے رسد حاصل کرنے لگیں۔ اس لیے حیدر نے ٹیپو کو اپنی ہنگامی فوج کے ممتاز افسر سری نواس براکی کے ہمراہ چار ہزار سواروں کے ساتھ دوبارہ بیدنور کے اطراف میں بھیجا۔ حیدر کا منصوبہ کامیاب رہا کیونکہ نوجوان شہزادے نے بڑی مقدار میں سامان رسد پر قبضہ کر لیا جو پونا سے آ رہا تھا۔[69] گرانٹ ڈف کا بیان ہے کہ اس تمام مدت میں یہی ایک کامیابی تھی جو اس کی (حیدر کی) فوج کو حاصل ہوئی۔" جولائی 1772ء میں حیدر مرہٹوں کے ساتھ ایک ذلت آمیز صلح پر راضی ہو گیا۔

نومبر 1772ء میں پیشوا مادھوراؤ کا انتقال ہو گیا۔ یہ حادثہ پونا میں برپا ہونے والے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھا جس کو حیدر جیسا ماہر سیاستداں اپنی مقصد براری کے لیے کام میں لانے سے چوک نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ٹیپو کو اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے بھیجا جس کو مرہٹوں نے اس سے چھین لیا تھا۔ ٹیپو نے پہلے سیرا کا محاصرہ کیا اور تین مہینے کی جد و جہد کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے مداگری[70] پر حملہ کیا۔ جو چار دن میں فتح ہو گیا پھر اس نے گورم کونڈا اور چنارایا درگا کو[71] سر کیا۔ اور ہوسکوٹ[72] کی تسخیر میں حیدر کی مدد کی۔ 1775 میں ٹیپو نے بلاری کو فتح کرنے میں بھی اپنے باپ کی مدد کی جو بسالت جنگ کا علاقہ تھا۔ 1778 میں دس ہزار منتخب سواروں کے ساتھ اس نے دھارواڑ پر حملہ کیا، جہاں تین ہزار محافظ فوج تعینات تھی۔ اس نے قصبہ کو اور ٹکسال کو لوٹ لیا۔ مگر قلعہ پر اس کا قبضہ نہ ہو سکا اور اسے پسپا ہونا پڑا۔ بہر حال مرکزی فوج کی طرف واپس جانے میں اس نے ہبلی کو تسخیر کر لیا۔ اور فروری 1779ء میں جب حیدر نے چیتل درگ پر حملہ کیا تو اس قلعہ پر قبضہ کرنے میں ٹیپو نے اس کی مدد کی۔[73]

اسی طرح 1774ء اور 1778 کے درمیان حیدر نے ٹیپو کی مدد سے ترنا بھدرا تک وہ تمام علاقہ ہی دوبارہ فتح نہیں کر لیا جو مرہٹوں نے پچھلی جنگوں میں اس سے چھین لیا تھا بلکہ آن کی قلمرو کا

وہ حصہ بھی سر کر لیا جو تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیان میں ہے۔

دوسری اینگلو میسور جنگ

20 جولائی 1780ء کو حیدر علی نوے ہزار سپاہیوں کی فوج کے ساتھ چنگاما کی گھاٹی سے تیزی سے گزرتا ہوا کرناٹک پہنچا۔[74] اپنے دوسرے بیٹے کریم کو اس نے پورٹو نور پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور خود اپنے بڑے بیٹے ٹیپو کے ساتھ ارکاٹ کے محاصرہ کے لیے آگے بڑھا۔

جب کرناٹک پر حیدر کے حملے کی خبر مدراس پہنچی تو گورنر کونسل نے فیصلہ کیا کہ کمپنی کی مرکزی فوج کو سر ہیکٹر منرو کی ماتحتی میں کنجیورم کے نزدیک مجتمع اور منظم کیا جائے اور وہیں گنتور کی فوجیں کرنل بیلی کی کمان میں اُن سے آکر مل جائیں۔ اس کے بعد میسوریوں کے خلاف فوجی نقل و حرکت شروع کی جائے۔[75] 25 اگست کو منرو مدراس سے روانہ ہوا اور چار روز بعد کنجیورم پہنچا اور وہاں بیلی کا انتظار کرنے لگا۔ اس نقل و حرکت کا حال معلوم کرنے کے بعد حیدر نے دس ہزار فوج اور اٹھارہ توپوں کے ساتھ ٹیپو کو روانہ کیا تاکہ وہ بیلی کی فوج کا راستہ روکے اور اسے منرو کی فوج تک نہ پہنچنے دے۔[76] خود حیدر نے ارکاٹ کا محاصرہ اٹھا لیا اور کنجیورم کی طرف کوچ کیا تاکہ وہ منرو کی نقل و حرکت پر نظر رکھے اور واقعات کا رخ دیکھے۔

پہلی شکست

بیلی فوج کے ایک دستے کے ساتھ جس میں 107 یوروپین 606 2 سپاہی اور 9 توپیں تھیں دریائے کورتالیار پر 25 اگست کو پہنچا دریا اس وقت خشک تھا اس لیے اسے دریا کو پار کر لینا چاہیے تھا لیکن اس کے بجائے اس نے دریا کے شمالی کنارے پر پڑاؤ ڈالا یہ بڑی سخت غلطی تھی۔ اسی رات دریا میں سیلاب آگیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ 3 ستمبر تک دریا کو پار نہ کر سکا۔ 6 ستمبر کو وہ کسی نہ کسی طرح پیرم بکم پہنچا جو کنجیورم سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔[77] اسی دن ٹیپو نے حملہ کر دیا جو بیلی کو اسی دن سے پریشان کر رہا تھا جب وہ دریا کے جنوبی کنارے سے روانہ ہوا تھا۔

انگریزوں نے ایک نہایت کارآمد مقام پر قبضہ کر لیا تھا دو تالابوں اور دلدلوں نے اس جگہ کو تقریباً ہر طرف سے اپنی پناہ میں لے رکھا تھا۔ اس کے باوجود ٹیپو کا جوش قابو سے باہر تھا۔ اس نے حملہ کر دیا اور اُس کی پیادہ فوج اس عمدہ ترتیب اور تنظیم کے ساتھ بڑھی کہ بیلی کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ خود منرو اس کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ لیکن بیلی کی فوج کے بازوؤں پر جب ٹیپو کے سواروں نے بان پھینکنے شروع

کیے تو انگریزوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انھوں نے فوراً اپنی توپوں کے دھانے کھول کر جوابی حملہ کیا جس کے سامنے ٹیپو کی پیادہ فوج کو جھکنا پڑا۔ اس کے بعد ٹیپو اپنے سواروں کو لے کر حملے کے لیے بڑھا تو ایک پیچ و خم کھاتا ہوا دریا انگریزوں کو نجات دلانے کے لیے حائل ہو گیا اور اس نے میسوریوں کے دریا کو عبور کرنے اور دشمن تک پہنچنے کی راہیں روک دیں۔ یہ معرکہ تین گھنٹے جاری رہا بالآخر سو آدمیوں کو دشمن کی گولہ باری کی نذر کر کے ٹیپو کو پسپا ہونا پڑا۔[78] اس نے اپنے باپ کو اطلاع دی کہ بغیر مزید کمک کے بیلی کو پسپا کرنے کے مقصد میں اسے کامیابی نہ ہو سکے گی چنانچہ حیدر نے محمد علی کی قیادت میں ایک ڈویژن بھیج دی۔[79] اسی طرح بیلی نے بھی جس کے ڈھائی سو آدمی مارے گئے تھے یا زخمی ہوئے تھے[80] منرو کو لکھا کہ کنجیورم پہنچنے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور اُسے امید ہے کہ سپہ سالار پیرم بکم[81] میں اس کی مدد کے لیے جلد پہنچ جائیں گے۔ ۹ ستمبر کی صبح کو ایک ہزار آدمیوں کی کمک کرنل فلیچر کی قیادت میں منرو نے اس کے پاس بھیج دی اور وہ اسی رات کو پیرم بکم سے چل پڑا۔ ابھی اس نے آدھا میل کی مسافت بھی طے نہیں کی تھی کہ ٹیپو نے انگریزی فوج کو اس کے پچھلے حصہ پر گولہ باری کر کے اور بائیں پھینک کو پھر پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس پر بھی بیلی آگے بڑھتا ہی رہا۔ لیکن جب کنجیورم صرف نو میل رہ گیا تھا، بیلی نے فلیچر کی صلاح کے خلاف جو اُس کا نائب تھا رات کے بقیہ حصے کے لیے پڑاؤ کرنے کا فیصلہ کیا یہ اس نے کچھ تو اس لیے کیا کہ اس کے تھکے ہوئے فوجیوں کو تھوڑا سا آرام مل جائے اور کچھ اس خیال سے کہ صبح تک منرو اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا۔[82] لیکن چونکہ منرو نہیں آیا اُس کے لیے اس کا پڑاؤ ڈالنا غیر ضروری اور تباہ کن ثابت ہوا۔ ٹیپو نے اس سے فائدہ اٹھانے میں سستی سے کام نہیں لیا۔ اس نے رات میں اپنی توپوں کو عمدہ اور مناسب موقع پر لگانے کا حکم دیا اور فوراً اپنے باپ کو لکھا کہ مرکزی فوج لے کر مدد کے لیے پہنچ جائے۔ حیدر نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ منرو اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ بڑی تعداد میں اُس نے اپنے پیادوں اور سواروں کو شام کے وقت ٹیپو کی مدد کے لیے بھیج دیا ۔ اور اگلے دن صبح چار بجے وہ خود بیلی پر حملے میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ منرو کی غفلت برابر جاری رہی، چنانچہ انگریزی فوجوں نے صبح پانچ بجے کوچ شروع کیا۔ ابھی وہ چھ میل سے زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے کہ ٹیپو نے فوج کے پچھلے حصّے پر زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ حیدر کے سواروں کا رسالہ اُن کے میمنہ اور میسرہ پر نمودار ہوا۔ اس کے باوجود بیلی نے پیش قدمی جاری رکھی اور بڑی دلیری کے ساتھ دشمن کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن دشمن کی گولہ باری ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی اس لیے پولیلور[83] گاؤں کے قریب اُس نے قیام کیا اور دشمن کے توپ خانے پر گولے برسائے۔ اس کے ساتھ ہی سپاہیوں کی دس کمپنیوں کو کپتان رمزی کپتان گارڈنر کے زیرِ کمان ٹیپو کے توپ خانے پر اک دم دھاوا کرنے کا حکم دیا۔ تین یا چار توپوں پر قبضہ کر

کر لینے میں وہ کامیاب ہو گئے لیکن آگے بڑھنے میں چوں کہ بے ترتیبی اور انتشار پیدا ہو گیا تھا اس لیے اُن توپوں کو انھیں چھوڑ دینا پڑا۔ اس افراتفری کے عالم میں میسور کی سوار فوج کی ایک بڑی تعداد نے اُن پر حملہ کر دیا اور اُن میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔[84] ایک گھنٹے کے بعد حیدر خود حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ پہلے تو اس کی فوج کو انگریزوں نے منرو کی فوج سمجھ لیا اور ہر ایک نے چیخ چیخ کر خوشی کے نعرے لگائے۔ مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ نئی فوج منرو کی نہیں بلکہ حیدر کی ہے تو اُن کی خوشی دہشت اور سراسیمگی میں بدل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حیدر کی سوار فوج نے اُنھیں گھیر لیا اور اس کی توپوں نے اس پر دو رخی باڑھ سے حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے اپنی فوج کو بہ شکلِ مربع ترتیب دیا اور میسوریوں کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مگر اس کے بعد جلد ہی للی نے یہ دیکھ کر کہ انگریزوں نے اپنا گولہ بارود ایک چھوٹی سی جگہ گھاٹی کے پیچھے رکھ چھوڑا ہے اپنے گولہ اندازوں کو اسے نشانہ بنانے کا حکم دیا۔ انگریزوں کی تین گولہ بارود لے جانے والی گاڑیوں کو اُڑا دینے میں انھیں کامیابی بھی ہوئی۔ اس سے انگریزوں کی فوج میں سراسیمگی پیدا ہو گئی جس سے فائدہ اُٹھا کر سواروں کے رسالے نے ایک تازہ حملہ کر دیا۔ ہندوستانی سپاہی جن پر حملوں کا بیش تر بار آ پڑا تھا یک سر پست ہمت ہو گئے۔ وہ اب یا تو مارے گئے یا بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاہم بیلی نے یورپینوں کو دوبارہ لڑنے کے لیے مجتمع کیا لیکن ان میں بھی ابتری اور انتشار تھا۔ بیلی کو جلد اندازہ ہو گیا کہ اب مقابلہ بے سود ہے اور اس نے اطاعت قبول کر لی۔ 200 یورپین جن میں پچاس افسر تھے اور اُن میں سے اکثر زخمی تھے گرفتار کر لیے گئے۔[85] بیلی کی کل فوج کے 3853 آدمیوں میں یہی باقی بچے تھے۔ میسوریوں کے بھی دو تین ہزار آدمی کام آئے۔[86] جب انگریز قیدی حیدر کے سامنے لائے گئے تو اُسے اُن کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ وہ اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک کپڑا اور ایک ایک روپیہ دیا۔[87] اس کے بعد اُنھیں سرنگاپٹم بھیج دیا گیا۔ ولکس کا یہ کہنا خلافِ حقیقت معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کو امان دینے کے بعد بھی اُن کی خون ریزی جاری رہی۔[88]

"بیلی کی فوج کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ سر ٹامس منرو کے نزدیک "ہندوستان میں اس سے زیادہ شدید ضرب انگریزوں پر کبھی نہیں پڑی"[89] اور اس کا حقیقی ذمہ دار منرو تھا جو اپنے گولہ بارود کے ذخیرے اور بھاری توپوں کی خاطر کنجیورم کیمپ سے نہیں ہلا اور آخر کار جب وہ صبح کو حرکت میں آیا بھی تو اُس کے مارچ کی رفتار اتنی سست تھی کہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی بیلی کو مصیبت سے چھٹکارا دلانے کا وقت گزر چکا تھا۔ انگریزی فوج کی تباہی کا حال سن کر وہ کنجیورم کو لوٹ گیا۔ بیلی کی شکست سے بد دل ہو کر اور یہ دیکھ کر کہ سامانِ خورد و نوش ختم ہو چکا ہے اور صرف اتنا رہ گیا ہے کہ مشکل سے ایک روز کے لیے کافی ہو سکتا ہے اس نے

مدراس واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ بھاری توپیں اور وہ تمام گولہ بارود جس کا لے جانا مشکل تھا۔ ایک بڑے تالاب میں پھینک دیا گیا۔[90] ۱۱ ستمبر کو صبح تڑکے واپسی شروع ہوئی۔[91] اگر بیلی کی شکست کے بعد حیدر علی اپنی تمام فوج کے ساتھ منرو پر حملہ کر دیتا تو وہ نہ صرف اس کی فوج کو مسمار کر دیتا بلکہ مدراس کے دروازے تک اس کا کوئی قابلِ ذکر مقابلہ ہی نہ کیا جاتا۔ سر آئر کوٹ نے لکھا ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر حیدر علی اپنی کامیابی کے بعد اسی وقت استقلال کے ساتھ مدراس کے دروازے تک بڑھتا چلا جاتا تو وہ اس اہم فوجی قلعہ پر قبضہ کر لیتا"[92] لیکن حیدر سے چوک ہوئی وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکا اور اپنی ساری فوج کو بھیجنے کے بجائے اس نے تھوڑی سی سوار فوج کے ساتھ ٹیپو کو منرو کا تعاقب کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ٹیپو نے انگریزی فوج کو چنگل پٹ جاتے ہوئے بار بار حملے کر کے پریشان کیا اُن کا تمام سامان چھین لیا اور پانچ سو آدمیوں کو قتل اور زخمی کیا۔ تاہم[93] منرو 12 دسمبر کی صبح کو چنگل پٹ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور کرنل کوسی کی کمان میں جنوب سے آئے ہوئے فوجی دستے کے ساتھ مل کر اگلے دن دوبارہ مارچ شروع کر دیا اور ۱۵ ستمبر کو بہ حفاظت مار میلا نگ پہنچ گیا جو مدراس کے جنوب میں تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۹ ستمبر کو حیدر کنجیورم سے ارکاٹ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ارکاٹ کا محاصرہ منرو کے قریب آجانے کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا تھا اس مقام کو ایک یورپین انجینیر کی نگرانی میں مضبوط کر دیا گیا تھا لیکن چھ ہفتے کے بعد اس کے دفاع میں دو شگاف پیدا ہو گئے۔ 31 اکتوبر کو ٹیپو اور مہامرزا خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ دھاوا بول دیں۔ ٹیپو تو اپنی کوشش میں ناکام رہا لیکن مہامرزا خاں ایک شگاف کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹیپو نے فوراً اپنے آدمیوں کو سنبھالے کر پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ وہ کامیاب ہوا اور آسانی سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر کے ہاتھ سے نکل جانے پر محافظ فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس نے اطاعت قبول کر لی۔ شرائطِ صلح اُن کے لیے مناسب تھے اور حیدر نے بڑی سختی سے ان کی پابندی کی۔

ارکاٹ کی فتح کے بعد ٹیپو کو حکم دیا گیا کہ ست گڑھ، انبور اور تیاگ گڑھ پر حملے کے لیے مارچ کرے۔[94] ست گڑھ ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں دو ہزار محافظ فوج تھی اور سامانِ خورد و نوش اور گولہ بارود طویل عرصے کا محاصرہ برداشت کرنے کے لیے موجود تھا۔ لیکن جب ٹیپو نے اس مقام کو گھیر لیا تو ولی محمد خاں نے جو قلعہ کا کمانڈنٹ تھا میسور کی فوجی طاقت کا اندازہ کر کے جی چھوڑ دیا اور 13 جنوری 1781ء کو ہتھیار ڈال دیے اور اطاعت قبول کر لی۔[95]

اسی عرصے میں ٹیپو نے تیاگ گڑھ کو بھی مسمار کر دیا۔ قلعہ کی دیواریں چار ہفتہ کی گولہ باری سے

شکستہ ہو گئیں۔ اب ٹیپو حملے کے لیے تیار ہوا لیکن پانی کے ذخیرے میں کمی کی وجہ سے کمانڈنٹ رابرٹس ہتھیار ڈالنے پر راضی ہو گیا۔[96] چنانچہ ٹیپو نے گولہ باری بند کر دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن رات کو بارش ہو گئی جس کی وجہ سے محافظ فوج کو عارضی طور پر نجات مل گئی اور چونکہ رابرٹس کو یہ خبر بھی ملی تھی کہ سر آئرکوٹ اس کی مدد کے لیے بہت جلد آ رہا ہے اس لیے اگلے دن صبح کو اطاعت قبول کرنے کے بجائے جیسا کہ آپس میں طے ہوا تھا رابرٹس نے قلعہ سے گولے برسانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ جنگ پھر شروع ہو گئی مگر محافظ فوج کو اپنی مفلوک الحالی کی وجہ سے ہزیمت اٹھانی پڑی کیونکہ آئرکوٹ کمک پہنچانے سے قاصر رہا تھا۔ تیاگ گڑھ کی طرف صرف ایک بار بڑھنے کے بعد وہ سست اور بے حرکت ہو گیا۔ خاص طور پر اس لیے کہ اُس کے پاس فوجی ساز و سامان کی قلت تھی۔ اس لیے کمانڈنٹ رابرٹس نے پھر صلح کی پیش کش کی۔ مگر اس مرتبہ ٹیپو نے اس کی درخواست پر غور کرنے سے انکار کر دیا اور قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اور دوسرے افسر گرفتار کر لیے گئے۔[97] اس کے بعد ٹیپو نے اس علاقے کے دوسرے قلعوں پر حملہ کیا اور بغیر کسی دشواری کے ایک ایک کر کے سب پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ کے پاس چلا گیا جو اپنی بڑی فوج کے ساتھ ارکاٹ میں تھا یہاں حیدر علی نے اسے بہت سے تحفے عطا کیے۔[98]

کچھ ہی عرصے بعد حیدر علی نے ٹیپو کو حکم دیا کہ وہ ونڈی واش کا دوبارہ محاصرہ کرے۔ جنوری 1781ء میں سر آئرکوٹ کے وہاں پہنچنے کی وجہ سے یہ محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ ٹیپو نے 22 جون کو تیرہ قلعہ شکن توپوں اور کافی فوج[99] کے ساتھ اس مقام پر حملہ کیا اور پیٹھ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے قلعہ کا محاصرہ کرنے کی تیاریاں کیں اور اسے پورے طور پر گھیر لیا لیکن قلعہ کی دیوار میں سوراخ کرنے کے لیے قلعہ شکن توپوں کے دہانے وہ کھولنے ہی والا تھا کہ اسے حیدر کا حکم ملا کہ سیڑھیوں سے چڑھ کر وہ قلعہ کو فتح کرے اور اس کے بعد اس انگریز فوج کو راہ میں روکنے کے لیے بڑھے جو بنگال سے خشکی کے راستے آ رہی تھی۔ لہٰذا ٹیپو کو حملہ کرنے کا منصوبہ بدلنا پڑا۔ 16 جولائی کی رات کو اُس نے سیڑھیوں سے قلعہ پر چڑھنے کی کوشش کی مگر وہ پسپا کر دیا گیا کیوں کہ کپتان فلنٹ کو حملے کے قریب الوقوع ہونے کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ مقابلے کے لیے تیار تھا اور کچھ اس لیے بھی کہ پورٹو نووو پر آئرکوٹ کے ہاتھوں حیدر کی شکست کی خبر نے حملہ آوروں کے حوصلے پست کر دیے تھے۔[100] اس ناکامی کے بعد جب ٹیپو نے سنا کہ آئرکوٹ قلعہ ونڈی واش کی گلو خلاصی کے لیے کانگی تک پہنچ چکا ہے تو اس نے محاصرہ اٹھا لیا اور اُن انگریزی فوجوں کو راستے میں روکنے کے لیے کنجیورم کی طرف

بڑھا جو کرنل پیرس کی قیادت میں بنگال سے بھیجی گئی تھیں اُس نے گمڈی پنڈی[101] کے مقام پر جو مدراس سے نیلور جانے والی شاہ راہ پر آدھے راستے پر واقع ہے اپنی فوجوں کو جمع کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فوج عام راستے سے آئے گی لیکن پیرس نے قریب کا راستہ اختیار کیا گو وہ دشوار گزار تھا، یہ راستہ پولیکاٹ کی جھیل اور سمندر کے درمیان ساحل کے قریب سے گزرتا ہے۔ پیرس 2ر اگست کو پولی کاٹ پر کوٹ سے مل گیا[102] اس طرح جب ٹیپو پیرس کی فوج کو راستے میں نہ روک سکا تو وہ اگست کے پہلے ہفتے میں اپنے باپ کے پاس ارکاٹ میں واپس آ گیا۔

برتھ ویٹ کی شکست

ارکاٹ سے ٹیپو کو تنجور بھیجا گیا جہاں اس نے 18ر فروری 1782ء کو کرنل برتھ ویٹ کو تباہ کن شکست دی برتھ ویٹ تنجور میں کمپنی کی فوج کا کمان دار تھا جس میں سو یورپین پندرہ سو ہندوستانی سپاہی اور تین سو سواروں کا رسالہ تھا۔ وہ دریائے کولیرون کے کنارے کمبا کونم گاؤں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، جو اگرچہ ایک کھلے میدان میں تھا تاہم بڑے بڑے اور گہرے دریا چونکہ بیچ میں حائل تھے اس لیے وہ خود کو کسی ناگہانی حملے سے محفوظ سمجھتا تھا۔ ٹیپو نے تنجور پر دس ہزار سواروں اور اتنی ہی پیدل فوج اور بیس توپوں سے حملہ کیا اور چار سو یورپین سپاہی بھی للی کے زیر کمان اس کے ساتھ تھے۔ کئی مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے انگریزوں پر حملہ کیا اور اس تیزی اور پھرتی سے ان پر ٹوٹ پڑا کہ انگریز ہکا بکا رہ گئے۔ کرنل برتھویٹ نے تنجور واپس جانے کی کوشش کی، مگر دشمن نے اُسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اس لیے یہ ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو بشکل مربع اس طرح ترتیب دیا کہ توپ خانہ باہر رکھا اور سواروں کا رسالہ بیچ میں اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ میسوریوں کی توپوں کی مسلسل گولہ باری اور اُن کے سواروں کے حملے نے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہنچایا تاہم اس نے بہادری کے ساتھ تقریباً 26 گھنٹے (16ر فروری سے 18ر فروری تک) قدم جمائے رکھے لیکن برتھ ویٹ اس آخری حملے کی تاب نہ لا سکا جو موسیو للی نے اپنے چار سو یورپین اور میسوری سواروں کے رسالے کی ساتھ کیا تھا۔ اس کی ساری فوج خوف و دہشت میں مبتلا ہو گئی[103] لہٰذا برتھ ویٹ نے پناہ کی درخواست کی جو فوراً منظور کر لی گئی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر للی نے مصالحت نہ کرائی ہوتی تو انگریزی فوج بے دردی سے قتل کر دی جاتی حقیقت یہ ہے کہ جب برتھ ویٹ نے عارضی صلح کا جھنڈا بھیجا تو اس کے بعد ایک آدمی بھی نہیں مارا گیا گو اس کے فوجیوں کو

گرفتار کر لیا گیا،[154] تاہم ان کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ ان میں سے ایک قیدی کا بیان ہے کہ ٹیپو نے "اس بات کا بہت خیال رکھا کہ ہماری تمام ضرورتیں پوری کی جائیں اس نے ہمیں نہ صرف کپڑے اور روپیہ ہی دیا بلکہ اسی کے ساتھ اپنے تمام کیل داروں کو حکم دیا کہ حیدر علی کی فوج کی طرف کوچ کے دوران جو اس وقت کنجیورم میں ٹپاؤ ڈالے ہوئے تھا ہماری ضرورتوں کا خیال رکھا جائے۔"[155]

برتھ ویٹ پر ٹیپو کی فتح کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کوٹ کے منصوبوں کو بالکل درہم برہم کر دیا اور سلطان کو اس کا موقع دیا کہ وہ تنجور کے ایک بڑے حصے پر آسانی سے قبضہ کر لے۔ ٹیپو نے جنوب میں فوجی نقل و حرکت اس وقت تک جاری رکھی جب تک حیدر نے اسے حکم نہ دیا کہ وہ ان فرانسیسی فوجوں سے جا کر مل جائے جو 25 فروری 1782ء کو ڈوچے من کی قیادت میں پورٹو نووو پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ وہ پورٹو نووو کی طرف روانہ ہوا اور فرانسیسیوں سے مل گیا۔ مارچ کے آخر میں وہ ان کے ساتھ کڈالور کی طرف بڑھا اور 2 اپریل کو اس کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ دفاع کا انتظام ناقص تھا اس لیے فوج نے اگلے ہی دن شام کو ہتھیار ڈال دیے۔ یہ مقام فرانسیسیوں کے بحری جہازوں کے لیے اور فوجی دستوں کے لیے بھی نہایت موزوں ثابت ہوا۔ یکم مئی کو ٹیپو فرانسیسی فوجوں کے ساتھ کڈالور سے کوچ کر کے اپنے باپ کی فوجوں کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ متحدہ فوجیں پیرومکل کی طرف روانہ ہوئیں جو پانڈیچری کے شمال مغرب میں تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی قلعہ ہے اور 11 مئی کو اس مقام کے سامنے پہنچ گئیں۔ جیسے ہی کوٹ کو اس کی اطلاع ملی وہ فوراً اعانت کے لیے روانہ ہو گیا لیکن شدید طوفان باد و باراں نے اس کی رفتار سست کر دی اور جب وہ کرنگولی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ پیرومکل نے تو 16 مئی کو اطاعت قبول کر لی۔[156] پیرومکل سے متحدہ افواج نے ونڈی واش کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پہنچے ہوئے ابھی انھیں چار ہی روز ہوئے تھے کہ انگریزوں کے قریب آنے کا حال معلوم ہوا اس لیے وہ پانڈیچری کی طرف چلے گئے۔ کوٹ نے جو حیدر سے نبرد آزمائی کے لیے بے چین تھا اس کا پیچھا کیا۔ حیدر نے کلیانور کے قریب، جو پانڈیچری کے شمال مغرب میں چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، خندقوں سے خود کو محصور کر لیا جہاں اس کی حالت مضبوط اور مستحکم ہو گئی انگریز جنرل نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ دشمن کی منتخب کی ہوئی جگہ پر اس سے جنگ کرنا خطرناک ہوگا۔ 30 مئی کو ارنی کی طرف کوچ کیا[157] جو اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے حیدر کے فوجی سامان کا خاص گودام تھا۔ کوٹ نے سوچا اگر ہم اس مقام کی طرف بڑھیں گے تو میسوری فوج کلیانور کا مضبوط مورچہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس کا

خیال صحیح تھا کیونکہ[108] جیسے ہی حیدر نے اس اقدام کی خبر سنی اس نے ٹیپو کو ارنی کی طرف بڑھنے اور اس مورچے کو کمک پہنچانے کا حکم دیا۔ اگلے دن وہ خود بھی اپنے فرانسیسی حلیفوں کو ساتھ لیے بغیر روانہ ہوا کیوں کہ انھوں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ٹیپو کوچ پر کوچ کرتا ہوا للی کے ساتھ تیزی سے ارنی پہنچا اور ۲ر جون کو ایک اہم جگہ پر قبضہ جما لیا۔ دوسری جون کو صبح آٹھ بجے جب آگے چلنے والا گارد قلعہ کے پاس والے میدان میں پہنچا جہاں کوٹ پڑاؤ ڈالنا چاہتا تھا تو حیدر نے بہت تیزی سے، گو ذرا فاصلے سے قلعہ کے پچھلے حصّہ پر گولہ باری شروع کر دی۔ اسی کے ساتھ ٹیپو نے آگے کی صف کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا۔[109] انگریزوں کی فوج کے لیے جو ایک خالی میدان میں چاروں طرف سے گھری ہوئی تھی، یہ بڑا پریشان کن موقع تھا۔[110] تاہم دس بجے تک کوٹ نے صورتِ حال سنبھال لی اور حیدر پر حملہ کر دیا جو پسپا ہو کر دریائے ارنی کے پار چلا گیا اور ایک توپ گولہ بارود سے بھری ہوئی پانچ گھوڑے گاڑیاں اور آلات جنگ سے لدے ہوئے دو چھکڑے چھوڑ گیا جو دریا کی تہہ میں دھنس گئے تھے۔[111] غالباً یہ موقع شناسی کی پسپائی تھی۔[112] کیونکہ جب ۴ر جون کو کوٹ دوبارہ محاصرہ ارنی کا کرنے کے لیے واپس آیا تو اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ حیدر ابھی تک آس پاس کے علاقے میں موجود ہے اور ٹیپو نے نہ صرف اپنی محافظ فوج کو زیادہ مضبوط کر لیا ہے بلکہ ارنی سے خزانہ بھی ہٹا لیا ہے اس صورت میں کورٹ کا وہاں قیام لا حاصل تھا چنانچہ وہ مدراس واپس چلا گیا۔[113]

اس کے بعد ٹیپو نے تنجور میں اپنی فوجی سرگرمیاں اس وقت تک جاری رکھیں جب تک کہ نومبر میں حیدر نے اسے مغربی ساحل کی طرف بڑھنے کا حکم نہ دیا تاکہ وہ مالاباری مقبوضات کی حفاظت کرے جن کو کمپنی کی فوج سے خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔

ٹیپو کو مالابار بھیجا جاتا ہے

میجر ابنگٹن نے ۱۸ر فروری ۱۷۸۲ء کو سردار خاں کو شکست دی جس نے ٹیلی چیری کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کا سارا فوجی ساز و سامان ضائع ہوا اور اپنے بارہ سو آدمیوں کے ساتھ وہ خود بھی گرفتار کر لیا گیا۔[114] اپنی شکست سے وہ اس قدر نادم ہوا کہ اس نے خود کشی کر لی۔[115] انگریزوں نے اس فتح کے بعد اپنی فوجی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اگلے ہی دن فرانسیسیوں کے قلعہ ماہی پر قبضہ کیا اور ۱۳ر فروری کو کالی کٹ تسخیر کر لیا۔[116]

ان نقصانات کا حال سن کر حیدر علی نے مخدوم علی کو مالابار کے ساحل پر بھیجا۔ لیکن وہ بھی ناکام رہا۔

۷ار اپریل کو ٹریکا لور میں جو کالی کٹ کے مشرق میں تقریباً ۱۵ ر میل کے فاصلے پر واقع ہے کرنل ہمبر اسٹون کے ہاتھوں اس نے شکست کھائی اور وہ مارا گیا۔ ہمبر اسٹون کو بمبئی گورنمنٹ نے ٹیلی چری سے میجر میگلین کے ساتھ مالابار ساحل پر حیدر کی ریاست کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا تھا۔[117] اس فتح کے بعد مئی میں ہمبر اسٹون کالی کٹ واپس چلا گیا کیونکہ موسلا دھار بارش نے اور ثابت قدمی کے ساتھ مزاحمت کرنے والے میسوریوں نے اسے پال گھاٹ کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا۔ لیکن مئی کے تیسرے ہفتہ میں وہ پھر کالی کٹ سے روانہ ہوا اور ۲۱ ر ستمبر کو رام گری کوٹا کو فتح کر لیا۔[118] اور پال گھاٹ پر چڑھائی کر دی کئی بار اسے سر کرنے کی کوشش کی مگر وہ مقام بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ آخر کار 21 اکتوبر کو میسوریوں کے ایک مدبرانہ اور دلیرانہ حملے سے مغلوب ہو کر وہ اپنے تمام گولہ بارود اور سامان خورد و نوش سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس لیے اب اُس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جس قدر تیزی سے ہو سکے ساحل کی طرف لوٹ جائے اس کوچ کے دوران میسوری اپنے متواتر حملوں سے اس کی فوجوں کو مسلسل پریشان کرتے رہے۔ وہ فوجوں کے عقب میں میمنہ اور میسرہ پر منڈلاتے رہے۔[119] 18 ر نومبر کو جب وہ رام گری کوٹا پہنچا تو اُس نے ٹیپو کی ایک بڑی فوج کے ساتھ قریب آجانے کی خبر سنی جس میں للی کی فوج بھی شامل تھی۔

مخدوم کی فوج کی تباہی کی خبر حیدر کے لیے بے حد پریشان کن تھی۔ اس نے ٹیپو کو مغربی ساحل کی طرف کوچ کرنے اور وہاں کی حالت کو سنبھالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جوں ہی موسم نے ساتھ دیا ٹیپو کارور کے نواحی علاقے سے پال گھاٹ کی مدد کے لیے عجلت کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہاں وہ 16 نومبر کو پہنچا یہ معلوم کر کے کہ ہمبر اسٹون وہاں سے جا چکا ہے وہ فوراً اس کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا۔ ۱۹ ر نومبر کی صبح کو ٹیپو کی آگے چلنے والی فوج نے اس انگریزی فوج کو جا لیا جو رام گری کوٹا سے صرف چند میل آگے بڑھی تھی۔ ہمبر اسٹون تیزی سے پسپائی پر مجبور ہوا۔[120] ٹیپو برابر اس کا پیچھا کرتا رہا اور دن بھر انگریزی فوج پر گولہ باری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شام کو اندھیرا چھا جانے کے وقت وہ ندیائے پونانی پر پہنچ گیا۔ ٹیپو نے اب تک اُس مہم کا انصرام بہت تیزی اور قابلیت سے کیا تھا۔ لیکن دریا پر پہنچ کر اس نے انگریزی فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنے میں بے توجہی برتی۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ندیا ناقابلِ عبور ہے اس لیے انگریزی فوج اس کے رحم و کرم پر ہے اور اس سے بچ کر نہیں جا سکتی۔ اس کی اس غفلت سے انگریزی فوجوں نے فائدہ اُٹھایا۔ عبور کرنے کی ایک نایاب جگہ تلاش کر لی اور رات کی تاریکی میں انھوں نے دریا کو پار کر لیا۔ جیسے ہی ٹیپو کو اس کی خبر ہوئی اس نے انگریزی فوج کا تعاقب کیا

لیکن اُن کو روانہ ہوئے کافی وقت گذر چکا تھا۔ ٹیپو باوجود اپنی تیز رفتاری کے اُن کو نہ پکڑ سکا وہ پونانی[121] کے قصبے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اگرچہ اس بھاگ دوڑ میں وہ اپنا سامانِ جنگ چھوڑ گئے۔[122]

پونانی پہنچ کر ٹیپو نے لی کی مدد سے فوجی نقل و حرکت شروع کی۔ 29 نومبر کی صبح کو اس نے ایک مضبوط اور عمدہ خاکہ بنا کر چار صفوں میں کرنل میکلوڈ کے مورچے پر حملہ کیا جو گذشتہ شام ہمبر اسٹون کی مدد کے لیے کالی کٹ سے آیا تھا۔[123] مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ مورچہ جو میکلوڈ نے بنایا تھا بہت مستحکم تھا اس کے ایک طرف سمندر، دوسری طرف دریا اور سامنے کے رُخ پر جنگل اور دلدل تھا۔ ان قدرتی اسباب کی بنا پر وہ حد درجہ محفوظ تھا۔[124] اس کے باوجود ٹیپو نے شہر کی ناکہ بندی جاری رکھی اور اگر وہ اپنے باپ کی موت کی خبر نہ سنتا اور وہاں واپس ہونے پر مجبور نہ ہو جاتا تو اُسے فتح کر لیتا۔[125]

حیدر کی موت اور اس کا وصیت نامہ

حیدر نومبر 1782ء سے بیمار تھا۔ اس کے دنبل (کاربنکل) نکل آیا تھا۔ شروع شروع میں اس کے معالج اسے ایک معمولی پھوڑا سمجھتے رہے مگر جلد ہی بیماری کی صحیح نوعیت معلوم ہوگئی اور ہندو مسلمان اور فرانسیسی معالجوں کی جان توڑ کوشش کے باوجود اسے صحت نہ ہو سکی۔ اس کی صحت برابر گرتی چلی گئی اور 7 دسمبر 1782ء کو نرسنگھ نرائن پیٹ میں جو چیتور کے قریب ہے ساٹھ برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔[126]

ان دنوں اس امر کے متعلق کہ حیدر نے ٹیپو کو کیا آخری ہدایت کی بہت سی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں افواہیں انگریزوں نے جو پھیلائی تھیں اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ حیدر نے اپنی وفات سے چند روز پہلے ٹیپو کو لکھا تھا کہ انگریزوں کے ساتھ کشمکش بالکل بے نتیجہ اور فضول رہی ہے وہ بہت طاقتور ہیں انھیں کچلا نہیں جا سکتا۔ ان سے صلح کر لینی چاہیے اور آئندہ فرانسیسیوں پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔[127] ایک اور انگریزی ماخذ کے مطابق یہ قیاس کر لیا گیا تھا کہ ٹیپو کو جب وہ اپنے باپ کے آخری رسوم ادا کر رہا تھا تو حیدر کی پگڑی میں سے کاغذ کا ایک پرزہ ملا تھا جس میں اس کو انگریزوں سے صلح کر لینے کی ہدایت کی گئی تھی۔[128] لیکن اس کے برخلاف میچاڈ کا بیان یہ ہے کہ حیدر نے ٹیپو کو نصیحت کی تھی کہ وہ فرانسیسیوں سے اتحاد قائم رکھے کیونکہ صرف انھیں کی مدد سے وہ انگریزوں کو جو ہندوستان میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں، ملک سے باہر نکال سکتا ہے۔[129]

یہ دونوں بیان غیر معتبر معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ اُن میں سے کسی کی بھی تصدیق کسی معتبر معاصر شہادت سے نہیں ہوتی۔ انگریزوں کے بیانات محض آرزومندانہ خیالات ہیں جن سے مدراس گورنمنٹ کی اس خواہش کا پتہ چلتا ہے کہ جنگ جلد ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ اُن کا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا پر یہ ظاہر کر دیں کہ حیدر جیسا طاقت ور فرماں روا آخر میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ انگریز اس قدر قوی ہیں کہ ان پر فتح حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حیدر نے اپنی وفات سے پہلے اپنے سکریٹری کو بلا کر ٹیپو کو یہ لکھنے کا حکم دیا کہ مالابار کے مقبوضات کی حفاظت کا مناسب انتظام کر کے وہ فوراً یہاں آجائے[130]۔ پھر جس دن اس کا انتقال ہوا ہے اس روز سہ پہر کو اس نے پورنیا، کرشن راؤ، شامیا، ابو محمد، میر صادق، محمد علی، بدر الزماں خاں، غازی خاں اور مہا مرزا خاں جیسے اعلیٰ افسروں سے کہا کہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم لوگ اسی وفاداری کے ساتھ ٹیپو کی خدمات انجام دینا جس طرح میری خدمات انجام دی ہیں[131]۔

جیسے ہی حیدر کا انتقال ہوا اس کے اعلیٰ عہدہ داروں نے ایک میٹنگ کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ٹیپو کے وہاں پہنچے تک حیدر کی وفات کو مخفی رکھا جائے تاکہ بغاوت کے امکان کو روکا جاسکے۔ سرجن روزانہ دونوں وقت حیدر کے کیمپ میں آتے رہے اعلیٰ عہدے دار بھی حسبِ معمول پابندی سے حاضر ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ فوج کو تیار رکھا گیا کہ اگر بغاوت نمودار ہو تو اسے کچل دیا جائے۔ خطوط جو باہر بھیجے جاتے تھے اور عام باشندے جو وہاں سے کہیں باہر جاتے تھے ان کی خاص طور پر نگرانی کی جاتی تھی[132]۔ اسی کے ساتھ مہا مرزا خاں کو فوراً بھیجا گیا تاکہ وہ شہزادے کو حیدر کی وفات کی خبر دے۔ ۹ر دسمبر کی رات کو حیدر کی لاش کو ایک تابوت میں رکھ کر محافظوں کے دستے کے ساتھ اس طرح سرنگاپٹم روانہ کیا گیا جیسے کہ وہ ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ لاش کچھ عرصے کے لیے کولار میں فتح محمد کے مقبرے میں رکھی گئی[133]۔ پھر بعد میں اسے سرنگاپٹم میں منتقل کر کے اس عالی شان مقبرے میں دفن کر دیا گیا جو ٹیپو نے بنوایا تھا[134]۔

ہر قسم کی احتیاط کے باوجود حیدر کی موت کی خبر پھیل ہی گئی اور شرپسندوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش بھی کی۔ محمد امین جس کے تحت چار ہزار سوار تھے اور جو حیدر علی کا چچازاد بھائی تھا اس نے بخشی شمس الدین سے ساز باز کر کے موقتی حکومت کا تختہ الٹ کر حیدر کے دوسرے بیٹے عبدالکریم کو تخت پر بٹھانے کا منصوبہ بنایا تھا اُن لوگوں نے عبدالکریم کو اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ کم عقل تھا اور اُس کی آڑ میں حکومت کی باگ ڈور خود اُن کے

ہاتھ میں رہے گی، لیکن اس سازش کا انکشاف ہو گیا۔ بوتھ نوت[135] نے جو ایک فرانسیسی افسر تھا اور اس سازش میں شریک تھا جاں بخشی کے وعدے پر سازش کا سارا راز افشا کر دیا۔ محمد امین اور شمس الدین کے لیے بھی اب قبالِ جرم کے سوا کوئی راہ گریز نہ تھی۔ انھیں ہتھکڑیاں پہنا کر سرنگا پٹم بھیج دیا گیا' بوتھ نوت کو بھی گرفتار کر کے ایک قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ ڈر یہ تھا کہ کہیں وہ مدراس سے خط و کتابت نہ کرے یا ٹیپو کے افسروں کو نہ بھڑکائے۔[136] اسی طرح چند اور فتنہ پردازوں نے سر اٹھانے کی کوشش کی مگر ان سب کو پاولٹ نے دبا دیا جو ڈی آسٹریشیہ رجمینٹ کا دوسرا کپتان تھا اور جو برابر ٹیپو کا حامی اور مددگار رہا تھا۔

ان اکا دکا واقعات کے علاوہ کوئی اہم اور سنگین شورش پیدا نہیں ہوئی اور گورنمنٹ کا کام حسب معمول جاری رہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ فوج ٹیپو کی وفادار تھی[137] اور عام طور پر ٹیپو کی قیادت کی اہلیتوں اور اس کی انسان دوستی کے بارے میں فوج کی رائے نہایت اچھی تھی اور اسے کامل یقین تھا کہ اس کی کمان میں وہ ہمیشہ کامیاب رہے گی۔ کریم کے متعلق فوج کا خیال یہ تھا کہ اسے کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ اس میں زیادہ عقل ہی ہے۔"[138]

21ر دسمبر کو فوج نرسنگ نرائن پیٹ سے روانہ ہوئی اور اگلے دن چکاپور میں پڑاؤ کر کے ٹیپو کا انتظار کرنے لگی۔ یہ مارچ فوج نے بہت باضابطگی کے ساتھ کیا تھا۔ حیدر کی پالکی جس میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ سوار ہے ڈھکی ہوئی تھی اور پورے فوجی اعزاز کے ساتھ لے جائی جا رہی تھی۔[139]

ٹیپو کو اپنے باپ کا خط 11ر دسمبر 1782ء کی سہ پہر کو ملا' وہ اگلے دن صبح کو بہت تیزی کے ساتھ چتور کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ کو ئمبتور پہنچا تو اس نے محمد شتاب[140] کی جگہ سید محمد کو سرنگا پٹم کا کمان دار مقرر کیا اور ارشد بیگ خاں کو جسے حیدر نے مالا بار کی سرکار کا حاکم مقرر کیا تھا حکم دیا کہ وہ پالی گھاٹ پر مدافعت کرتا رہے۔ ابتدا میں تو ٹیپو کے مارچ اس کی فوج کی برداشت کے مطابق تھے لیکن جب اسے معلوم ہو گیا کہ فوج اور بڑے بڑے عہدے دار اس کے حامی اور وفادار ہیں تو ان کی رفتار زیادہ تیز نہیں رہی۔ 28ر دسمبر کو وہ اس کیمپ میں پہنچ گیا جو مرکزی فوج سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر اس کے لیے قائم کیا گیا تھا۔[141] اس نے اپنے خیر مقدم کے تزک و احتشام کو روک دیا اور غروبِ آفتاب کے بعد سادہ انداز میں کیمپ میں داخل ہوا اور اپنے خاص عہدہ داروں کو شرفِ باریابی بخشا۔ وہ اپنے باپ کے غم میں ایک سادہ سے[142] قالین پر بیٹھا ہوا تھا' اگلے دن صبح کو اس نے اپنے بھائی اور ان افسروں کو بلوایا جنھوں نے نہایت سلیقے کے ساتھ اس کی عدم موجودگی

میں امن و امان قایم رکھا تھا اور اُن سے بہت دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ اس نے فوج کے تمام افسروں کو ماتم پرسی کے لیے حاضر ہونے کی اجازت دی۔ پھر رات کو ۹ بجے وہ جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے ساتھ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور "نواب ٹیپو سلطان بہادر" کا لقب اختیار کیا۔ فوج نے 121 توپوں کی اور فرانسیسیوں نے 21 توپوں کی سلامی دی ہے[143]

ٹیپو کو ایک وسیع سلطنت وراثت میں ملی جو شمال میں دریائے کرشنا تک، جنوب میں ٹراونکور اور ڈینا ولی کے اضلاع تک، مشرق میں مشرقی گھاٹ تک اور مغرب میں بحرِ عرب تک پھیلی تھی، اس کے علاوہ سرنگا پٹم کا خزانہ بھی اسے ملا جس میں تین کروڑ روپیہ تھا اور بڑی تعداد میں جواہرات اور بیش بہا اشیا تھیں ہے[144] سرنگا پٹم کے خزانے کے علاوہ ایک اور بڑا خزانہ بیدنور میں بھی تھا مگر اس پر حیدر کی وفات کے فوراً بعد ایاز اور میتھوز نے قبضہ کر لیا۔ مزید براں اس کے باپ نے ایک بڑی فوج چھوڑی جس میں 80 ہزار آدمی تھے۔ محافظ فوجیں اور صوبہ داری فوجیں اس کے علاوہ تھیں ہے[145] اس زمانے میں قطعی طور پر یہ ہندوستان میں بہترین فوجی طاقت تھی۔

اس وقت سب سے زیادہ اہم مسئلہ جنگ جاری رکھنے کا تھا۔ چنانچہ ٹیپو نے جنگی معاملات کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ اس نے فوجیوں کی بقایا تنخواہ کی فوری ادائیگی کی ہدایت کی اور یہ حکم دیا کہ آئندہ سے اُن کی تنخواہیں پابندی کے ساتھ ہر تیس دن کے بعد ملتی رہیں۔ ایک فرانسیسی افسر اس مقصد کے لیے مقرر کیا گیا[146] کہ وہ بے قاعدہ فوج کو دوبارہ ترتیب دے اور باقاعدہ فوج کو منظم کرے، اور اس کا بندوبست کیا گیا کہ فوجیوں کو سامانِ خورد و نوش اور ان کی دوسری ضروریات متواتر مہیا کی جاتی رہیں۔ یہ اس طرح کیا گیا کہ قیمتوں کے مقرر کرنے کے بے ضابطہ کنٹرول کے طریقے کو منسوخ کر دیا گیا تاکہ تاجر سامان مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اس تدبیر کا نتیجہ اسٹوریٹ کے بیان کے مطابق یہ ہوا کہ ٹیپو کے کیمپ میں ضرورت کی چیزوں کی بہم رسانی افراط کے ساتھ ہونے لگی ہے[147] سلطان نے یہ ہدایات بھی جاری کر دیں کہ اس کے افسر جنگی قیدیوں کے ساتھ فراخ دلی اور فیاضی کے ساتھ پیش آئیں لیکن جب وہ ان اصلاحی اور تجدیدی سرگرمیوں میں مصروف تھا تو اسے خبر ملی کہ انگریزی فوج جنرل اسٹورٹ کی قیادت میں ونڈی واش کی طرف بڑھ رہی ہے۔

باب 1 کے حاشیے :

1. کرمانی ص 6 ، تاریخ ٹیپو و61 ب سلطان التواریخ و 8 ، حیدر نامہ ص 81 ۔

2. سلطان التواریخ ، و 8 ، تاریخ ٹیپو و 61 ، حیدر نامہ ص 81۔

کرمانی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپو کے اجداد سولھویں صدی کے اواخر میں شمال مغرب کے خشکی کے راستے سے آئے تھے ۔

3. ایک نامعلوم شخص کی روایت کے مطابق جو کارنامۂ حیدری (ص 94-687) میں محفوظ ہے ٹیپو کا سلسلۂ نسب ایک قریش حسن بن یحیٰی (متوفی 874ھ مطابق 1469ء) جو شریف مکہ تھے۔ اس کا پوتا محمد صنا چلا گیا جو یمن میں ہے۔ وہاں کے حاکم کی لڑکی سے شادی کی اور خسر کے انتقال کے بعد وہاں کا حاکم بنا۔ مگر صنا کے بعض امراء کی سازش سے جو اسے معزول کرنا چاہتے تھے وہ قتل کر دیا گیا۔ لیکن اس کا تیرہ سالہ بیٹا محمد بچ نکلا اور بغداد چلا گیا جہاں اس نے تجارت شروع کی اور بہت جلد کامیاب تاجر بن گیا۔ حسن بن ابراہیم متوفی 1075ھ مطابق 1664ء) جو یحیٰی کی چھٹی پشت میں تھا اور جسے اس کے باپ کے وقت کے ملازموں کی دغابازی نے نادار بنا دیا تھا ترکِ وطن کر کے تلاش معاش کے لیے ہندوستان آیا۔ یہاں اس نے خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کے متولی کے پاس قیام کیا اور اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام ولی محمد رکھا گیا۔ آگے چل کر وہ اپنے بیٹے محمد علی کے ساتھ شاہجہاں آباد آیا اور وہاں سے دہلی چلا گیا۔ اس خاندان کے بقیہ حالات وہی ہیں جو کرمانی نے بیان کیے ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات ممکن ہے کہ صحیح ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حیدر اور ٹیپو کے خاندانی وقار کو بلند کرنے کے لیے یہ شجرہ نسب گھڑ لیا گیا ہو۔ بہرکیف حیدر اور ٹیپو کی تاریخ کے کسی اور ماخذ میں اس کا ذکر مجھے نہیں ملا ہے ۔

4. کرمانی ص 6 ۔ کرمانی نے غلطی سے محمد عادل شاہ کو علی عادل شاہ لکھا ہے۔

5. ایضاً نیز سلطان التواریخ و 81 لیکن اس میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ درگاہ سے کس نے اپنے کو وابستہ کیا تھا۔ شاہ صدر الدین حسینی کے احوال کے لیے دیکھیے : E.I. (New) S.V.

6. بعض ماخذ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ محمد علی بھی سرکار بیجاپور کا ملازم تھا۔

7. کرمانی ص 7-6

8. ایضاً ص 10 تاریخ ٹیپو و 61ب ۔ حیدر نامہ ص 81 میں والی ارکاٹ کا نام دل دلیر خاں بتایا گیا ہے جو غلط ہے ۔

9. ایضاً ص 10-7 ۔ کرمانی کا بیان ہے کہ ارکاٹ سے فتح محمد کے چلے جانے کے سبب وہ جھگڑے تھے جو نواب کی وفات کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن نواب نے 1732ء سے پہلے وفات نہیں پائی۔ فتح محمد کی زندگی کے اس دور کے حالات میں کچھ گڑبڑ ہے ۔

10۔ سیرا ریاست میسور کے ضلع ٹمکور کا ایک قصبہ ہے۔ ڈوڈا پور دریائے ارکاوتی کے داہنے کنارے بنگلور سے 27 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

11. کرمانی ص 13-11 ، wilks: vol. i,PP. 267-8

12. ایضاً ص 268۔ کرمانی کا بیان غلط ہے کہ عباس قلی خاں درگاہ قلی خاں کا بیٹا تھا۔

13. حیدر نامہ، ص 81 یا تاریخ ٹیپو سلطان (و 62 الف) کا یہ اندراج صحیح نہیں ہے کہ سیرا کے نواب نے فتح محمد کے اہل و عیال کو اذیتیں دی تھیں۔ اس واقعے کے 62 سال بعد جب حیدر نے ڈوڈا پور پر قبضہ کیا تو عبّاس قلی خاں مدراس بھاگ گیا۔ اور جب 1767ء میں حیدر نے کرناٹک پر حملہ کیا تو عبّاس اس درجہ دہشت زدہ ہوا کہ ایک کمزور سی کشتی پر سوار ہو گیا اور پھر اس وقت تک ساحل پر واپس نہیں آیا جب تک اسے یقین نہیں ہو گیا کہ حیدر کرناٹک سے جا چکا ہے۔ دیکھیے : wilks ; vol. i,P. 493 footnote

14. کرمانی، ص 13، سلطان التواریخ 83

15. ایضاً، حیدر نامہ، ص 81 ۔ بعض معمولی اختلافات کے ساتھ تقریباً تمام تاریخوں میں یکساں واقعات ملتے ہیں۔ حیدر نامہ اور تاریخ ٹیپو کا بیان ہے کہ فتح محمد کا قرض دالاوائی نے ادا کیا اور اس کے معاوضے میں حیدر اور شہباز نے راجا کی ملازمت اختیار کی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت دونوں بھائی بہت کم سن تھے اور کسی ملازمت کے قابل نہیں تھے۔

16. سلطان التواریخ و 83، کرمانی، ص 61

17. کرمانی، ص 16

18. ایضاً، ص 17-16

19. حیدر نامہ، ص 81، کرمانی، ص 17

20. ایک قصبہ جو بنگلور کے شمال میں 23 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

21. حیدر نامہ، ص 81 ، تاریخ ٹیپو و 63، ب و 64 ب۔

22. کرمانی، ص 21-20 . wilks: vol. ii,P. 300

23. IBID ,P. 311

24. کرمانی، ص 23 . IBID ,P. 310

25. کرمانی، ص 24-23 . wilks: vol. iii,P. 319

26. سری رنگم کا جزیرہ اور قصبہ ترچناپلی سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

27. کرمانی، ص 25-24

28. Sinha, HaidarAli PP.14-17

29. دیوراج، فروری 1757ء میں سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہوگیا تھا۔ دیکھیے wilks: vol. i,P. 397

30. Ibid, 504

31. Ibid, PP. 406-7

32. کرمانی، ص 30 . wilks: vol. ii,P. 412

33. ایضاً، ص 33-31

34. Ibid, P. 415-16

35. Ibid, P. 465

36. کرمانی، ص 18

37. ایضاً، ص 19 . کارنامہ حیدری، ص 864

میر علی رضا خاں فخرالنسار کا بھائی تھا۔ حیدر کی فرمانروائی میں اس نے نمایاں کام انجام دیے تھے۔ وہ پورٹونووو کی جنگ (جولائی 1781ء) میں مارا گیا۔ نشان حیدری کے ترجمے (ص 26) کے مطابق حیدر نے علی رضا خاں کی سالی سے شادی کی تھی لیکن یہ غلط ترجمہ ہے (کرمانی .R.A.S.B مخطوطہ نمبر 20 و 10)۔

38. آپ کا مقبرہ نواب سعداللہ خاں نے 1729ء میں تعمیر کرایا تھا۔ دیکھیے

Bowring Haidar Ali and Tipu Sultan P.118. footnote

حیدر علی نے 1780ء میں جب ارکاٹ پر قبضہ کیا تو وہ مقبرے پر حاضر ہوا اور گرانقدر نذر گزرائی (حامد خاں و 30 ب، 31 الف)۔

39. کرمانی، ص 19 ، 20۔ کارنامہ حیدری، ص 864۔ لفظ 'ٹیپو' کے معنی میں معلوم نہیں کرسکا ہوں۔ اکثر ناموں کی طرح شاید یہ بھی بے معنی لفظ ہے۔ ایک عام خیال یہ بھی ہے کہ کینرز زبان میں ٹیپو کے معنی شیر کے ہیں۔ لیکن کنڑ میں شیر کو 'ہوئی' کہتے ہیں اور شیر ببر کو 'سمبھا'۔ اس بحث کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

Bowring: Haidar Ali and Tipu Sultan PP. 223-24.

40. کرمانی کہتا ہے کہ اس کا نام ٹیپو سلطان ہی رکھا گیا تھا۔ Peixoto حامد خاں اور تاریخ ٹیپو بھی شہزادگی اور فرمانروائی کے دور میں بھی اس کا ذکر ٹیپو سلطان کے نام ہی سے کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ "سلطان" ٹیپو کے نام کا بھی جزو تھا۔

41. Punganuri P.8 ; wilks, vol. i,P.469

42. Punganuri P.33

43. Ibid., Stewart, Memoirs of Hyder and Tippoo, P. 43; wilks, ii, P. 300

44. Punganuri P.33

45. کرمانی، ص 96-7

46. Punganuri P.33؛ پنگانوری میسور کے ضلع میں ہے۔ کنانور میسور کے ضلع حسن میں ہے۔ باقی تینوں مقامات تامل ناڈو کے ضلع سیلم میں ہیں۔

47. کرمانی، ص 128-29 Ibid, P. 16

48. ایضاً، ص 129

49. حامد خاں و 21 ب۔

50. یہ جنوبی ارکاٹ کے ضلع میں ایک قصبہ ہے۔

51. کرمانی، ص 132 wilks : vol. i, P. 587

52. Sinha : Haidar Ali P. 75؛ ونیامبدی ضلع سیلم (تامل ناڈو) کا ایک قصبہ ہے۔

53. Michaud. vol. i, P. 51

54. ضلع سیلم کا ایک گاؤں ہے۔

55. ضلع سیلم کا ایک قصبہ ہے۔

56. کرمانی، ص 133-34۔ کرمانی کا بیان ہے کہ ونیام باڑی پر حیدر نے اسمتھ کو شکست دی۔

57. Sinha : Haidar Ali P.82

58. Cadell, History of the Bombay Army P. 83

59. Sinha : Haidar Ali P. 82-3

60. Peixoto: vol. v, P 103 wilks vol. i, P. 685

61. سرنگاپٹم میں ایک قصبہ ہے۔

62. کرمانی، ص 102

63. wilks : vol i, P. 695-96
لیکن ولکس کے اس بیان کی تصدیق کسی معاصر شہادت سے نہیں ہوتی۔

.64 حیدر نامہ، ص 92؛ کرمانی (ص 698) کا بیان ہے کہ ٹیپو ایک پنڈاری کے بھیس میں بھاگا تھا۔

.65 کرمانی، ص 10-109

.66 ایضاً، ص 111

.67 ایضاً، ص 113۔ Sinha ; Haidar Ali ,P. 112;

.68 کرمانی (ص 118) کا بیان ہے کہ فوجی ساز و سامان اور سامان رسد جس پر قبضہ کیا گیا تھا 307 ہاتھیوں' 100 اونٹوں اور 50 خچروں پر لدا ہوا تھا۔ wilks : vol i, P. 702

.69 Duff : vol i , P. 569

.70 ایک تعلقہ ہے میسور کے ٹمکور ضلع کا۔

.71 میسور میں ٹمکور میں ایک پہاڑی قلعہ ہے۔

.72 کرمانی، ص 123؛ حیدر نامہ، ص 94؛ ہوسکوٹ بنگلور کے ضلع میں ایک قصبہ ہے۔

.73 N.A., Sec. Pro. Dec. 1775 Nos. 13-15

1778ء کے اواخر میں دھارواڑ پر بھی قبضہ ہو گیا۔

.74 حیدر نامہ، ص 95 ۔ Ibid ,March 18, 1779

.75 wilks : vol i, P. 812

.76 Gleig : Munro P. 23

ایک فرانسیسی روایت کے مطابق ٹیپو کو ایک ڈویژن فوج اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔
Pissurlencar : Antigualhas No. 67, P. 242

.77 پیرم بکم تامل ناڈ کے ضلع چنگل پٹ کا ایک گاؤں ہے۔ Fortescue : vol. iii, P. 442

.78 Pissurlencar : Antigualhas i, fasc ii, No. 67, P. 243

.79 Pissurlencar : Anti gualhas i, fasc ii , No. 67, P. 243

.80 Ibid ، لیکن انگریزوں کے بیان کے مطابق بیلی کے صرف سو آدمی مارے گئے تھے یا زخمی ہوئے تھے۔

.81 Fortescue : vol. iii , P. 443

.82 کرمانی، ص 196 ۔ Innes Munro, P. 150

Fortescue : vol. iii , P. 444

.83 یہ کنجیورم سے چھ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

.84 Fortescue : vol. iii, 444 - 445

ولکس کہتا ہے کہ سپاہی بھی بہت کم مارے گئے۔ لیکن انگریزی نقصانات کم کر کے دکھانے کا وہ عادی ہے۔
wilks : vol. ii , P. 20

.85 Fortescue : vol. iii , PP. 446 - 47
Pissurlencar : Antigualhas , vol. i , Fasc ii PP. 443-44

.86 Fortescue : vol. iii , P. 447 wilks : vol. ii , P. 8

.87 کرمانی، ص 198

.88 حامد خاں و 30 الف، 30ب۔

ٹیپو قیدیوں کے ساتھ بڑی انسانیت سے پیش آیا۔ دیکھیے : Lawrence, Captives of Tipu Sultan , P. 130 فرانسیسیوں اور حامد خاں کے بیانات نے بھی اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ گو اس نے بتایا ہے کہ سولہ انگریز افسر اور سپاہی فوجیوں کی رحمدلی سے محفوظ رہ گئے۔

.89 wilks : vol. ii , P. 22

.90 Fortescue : vol. iii , P. 448

.91 N.A., See. Pro., Nov. 18, 1780, PP. 2137 - 38

.92 Innes Munro, P. 172

.93 wilks, vol. ii, PP. 34 - 35

.94 ست گڑھ اور انبور شمالی ارکاٹ کے ضلع میں ہیں اور تیاگ گڑھ جنوبی ارکاٹ کے ضلع کا ایک گاؤں ہے۔

.95 کرمانی، ص 6-205

.96 N.A., See, Pro., April 27, 1781 P. 1050

کرمانی، ص 206 ؛ کرمانی کا بیان ہے کہ کمانڈنٹ پندرہ دن تک مقابلہ کرتا رہا۔

.97 کرمانی، ص 11-210 wilks : vol. II, P. 46

.98 Innes Munro : vol. ii , P. 209، wilks : vol. ii , P. 63

.99 N. A., Sec. Pro., Sept. 7, 1781 P. 2013

اس دستاویز کے مطابق ٹیپو کی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی مگر یہ بیان مبالغے پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

.100 N.A., Sec, Pro, Sept. 7, 1781 P. 2053 ، ٹیپو جب شمالی و جنوبی ارکاٹ کے

اضلاع اور ونڈی واس کے خلاف فوجی کارروائیوں میں مصروف تھا، حیدر تنجور پر حملہ کر رہا تھا۔ آئر کوٹ 16 جون 1781ء کو نواح کڈانور سے آگے بڑھا تاکہ میسوریوں کو وہاں سے نکال دے۔ اسے ترچناپلی کی حفاظت بھی کرنی تھی جس پر حملے کی حیدر تیاری کر رہا تھا۔ حیدر نے انگریزی فوج کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے وہ جنگ کا خطرہ بھی مول لینے کے لیے تیار تھا۔" اس ارادے سے باز رہنے کا ٹیپو نے اسے مشورہ بھی دیا تھا" (Mill, vol. iv, P. 147) مگر حیدر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورٹونووو کی جنگ میں آئر کوٹ نے حیدر کو شکست دے دی اور اسے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔

101. مدراس سے تقریباً 45 میل کے فاصلے پر ضلع چنگل پٹ میں ایک تاریخی قلعہ ہے۔

102. N.A., Sec, Pro., Sept. 7, 1781 P. 2071

103. Mill, vol. iv, PP. 172 - 73

104. N. A. Sec, Pro., March 11, 1782 P. 893

" جنگ شروع ہونے کے کچھ دیر بعد کرنل بریتھ ویٹ نے عارضی صلح کا جھنڈا حریف کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد ان کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا۔ البتہ ان فوجیوں کو قید کر لیا گیا جو باقی بچے تھے" (Ibid)۔

105. Lawrence: Captives of Tipu Sultan P. 126,

مل نے بھی لکھا ہے کہ " حق یہ ہے کہ ٹیپو نے اپنے اسیروں خصوصاً افسروں اور مجروحین کے ساتھ بھی ہمدردی و انسانیت کا برتاؤ کیا۔" Mill, vol. iv, P. 173.

106. N.A., Sec, Pro., June 6, 1782 PP. 2921-23 & 19

107. N.A., Sec, Pro., July 4, 1782 PP. 2054-55

108. Ibid P. 2147

109. wilks: vol. ii, P. 137

110. N.A. Sec, Pro., July 4, 1782 P. 2055

111. Ibid, P. 2062

112. حیدر نامہ (ص 97) کہتا ہے کہ اس جنگ میں حیدر کی فتح ہوئی تھی۔ یہ بات اہم اور غور طلب ہے کہ ارنی کی جنگ میں حیدر کا نقصان بہت کم ہوا۔

کوٹ کا بیان ہے کہ " اس کا نقصان زیادہ نہیں ہوا صرف 30 یا 40 مختلف قسم کے گھوڑے ہمارے ہاتھ آئے۔" اس کے برعکس انگریزوں کے 74 آدمی اور 7 گھوڑے مارے گئے۔ N.A., Sec, Pro., July 4, 1782 P. 2149.

113. حیدر نامہ، ص 97

114. Cadell: History of the Bombay Army, P. 100
115. حیدرنامہ، ص 97
116. Cadell: History of the Bombay Army, P. 100
117. N.A., Sec, Pro., May 23, 1782 P. 1684
118. یہ کالی کٹ اور پال گھاٹ کے درمیان ایک گاؤں ہے۔
119. Mill: vol. iv, P. 182
120. M.R., My. Cons: Jan. 1783 Macleod to Madras, No. 30, 1782, vol. 85, P. 94
121. پونانی ضلع پال گھاٹ کیرالا میں ایک قصبہ اور بندرگاہ ہے۔
122. wilks, vol. ii, PP. 163-64; see also A.N., C^2 141 Lallee to Minister, Aug 1783 f 17 b.
123. Memoirs of John Campbell, P. 34
124. M.R. Mly. Cons., Jan. 1783, vol. 85a, P. 144.
125. دیکھیے: A.N. c^2 141, Lalleeto Minister, Aug. 31, 1783
126. حیدر کی علالت اور وفات کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: A.N. c^2 155, de, Morlat to Minister, Feb. 6, 1783.
127. M.R. Mly. Cons., Jan. 23, 1783 vol. 85a, PP. 427-28 M.R. Mly., Desp, to Court, vol. xviii PP. 66-67.
128. N.A., Sec, Pro., Feb. 10, 1783
129. Michaud, vol. i, P. 82
130. کرمانی، ص 248
131. حیدرنامہ، ص 100۔ حیدرنامہ کے مصنف نے ان لوگوں کے نام دیے ہیں، جن کو حیدر نے اپنی وفات سے پہلے بلایا تھا بدرالزماں خاں، مہامرزا غازی خاں اور محمد علی کے نام شامل نہیں کیے ہیں مگر قیاس یہ ہے کہ حیدر نے ان لوگوں کو بھی ضرور بلایا ہوگا کیونکہ ان پر بھی اسے بڑا بھروسا اور اعتماد تھا۔
132. A.N. c^2 155, de Morlat to Minister, Feb. 6, 1783 FF. 208b - 209a.
133. کرمانی، ص 249-50؛ حیدرنامہ، ص 100

134. کرمانی، ص 262

135. اس فرانسیسی افسر کا نام بوتھونوٹ (Bouthenot) تھا بودیلات (Boudelot) نہیں جیسا کہ لکھا ہے۔ نیز دیکھیے: wilks : vol. ii, P 169-70

136. A.N. C^2, 115 de, Morlat to Minister, Feb. 6, 1783 PP 209a-10a

137. P.A.MS. No. 400 Bussy to de castries March 31, 1783

138. [C]ons. Feb 1, 1783 Macleod to Stuart, Jan 31, vol. 85 b, P. 512

139. N.A. Sec, Pro., Jan 13, 1783

جنرل اسٹورٹ کے اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ٹیلر کا مراسلہ مورخہ 11 دسمبر 1782ء۔

140. A.N. c^2 155, de Morlat to Minister, Feb. 6, 1783

141. تاریخ ٹیپو سلطان، ورق 95 الف۔

142. A.N. C^2 155, f 216 a

143. wilks : vol. ii, PP. 171-72

144. C^2, 155, ff 216 a 216 b

145. wilks : vol. ii, P. 172

146. Ibid . پنگانوری کے بیان کے مطابق (ص 35-34) اس وقت حیدر کی فوج میں 12 ہزار باقاعدہ سوار 2 ہزار بے قاعدہ سوار، 3 ہزار کرناٹکی رضاکار فوج، 5 ہزار پیدل فوج اور چند توپ خانے تھے۔

147. M.R. Mly. Cons. Jan 18, 1783, General Stuart's Minute vol. 85 A, P. 287

دوسرا باب

انگریزوں سے جنگ

اسٹورٹ کی شکست

حیدر کی موت کی خبر مدراس میں انگریزوں نے اطمینان اور خوشی کے ساتھ سنی۔ گورنر نے کہا "ہمیں اس سے جتنا فائدہ اٹھایا جاسکے اٹھانا چاہیے"۔[1] اور کورٹ نے لکھا کہ "حیدر کی موت کے اہم واقعہ سے ہندوستان میں ہمارے مفاد کے لیے بہت سے سودمند نتائج برآمد ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس سے مشرقی خطے پر ہمارے وطن کے لیے مستقل اور بغیر کسی تشویش کے قبضہ حاصل کرنے کے بہتر سے بہتر امکانات پیدا ہو گئے ہیں"۔[2] نواب محمد علی تک کے حوصلے پست پڑ گئے تھے۔ اس نے مدراس کے گورنر سے درخواست کی کہ "خدا کے لیے اس اہم موقع پر جس قدر سعی کی جاسکے، کیجیے"۔[3]

بہر حال انگریز حیدر کی موت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہوسکے، اس لیے کہ سلطنت میسور کی تخت نشینی بہت پر امن طریقے سے ہوئی۔ نہ تو ٹیپو اور کریم ہی میں تخت کے لیے کوئی جھگڑا ہوا اور نہ فوج کے سرداروں ہی نے بغاوت کی۔ جس کی انگریزوں کو توقع تھی۔[4] بایں ہمہ اسٹورٹ جو اس وقت کوٹ کی جگہ قائم مقام سپہ سالار تھا حیدر کی وفات کی خبر سننے کے فوراً بعد میسوریوں پر حملہ کر دیتا تو ٹیپو سخت پریشانی میں مبتلا ہو جاتا جو اس وقت مالابار ساحل پر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسٹورٹ کو مدراس کے گورنر نے بھی صلاح دی تھی کہ حملہ کرنے کے لیے یہ نہایت اچھا موقع ہے۔ مگر وہ حرکت میں نہ آیا۔ پہلے تو اس نے اس خبر پر یقین ہی نہیں کیا کہ حیدر کا انتقال ہو گیا ہے اور جب یقین ہوا بھی تو کہنے لگا کہ میں اس وقت حملہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ میری فوج کی حالت بہت خراب ہے۔ چاول کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے جس کے نتیجے میں

سینکڑوں بار بردار ہر روز مر رہے ہیں اور تقریباً آدھی فوج بیمار ہے۔ نقل و حمل کا انتظام بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ کیونکہ خوراک اور چارے کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ بیل ہیں اور نہ ہانکنے والے۔ اس کے علاوہ برسات نے سارے علاقہ کو پانی سے بھر دیا ہے۔ فوج کے پاس خیمے نہیں ہیں۔ جن کی مدد سے وہ موسم کی دراز دستی سے محفوظ رہ سکے

اسٹورٹ کا یہ بیان یقیناً صحیح تھا کہ فوج کی حالت ناقابلِ اطمینان ہے۔ لیکن اس حالت کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی تھا۔ صرف ایک مہینے پہلے ہی اس نے اعلان کیا کہ اس کی فوج کسی بھی ہنگامی حالت کے مقابلے کے لیے ہر حرکت میں آنے کے لیے تیار ہے لیکن جب عمل کا وقت آیا تو وہ تیار نہیں تھا۔ یہ اس لیے کہ بجائے فوجوں کو منظم کرنے اور جنگ کی تیاری کرنے کے وہ فوجی اور غیر فوجی اور بحری افسروں سے جھگڑنے اور اُن پر نکتہ چینی کرنے میں مشغول رہا۔ گورنر جنرل سے لے کر امیر البحر ہیگز تک کوئی اس کے حملوں سے نہیں بچا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 8 رفروری 1783ء سے پہلے وہ ٹیپو پر حملہ کرنے کے لیے تریپا چور وانڈی واش کی طرف نہ جا سکا۔ لیکن اس وقت تک سلطان مستقل طور پر تخت نشیں ہو چکا تھا۔ اور اُسے انگریزوں کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو وہ فوراً فرانسیسی فوجوں کو ساتھ لے کر جو کوسگنی کے زیر کمان تھیں، روانہ ہوا، اور نواح وانڈی واش میں خیمہ زن ہوا۔ میسوری اور انگریز، جن کے درمیان پالار ندی کی ایک شاخ تھی، 13 رفروری کو جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ تمام دن دونوں طرف سے ایک دوسرے پر گولیاں برستی رہیں لیکن اگلے دن صبح کو انگریز وانڈی واش کی جانب پیچھے ہٹے۔ میسوریوں نے ان کا تعاقب کیا اور اُن کے تقریباً دو سو آدمیوں کو قتل اور زخمی کر دیا اسٹورٹ نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ "سلطان کی فوج کا نظم و ضبط اور مرعوب کن فرانسیسی بٹیلین" کو دیکھ کر کیا تھا۔ دراصل ٹیپو سے وہ اس قدر مرعوب ہو گیا تھا کہ وانڈی واش اور کرنگولی سے اپنی فوج اس نے ہٹالی اور تمام فوجی تنصیبات کو مسمار کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ میسوریوں کے ہاتھ آ جائیں گی۔ بہرحال ٹیپو نے اپنی فتح سے نیز اسٹورٹ کی غلطیوں اور اس کی خوف زدگی سے مزید فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ اُسے کرناٹک چھوڑ کر مالابار کے ان مقبوضات کی مدافعت کے لیے جانا تھا جن پر انگریزی فوجوں نے جنرل میتھیوز کے زیرِ کمان حملہ کر دیا تھا

بیدنور پر میتھیوز کا قبضہ

بمبئی گورنمنٹ کی ایک مدت سے یہ رائے تھی کہ حیدر کے مالاباری مقبوضات پر حملہ کرنا چاہیئے

تاکہ اس کی تمام فوج یا اس کا بیش تر حصّہ کرناٹک سے باہر چلا جائے۔ مدراس گورنمنٹ کی رائے بھی یہی تھی جو جنگ کے کسی اور ڈھنگ کو بیکار اور تضیع اوقات سمجھتی تھی۔ وہاں ہیمر اسٹون کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا تھا، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور پیچھے ہٹ کر پونانی جانے پر مجبور ہو گیا جہاں اسے ٹیپو نے گھیر لیا۔ جب بمبئی گورنمنٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً صوبائی سپہ سالار جنرل میتھیوز کو پونانی بھیجنا چاہا مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہوا کہ ٹیپو مغربی ساحل سے روانہ ہو چکا ہے اس لیے وہ پونانی کی طرف نہیں بڑھا کیونکہ اب انگریزی فوج وہاں خطرے سے باہر تھی۔[11] چنانچہ جنوری کے پہلے ہفتے میں اس نے راجامندروگ میں قیام کیا جو گوا کے جنوب میں تقریباً اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔[12] اونور کو بھی جو راجامندروگ کے جنوب میں تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر ہے مع اس کی ماتحت چوکیوں کے اس نے فتح کر لیا۔[13] لیکن عین اس وقت جب میکلیوڈ پونانی سے امدادی فوج لے کر آیا تھا اور میرجان[14] پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا جو گویا بیدنور پر چڑھائی کی طرف پہلا قدم ہوتا حکومتِ بمبئی سے ہدایت موصول ہوئی کہ "اگر حیدر کی موت کی خبر کی تصدیق ہو گئی ہے تو وہ سمندر کے کنارے کی تمام فوجی کارروائیوں کو روک کر فوراً بیدنور پر قبضہ کرنے[15] کے لیے بڑھے۔ بمبئی گورنمنٹ نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ بیدنور ایک مالا مال اور زرخیز علاقہ ہے۔ وہاں سے کمپنی کی فوجوں کو ضروریات کی بہم رسانی ہو سکے گی اور چونکہ وہ ساحل سمندر سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے اس لیے وہاں سے انگریزوں کی کارروائیوں کو بھی تقویت پہنچائی جا سکے گی۔ مزید برآں بیدنور چونکہ حیدر کا ایک اہم صوبہ تھا اس لیے حکومت بمبئی کو یہ توقع تھی کہ اس پر حملہ ہوتے ہی انگریزوں سے صلح کرنے پر وہ مجبور ہو جائے گا۔[16]

مگر میتھیوز کو یہ تجویز پسند نہیں تھی وہ بیدنور پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے عقب اور خبر رسانی کے راستوں کو محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ تاہم بالادست حکام کی ہدایت کے مطابق اس نے اپنا سابق فوجی منصوبہ اور جملہ فوجی ترتیب منسوخ کر دی اور کنڈاپور[17] پر قبضہ کر لیا۔ یہ مقام ساحل سمندر پر بیدنور سے قریب ترین فاصلے پر ہے اس پر قبضہ کرنے میں اسے کافی مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا، یہ مزاحمت متعینہ حفاظتی دستوں سے کہیں زیادہ ان پانچ سواروں نے اور ڈھائی ہزار پیدل سپاہ نے کی جو اسی فوج کا ایک حصّہ تھی جو حیدر نے اپنے مالاباری مقبوضات کے دفاع کے لیے بھیجی تھی۔[18] کنڈاپور سے انگریز حسن گڈی کی طرف بڑھے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے یہ مقام مغربی گھاٹ کے دامن میں واقع ہے۔ قلعہ اسی نام کی گھاٹی کی حفاظتی چوکی کا کام کرتا ہے، جو بیدنور تک جاتی ہے

کوچ کے دوران انگریزی فوج پر برابر حملے جاری رہے لیکن جب اُنھوں نے قلعہ پر چڑھائی کا فیصلہ کیا تو پتہ چلا کر دشمن اسے چھوڑ کر جا چکا ہے۔ حالانکہ وہ قلعہ بہت مضبوط بنا ہوا تھا اور اس میں پہلے درجے کی توپیں موجود تھیں۔[19] 25 جنوری کو فوج گھاٹی میں داخل ہوئی، چڑھائی پر جو سڑک جاتی تھی وہ تقریباً سات میل لمبی اور چکر دار تھی اور جگہ جگہ حفاظت کے لیے مورچے بنے ہوئے تھے اور توپیں بھی چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کرکے سب مورچوں پر قبضہ کرتی ہوئی انگریزی فوج حیدر گڑھ پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہاں گھاٹیوں کے سر پر ایک بہت مضبوط قلعہ تھا جس کی حفاظت کے لیے سترہ سو سپاہی اور پچیس توپیں موجود تھیں۔ مگر اس نواح کے اور قلعوں کی طرح یہ بھی بغیر کسی دشواری کے فتح کر لیا گیا۔ حیدر گڑھ سے میتھیوز نے شہر اور قلعہ بید نور کی طرف مارچ کیا جو ابھی چودہ میل دور تھا اس کے پاس چھ پونڈ فی کس سے زیادہ گولہ بارود نہیں تھی۔ اگر سنگین مقابلہ ہوتا تو اس کی حالت خطرناک ہو جاتی لیکن اس ناکافی گولہ بارود کے استعمال کی ضرورت بھی نہیں آئی کیونکہ ایاز[20] نے جو بید نور کے صوبہ کا گورنر تھا، ایک انگریز قیدی ڈونلڈ کیمبیل کی معرفت میتھیوز کو یہ پیام بھیجا کہ میں نہ صرف شہر اور بید نور کے قلعے ہی سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں بلکہ سارا صوبہ آپ کے حوالے کردوں گا بشرطیکہ مجھے گورنر رہنے دیا جائے۔ میتھیوز نے یہ تجویز منظور کرلی اور ایاز نے 28 جنوری کو بید نور اس کے حوالے کردیا۔ صدر مقام کے فتح ہو جانے کے بعد صوبے کے بہت سے دوسرے مقامات نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ ایک بڑا خزانہ اور بہت سا بیش بہا مال و اسباب جو بید نور کے قلعہ میں تھا انگریزوں کے ہاتھ آیا اس سارے خزانے کو افسروں نے ہتیا لیا اور کمپنی کے لیے اس کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رکھا گیا۔[21]

بید نور پر حملے کا حال سنتے ہی ٹیپو نے لطف علی بیگ کو اس کے دفاع کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ لیکن جب علی شموگا پہنچا تو اس نے دیکھا کہ انگریز صوبے کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر چکے ہیں اور ایاز سے سمجھوتے کے مطابق اننت پور[22] پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ لطف علی نے فوراً ایک قابلِ اعتماد افسر کو چیتل درگ کے تین سو ہرکاروں کے ساتھ قلعہ دار پر ناگہانی حملے کے لیے بھیجا جو ایاز کے احکام کے مطابق اس مقام سے دست بردار ہونے کو راضی تھا۔ افسر اپنے مشن میں کامیاب ہوا اور جب انگریزی فوجیں اننت پور پر قبضہ کرنے کے لیے آئیں تو اس نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ واپس ہونے کے لیے انگریزی فوج کو بار بار اشارے کیے گئے لیکن وہ استقلال کے ساتھ جب آگے بڑھتی ہی رہی تو عارضی صلح کے جھنڈے پر اُنھوں نے گولیاں برسا دیں۔[23] اس پر انگریزی

فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور ۱۴ ر فروری 1783ء کو اس پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ لطف علی جو حملہ کرنا چاہتا تھا اور کمک کا انتظار کر رہا تھا اسے ٹیپو کا حکم ملا کہ منگلور کی کمک کے لیے کوچ کرے جس کا انگریزوں نے محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسے معلوم ہوا کہ ۹ ر مارچ کو انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے[24] اور دشمن نے تین Men-of-war تباہ کر دیے جن پر پچاس یا ساٹھ توپیں تھیں اور چند اور مختلف سائز کے Men-of-war بھی برباد کر دیے جو اسٹاک میں موجود تھے[25]

اس مہم کے دوران خصوصاً اننت پور اور اونور کی تسخیر کے وقت انگریزی فوج نے بے اندازہ مظالم کیے۔ مل من مظالم کو کم کر کے دکھانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب جان بخشی کی درخواست کی گئی تو اس سے انکار نہیں کیا گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ ماننے پر بھی مجبور ہے کہ یہ حکم صادر کر دیا گیا کہ جو آدمی ہتھیار باندھے ہوئے پایا جائے اسے قتل کر دیا جائے اور چند افسروں کو اس لیے تنبیہ کی گئی کہ انھوں نے ان احکام کی سختی سے تعمیل نہیں کرائی۔[26] اننت پور میں خوں ریزی اور قتل عام کی کیفیت یہ تھی کہ تمام باشندے نہایت بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور ان کی لاشیں قلعہ کے تالابوں میں پھینک دی گئیں۔[27] عورتوں تک کو نہیں بخشا گیا۔" چار سو حسین عورتیں، سب کی سب سنگینوں سے زخم خوردہ خون میں شرابور یا تو مردہ یا ایک دوسری کے بازوؤں میں دم توڑ رہی تھیں عام سپاہی اپنے افسروں کے احکام کو بالائے طاق رکھ کر ان کے زیور چھین رہے تھے اور ان کے جسموں پر ہر قسم کی دست درازی کر رہے تھے۔ بہت سی عورتیں ایک بڑے تالاب میں کود کر غرق ہو گئیں تاکہ انھیں ان کے عزیزوں سے چھین کر نہ لے جایا جائے۔[28] اننت پور کی محافظ فوج پر یہ ظلم و تشدد صرف اس لیے کیا گیا کہ سابق کمانڈنٹ کی اطاعت قبول کرنے اور قلعہ سے دست بردار ہو جانے کا وعدہ کرنے کے باوجود انھوں نے مزاحمت کی تھی۔[29] یہ صحیح ہے کہ انھوں نے عارضی صلح کے جھنڈے پر گولیاں برسائیں لیکن یہ انگریزی فوجوں کو واپس ہو جانے کے لیے بار بار اشارے کرنے کے بعد کیا گیا۔ اگر ہم ولکس کی یہ بات مان بھی لیں کہ اس قسم کے کوئی اشارے نہیں کیے گئے اور سیکیوری کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیں کہ قلعہ میں دو جھنڈے بھیجے گئے اور دونوں روک لیے گئے تب بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ جو سزا محافظ فوج کو دی گئی اس کو ان کی خطا سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔

بیدنور پر ٹیپو کا دوبارہ قبضہ اور منگلور کا محاصرہ

میتھیوز کی بیدنور کے قصبہ میں کامیابی اگرچہ بہت تیز اور شہابی قسم کی تھی تاہم اسے تادیر قایم

نہیں رہنے دیا گیا کیونکہ ٹیپو کی ضرب بہت جلد اس پر پڑی۔ اوائل اپریل میں سلطان ایک زبردست فوج کے ساتھ جس میں فرانسیسی فوج بھی شامل تھی، بیدنور کی سرحد پر پہنچ گیا بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ اس نے حیدر گڑھ اور کیول درگ پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور فوج کا ایک حصّہ گھاٹوں کے دروں پر قبضہ کرنے کے لیے بھیج دیا تاکہ ساحل سمندر کے ساتھ انگریزوں کے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ ایک اور فوج اننت پور کی حفاظت کے لیے بھیجی اور خود باقی فوج کے ساتھ بیدنور کے محاصرے کے لیے بڑھا۔ پہلے اس نے شہر پر دھاوا بولا پھر فوج سیڑھیاں لگا کر فصیل کی دیواروں پر چڑھ گئی اور اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا جس میں میتھیوز شدید نقصان اٹھا کر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔[30] ٹیپو نے تیرہ توپ خانے لگانے کا حکم دیا جن کی متواتر گولہ باری سے قلعہ کی عمارتوں کو خاصا نقصان پہنچا۔ روزانہ محافظ دستے کے متعدد سپاہی مارے جاتے تھے اور زخمی ہوتے تھے۔ مدافعت کرنے والوں نے بھی حملے کیے لیکن ان کو سخت نقصان پہنچا کر پسپا کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں میسوری فوج کے ایک حصے نے گھاٹوں کے دروں پر قبضہ کر لیا اس طرح بیدنور منگلور سے قطعاً علاحدہ ہو گیا۔ اس ناکہ بندی کی وجہ سے محافظ فوج سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئی۔[31] رسد اور گولہ بارود کی کمی اور پانی کی قلت کی وجہ سے اسے شدید مصیبت کا سامنا تھا مزید برآں قلعہ میں ایک متعفن بخار پھیل گیا۔ ساڑھے تین سو بیمار اور زخمی سپاہی باہر دھوپ میں پڑے تھے کیونکہ قلعہ میں پناہ لینے کی سب جگہیں ٹیپو کی توپوں نے مسمار کر دی تھیں۔[32] ان حالات میں میتھیوز نے تقریباً اٹھارہ دن تک مدافعت کرنے کے بعد ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ میتھیوز نے عارضی صلح کا جھنڈا بھیجا اور سلطان کو اطلاع دی کہ حسب ذیل شرائط پر اطاعت قبول کرنے کو وہ تیار ہے۔۔۔ انگریزی فوج جنگی اعزاز کے ساتھ قلعہ سے باہر آئے گی، ہتھیار قلعہ کی پشتے پر جمع کرے گی اور وہ تمام سامان جو سلطان کی ملکیت ہے قلعہ میں چھوڑ دے گی کیون درگ اور اننت پور کی محافظ فوج کو ساتھ لے کر انھیں اپنے سامان کے ساتھ بلا کسی مزاحمت کے سداسیو گڑھ اور وہاں سے بمبئی تک مارچ کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ سلطان سے ایک طے شدہ مدت تک وہ جنگ نہیں کریں گے۔ ٹیپو کو چاہیے کہ مارچ کے دوران اُن کی حفاظت کے لیے گارڈ مہیا کرے جو میتھیوز کے زیر حکم رہیں گے۔

اس کے علاوہ بیدنور کی محافظ فوج میں سے سو سپاہیوں کا ایک گارڈ ضروری سامان اور چھتیس رونڈ گولہ بارود کے ساتھ اس کے ہمراہ ہونا چاہیے جو سداسیو گڑھ تک مارچ کے دوران باڈی گارڈ کی حیثیت سے میتھیوز کے ساتھ رہے

اس کے علاوہ ٹیپو کو رسد کا اور بیماروں کو لے جانے کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوگا۔ آخری شرط یہ ہے کہ معاہدے کی شرطوں کی بجاآوری کو یقینی بنانے کے لیے محافظ فوج کے قلعے سے باہر آنے سے پہلے دو یرغمال ہمارے حوالے کرنے ہوں گے۔[33] سلطان ان شرائط کو قبول کرنے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ اُن میں یہ تبدیلی کر دی جائے کہ بمبئی روانہ ہونے سے پہلے انگریزی فوج قلعے سے باہر آ کر اپنے اسلحہ قلعے کے پشتے پر نہیں جیسا کہ میتھیوز نے تجویز کیا تھا بلکہ میسور کی فوج کے سامنے جمع کرے۔ انگریزوں نے اس شرط کو شرم ناک قرار دے کر مسترد کر دیا اگلے دن صبح کو ان کی فوج دو حصّوں میں نکلی اور سلطان کے شاندار توپ خانے پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجہ میں چند فرانسیسی اور سو بے قاعدہ فوجی ہلاک ہوئے۔ لیکن جب سلطان کی فوج نے اُنھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو وہ اندھادھند تیزی سے بھاگے اور قلعے میں گھس گئے۔ اس کے بعد ایک جنگی کونسل کی گئی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ شرائط صلح میں جو ترمیم ٹیپو نے کی ہے اُسے منظور کر لیا جائے۔[34]

لیکن قلعہ چھوڑنے سے پہلے میتھیوز نے تمام افسروں کو حکم دیا کہ وہ جتنا روپیہ چاہیں پے ماسٹر جنرل سے وصول کر لیں۔ لہٰذا افسروں اور سپاہیوں نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر جتنا روپیہ لیا جا سکتا تھا لے لیا کچھ افسروں نے دو ہزار اور کچھ نے ایک ہزار پگوڈے (سونے کا سکّہ) وصول کیے۔ یہ معاہدے کی ایک اہم شرط کی صریح خلاف ورزی تھی کیونکہ اس امر کی شین[35] نے تصدیق کی ہے کہ یہ سارا روپیہ سرکاری خزانے سے لیا گیا تھا جو کہ معاہدے کی رو سے غلبہ پانے والوں کو ملنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ جنرل کو ڈر تھا کہ ایک آدمی کے پاس سے اتنی کثیر رقم کا نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے اس نے حکم دیا کہ یہ رقم فوج میں تقسیم کر دی جائے۔

جب ٹیپو 28 / اپریل 1783ء کی سہ پہر کو میتھیوز کے تخلیہ کے بعد قلعہ میں داخل ہوا تو اسے وہاں ایک روپیہ بھی نہیں ملا[36] کیونکہ سارا خزانہ انگریزوں نے خورد برد کر دیا تھا اُس حرکت پر قدرتاً سلطان کو سخت غصہ آیا اور وہ اُن کے ساتھ سختی سے پیش آیا۔ اُن کی باضابطہ نگرانی کا حکم دے دیا اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے جاسوس مقرر کر دیے۔ یکم مئی کو اُن کی تلاشی لی گئی اس تلاشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سپاہی کا تھیلا سونے سے بھرا ہوا نکلا[37] جس وقت تلاشی لی جانے لگی تو انگریزوں نے پگوڈے کتوں کے حلق میں ٹھونس دیے۔ یہاں تک کہ مرغوں اور مرغیوں کے حلق میں بھی یہ بیش بہا نوالے اتارے گئے۔[38] بہر حال ٹیپو کے افسر اس دولت کے بیشتر حصّے کو وصول کرنے میں کامیاب ہو گئے تقریباً چالیس ہزار پگوڈے صرف افسروں ہی کے قبضے سے برآمد ہوئے۔[39]

انگریزوں نے صرف بیدنور کے خزانے ہی پر قبضہ کر کے اطاعت قبول کرنے کی شرطوں کی

خلاف ورزی نہیں کی بلکہ انھوں نے عوامی ذخائر لوٹے سرکاری دستاویزیں اور کاغذات جلائے اور میسور کے تمام جنگی قیدیوں کو آزاد بھی نہیں کیا۔[50] اس لیے ٹیپو نے انھیں ہتھکڑیاں پہنا کر چیتل درگ روانہ کردیا۔

ولکس کا دعویٰ ہے کہ ٹیپو معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی کے لیے کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا لیکن خزانے کے خالی ملنے اور قیدیوں کی تلاشی لینے پر روپیہ نکلنے کے بعد اسے کسی فرضی اور بناوٹی عذر کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔[51] لیکن اس بیان کی تائید کسی شہادت سے نہیں ہوتی مگر یہ امر یقینی ہے کہ ٹیپو خوش تھا کہ میتھیوز کو سزا دینے کا اسے موقع مل گیا۔ اونور اور اننت پور کی محافظ فوجوں پر میتھیوز نے جو مظالم توڑے تھے اور نمک حرام ایاز سے ساز باز کر کے جو سمجھوتہ کیا تھا اسے ٹیپو بھولا نہیں تھا۔ لیکن یہ بات کسی طرح ظاہر نہیں ہوتی کہ اس نے پہلے سے کوئی منصوبہ بنا رکھا تھا یا یہ کہ میتھیوز اگر معاہدے کی شرطوں کی پابندی کرتا تو بھی ٹیپو اس کے پچھلے جرائم کی بنا پر اسے قید کر لیتا۔

بیدنور کو فتح کرنے کے بعد ٹیپو نے منگلور کی طرف مارچ کیا جو جنوبی کنارے کی ایک اہم بندرگاہ تھی اور جہاں سے حیدر بیرونی دنیا سے رابطہ قائم رکھتا تھا۔ اپریل کے آخر میں ٹیپو نے تقریباً چار ہزار آدمی حسین علی خاں کی ماتحتی میں منگلور پر چڑھائی کے لیے بھیجے لیکن 6 مئی کی صبح کو کیمپل نے منگلور سے بارہ میل کے فاصلے پر اچانک ان پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے حسین علی خاں کی فوج کو افراتفری کے عالم میں پسپا ہونا پڑا۔ اس کے دو سو آدمی اس حملے میں کام آئے تاہم جب ٹیپو وہاں پہنچا تو کیمپل کو شکست ہوئی اور وہ قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔[52] حسین علی خاں نے اس موقع پر خود کو بہت ممتاز اور نمایاں کیا اور اپنے آدمیوں کو بحال کرنے کی کوشش میں شدید زخمی ہو گیا۔[53]

ٹیپو 20 مئی 1783ء کو منگلور پہنچا۔ اس وقت تک انگریز ایک اہم مرتفع ٹیلے پر قبضہ کر چکے تھے۔ وہاں سے شہر کو جانے والا خاص راستہ صاف نظر آتا تھا جو ایک میل کے فاصلے پر تھا لیکن شہر کا محاصرہ ہو جانے کے بعد سپاہیوں کے پسپا ہو کر بھاگنے کا راستہ بند ہو گیا تھا اس لیے جب 23 مئی کو حملہ ہوا تو ان میں دہشت پھیل گئی اور وہ ٹیلے کے نیچے کی طرف بڑی بدحواسی سے بھاگے۔ اس فوج میں بھی ہراس پھیل گیا جو ان کی مدد کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس موقع پر انگریزوں کے مجروحین اور مقتولین میں چار افسر دس یوروپین اور دو سو ہندوستانی سپاہی تھے۔[54] ان کے علاوہ تین افسروں اور سپاہیوں کے دستوں کے فرار ہونے کا راستہ بھی قطعاً روک دیا گیا تھا۔ اس شکست کے بعد انگریزوں نے اپنی باقی چوکیاں بھی ہٹا لیں اور خود کو قلعہ کے اندر محصور کر لیا۔ چنانچہ ٹیپو نے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

27 مئی تک اس نے قلعہ کی دیواروں میں گیارہ شگاف ڈال دیے اور شمال مشرق اور جنوب میں

توپ خانے قایم کرکے بھرپور گولہ باری شروع کردی اور بھاری بھاری پتھر جن میں سے کچھ ڈیڑھ ڈیڑھ سو پونڈ وزن کے تھے قلعے میں پھینکے جس سے بہت نقصان پہنچا۔ شمال کی طرف کے استحکامات 4 رجون کو بالکل توڑ دیے گئے اور 7 رجون کو ایک کارآمد سوراخ دیوار میں کھول لیا گیا۔ قلعہ تک رسائی پانے کے لیے مورچے برابر قریب تر ہوتے گئے۔ 4 رجولائی اور پھر 6 رجولائی کو دھاوا بولنے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران چونکہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی اس لیے محاصرے کی کارروائیوں کو اگرچہ بہت نقصان پہنچا تاہم میسوریوں نے قریب قریب روزانہ قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوششیں جاری رکھیں [45] بہرکیف جولائی کے آخر تک بھرپور حملے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تین طرف کے استحکامات بالکل تباہ کر دیے گئے اور مورچے خندقوں کے دہانے تک لے جائے گئے جو اب ناریل کے درختوں اور قلعہ کی دیواروں کے ملبے سے بھرتی جا رہی تھیں۔ قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے اب صرف چند روز درکار تھے [46] لیکن ٹھیک اسی وقت فرانسیسیوں اور انگریزوں میں جنگ بندی کی اطلاع بنگلور میں موصول ہوئی اور 22 رجولائی کو کوسگنی کو یہ حکم موصول ہوا کہ جنگ سے وہ کنارہ کش ہو جائے۔ اس سے ٹیپو کے منصوبے درہم برہم ہو گئے اور انگریزوں کی ہمت بندھ گئی اگرچہ ان کے ہر دس میں سے ایک سپاہی بیماری سے ہلاک ہو رہا تھا۔ فرار ہونے والے سپاہیوں کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی، سامان خورد و نوش کی بھی کمی تھی، ان تمام باتوں کی وجہ سے محافظ فوج زیادہ دنوں تک جمی نہیں رہ سکتی تھی، تاہم فرانسیسیوں کے کنارہ کش ہو جانے سے ان میں کامیابی کی توقع پیدا ہو گئی اور وہ مقابلے کے لیے از سر نو کمربستہ ہو گئے

بہرحال جلد ہی جنگ بندی کے لیے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ ٹیپو نے مطالبہ کیا کہ عارضی صلح اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ کیمپل بنگلور کا تخلیہ کرے اور محافظ فوج کے ساتھ اعلیٰ افسر کی حیثیت سے تمام جنگی اعزاز اور تمام ذاتی سامان کے ساتھ ٹیلی چری چلا جائے۔ لیکن کیمپل نے اس تجویز کو مسترد کر دیا بہرحال ڈی مارلٹ کی کوشش سے 2 راگست 1783ء کو عارضی صلح کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ اس محاصرے میں انگریزوں کے چار سو آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے یا کہیں لاپتہ ہو گئے اور تیس و چالیس کے درمیان افسر کام آئے یا مجروح ہوئے [47]

ہنگامی معاہدۂ صلح پر دستخط

ہنگامی صلح کی شرائط کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ منگلور کے قلعہ پر کیمپل کا قبضہ رہے گا اور خندق

اور توپ خانے جو قلعہ کے سامنے بنائے گئے ہیں وہ ٹیپو کے قبضے میں رہیں گے۔ دونوں میں سے کوئی فریق حد بندی کے خطوط کو وسعت نہیں دے گا۔[48] عارضی صلح کے وقت دونوں کا جس جگہ پر قبضہ ہے وہ بدستور اسی طرح قایم رہے گا۔ ٹیپو نئے مورچے تعمیر نہیں کرے گا۔ انگریز نہ تو قلعہ کی دیواروں کے رخنوں کی مرمت کریں گے اور نہ باہر سے کسی قسم کی امداد ہی حاصل کریں گے۔ مگر ٹیپو کو خندقوں اور مورچوں کی حفاظت کے لیے عام گارڈ کے ساتھ تین ہزار آدمی رکھنے کی اجازت ہوگی۔ اور مسلح سپاہی قلعہ کے اندر مختلف مقامات پر یہ دیکھنے کے لیے متعین کیے جاسکیں گے کہ التوائے جنگ کی دفعات کی خلاف ورزی تو نہیں کی جارہی ہے۔ اسی طرح کیمپبل کو بھی مورچوں اور خندقوں میں اپنے ایک ہزار آدمی یہ دیکھنے کے لیے رکھنے کی اجازت تھی کہ کوئی نئی تیاریاں نہ ہوں اور سرکاری روبکار ساحل سمندر کے پاس ہر دو جانب سے گزر سکتے ہیں۔ لیکن اندرونِ ملک میں ٹیپو کی مملکت سے ہو کر نہیں گزر سکتے۔ اور نہ سمندر کے راستے سے جاسکتے ہیں۔ بہر حال بعد میں سمندر کے ذریعہ جانے کی ممانعت پر عمل درآمد منسوخ کر دیا گیا۔ ٹیپو کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ قلعہ کے پاس وہ ایک بازار قائم کرے جہاں سے محافظ فوج سامان رسد اُسی بھاؤ خرید سکے جس بھاؤ میسوری خریدیں۔ لیکن کیمپبل کو بہ یک وقت صرف دس سے بارہ دن کی مدت کا سامان خرید کر قلعہ میں رکھنے کی اجازت تھی۔ رہیں وہ چیزیں جو اس بازار میں نہ مل سکیں مثلاً گائے کا نمکین گوشت، نمک اور شراب وغیرہ انھیں وہ دوسرے مقامات سے درآمد کر سکتا تھا لیکن وہ ایک مہینے کے راشن سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی۔ میجر کیمپبل کو دو انگریز افسر بہ طور یرغمال ٹیپو کے حوالے کرنے تھے اسی طرح ٹیپو کو بھی کیمپبل کو یرغمال دینے تھے۔ یہی شرائط اونور اور کاروار پر بھی منطبق ہوتی تھیں۔ صرف اُن آدمیوں کی تعداد مختلف تھی جنھیں خندق میں رہنا یا قلعہ میں جانا تھا۔ ٹیپو کو اپنے مورچوں میں نو سو آدمی بدستور رکھنے کی اور تیس آدمی قلعہ میں بھیجنے کی اجازت تھی۔ اسی طرح انگریزوں کو بھی تیس آدمی اس لیے رکھنے کی اجازت تھی کہ مورچہ پر اس بات کی نگرانی کر سکیں کہ ٹیپو نئی تیاریاں تو نہیں کر رہا ہے۔[49]

جس وقت ٹیپو ساحل مالابار پر فوجی سرگرمیوں میں مصروف تھا تو گورنمنٹ مدراس نے کپتان ایڈمنڈ کی ماتحتی میں غنیم کی توجہ ہٹانے کے لیے مئی کے وسط میں سلطنت پر شمال مشرق کی طرف سے حملہ کرنے کے لیے ایک فوج بھیجی۔ ایک مہم جو سید محمد[50] کو جو خود کو "کڑپا کا نواب" کہتا تھا، اُنھوں نے اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اُس نے انگریزوں کی مدد سے کڈاپا پر قبضہ کر لیا جو میر صاحب مرحوم کے بیٹے میر قمر الدین خاں کی جاگیر میں شامل تھا۔ ٹیپو نے اطلاع ملنے پر قمر الدین خاں کو کڈاپا کی طرف روانہ کیا جس نے پہلے سید محمد کو پوری طرح شکست دی اور پھر 28 ر جولائی کو انگریزوں کی اس فوج کو، جو مانٹ گمری

کی ماتحتی میں اس جھوٹے دعوے دار کی مدد کو بھیجی گئی تھی، شکستِ فاش دی۔[51] اس طرح بیدنور میں پھنسی ہوئی انگریزی فوج کی مدد کی نیت سے ٹیپو کی فوج کا رخ شمال مشرق کی طرف پھیرنے کی مدراس گورنمنٹ کی کوشش سخت ناکامی پر ختم ہوئی۔

میسور پر جنوب سے حملہ

جنوب کی سمت سے ٹیپو کی قلمرو پر حملہ بھی متوقع نتائج پیدا نہ کر سکا۔ حیدر علی کی وفات سے کچھ پہلے جان سلیوان نے جو تنجور میں کمپنی کا رزیڈنٹ تھا ایک منصوبہ بنایا تھا کہ جنوب میں جو فوج کرنل لینگ کی ماتحتی میں ہے وہ ٹیپو کی مملکت میں ایک طرف سے داخل ہو اور اسی کے ساتھ ہی دوسری طرف سے ہمراسٹوں کی پوانلی والی فوج سے یہ دونوں فوجیں کوئمبتور پر مل جائیں اور پھر مزید فوجی سرگرمیوں کے لیے آگے بڑھیں لیکن مدراس گورنمنٹ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس لیے اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ سر آئر کوٹ اور بمبئی گورنمنٹ نے بھی اس کی مخالفت اس بنا پر کی تھی کہ کمپنی کی فوجیں اس قدر مضبوط اور طاقتور نہیں تھیں کہ میسوریوں کی مزاحمت پر غلبہ پا سکتیں۔ بہرکیف سلیوان نے میسور پر حملے کے لیے ایک دوسرا منصوبہ بنایا۔ اس نے ایک برہمن ترومالا راؤ سے گفت و شنید شروع کی۔ راؤ کا دعویٰ تھا کہ وہ مہارانی لکشمی امانی[52] کا ایجنٹ ہے۔ سلیوان نے اس سے معاہدہ کیا کہ وہ مقید راجہ کو اس کے تخت پر دوبارہ بحال کرا دے گا۔ اگر اس مقصد میں کامیابی ہو گئی تو ترمال راؤ کو انعام کے طور پر بحال شدہ اضلاع کے محاصل کا دس فی صد حصہ ملے گا اور پردھان یا وزیر اعلیٰ کا عہدہ موروثی طور پر اس کے خاندان میں رہے گا۔ اس معاہدے پر بہ شرطِ منظوری گورنر جنرل[53] باجلاس کونسل 28 اکتوبر 1782ء کو دستخط ہوئے چنانچہ کرنل لینگ کو ترومالا راؤ کے ہمراہ جنوب کی طرف سے میسور پر حملے کے لیے روانہ کیا گیا۔

2 اپریل 1783ء کو کرور کے قلعہ پر قبضہ ہوا۔ 17 کو اراواکرچی پر دھاوا کیا گیا اور 4 مئی کو ڈنڈی گل مسخر ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد لینگ کے مستعفی ہو جانے کی وجہ سے فلارٹن نے کمانڈ سنبھالی۔

فلارٹن 25 مئی کو ڈنڈی گل سے روانہ ہوا اور 2 جون کو دھاراپورم پر قبضہ کیا جہاں گولہ بارود اناج اور مویشی کا بڑا ذخیرہ اس کے ہاتھ آیا۔[54] باوجود ان کامیابیوں کے فلارٹن کو یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ کسی حوصلہ مندانہ منصوبے پر عمل کر سکے۔ کیونکہ جیسا کہ اس نے خود کہا ہے کہ "جنوبی فوج اتنی قوی اور مضبوط نہیں تھی کہ وہ سرنگاپٹم پر حملے کا خیال کر سکے۔ ہم ٹیپو سلطان کی ساری طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔[55]" حقیقت یہ ہے کہ فوج اس قدر کمزور تھی کہ فلارٹن دھاراپورم کے لیے حفاظتی فوج مہیا نہیں کر سکتا تھا اور اس کے استحکامات کو منہدم کرنے پر مجبور ہو گیا۔[56] اس صورت حال میں اس

کا دائرہ عمل صوبہ بیدنور میں انگریزوں پر دباؤ کو کم کرنے تک محدود تھا لیکن ایک کمزور فوج کے ساتھ وہ اس مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کوئمبتور کے علاقے میں میسوری فوجیں انگریزی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی مضبوط تھیں۔

اسی اثنا میں 13 مئی کو فلارٹن کو جنرل اسٹورٹ کا حکم ملا کہ وہ کڈاپور کی طرف تیزی سے کوچ کرے اس لیے وہ اس مہم کو چھوڑ کر اسٹورٹ کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن جب اسٹورٹ کے کیمپ سے چار منزل کی دوری پر تھا تو اُسے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ بند ہو جانے کی اطلاع ملی اس طرح سے چونکہ وہ خطرہ ٹل گیا جو اسٹورٹ کو لاحق تھا اس لیے وہ جنوب کی طرف لوٹا۔[57] اس کی فوج کی تعداد اب تقریباً دگنی ہو گئی تھی کیونکہ گڈانور میں جو امدادی سپاہ تھی وہ وہاں سے چھٹکارا پا کر اس کی فوج میں شامل ہو گئی تھی۔ وہ میسور پر ایک تازہ حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے ٹیپو اور کمپنی کے درمیان عارضی صلح کی اطلاع ملی۔ اس کے نتیجہ میں اس نے یہ مہم ملتوی کر دی اور ٹینیولی اور مدورا کے سرکش پالیگاروں کی سرکوبی میں مصروف ہو گیا۔[58] مگر فلارٹن نے جنگ کی تیاریاں نہیں کیں اور ٹیپو کے خلاف ٹراونکور اور کالی کٹ اور مالابار کے دوسرے راجاؤں سے ساز باز کرتا رہا کیونکہ سرنگاپٹم پر حملے کے امکان نے اس کے خیالات پر قبضہ جما رکھا تھا۔ پس پالیگاروں کو اطاعت پر مجبور کرنے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس نے دھاراپورم کی طرف کوچ کیا کیونکہ 19 اگست کو مدراس گورنمنٹ نے یہ ہدایت کی تھی کہ اسے سرحدوں پر موجود رہنا چاہیے تاکہ ٹیپو عارضی صلح کی دفعات کی اگر خلاف ورزی کرے تو وہ جارحانہ اقدام کر سکے۔[59]

عارضی صلح کی انگریزی خلاف ورزیاں

دریں اثنا فلارٹن کے لیے صورتِ حال بہت مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ گو اس کی فوج کی تعداد ساڑھے تیرہ ہزار ہو گئی تھی مگر اس کے پاس سامانِ رسد کی کمی تھی اور فوج کی بارہ مہینوں کی تنخواہ بھی باقی تھی۔ ستمبر کے آخر میں اس قدر خطرناک صورت حال تھی کہ مدراس گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے پر وہ مجبور ہو گیا کہ اسے "دشمن کے علاقے سے سامانِ خوراک حاصل کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کمپنی کے جنوبی صوبے انگریزی فوجوں کے کفیل ہونے کے قابل نہیں رہے تھے"[60] مگر 16 اکتوبر کو جب فوج کا سامانِ رسد تقریباً بالکل ختم ہو چکا تھا اسے ٹیلی چری سے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ٹیپو نے منگلور پر پھر حملہ شروع کر دیا ہے۔ وہ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے خود بہانا

ڈھونڈھ رہا تھا تاکہ اسے اپنی موجودہ مصیبت سے نجات ملے، اس نے اس خبر کی بلا تصدیق کیے اور مدراس گورنمنٹ کے احکام کا انتظار کیے بغیر جارحانہ حملے کا فیصلہ کر لیا۔ 23 ر اکتوبر کو پالنی[61] سے پال گھاٹ کی طرف کوچ کیا جہاں سے مالابار اور کارومنڈل کے ساحلوں کے درمیان مراسلات کی نگرانی کی جاتی تھی اور جو ایک نہایت زرخیز علاقے کے درمیان واقع ہے۔[62] اس کے علاوہ فلارٹن نے پال گھاٹ کو اپنی منزل اس لیے منتخب کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کی تسخیر صلح کی اس گفت و شنید پر ضرور اثر انداز ہوگی جو اس وقت جاری تھی۔

میسور کے علاقے پر یہ حملہ منگلور کے ہنگامی معاہدۂ صلح کی صریح خلاف ورزی تھی چنانچہ اس علاقے میں ٹیپو کے کماندار روشن خاں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا لیکن فلارٹن نے احتجاج کی بالکل پروا نہیں کی اور برابر آگے بڑھتا رہا۔[63] اس نے درمیان کی کئی چوکیوں پر قبضہ کر لیا اور ساگون کے گھنے جنگلوں سے گزر کر ایک مشکل اور تھکا دینے والے کوچ کے بعد 5 ر نومبر کو پال گھاٹ پہنچا اور فوراً اس کا محاصرہ شروع کر دیا۔ 15 ر نومبر کو روشن خاں نے گورنر مدراس کا خط اس کے پاس بھیجا جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ تمام جارحانہ سرگرمیاں روک دے اور ان حدود کے اندر واپس آجائے جن پر 16 ر جولائی 1783ء کو اس کا قبضہ تھا۔ لیکن فلارٹن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے صرف اس ہرکارے کو جو خط لایا تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں واپس بھیج دیا۔ اسی دن اس نے پال گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔[64] اسے قلعہ میں متعدد توپوں اور بڑی مقدار میں اشیائے خورد و نوش اور فوجی سامان کے علاوہ پچاس ہزار پگوڈے بھی ملے۔[65] یہ قلعہ اگرچہ ہندوستان بھر میں سب سے مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا تاہم بلا کسی دشواری کے تسخیر کر لیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ عارضی صلح کی وجہ سے قلعہ کا کماندار سلامتی کی خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا اور دفاعی انتظامات نہیں کیے تھے۔[66] پال گھاٹ سے کوچ کر کے فلارٹن 26 ر نومبر کو کوئمبٹور پہنچا اور 28 ر نومبر کو قلعہ کی کسی دیوار میں ایک بھی رخنہ ڈالے بغیر اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی دن روشن خاں نے کمشنروں کا ایک خط فلارٹن کو بھیجا جس میں جنگی کارروائیاں بند کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن وہ خط بغیر کھولے واپس کر دیا گیا اور پیامبر کو جو خط لایا تھا ڈرایا دھمکایا گیا کہ اگر اس نے پھر صورت دکھائی تو اسے سزا دی جائے گی۔[67]

فلارٹن نے اگرچہ بار بار کمشنروں کے اور گورنر مدراس کے احکام کے خلاف عمل کیا تاہم اسے سرزنش تک نہیں کی گئی۔[68] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے میسور پر حملہ اپنے بالادست افسروں کی منظوری سے کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میکارٹنی نے فلارٹن کو دو قسم کے متناقض احکامات بھیجے۔ وہ احکام جو

ٹیپو کے افسروں کی معرفت بھیجے گئے تھے اُن میں جنگ سے باز رہنے کو کہا گیا تھا اور وہ احکام جو براہِ راست بھیجے گئے تھے ان میں حملوں کے متعلق نہ صرف چشم پوشی اور اغماض سے کام لیا گیا تھا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی تھی چنانچہ 13 / دسمبر 1783ء کو میکارٹنی نے فلارٹن کو لکھا کہ "ہماری رائے یہ ہے کہ جن مقامات پر قبضہ کر لیا گیا ہے اُن کو اس وقت تک بحال نہ کیا جائے جب تک ہم تمھیں لکھیں پالاگیچری پر قبضہ منگلور کی گیریزن کی سلامتی کے لیے مفید ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس (ٹیپو) کو کسی غداری یا تشدد کے عمل کے انتقال کا وسیلہ مہیا کر سکتا ہے[69]" اس کے علاوہ نئی فتوحات کی مدد سے میکارٹنی ٹیپو سے صلح کی گفت و شنید میں کمپنی کی سودے بازی کی قوت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ لیکن آخر میں یہ اندازہ کر کے کہ فلارٹن کا طرزِ عمل مذاکراتِ صلح میں ایک بڑی رکاوٹ بن گیا ہے اور اس کا امکان ہے کہ ٹیپو سے کھلی ہوئی جنگ شروع ہو جائے اُس نے انگریز فوجوں کو حکم دیا کہ اُن حدود میں واپس چلی جائیں جہاں 26 / جولائی 1783ء کو اُن کا قبضہ تھا۔ چنانچہ 28 / دسمبر کو فوجوں نے واپس ہونا شروع کر دیا لیکن واپس ہونے سے پہلے انھوں نے سلطان کی املاک کو کافی نقصان پہنچایا۔ کوئمبٹور سے جاتے وقت انگریزی فوجوں نے اردگرد کے ضلعوں کو لوٹا اور قلعہ سے متعدد توپیں اور کافی مقدار میں سامانِ رسد اور گولہ بارود اپنے ساتھ لے گئیں۔ انھوں نے پال گھاٹ کے شہر کو مسمار کر دیا اور ایک لاکھ پگوڈے لے گئیں (ساٹھ ہزار پال گھاٹ سے اور چالیس ہزار پالی کوٹہ سے) اس کے علاوہ کثیر مقدار میں اناج اور فوجی اسٹور اور کئی توپیں بھی لے گئیں اور قلعہ کو میسوری افسروں کے سپرد کرنے کے بجائے راجہ کے حوالے کر دیا۔[70]

عارضی صلح نامے پر دستخط ہونے کے فوراً بعد کیمبل نے 13 / اگست کو سلطان سے ملاقات کی اور اسے قلعہ میں سامانِ خوراک کی قلت سے مطلع کیا۔[71] ٹیپو نے مناسب عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے خلعت عطا کی اور ایک گھوڑا دیا اور انگریزی گیریزن کے لیے قلعہ کے نزدیک فوراً ایک بازار لگائے جانے کا حکم صادر کیا۔[72] اس کے باوجود 20 / اگست کو جنرل میکلیوڈ جو مالابار اور کیناڈا میں کمپنی کی فوجوں کا اعلیٰ کمانڈر تھا، قلعہ کو کمک پہنچانے کے لیے ہنوپرینوں (Honnavar) کے ایک دستے کے ساتھ منگلور کے سامنے پہنچا۔ اس کا یہ اقدام عارضی صلح نامے کی اس پانچویں دفعہ کی کھلی خلاف ورزی تھی جس کی رُو سے میجر کیمبل کو خشکی کے راستے سے یا سمندر کی طرف سے کسی قسم کی مدد حاصل کرنے کا حق نہیں تھا۔[73] پھر بھی ٹیپو نے میکلوڈ کو نہ صرف منگلور میں اترنے کی اجازت دی بلکہ شہر میں اس کے قیام کے لیے انتظام کرنے کا حکم بھی صادر کر دیا۔ اسے قلعہ میں جانے کی اجازت دی اور

جب جنرل ٹیپو سے ملاقات کے لیے آیا تو اس کا خیر مقدم بڑے تپاک کے ساتھ کیا گیا۔ ایک فینس ایک گھوڑا اور خلعت اسے تحفے کے طور پر پیش کیے گئے اپنے گیریزن کے ساتھ سلطان کے برتاؤ سے پوری طرح مطمئن ہو کر ۲۸ اگست کو وہ ساحل سے روانہ ہوا۔[74] بعد میں آنے والے مہینوں میں بھی قلعہ کے پاس والا بازار انگریزی گیریزنوں کو وہ چیزیں مہیا کرتا رہا جن کا عارضی صلح کے معاہدے کی تیسری دفعہ میں ذکر تھا۔

بایں ہمہ انگریز ان انتظامات سے مطمئن نہ تھے۔ وہ قلعہ میں کافی تعداد میں آدمیوں اور کافی مقدار میں ضروری اشیا کی فکر میں تھے۔ تاکہ اگر صلح کی گفتگو ناکام ہو جائے اور لڑائی شروع ہو جائے تو وہ ایک طویل المدت تک محاصرے کی تاب لا سکیں۔ میکلوڈ اسی لیے اوائل اکتوبر میں اور پھر اسی مہینے کے آخر میں منگلور آیا اور ٹیپو سے قلعہ میں سامانِ خورد و نوش دوبارہ پہنچانے کی اجازت طلب کی مگر ٹیپو نے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ سامانِ رسد کی جو مقدار عارضی صلح کی شرائط میں مقرر کی گئی ہے وہ پہلے ہی قلعہ میں بھیجی جا چکی ہے۔ حکومت بمبئی منگلور پر قبضہ رکھنے کی فکر میں تھی جس کو وہ ایک بہترین مقبوضہ مقام سمجھتی تھی۔ اسی لیے اس نے میکلوڈ کو حکم دیا کہ وہ فوجی قوت سے کام لے کر گیریزن کو امداد پہنچائے۔[75] چنانچہ ۲۲ نومبر کو ایک بڑی فوج اور اسکواڈرن کے ساتھ جنرل منگلور کے سامنے پہنچ گیا اور اصرار کیا کہ چاول کے چار ہزار بورے قلعہ کے اندر بھیجے جائیں۔ مگر ٹیپو نے اس مطالبے کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ مقدار اس سے بہت زیادہ تھی جو صلح نامے میں مقرر کی گئی تھی میکلوڈ کے گستاخانہ اور دھمکانے کے انداز نے ٹیپو کے رویہ کو اور بھی سخت کر دیا میکلوڈ جنگی جہاز اور فوج کے ساتھ منگلور کے سامنے نمودار ہوا تھا۔ یہ بات عارضی صلح نامے کی شرائط کے بالکل خلاف تھی۔ اس کے علاوہ ٹیپو کی درشتی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کوئمبتور کے صوبے میں فلارٹن نے چڑھائی کر دی تھی۔ اس صورتِ حال میں ٹیپو اور انگریزوں کے درمیان دوبارہ جنگ شروع ہونا ناگزیر معلوم ہوتا تھا۔ بہرکیف یہ خطرہ پیو بردن دی مارلٹ کی کوششوں سے ٹل گیا جو قیامِ امن کے لیے کوشاں تھا۔ اس نے مصالحت کی ایک تجویز پیش کی جو دونوں فریقوں نے تسلیم کر لی۔ میکلوڈ کے چاول کی چار ہزار بوریوں کے مطالبے کو بہت زیادہ قرار دیا گیا اس کی تجویز یہ تھی کہ حفاظتی فوج کو اجازت ملنی چاہیے کہ چاول کی ایک ہزار بوریاں وہ قلعے کے اندر لے جا سکے اور جب وہ خرچ ہو جائیں تو ایک ہزار بوریاں اور قلعہ کے اندر بھیجی جا سکیں۔ اس کے علاوہ ایک مہینے کی ضرورت کے لائق نمک گوشت اور شراب بھی قلعہ میں لے جائی جا سکتی ہے۔ اور نور کو دو سو چاول کی بوریاں اور ایک مہینے کی ضرورت کے لیے چیزیں قلعہ میں لے جانے کی اجازت ملی جس سے حفاظتی

فوج کے حصہ میں پہلے سے مقرر تھا کیونکہ عارضی صلح نامے کی دفعہ تین کے مطابق دس یا بارہ دن کی اشیائے خورد و نوش سے زیادہ قلعہ کے اندر دیے جانے کی اجازت نہیں تھی۔[77]

لیکن اس سمجھوتے کے باوجود میکلوڈ سازشوں اور جارحانہ سازبازسے باز نہ آیا۔ اس نے کیمپبل کو مشورہ دیا کہ حفاظتی فوج کو چاول اور روٹی کا نصف راشن جنس کی اور نصف نقد کی صورت میں دے اور دوا وغیرہ رسد رسانی جتنا زیادہ سامان خرید سکے اُسے خریدنے دیا جائے تاکہ حفاظتی فوج مزید دو مہینے تک جمی رہ سکے۔ اس نے کیمپبل کو یہ بھی لکھا کہ اگر میر البحر ساحل پر آئے تو مجھے امید ہے کہ ندی کے مقامات پر بہ زور قبضہ کر لینے کے ذرائع وہ ہمیں مہیا کریں گے۔ سگنل اشارات اور مراسلات اس کی اطلاع ملنی ضروری ہے۔[78]

میکلوڈ 2 دسمبر کو جہاز سے روانہ ہوا اور 27 کو واپس آگیا۔ اس کو پھر حفاظتی فوج کے لیے سامان اتارنے کی اجازت مل گئی۔[79] مزید ایک ماہ کے لیے رسد جنوری 1784ء کے آخر میں منگلور پہنچ گئی جو دو جہازوں میں کرنل گارڈن کی ماتحتی میں آئی تھی۔ میکلوڈ کے بعد وہ دوسرے نمبر کا کماندار تھا۔[80] لیکن وہ بہت دیر میں پہنچا کیونکہ 26 جنوری کو کیمپبل نے اطاعت قبول کر لی تھی اور 29 کو قلعہ ٹیپو کے حوالے کر چکا تھا۔ وہ خود کہتا ہے "معاہدے کی دفعات کے تحت حفاظتی فوج کے لیے جو زیادہ سے زیادہ فوائد میں طلب کر سکتا تھا میں نے کیے اور نواب ان پر نہایت دیانت داری اور پختگی سے قایم رہا۔"[81] معاہدے کی شرائط میں یہ تھا کہ قلعہ کرناٹک کے کسی اور قلعہ کے بدلے جو ٹیپو کے قبضہ میں ہو ٹیپو کے حوالے کر دیا جائے گا۔ صلح کے معاہدے میں شرط درج تھی کہ حفاظتی فوج کو پورے جنگی اعزاز کے ساتھ قلعہ سے باہر آنا تھا۔ کشتیوں پر انھیں جانا تھا۔ اگر کشتیاں کافی تعداد میں فراہم نہ ہو سکیں تو حفاظتی فوج کو خشکی کے راستے بھیجا جائے گا اور ٹیپو اپنی مملکت کے حدود میں رسد اور ذرائع حمل و نقل مہیا کرے گا۔ حفاظتی فوج کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ایسی تمام چیزیں اپنے ساتھ لے جائے جو کمپنی کی ملکیت تھیں اور جو چیزیں سلطان کی تھیں وہیں چھوڑ دینا تھا۔[82]

کیمپبل بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ آٹھ مہینے سے زیادہ عرصے تک جما رہا لیکن اس سے زیادہ وہ نہ ٹھہر سکا کیونکہ خود اس کا اور اس کے آدمیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا یورپین بغاوت پر کمر بستہ تھے اور بہت سے ہندوستانی سپاہی روزانہ دشمن کی فوج میں چلے جاتے تھے۔ بارہ سے پندرہ تک آدمی ہر روز مر رہے تھے۔ اسقربوط (فساد خون کی ایک بیماری) بڑی شدت سے پھیل رہی تھی۔ حفاظتی فوج کے دو تہائی افراد سے اسپتال بھرے ہوئے تھے اور جو باقی تھے

اُن میں اسلحہ سنبھالنے کی سکت نہیں تھی[83] کیمپبیل خود دق میں مبتلا تھا اور مرض کی آخری منزل میں داخل ہو چکا تھا[84]

حفاظتی فوج کے مصائب کا ذمہ دار ٹیپو کو قرار دینا غلط ہے۔ دال اور گھی کی کمی ضرور تھی لیکن چاول کی کمی نہیں تھی اور اطاعت قبول کرنے کے وقت تک انگریز قلعہ کے نزدیک والے بازار سے برابر چاول خریدتے رہے۔ میکلوڈ نے 19 دسمبر 1783ء کو گورنر جنرل با جلاس کونسل کو ایک مراسلے میں لکھا کہ "منگلور اور اونور میں ٹیپو نے سامان خوراک پہنچانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی ہے۔"[85] ٹیپو کو اصل میں جس بات پر اعتراض تھا وہ یہ تھی کہ قلعہ میں اس مقدار سے زیادہ سامان لے جایا جائے جو عارضی صلح نامے کے معاہدے میں طے ہو گئی تھی۔ حقیقت میں جو چیزیں باہر سے لائی جاتی تھیں اُن کی کمی اور نقص نے حفاظتی فوج کو زیادہ نقصان پہنچایا اور اس کی حقیقی ذمہ داری بمبئی کی گورنمنٹ تھی مثلاً اونور کے کمانڈر نے خود تسلیم کیا ہے کہ سامانِ خورونوش کی تو اس وقت بھی کمی نہیں ہے لیکن اچھے اور صحت بخش سامان کی ضرورت ہے بہرکیف سامانِ خورد و نوش اس وقت ہماری ضروریات میں سب سے کم درجے پر ہے۔ خوراک کا جو سامان میکلوڈ 22 نومبر کو منگلور کے قلعہ کے لیے لایا گیا تھا گودام کے اس خراب شدہ سامان کا ایک حصّہ تھا جسے بحری فوج کے ایک ایجنٹ سے خریدا تھا۔ جہاں تک اس کے لائے ہوئے گائے اور سور کے گوشت کا تعلق ہے اس میں سے ایک ٹکڑا بھی ایسا نہ تھا جسے کتے بھی کھانا پسند کرتے۔ 31 دسمبر کو جو سامان قلعہ میں لایا گیا وہ بھی ادنا ہی قسم کا تھا۔ صرف تھوڑا سا نمکین گوشت کھانے کے قابل تھا۔ بسکٹوں میں کیڑے پڑے ہوئے تھے گو قلعہ میں داخل ہونے والے چاولوں کی مقدار حسبِ سابق تھی۔ لیکن گائے کا گوشت اور شراب پہلے سے کم تھی اور افسروں کے لیے فواکہات بھی نہیں لائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حفاظتی فوج اس لیے غفلت اور بے توجہی کا شکار ہوئی کہ میکلوڈ نے مالابار ساحل پر ایک فوجی قلعہ کو تسخیر کیا جسے بے حد اہمیت حاصل تھی۔ لہٰذا اس کو محفوظ رکھنا منگلور سے بھی زیادہ ضروری تھا۔

منگلور کے خلاف اپنے منصوبوں کو خاک میں ملتے دیکھ کر میکلوڈ کینانور کی چھوٹی سی موپلا بستی کی طرف متوجہ ہوا اور دسمبر 1788ء میں اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے اس حملے کو آڑ بنانے کے لیے یہ الزام دھرا۔ اس کے تین سو آدمیوں کو جو کاروار سے اس کے پاس آ رہے تھے کینانور کی بی بی (حاکم) اور ٹیپو نے قید کر لیا ہے اصل قصہ یہ تھا کہ سپر نامی کشتی جو انھیں لا رہی تھی طوفان میں تباہ ہو گئی تھی اور دو افسر اور دو سو آدمیوں کو جو بچ کر منگلور کے قریب ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے ٹیپو نے حراست میں لے لیا تھا۔ تقریباً سو آدمیوں کو

جو کیتانور کے قریب تباہ ہوئے تھے بی بی نے قید کر لیا تھا اور انھیں ہتھکڑیاں پہنائی تھیں چونکہ ٹیپو اور بی بی دونوں نے ان کو رہا کرنے سے انکار کر دیا اس لیے میکلوڈ نے کینانور پر چڑھائی کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ میکلوڈ کے حملے کے اسباب بالکل مختلف تھے مدراس کے گورنر کو ایک خط میں اس نے لکھا تھا کہ "یہ دیکھ کر کہ اس وقت فوج کے پاس کوئی کام نہیں ہے میں نے اس سے اس موپلا بستی کو زیر کرنے کا کام لیا جو ٹیلی چری کے ساتھ پرانی دشمنی رکھتی ہے۔ یہ ہندوستان کی ایک نہایت عمدہ بستی ہے اور بمبئی گورنمنٹ کے لیے اس پر قبضہ بہت سود مند ہوگا۔ ایک دوسرے خط میں وہ کہتا ہے" میں نے ہندوستان میں اپنی راج دھانی کے علاوہ اس سے زیادہ مضبوط اور مستحکم بستی نہیں دیکھی یہ ہمارے لیے منگلور سے زیادہ بیش قیمت ہے کیونکہ اس کے اور سمندر کے درمیان کوئی دشمن قدم نہیں رکھ سکتا اس پر قبضہ اس لیے بھی اچھا تھا کہ یہ ایک بہت اچھی سیاہ مرچ کی بستی تھی۔ ٹیلی چری بہت بے حس اور پسماندہ ہے اور اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے"۔ مزید براں جنرل میکلوڈ کی ماتحتی میں جو فوج تھی وہ اس وقت اپنے وجود کو قایم رکھنے کے لیے کینانور پر حملہ کرنے کے لیے مجبور تھی (خصوصاً اس وقت جب کہ سامانِ رسد کے لیے تمام التجائیں اور زیادہ سے زیادہ قیمت کی پیش کش بیکار ہو چکی تھی۔)

کنانور کے خلاف مہم مختصر تھی جو صرف چھ دن جاری رہی (9 دسمبر سے 14 دسمبر تک) موپلا گو بڑی بہادری سے لڑے لیکن آخر میں انھوں نے شکست کھائی۔ انگریز مقتولین اور مجروحین کی تعداد 279 تھی جن میں معمولی فوجی افسر شامل تھے۔ بی بی کے نقصان اس سے بہت زیادہ تھے۔ کنانور اور اسکے ماتحت 42 قلعوں پر قبضہ کر لیا گیا اور چار لاکھ پگوڈے اور کثیر مقدار میں سامانِ خوراک انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ بی بی اور اس کے خاندان والوں کو گرفتار کر لیا گیا لیکن ان سب کو اس وقت رہا کر دیا گیا جب بی بی اس صلح نامے پر دستخط کرنے پر راضی ہو گئی جسے میکلوڈ نے خود لکھوایا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے اس کے مقبوضات اسے واپس کر دیے گئے لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کمپنی کو بطورِ خراج تین لاکھ پگوڈے سالانہ ادا کرے۔ اس کے قلعوں پر کمپنی کو ہر قسم کا اختیار حاصل ہوگا اور شہر اور قلعہ کے تمام سامان تجارت اور املاک اور جاگیر یہ سب چیزیں فوج کے لیے جائز انعام تصور کی جائیں گی، کمپنی بستی کی تمام سیاہ مرچ کی اجارہ دار ہوگی۔

میکلوڈ کا یہ جابرانہ برتاؤ مدراس گورنمنٹ نے پسند کیا ــــ لیکن بمبئی گورنمنٹ نے اس معاہدے کو اس لیے ناجائز اور قابل تنسیخ قرار دیا کہ میکلوڈ کو بغیر کمپنی کے مشورہ اور اجازت کے کوئی معاہدہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بی بی چونکہ ٹیپو کی حلیف تھی وہ قیام امن کے اہم کام کو تعویق

میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے انھوں نے حکم دیا کہ کینانور بی بی کو واپس کر دیا جائے۔ بہر حال انگریزوں نے آسے اپریل 1784ء تک یعنی منگلور کے عہد نامے کے بعد تک خالی نہیں کیا۔

باب 2 کے حاشیے

1. N.A. Sec, Pro., Jan. 6, 1783 Macartney to Bengal Dec. 13, 1782
2. Ibid, Jan. 13, 1783
3. M.R. Mly. Cons. Dec. 14, 1782, Nawab to Macartney, Dec. 13, 1782 vol. 81 A, P. 3905
4. Ibid. PP. 3901-2
5. Ibid. Jan. 18, 1783, vol. 85 A, PP. 232-3-
6. Ibid. P. 272
7. Fortescue: vol. iii, PP. 479-80
8. دریائے کورتالیار کے جنوب میں پانچ میل کے فاصلے پر ضلع چنگل پٹ (تامل ناڈ) میں ایک گاؤں ہے۔
9. Innes Munro: P. 308
10. کرمانی. ص 260-61
11. حکم نامہ۔ R.A.S.B. MS. No. 1676 f 8a Ibid. No. 1677, f: 26 B
12. N.A. Sec, Pro. Jan. 20, 1783 Bombay to Bengal Aug. 27, 1782
13. wilks: vol. ii, P. 200
14. میرجان ایک گاؤں ہے شمالی کنارا ضلع میسور میں۔
15. M.R., Mly. Cons. Feb. 1783, vol. 86 A, P. 719
16. Ibid, P. 716
17. میسور کے ضلع جنوبی کنارا کا ایک گاؤں ہے۔
18. wilks: vol. ii, P. 202
19. Innes Munro, P. 311
20. ایاز چراکل کا ایک نائر تھا جس کو حیدر نے 1766ء کے مالابار کے حملے میں گرفتار کر لیا تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا اور اپنی قابلیت اور خوش وضع شخصیت کی وجہ سے اس نے حیدر کا اعتماد حاصل کر لیا تھا اور حیدر نے اسے اپنی "اسدالہی" فوج میں بھرتی کر لیا تھا۔ 1779ء میں اسے چیتل درگ کا گورنر مقرر کیا گیا اور 1782ء میں اسے بیدنور کا گورنر مقرر کیا گیا جو زیادہ اہم صوبہ تھا۔

(Cal. cor, vol vii. No. 953, wilks vol. i PP. 741-42)

اسی زمانے میں انگریزوں نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ پہلے تو اس نے انگریزوں کے اثر میں آنے سے گریز کیا لیکن حیدر کی وفات کے بعد اس نے میتھیوز سے سمجھوتہ کر لیا اور بیدنور کا سارا صوبہ اس کے حوالے کر دیا۔
(Sec Pro., May 12, 1783)

مائلس نے نشان حیدری کے ترجمے (ص 8) میں ایاز کو "ایاز خاں" لکھا ہے اور اسے نواب مرحوم کا متبنی بتایا ہے لیکن "نشان حیدری" کے بمبئی والے ایڈیشن میں اور R.A.S.B. کے مخطوطہ نمبر 200 میں اور دوسرے ہمعصر بیانات میں ایاز کو نواب مرحوم کا غلام بتایا گیا ہے۔ اس کو "ایا نخاں" بھی کہا گیا ہے (wilks : vol. ii, P. 205)
اس بیان کی کسی معتبر شہادت سے تصدیق نہیں ہوتی کہ ٹیپو ایاز سے اس لیے جلتا تھا اور اس کے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کرتا تھا کہ حیدر کا منظور نظر تھا اور اکثر اعلانیہ حیدر اس کی خوبیوں کا اپنے بیٹوں سے مقابلہ کرتا رہتا تھا۔

21. N.A., Sec, Pro. May 12, 1783 Campbell to Hastings
Ibid. May 26, 1783

22. اننت پور ایک گاؤں ہے میسور کے ضلع موگا میں۔

23. wilks : vol. ii, P. 207

24. Ibid. P. 208

25. Memoirs of John Campbell, P. 49

26. Mill : vol. iv, P. 188

27. The Captivity.... of James Scurry, P. 98

28. Authentic Memoirs of Tippo Sultan P. 34

29. The Captivity.... of James Scurry, P. 98

30. N.A. Sec, Pro., June 23, 1783

31. Belcliffe to Macartney, May 20, 1783, wilks, vol. ii, P. 212

32. N.A. Sec, Pro., June 23, 1783

33. کرمانی، ص 265
Sheen's letter in the Narrative of Captain Oakes, PP. 83-84

34. مگر وکس نے شرائط کی دوسری دفعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔
Shee'n letter in Narrative of Captain Oakes, PP. 83-84
Narrative of Captain Oakes, PP. 1-2

35. Ibid. ۔ اوکس نے اس لڑائی کا اگرچہ ذکر نہیں کیا تاہم واقعے کی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس حملے میں شین نے معمولی سا زخم کھایا تھا۔ کرنل پرائس نے جو ٹیپو سلطان کی فوج کے ایک حصے میں ملازم تھا جو ساحل کے قریب تھی اپنی کتاب میں غالباً اسی حملے کا ذکر کیا ہے۔

36. Sheen's letter, PP. 83-84

37. Ibid, PP. 84 - 85 - 87

38. The Captivity.... of James Scurry, PP. 306-07

39. Sheen's letter, P. 88

تاریخ خداداد (ص 88) کے مطابق فرنگیوں نے جواہرات اور روپیہ بھیڑ بکریوں کے جبڑوں میں، ڈبل روٹیوں میں اور صریہ ہے کہ اپنی شرمگاہوں میں چھپا رکھے تھے۔ اسی لیے "شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر جسم کے ہر حصے کی تلاشی لی گئی۔"

40. M.R. Mly. Sundry Book, 1784 vol. 61, PP. 885 - 94

41. wilks : vol. ii ; P. 213

42. کرمانی، ص 266-67 Memoir of Jhon Campbell, P. 44

43. Ibid. P. 267

44. Ibid, P. 49 ; Forrest : Selections : vol. ii, Home Series P. 288, wilks : vol. ii, 214 - 15

45. اس محاصرے کی تفصیل کے لیے دیکھیے : Forrest, Selections, Home Series

46. N.A. Sec, Pro., Nov 10, 1783, M.R. Mly. Cons. Oct. 14, 1783 Macartney to Hastings, vol. 93A, P. 4448

47. N.A. Sec, Pro. Aug. 18, 1783

48. Ibid, Nov 10, 1783, A.N.C[2] 155 de Morlat to Campbell July 21, 1783 f 313a

49. N.A. Sec, Pro., Nov. 10, 1783. M.R. MLY Sundry Book. 1784 vol. 61, PP 885 - 94 See also A.N. C[2] 155 Nos. 1 - 25

ان ماخذوں سے مارچ صلح کی گفت و شنید کی تفصیلات کا نیز اس سلسلے میں عورت کے رول کا علم ہوتا ہے۔

50. سید محمد ایک پیرزادے کا بیٹا تھا جو گلبرگہ میں حضرت گیسو دراز کی درگاہ سے وابستہ تھا۔ کڈاپا کے سابق نواب کی بیٹی

سے شادی کی تھی۔ اسی رشتہ کے تعلق سے کڈاپا اور اس کے ماتحت علاقوں پر وہ اپنا حق جتاتا تھا۔

(wilks : vol. ii , P. 216)

51. ولسن کہتا ہے کہ قمرالدین خاں نے یہ حملہ اس وقت کیا جب معاہدۂ صلح سے پہلے التوائے جنگ کی گفتگو ہو رہی تھی لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قمرالدین خاں انگریزوں سے شرائطِ صلح کے متعلق بغیر ٹیپو کے علم کے کوئی گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔

52. مہارانی لکشمی امانی اور ترومالا راؤ سے متعلق مزید معلومات کے لیے دیکھیے :

Mys. gaz . ii , PP. 2558-60 and wilks: ii, P. 240

53. Aitchison: Treaties ix PP. 200-206

54. M.R. Mly. Sundry Book 1785, vol. 66, PP. 35-37

55. Ibid. P. 37

56. Ibid. P. 39

57. Ibid. P. 39

58. Ibid. P. 85

59. Ibid. P. 87

60. Ibid. P. 93

61. پالنی مدھورائی ضلع تامل ناڈ (مدراس) کا ایک شہر ہے۔

62. M.R. Mly. Sundry Book 1785 vol. 66, F. 97 Ibid

63. Ibid. P. 103

64. Ibid. 1783 vol. 60A, PP. 107-8

65. Ibid. 1784 vol. 61, P. 712

66. Ibid. 1783 vol. 60A, PP. 107-8

67. Ibid. PP. 245-46, Nov. 28, 1783, Roshan khan to Mir Muin-ud-din also See PP. 232-35 PP. 418-19.

68. اس ماخذ کے مطابق روشن خان نے 6 دسمبر کو ہی کمشنروں کا ایک مراسلہ فلارٹن کو بھیجا تھا لیکن اسے بھی نظرانداز کیا گیا تھا، Ibid vol. 60 B,

Ibid. P. 383 Macartney to Fullarton, Dec. 13, 1783.

69. 24 جنوری 1784ء کو اس نے فلارٹن کو دوبارہ لکھا کہ "پالاگھاٹ چیری پر قابض رہنا ضروری ہے۔ کسی معاہدے کی حالت میں بھی اس سے دستبردار نہ ہوا جائے۔" (Ibid. 1785, vol. 66, P. 129)

70. مورخہ 26 جنوری 1784ء بنام اپا صاحب سرینواس راؤ۔

71. Memoir of Jhon Campbell P. 51 ٹیپو کا خط مورخہ 6 ستمبر 1783ء بنام میکارٹنی۔ N.A. Sec, Pro., Nov 10, 1783

72. Ibid

73. M.R. Mly. Cons. Dec. 8, 1783 Tipu to Macleod vol. 94 B. P. 5293
منگلور سے خفیہ اطلاع موصول ہوئی کہ ٹیپو کے لگائے ہوئے بازار سے قلعہ کے لوگ آٹا اور دوسرا سامان گیریزن کے لیے خرید کرلے جاتے ہیں۔ Oct. 31, 1783, vol. 93 B, P. 4775

74. Ibid Dec. 8, 1783 vol. 94 B, P. 5308

75. Ibid Fullarton to Madras Nov. 15, 1783 P. 5292
Ibid Dec. 3, 1783 vol. 94 A, P. 5195

76. M.R. Mly. Sundry Book 1784 de Morlat to Macleod No. 27, vol. 61, PP. 910-11

77. اس معاملے میں دی مارلٹ کے مذاکرات کے لیے دیکھیے:
A.N.C² 155 ff 335a-57b, No. 1-16 43, 44

78. M.R. Mly. Cons. Jan. 6, 1784 Macleod to Campbell vol. 96 A, PP. 35-36

79. wilks: vol. ii, P. 228

80. Ibid. P. 229

81. M.R. Mly. Cons. Feb. 20, 1784 Campbell to Madras, Feb. 6, vol. 97 A, P. 531

82. M.R. Mly. Sundry Book 1784 vol. 61, P. 820-25

83. مدراس ریکارڈ فوجی مشورے 20 فروری 1784ء کیمپبل کا خط مدراس کو 6 فروری، جلد 97A صفحہ 533

84. سرگزشت جان کیمپبل، ص 57

N.A., Sec.Pro., May 13, 1784, Macleod to Hastings, Dec. 29, 1783 .85

تیسرا باب

دوسری اینگلو میسور جنگ اور فرانسیسی

حیدر علی کی وفات کے بعد کرناٹک میں انگریزوں کے خلاف جنگ زیادہ تر فرانسیسی لڑ رہے تھے، لیکن اس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ فرانسیسیوں نے اس وقت تک دوسری[1] اینگلو میسور جنگ میں کیا حصہ لیا تھا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہندوستان میں جو فرانسیسی تھے انھوں نے حیدر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کریں گے لیکن جب جولائی 1780ء میں اس نے کرناٹک پر حملہ کیا اور جنگ شروع ہوئی تو انھوں نے کچھ فوجی سامان دینے کے سوا اور کوئی مدد نہیں دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ گو وہ خود 1778ء سے انگریزوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہے تھے، تاہم انھیں اس وقت تک فرانس سے کوئی کمک نہیں پہنچائی گئی تھی[2]۔ انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑنے کے ٹھیک چار سال بعد اور اینگلو۔ میسور جنگ شروع ہونے کے ڈیڑھ سال بعد ایک مختصر فوج جس میں 2500 آدمی تھے، دوچی من کے زیرِ کمان ہندوستان پہنچی۔ بیلی ڈی سفرن اس فوج کے ساتھ آیا تھا۔ جو 6 فروری 1782ء کو پورٹو نوو پہنچی تھی[3]۔ منصوبہ یہ بنایا گیا تھا کہ ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات کو دوبارہ فتح کیا جائے اور حیدر کی مدد کی جائے، جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لیے ہندوستانی حکمرانوں کے اتحاد کا اصل محرک بن سکتا تھا۔ بہرکیف ڈوچی من کا تقرر بہ حیثیت کمانڈر محض عارضی تھا اور اس کی جگہ مارکوئس ڈڑبسی مقرر ہونے والا تھا جس نے جنوبی ہند کے معاملات میں برسوں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ جلد ہی ایک بڑی فوج کے ساتھ ہندوستان آنے والا تھا۔

جب حیدر نے اس فوج کے آنے کی خبر سنی تو وہ بہت خوش ہوا[4]۔ کیونکہ اُسے امید تھی کہ اس فوج کی مدد سے وہ انگریزوں کو کچل کر رکھ دے گا۔ لیکن جلد ہی اس کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ کیونکہ

ڈوچی من نے اس کی رائے پر چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ من چلا مہم جو اور مستعد نہیں تھا۔ ایک بڑی کمی اس میں یہ تھی کہ وہ اولوالعزم اور حوصلہ مند نہیں تھا۔ حیدر نے یہ تجویز پیش کی جس کی سفرن نے بھی تائید کی تھی کہ وہ ناگاپٹم پر فوراً حملہ کر دے۔ کیونکہ اس کے دفاع کا بخوبی انتظام نہیں تھا۔ اس پر قبضہ کر لینا آسان تھا اور وہ تنجور کے زرخیز صوبے کی کنجی تھا' جہاں سے فرانسیسی اپنی فوجوں کے لیے رسد حاصل کر سکتے تھے۔ مگر ڈوچی من نے نہ صرف ناگاپٹم کی طرف پیش قدمی نہیں کی بلکہ اس وقت تک جہاز سے اترنے سے بھی اس نے انکار کر دیا[6] جب تک حیدر فرانسیسیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لیے راضی نہ ہو جائے۔ اس نے میسورون ڈی مارلاٹ اور دوسرے دو افسروں ایم۔ ایم ڈی میریزیک اور ڈی کیمبل کی معرفت اپنی تجاویز حیدر کے پاس بھیج دیں[6]۔ حیدر معاہدے کے معاملے کو ٹال گیا اگرچہ اس نے فرانسیسی ایجنٹوں کو یقین دلایا کہ فرانسیسی فوجوں کی تمام ضروریات کی خبرگیری کی جائے گی۔ اور فوراً اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ پورٹونوو بھیج دے[7]۔

اس جواب سے کسی قدر مطمئن ہو کر ڈوچی من نے اپنی فوجوں کو جہاز سے اترنے کا حکم دیا اور مارچ کے آخر میں ٹیپو کے زیر کمان میسور کی فوج اس کی امداد کے لیے پورتونو سے روانہ ہو گئی۔ حیدر کے افسروں نے ہدایت کے مطابق کافی سامان خورد و نوش اور حمل و نقل کے وسائل مہیا کیے۔ حقیقتاً سوائے روٹی کے کسی چیز کی اُن کے لیے کمی نہ تھی[8]۔ مگر ناگاپٹم کی طرف بڑھنے کے بجائے جیسا کہ حیدر چاہتا تھا ڈوچی من نے کوڈیلور پر چڑھائی کر دی۔ پھر 13 اپریل کی صبح کو اس پر قبضہ کرنے کے بعد تقریباً ایک مہینے تک وہ بے عمل پڑا رہا۔ اس نے اپنی اس بے عملی کو اس بنیاد پر حق بجانب قرار دیا کہ اس کے پاس سرمایہ اور فوج کی کمی تھی، سپاہیوں کی تعداد ہر روز بیماری کی وجہ سے گھٹتی جا رہی تھی[9]۔ بسی کے آنے سے پہلے اس نے اس ڈر سے کوئی حملہ کرنے سے انکار کر دیا کہ مبادا فرانس کا وقار جوکھم میں نہ پڑ جائے[10]۔

بہت سے حیلے حوالوں اور جوڑ توڑ کے بعد یکم مئی 1782ء کو ڈوچی من آخرکار کوڈالور سے ٹیپو کے ساتھ روانہ ہوا تاکہ حیدر سے جا کر مل جائے جو پیرومکل کے محاصرے کے لیے جا رہا تھا۔ فرانسیسیوں اور حیدر کی متحدہ فوجیں 11 مئی کو وہاں پہنچ گئیں اور 16 کو اس پر قبضہ[11] کرنے کے بعد وانڈیواش کی طرف روانہ ہو گئیں۔ کوٹ بھی جو اس مقام کو بچانے کے لیے فکرمند تھا کمک پہنچانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ حیدر نے ڈوچی من سے کہا کہ وہ انگریزوں سے جنگ شروع کر دے لیکن اس نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اسے بسی نے اور مشرق میں فرانسیسی مقبوضات کے گورنر

جنرل ویکومٹ ڈی سوئیلیک نے حکم دیا ہے کہ فرانس سے کافی فوجی امداد پہنچے بغیر عام جنگ کا خطرہ مول نہ لے۔ کیونکہ اگر شکست ہوگئی تو فرانسیسی وقار سے انکار ڈوچی من کی فاش غلطی ہوتی لیکن فرانسیسیوں اور حیدر کی متحدہ فوجیں انگریزی فوجوں سے بہت اعلیٰ اور برتر تھیں اور تعداد میں اور ساز و سامان کے اعتبار سے بھی آسانی سے کوٹ کو شکست دے دیتیں۔ چنانچہ اس کے انکار پر حیدر فرانسیسی کمانڈر پر بہت برہم ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے روپیہ یاد ھمکی دی کہ انگریزوں سے وہ علیحدہ کرے گا۔ روپیہ اور فرانسیسی فوجیں اس کی نظر میں بہت گر گئیں جن میں نظم و ضبط کا فقدان تھا۔ سامانِ رسد فراہم کرنے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔[12] اُن کے افسر بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے میں لگے رہتے تھے اور اقتدار و اختیار حاصل کرنے کے لیے شرم ناک زور آزمائی کرتے رہتے تھے۔ وہ یہ[13] محسوس کرتا تھا کہ فرانسیسی ایک ٹریس لیگر قوم ہے جو کردار سے محروم ہے وہ کبھی اپنے معاہدوں اور وعدوں پر قائم نہیں رہتی۔[14]

ڈوچی من کو ہندوستان میں فرانسیسی فوجوں کا کمانڈر مقرر کرنا اصل میں حکومت فرانس کی غلطی تھی، جیسا کہ میلے سن کہتا ہے "ڈوچی من سپاہی نہیں بلکہ جہاز راں تھا مگر وہ نہ سمندر میں مضبوط اور مستحکم تھا نہ زمین پر۔ وہ ذہنی طور پر بھی اتنا ہی کمزور تھا جتنا جسمانی طور پر۔ ایک ایسا جسم جو ذرا سی تھکان بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر ذمہ داری کا خوف طاری رہتا تھا۔[15]

12 اگست 1782ء کو ڈوچی مین کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ کومٹے ڈی ہوفلیز کا عارضی طور پر تقرر ہوا اس شخص کی قوتِ فیصلہ عقلِ سلیم اور معاملہ فہمی کے لیے عزت کی جاتی تھی۔ اس کے باوجود فرانسیسیوں سے حیدر کے تعلقات سدھر نہیں سکے۔ کیونکہ کمانڈر اس صورتِ حال کا اسیر تھا جو اس کے پیش رو نے پیدا کر دی تھی اور اس میں اتنی اہلیت نہیں معلوم ہوتی تھی کہ وہ کوئی نیا راستہ اختیار کر سکے۔[16] ڈی لاؤنے کہتا ہے کہ "ڈوچی من مر گیا، حکومت کا کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن حکومت کو کچھ فائدہ بھی نہیں پہنچا۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق تھا وہ بہت اچھا آدمی تھا لیکن جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس کا وہ اہل نہیں تھا"۔[17] ان وجوہ کی بنا پر حیدر اس قدر تنگ آگیا تھا کہ وہ فرانسیسیوں سے بالکل قطع تعلق کر لیتا اگر لاؤنے اور سفرن اس کی دل جوئی کرتے رہتے اور اس کو یقین دلاتے رہتے کہ بسی کی ماتحتی میں ایک بڑی فوج فرانس سے جلد آنے والی ہے۔[18] دکن میں بسی کے کارناموں کی یاد حیدر کے ذہن میں ابھی تک زندہ تھی اس لیے اس نے فرانس سے تعلقات قایم رکھے۔ اسے امید تھی کہ بسی آجائے گا تو وہ انگریزوں کو شکست دینے کے لائق ہو جائے گا لیکن 7 دسمبر 1782ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ بسی اس کے تین ماہ بعد ہندوستان پہنچا۔ ہیوفلیز جو اب تک

بے عمل پڑا ہوا تھا۔ حیدر کی وفات کی خبر سن کر سرگرم ہو گیا۔ بیوسیان ڈی مولاٹ کی دعوت پر اس نے کوچ کر کے میسوری فوج سے مل جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن میسوری فوج کے افسروں نے جنھیں ٹیپو کے ساتھ اس کے خلوص اور وفاداری پر شبہ تھا اس کے کدالور چھوڑنے کی مخالفت کی۔ مولاٹ نے بہتیرا یقین دلایا کہ ہوفلیز مخلص اور وفادار ہے اور اس کی موجودگی سے غیر وفادار افسروں کی سرگرمیاں بے اثر اور باطل ہو جائیں گی مگر ٹیپو کے وزیر اپنی بات پر اڑے رہے۔[19] تاہم بہت بے دلی اور نارضامندی کے ساتھ وہ ٹیپو کے آنے تک اس کے یہاں ٹھہرنے کے لیے راضی ہو گئے۔[20]

ٹیپو کے کرناٹک پہنچنے کی خبر سن کر ہوفلیز چینجی سے روانہ ہوا اور ۱۰ رجنوری 1783ء کو چنگلور پر اس سے جا کر مل گیا۔ دونوں اسٹورٹ کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور وانڈیوش کے قرب و جوار میں خیمہ زن ہوئے۔ لیکن جب اسٹورٹ کی پسپائی کے بعد ٹیپو نے ہوفلیز سے کہا کہ میرے ساتھ بیدنور چلو تو فرانسیسی کمانڈر نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ چوں کہ وہ بسی کے وہاں پہنچنے کا انتظار کر رہا ہے اس لیے کرناٹک کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اصل میں اس نے اور لاؤنے ٹیپو کو مغربی گھاٹ جانے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی اور اس پر زور دیا کہ وہ بسی کے آنے کا انتظار کرے۔ مگر ٹیپو نے اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔[21] اس کا خیال تھا کہ اس کے مالابار والے مقبوضات بیش قیمت اور زرخیز ہیں اور اُن کی بازیافت نہایت ضروری ہے۔ اس لیے اس نے سفرن سے کہا تھا کہ اس مہم میں وہ اس کی مدد کرے مگر سفرن نے جواب دیا کہ آج کل جاڑے کا موسم ہے اور یہ موسم فوجی نقل و حرکت کے لیے مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ بسی سے ملنے کے لیے اسے بڑنکومالی بھی جانا ہے چونکہ ٹیپو فرانسیسی فوجوں کو چالیس ہزار پگوڈے ماہوار دیتا تھا اُن کے اس طرح انکار کرنے پر وہ بہت برہم ہوا۔ یہ دیکھ کر ہوفلیز نے سلطان کو اجازت دے دی کہ وہ چھ سو فرانسیسی فوج کو سگنی کے زیر کمان اپنے ساتھ لے جائیں لیکن وہ خود کرناٹک ہی میں رہ کر بسی کا انتظار کرتا رہا۔[22]

بسی 4 رجنوری 1782ء کو کاڈیز سے روانہ ہوا اور 31 رمئی کو آئلز آف فرانس پہنچا۔ یہاں اسے ایک طویل علالت کی وجہ سے رکنا پڑا اور اس کی فوج کے متعدد آدمی اسقربوط میں مبتلا ہو گئے۔ بہرحال سفرن اس پر متواتر زور دے رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد ہندوستان پہنچے۔ بالآخر وہ ۱۸ ردسمبر کو ۲۲۰۰ فوجیوں کے ساتھ یہاں پہنچ گیا۔ حالانکہ اس وقت تک وہ اور اس کے آدمی ابھی پورے طور پر صحت یاب بھی نہیں ہوئے تھے۔[23] بسی کاریکل اور ناگاپٹم کے درمیان جہاز سے اترنا چاہتا تھا تاکہ موخرالذکر مقام پر وہ قبضہ کرے کیونکہ وہ کدالور سے بہتر فوجی صدر کیمپ تھا لیکن انگریزوں

نے جنھیں حملے کا ڈر تھا اس کو بہت مضبوط بنا لیا تھا[24] اس لیے وہ پورٹو نوو کی طرف بڑھا جہاں وہ 10 مارچ 1783ء کو پہنچ گیا اور 16، 17 کی درمیانی رات کو جہاز سے اتر گیا۔

جب ڈوچی من کو ہندوستان بھیجا گیا تھا تو خیال تھا کہ یہ عارضی انتظام ہے اور بسی کو بہت جلد اس کی جگہ مقرر کر دیا جائے گا۔ بسی کے اپنے گزشتہ کارناموں اور ہندوستان میں اپنے تجربات کی بنا پر اور ہندوستانی حکمرانوں کو متحد کرنے اور ملک میں انگریزی حکومت کو کچلنے کے واسطے موزوں ترین آدمی سمجھا تھا[25] حقیقت یہ ہے کہ بسی کا تقرر بھی ڈوچی من کی طرح غلط تھا کیونکہ اب وہ بیس برس پہلے والا بسی نہیں تھا۔ اب وہ ایک 65 برس کا بوڑھا آدمی تھا دماغ بھی ماؤف ہو چکا تھا۔ جسمانی قوت بھی کم ہو گئی تھی اور خود اعتمادی، مستعدی اور مہم جوئی کی قوتیں ختم ہو گئی تھیں[26]

ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھنے کے وقت ہی بسی نے اپنی عدم موقع شناسی اپنے قومی مفاد کی غیر واضح پالیسی سے ٹیپو کو برگشتہ اور منحرف کر دیا اس نے ٹیپو پر غلط الزام لگایا کہ اس نے اس کی فوجوں کو کافی مقدار میں سامان مہیا نہیں کیا اور یہ بیجا شکایت کی کہ اس کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے سلطان کرناٹک سے چلے گئے[27] اور میر معین الدین خاں جو عرف عام میں سید صاحب کہے جاتے تھے۔ اور کرناٹک میں ٹیپو کے افسر تھے اس وقت میرے خیر مقدم کے لیے نہیں آئے جب میں پورٹو نوو پر جہاز سے اترا تھا محرومی اور ناکامی کے اس احساس نے کہ اس کی پسند اور مرضی کے مطابق کچھ نہیں کیا گیا بسی کا یہ حال کر دیا کہ وہ ٹیپو کو گالیاں دینے لگا۔ اس نے حیدر کو بھی نہیں بخشا اس لیے کہ حیدر نے اپنے اوپر ڈوچی من کا غلبہ نہیں ہونے دیا۔ اس نے دونوں باپ بیٹوں کو کھلم کھلا ڈاکو، رہزن اور ظالم و جابر کہا جن کے وعدوں پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پختگی سے اپنی اس رائے پر قائم تھا کہ فرانسیسیوں کو حیدر یا ٹیپو سے دوستانہ تعلقات قایم نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ انھیں مرہٹوں خصوصاً نظام سے اتحاد پیدا کرنا چاہیے تھا[28] بہر حال چونکہ ان سے کسی عہد نامے کے متعلق گفت و شنید کی کوشش ناکام ہو گئی تھی اور مستقبل قریب میں اس کی کامیابی کی کوئی امید بھی نہیں تھی اس لیے بسی نے ٹیپو کے ساتھ دوستانہ تعلقات، خصوصاً اس خیال سے باقی رکھے کہ اگر سلطان نے اس سے کنارہ کش ہو کر انگریزوں سے صلح کر لی تو فرانسیسیوں کی حالت بے حد تشویش ناک ہو جائے گی۔ لیکن اسے امید تھی کہ ڈی سوئنجر کی ماتحتی میں تازہ دم فوجوں کے فرانس سے یہاں پہنچنے پر وہ موثر طریقے پر کام کر سکے گا، واضح طور پر اپنے ارادوں کا اعلان کر سکے گا اور احکام جاری کر سکے گا۔"[29]

بسی کا حیدر اور ٹیپو کو سخت سست کہنا بالکل غیر منصفانہ تھا۔ دراصل یہ فرانسیسی تھے

جنھوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔ بار بار اعلان کرنے کے باوجود انھوں نے میسوریوں کو کوئی موثر امداد نہیں دی۔ انگریزوں اور میسوریوں کی دوسری جنگ شروع ہونے کے تقریباً تین سال بعد بسی ہندوستان پہنچا تھا اور جتنی فوج کا ابتداً اعلان کیا گیا تھا اس سے بہت کم فوج اس کے ساتھ آئی تھی۔ حیدر نے اس کا انتظار بالکل فضول کیا تھا اور ٹیپو نے مالابار ساحل کو اپنی روانگی بیکار ملتوی کی تھی سلطان کرناٹک میں اور زیادہ نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ اس کے مالاباری مقبوضات کو انگریزوں کی طرف سے سنگین خطرہ لاحق تھا تاہم مغرب کی طرف اپنی روانگی کے وقت اس نے سید صاحب کی ماتحتی میں ایک بڑی فوج چھوڑی تھی اور یہ ہدایت کی تھی کہ فرانسیسیوں کے ساتھ اشتراک عمل کیا جائے۔[30] اور جب بسی ہندوستان پہنچ جائے تو اس کو ہر قسم کی امداد دی جائے[31] چنانچہ جب بسی پورٹو نوو پر اترا تو اس کو سامانِ رسد اور ذرائع حمل و نقل سے متعلق جتنی امداد بھی سید صاحب دے سکتے تھے انھوں نے دی۔ فرانسیسی فوجوں کے ساحل پر اترنے کے وقت سید صاحب تو موجود نہیں رہ سکتے تھے انھیں کرور کو کمک پہنچانے کے لیے جانا تھا۔ جہاں کماندار تین بار اُن سے مدد طلب کر چکا تھا۔ کرور پر کرنل لینگ نے حملہ کیا تھا اور اُس کے استحکامات کو تباہ کرنے کے بعد اُن میں رخنہ ڈالنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اس کے زیرِ کمان فوجیوں کی مجموعی تعداد ان فوجوں کو شامل کر کے جو ہوفلیز کی ماتحتی میں تھیں 35 ہزار یورپین تین سے پانچ سو تک کافرستانی اور چار ہزار دیسی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔[32] اس کے علاوہ ٹیپو نے اس کی مدد کے لیے جو فوج کرناٹک میں چھوڑی تھی وہ بھی اس کے اختیار میں تھی۔ پھر بھی بسی بے حرکت پڑا رہا۔ کسی مہم پر جانے کے بجائے وہ اپنا وقت اپنے مداحوں کی صحبت میں عیش و آرام میں گزارتا رہا[33] ساحل مالابار پر پہنچنے کے بعد بھی وہ حرکت میں نہ آیا اسکے تجربہ کار افسروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ پیرومکل پر حملہ کر کے قبضہ کرے جسے جنگی نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت حاصل تھی ———— اور جس پر قبضہ کرنے کے لیے جنرل اسٹورٹ بڑھ رہا تھا[34] لیکن بسی نے کدانور چھوڑنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ اس کے پاس سوار فوج نہیں تھی بلکہ اس نے ہاؤڈیلاٹ کو انگریزی فوج کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے سے بھی منع کر دیا جسے ہوفلیز نے اسی خدمت پر متعین کیا تھا تاکہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی جائے[35] نتیجہ یہ ہوا کہ اسٹورٹ نے نقل و حرکت میں تاخیر کے باوجود 9 رمئی 1783ء کو پیرومکل پر قبضہ کر لیا اور اس کے استحکامات کو مضبوط بنانے کے بعد کدانور پر چڑھائی کر دی۔

اس امر کا اندازہ کر کے کہ کدانور خطرے میں ہے بسی نے سید صاحب کو لکھا کہ وہ جلد اس

کی مدد کے لیے آئیں سید صاحب اس درخواست کی تعمیل میں فوراً مع فوج کے آگئے جس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی اس فوج کو انھوں نے لبسی کے سپرد کر دیا۔ لیکن موخرالذکر جارحانہ حملہ کرنے کے بجائے کڈالور نے قلعہ کے مورچوں کو مضبوط تر بنانے میں مصروف رہا اور اس نے ہاوڈیلاٹ کو بھی انگریزوں پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جو ایک میسوری سواروں کے رسالے کو ساتھ لے کر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بےچین تھا۔ اس نے ہاوڈیلاٹ کو صرف انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا حکم دیا۔

بسی کے دفاعی نقص کی وجہ سے اسٹورٹ پیرومکل سے مارچ کر کے 5 جون کی صبح کو بےروک ٹوک دریائے پینار پہنچا[38] لیکن دریا کے دوسرے کنارے پہ کڈالور کے قریب چونکہ فرانسیسی فوجیں خندقیں کھود کر مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے تھیں اور دریا کو عبور کرنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے اسٹورٹ نے دریا کے ساتھ ساتھ مغرب[39] کی طرف کوچ کیا بسی نے بھی اسی طرف کا رخ کیا لیکن پھر رک گیا وہ کڈالور سے زیادہ دور نہیں رہنا چاہتا تھا ادھر اسٹورٹ مغرب کی طرف دور تک چلا گیا اور اگلے دن دریا کو بغیر کسی مزاحمت کے عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا[40] پھر وہ جنوبی کڈالور کی طرف کامیابی کے ساتھ روانہ ہوا اور 7 جون کو سمندر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور قلعہ کے جنوب میں دو میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ اور سرایڈورڈ ہیگز کی بحری فوجوں کی مدد سے 13 جون تک کڈالور کا محاصرہ کرنے کے لیے تیاریاں کرتا رہا[41]

13 جون کو فوجی نقل و حرکت شروع ہوئی صبح سویرے کرنل کیلی نے ایک چوکی پر حملہ کیا جو بلندی پر واقع تھی اور جس پر میسوری قابض تھے۔ موخرالذکر اس اچانک حملے سے گھبرا کر بغیر مزاحمت کے بھاگ کھڑے ہوئے اور چوکی پر آسانی سے قبضہ کر لیا گیا اس کے داہنی طرف ایک دوسری چوکی پر اس کے بعد حملہ کیا گیا۔ گو کرنل بلنتھ نے جو اس کا کماندار تھا، شدید مدافعت کی اس پر بھی قبضہ کر لیا گیا اس کے بعد اگلے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے فرانسیسیوں کے اصل مرکز پر عام دھاوا بول دیا گیا لیکن ہوفلیز کی ہمت و جرأت اور ہنرمندی کی بدولت دشمن کو کافی نقصان پہنچا اور اسے پسپا کر دیا گیا دو اور حملہ آور حملے کیے گئے مگر ان کا بھی یہی حشر ہوا ان کامیابیوں سے فرانسیسیوں کو ایسی ہمت بندھی کہ وہ خندقوں سے نکل پڑے انگریزوں کو بہت نقصان پہنچا اور کافی دور تک انھیں ڈھکیل دیا گیا لیکن بالآخر انھیں سراسیمگی میں پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ انگریزوں کے ایک دستے نے ان کے ایک مورچے پر بڑی چابک دستی سے قبضہ کر لیا تھا[42] تاہم کڈالور کو بچا لیا گیا۔ بیلون اور دیگر فوجی سامان جو سورمانوں نے سید صاحب نے مہیا کیا اس کے دفاع میں بڑی مدد

کی اور میسور کی کم مسلح فوج نے بیرونِ شہر پر مفید خدمات انجام دیں[43] فرانسیسی بھی بڑی بہادری سے لڑے اور لبسی فتح سے خوش ہو کر ہوفلیز اور لوئی سیکس سے بغل گیر ہوا اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرے ہوئے اس نے بلند آواز سے کہا "میرے دوستو آج جو کامرانی ہمیں ہوئی ہے وہ تم دونوں اور تمھاری بہادر فوج کی وجہ سے ہوئی ہے[44] اس دن انگریزوں کے مجروحین اور مقتولین کی تعداد 1117 تھی[45] اور فرانسیسیوں کی صرف 450 تھی[46]۔ فرانسیسی فوج کی تعداد تین ہزار یورپین اور دو ہزار دیسی سپاہی تھی ۔ ایک ہزار میسوری اُن کے علاوہ تھے[47] انگریزی فوج میں گیارہ ہزار آدمی تھے۔ 1160 یورپین 8240 دیسی سپاہی اور 1000 سوار۔ فرانسیسی افسروں نے لبسی کو مشورہ دیا کہ اس فتح مندی کا سلسلہ استقلال کے ساتھ جاری رکھے اور رات کو انگریزوں پر حملہ کرے جب وہ تھکے ہوئے اور بددل ہوں گے اور اُن کے پاس گولہ بارود کی کمی ہوگی۔ لیکن جیسا کہ ملس کا بیان ہے ضعفِ پیری کی وجہ سے لبسی کی ہمت اور حوصلہ سرد پڑ گیا تھا اس نے اپنے اُن افسروں کے جوش ہی کو نہیں دبایا جنھوں نے اعتماد کے ساتھ پیشین گوئی کی تھی کہ انگریزی فوج تباہ و برباد ہو جائے گی[48] بلکہ اس نے کڈالور کے باہری مورچوں سے اپنی تمام فوجوں کو ہٹانے کا اور شہر میں بند ہو کر بیٹھ جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے اس طرزِ عمل سے فوج میں بہت سراسیمگی پھیلی۔ افسر بہت غضب ناک تھے اور سپاہی غصّے کے عالم میں قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ جنگ باوجود جنرل کی مخالفت کے سپاہیوں نے جیتی تھی لیکن آج جنرل باوجود سپاہیوں کی مدد کے جنگ ہار گیا[49] لبسی کی غلطیوں سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اپنی شکست کی تلافی کر لی اور خود کو سنبھال لیا اور ایک بار پھر کڈالور کا محاصرہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ لبسی نے فوراً سفرن کو مدد کے لیے لکھا وہ بہ تعجیل سمندر کے ذریعہ 15 جون کو ٹھیک اس وقت کڈالور پہنچا جب ہیگز اس پر حملہ کرنے والا تھا۔ سفرن اپنی چالاکی اور حکم سے امیر البحر پر سبقت لے جانے اور کڈالور پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اس مقام پر قبضہ کر لیا جہاں ہیگز قابض تھا۔ اور جب اس نے 600 یورپینوں اور 600 سپاہیوں کو جو لبسی نے مہیا کیے تھے جہازوں سے اتار کر اپنی تیاریاں مکمل کر لیں تو 20 جون کو انگریزی اسکوڈرن پر حملہ کر دیا۔ جنگ سارے دن جاری رہی۔ برطانوی امیر البحر چاہتا تھا کہ قریب سے مڈبھیڑ ہو جائے مگر فرانسیسی امیر البحر نے فاصلے ہی سے گولہ باری جاری رکھی۔ جس کے نتیجے میں تین گھنٹے کے اندر دشمن کے 532 آدمی ضائع ہوئے چونکہ انگریزی جنگی کشتیوں کو شدید نقصان پہنچ چکا تھا۔ اس لیے اسٹورٹ کو فرانسیسیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ہیگز اگلی صبح کو دوبارہ لیس ہونے کے لیے سمندر

کے راستے مدراس روانہ ہو گیا۔[50] سفرن نے فوراً موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ اس نے بارہ سو فوجیوں کو جو اسے فراہم کیے گئے تھے اور گیارہ سو جنگی بیڑے کے آدمیوں کو کنارے پر آتار دیا اور بسی کے ساتھ مل کر انگریزوں پر حملے کا منصوبہ بنایا۔[51] مگر بسی نے موقع کو ہاتھ سے نکل جانے دیا اور حملہ نہیں کیا۔ صرف اس وقت اس نے حملہ کرنے کا خطرہ مول لیا جب اسٹورٹ کے دل ودماغ سے ہیگنز کی شکست اس کی روانگی کے صدمے کا اثر زائل ہو چکا تھا اور اس کے حواس بجا ہو چکے تھے۔

25 جون کو صبح کے تین بجے بسی نے شویلیری دی دوماس کو، جو ایک نااہل افسر تھا آٹھ سو اور پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن یہ حملہ چونکہ پھوہڑپن سے کیا گیا تھا اس لیے دوماس کو شکست ہوئی۔ اسے بہت نقصان اُٹھانا پڑا، اور وہ گرفتار ہو گیا۔[52] لیکن فرانسیسیوں کی پسپائی سے اسٹورٹ کو کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکا کیونکہ اس کی فوج نہایت خستہ حال تھی جسے بیماریوں نے اور مقتولین ومجروحین کی کثرت نے تباہ کر رکھا تھا اور جس کے پاس سامانِ رسد کی انتہائی قلت تھی۔ اسے جہازی بیڑے سے یا مدراس سے کسی امداد و اعانت کی توقع نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر فرانسیسی ثابت قدمی کے ساتھ اس وقت ایک جوابی حملہ کر دیتے تو انگریزی فوج یقینی طور پر تباہ وبرباد ہو جاتی۔ لیکن بسی نے حسبِ عادت دیری اور مستعدی کے فقدان کا ثبوت دیا۔ دھاووں کے ناکام ہو جانے کی وجہ سے اس نے سوچا کہ انگریز ابھی اتنے قوی ہیں کہ ان پر سامنے سے حملہ کرنا مشکل ہے چنانچہ اس نے اس وقت تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا جب تک انگریز تھک کر[53] پیچھے ہٹنا شروع نہ کر دیں۔ لیکن یہ موقعہ اسے کبھی نہیں ملا، کیونکہ چند ہی روز کے اندر وہ جنگ بند کر دینے پر مجبور ہو گیا۔ 23 جون 1783ء کو مدراس میں خبر موصول ہوئی کہ انگلستان اور فرانس نے صلح نامے کی تمہیدی دستاویز پر ورسائی میں 9 فروری 1783 کو دستخط کر دیے ہیں۔ بسی کو یہ خبر فوراً پہنچا دی گئی، فرانسیسی جنرل کے الفاظ میں "اگر حالات مختلف ہوتے تو مدراس گورنمنٹ اس خبر کو جو انھیں موصول ہوئی تھی ہم سے پوشیدہ رکھنے میں تامل نہ کرتی"۔[54]

لیکن اس وقت کڈالور کے سامنے والی انگریز فوج کو تباہی سے بچانے کے لیے اس نے فوراً دو کمشنروں اسٹاٹن اور میڈیر کو بسی اور سفرن کے نام اس مضمون کے خطوط دے کر بھیجا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں چونکہ یورپ میں صلح ہو گئی ہے اس لیے ہندوستان میں بھی دونوں قوموں کے درمیان جنگ بند ہو جانی چاہیے۔ دونوں کمشنر 30 جون کو ایک جنگی جہاز کے ذریعے جس پر صلح کا جھنڈا لہرا رہا تھا کڈالور پہنچے۔ تین روز تک ہنگامی صلح کے شرائط طے ہوئے بالآخر جولائی

کو جنگ بند ہو گئی[55]

ہندوستان کے حکمرانوں کو جن سے ایک طویل عرصے سے وعدے کیے جا رہے تھے اور امید دلائی جا رہی تھی کہ بسی کے زیر کمان ایک بڑی فوج انگریزوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے آ رہی ہے۔ صلح کی خبر سن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ ابھی کچھ ہی دن پہلے انھیں بسی کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور اب یہ اطلاع ملی کہ دونوں ملکوں میں صلح ہو گئی۔ بسی خود کہتا ہے "ہمیں اس صلح سے بہت کم فائدہ پہنچے گا اور قوم کی ناموری اور اس کے وقار کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔"[56]

عارضی صلح کے فوراً بعد بسی نے ان فرانسیسی فوجوں کو جنگ بندی کا حکم بھیجا جو میسوریوں کے ساتھ منگلور کا محاصرہ کر رہی تھیں۔[57] یہ حکم ملنے کے بعد کوسگنی نے لڑائی جاری رکھنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ للی اور بوڈیلاٹ بھی جو ٹیپو کی ملازمت میں تھے واپس چلے گئے۔ اس پر سلطان کو بہت غصہ آیا اس کے نزدیک فرانسیسیوں کا طرزِ عمل اس کی پشت میں خنجر بھونکنے کا مترادف تھا۔ کیونکہ انھوں نے ایسے وقت ساتھ چھوڑا تھا جب منگلور پر قبضہ ہونے ہی والا تھا، اور یہ صلح انھوں نے اس سے بلا مشورہ کیے ہوئے اور اس کے مفاد کا بلا لحاظ رکھے ہوئے کی تھی۔[58] اس نے لڑنے پر انھیں مجبور کرنے کی کوشش کی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور اس خوف سے کہ ٹیپو کہیں ان پر حملہ نہ کر دے انھوں نے مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔[59] انھیں اپنے ساتھ جنگ میں شریک رہنے پر آمادہ کرنے کے لیے ٹیپو نے ان میں سے ہر ایک کو پچاس گھوڑے دینے کے لیے کہا۔ اس کے نتیجہ میں 64 آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔[60] کوسگنی چند روز بعد کیمپ سے چلا گیا اور کچھ مدت ماؤنٹ میریان[61] کی ایک یسوعی درگاہ میں قیام کیا اور پھر بغیر بسی کی ہدایت کا انتظار کیے ہوئے ساحل مالابار کے انگریزی مقبوضے ٹیلی چیری اور وہاں سے پانڈی چیری چلا گیا اس کی بچی کھچی فوج ماہی کو روانہ ہو گئی اور وہاں سے جزیرۂ فرانس کو چلی گئی۔ للی اور ڈیلاٹ اگرچہ منگلور ہی میں رہے تاہم فوجی سرگرمیوں سے انھوں نے اپنے کو الگ تھلگ رکھا۔[62]

جس دن بسی نے فرانسیسی فوجوں کو منگلور میں جنگ بند کر دینے کا حکم بھیجا تھا اسی دن اس نے ٹیپو کو بھی انگریزوں سے صلح کرنے کے لیے لکھا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ اس سلسلے میں وہ اس کی ہر ممکن مدد کرے گا۔ اس کے دو یا تین دن بعد اس نے کشن راؤ نامی ایک برہمن کو سلطان کے پاس بھیجا تاکہ وہ سلطان کے روبرو فرانسیسی پالیسی کی وضاحت کرے۔[63] اس نے پیوران ٹی مور لاٹ کو جو ٹیپو کے پاس فرانسیسی ایجنٹ تھا اور منگلور میں دوسرے فرانسیسی افسروں کو ہدایت کی کہ وہ سلطان کو جنگ بند کر دینے پر آمادہ کریں۔ ٹیپو اور انگریزوں میں صلح کرانے کے لیے بسی کی بے چینی کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ

ورسائی کے صلح نامے کی دفعہ 16 کے مطابق فرانسیسیوں اور انگریزوں دونوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے حلیفوں سے بھی کہیں کہ وہ صلح میں شریک ہوں۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ صلح نامے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ میسوری کرناٹک کا تخلیہ کر دیں گے اس لیے مدراس گورنمنٹ نے بسی کو لکھا تھا کہ "جب تک ٹیپو اپنی فوجوں کو کرناٹک سے واپس بلا نہیں لیتا اس وقت تک فرانسیسی علاقوں کے واپس کرنے کے لیے اقدام نہیں کیا جا سکتا۔"[64] مزید براں بسی کو اس کا بھی پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر جنگ جاری رہی تو بنگال کی حکومت جلد یا بدیر انگریز مرہٹہ اور نظام گٹھ جوڑ کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں ٹیپو کو لازمی طور پر شکست ہوگی۔" بسی نہیں چاہتا تھا تھا کہ ٹیپو کو شکست ہو جائے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس صورت میں ہندوستان میں انگریزوں کی قوت زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔

پہلے تو ٹیپو نے بسی کی رائے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا مگر بالآخر اسی مشورے کو اس نے بہتر سمجھا چنانچہ اپنے فرانسیسی حلیف کی مدد سے محروم ہو کر نیز ایک طویل جنگ سے تھک کر اور انگریزوں اور مرہٹوں کی دھمکیوں سے گھبرا کر ایک عارضی صلح پر وہ راضی ہو گیا اور 2 اگست 1783ء کو صلح نامے پر منگلور میں دستخط ہو گئے۔[65]

عارضی صلح کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بسی نے ثالث بن کر ایک اور صلح نامہ مرتب کرنے کی کوشش کی[66] مگر ٹیپو اور انگریزوں نے اسے نظر انداز کر دیا اور مدراس گورنمنٹ نے اس سے کہا تھا کہ وہ ٹیپو کو التوائے جنگ پر آمادہ کرنے میں مدد دے لیکن اب جب وہ لڑائی بند ہو گئی تھی وہ اس کی مداخلت کو پسند نہیں کرتی تھی کیوں کہ اس سے ہندوستان میں فرانسیسیوں کا وقار اور اثر بڑھنے کا امکان تھا۔ ٹیپو نے پہلے بسی سے کہا تھا کہ صلح کی گفتگو میں مدد دینے کے لیے ایک فرانسیسی ایجنٹ کو بھیج دے لیکن اب اسے بھی فرانسیسیوں کا دخل پسند نہیں تھا۔ اس کا سبب ایک حد تک یہ تھا کہ ان کی دغا اور غداری کا صدمہ ابھی اس کے دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ اور کچھ حد تک یہ سبب بھی تھا کہ ٹیپو کو یقین نہیں تھا کہ فرانسیسی اس کے مفاد میں کام کریں گے۔ دی کیسٹریز نے اپنے ایک خط میں بسی کو لکھا تھا کہ انگریزوں اور اُن کے حلیفوں کو وہ تمام علاقے واپس ملنے چاہئیں جن پر حیدر نے 1776 سے قبل قبضہ کر لیا تھا۔ جب ٹیپو کو اس خط کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت برہم ہوا اور اس نے محمد عثمان کو واپس بلا لیا۔ جو بسی کے پاس اس کا ایجنٹ تھا[67] اور یہی وجہ تھی کہ سید صاحب نے بغیر بسی کو مطلع کیے میسور کے دو وکیل اپاجی رام اور سری نواس راؤ ستمبر میں مدراس بھیجے تھے۔ حالانکہ بسی نے اُن سے کہا تھا کہ وکیلوں کو فرانسیسی ایجنٹوں کے ہمراہ[68] بھیجا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپو

صلح کی گفتگو میں فرانسیسیوں کی مداخلت نہیں چاہتا تھا۔ اس کے باوجود بھی اپنے ارادے پر قایم رہا اور اُس نے پال مارٹن اور کشن راؤ کو بات چیت میں شریک ہونے اور فرانسیسی مفاد پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا۔ لیکن ٹیپو کے وکیلوں نے مارٹن اور کشن راؤ دونوں کو نظر انداز کیا۔ یہاں تک کہ وہ اُن سے ملے تک نہیں[69] کشن راؤ کچھ دن بعد وہاں سے جانے کے لیے مجبور ہوگیا۔ مارٹن نومبر تک وہاں رہا۔ مگر اس کا موجود رہنا فضول ثابت ہوا کیونکہ نہ تو ٹیپو کے وکیلوں نے اُسے گفتگو میں شریک کیا اور نہ مدراس گورنمنٹ ہی نے[70] تاہم دی مور لاٹ منگلور صلح نامے کی ترتیب کے اختتام تک موجود رہا۔ گو ٹیپو نے فرانسیسیوں کی وساطت کے بغیر انگریز کمشنروں سے براہ راست گفتگو کی تاہم ڈی مورلاٹ اس کے لیے بالکل اسی طرح مفید ثابت ہوا جس طرح جنگ بندی کے وقت ہوا تھا۔ صلح کا فیصلہ ہوجانے کے بعد اس کا مشن ختم ہوگیا اور وہ پانڈی چری چلا گیا[71]

باب 3 کے حاشیے

1. The French and the Second Anglo-Mysore War
اس باب کی بنیاد میرے مضمون Bengal: Past & Present پر ہے جو جلد 14، جنوری تا دسمبر 1945ء میں شائع ہوا تھا۔

2. لوئی سیزدہم نے جب انگلستان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ یوں تو فرانسیسی کئی سال سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی شاندار اسکیمیں بنا رہے تھے مگر جنگ جب شروع ہوئی تو فرانسیسی اس کے لیے تیار نہیں تھے اور یہ ان کے لیے ایک ناگہانی بات تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ ختم ہوتے ہوتے ان ہندوستانی نوآبادیوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ (Journal de Bussy PP. 152 Seq)

3. (D'orves) پہلا کمانڈر تھا۔ 9 فروری 1782ء کو جب اس کا انتقال ہو گیا تو ہندوستان میں فرانسیسی فوج کی اعلا کمان بیلی دی سوفرن کے سپرد کی گئی۔

4. Journal de Bussy P. 114

5. Ch. Cunat, Histoire du Bailli de Suffren, P. 118

6. Journal de Bussy PP. 114-15

7. Ibid, P. 116

8. Ibid, P. 107 See also Memoirs du Chevalier de Mautort, P. 203-4
روٹی کی قلت کی وجہ یہ تھی کہ کرناٹک میں زیادہ گیہوں پیدا نہیں ہوتا اور یہ وہاں کے باشندوں کی خاص غذا بھی نہیں ہے۔

9. Journal de Bussy P. 120

10. Ibid, P. 288 دریں اثنا دوچی من حیدر کو معاہدہ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ اس سلسلے کی گفت و شنید کے لیے دیکھیے: Ibid, P. 116-20

11. See P. 20 supra

12. Journal de Bussy PP. 288

13. Malleson, Final French Struggles in India, P. 31

14. Journal de Bussy, P. 200, See also Memoirs du Chevalier de Mautort, P. 218
حیدر نے فرانسیسیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک لاکھ روپے ماہوار انھیں دے گا اور پانچ مہینے تک پابندی سے دیتا بھی

رہا۔ فرانسیسی فوج کے لیے دو پلٹنیں بھرتی کرنے اور ان کو فوجی ساز و سامان سے لیس کرنے کے لیے مالی امداد بھی دی ۔ مگر ڈوچی من سے جب حیدر علی متنفر ہوگیا تو اس کی مالی امداد بند کر دی۔

Journal de Bussy PP. 143 - 267 .15

A.N. c^2 155, Launay to Bussy Aug. 2, 1785 f 265 a .16

Malleson, Final French Struggles in Inuia, P. 19 .17

Journal de Bussy Ibid, P. xvii .18

A.N., C^2 155 f 286 A .19

Ibid, P. 97 .20 ہوفلیز نے جو خط مدراس کو بھیجے تھے انھیں ونجی پنڈت نے جو فرانسیسی فوج میں میسور کا ایجنٹ تھا راستے میں پکڑ لیا۔ گو مولاٹ نے بہتیرا کہا کہ یہ نجی خط ہیں جو ہوفلیز نے مدراس میں اپنے عزیزوں کو لکھے ہیں لیکن وزیروں کے شبہات دور نہیں ہوئے خاص طور پر بوتھ ناٹ کی سازشوں کے تجربے کے بعد۔

(دیکھیے Ibid, FF. 213a - 214a)

Sec P. 28 Supra .21

P. R C. ii, No. 65 .22 بسی نے نہیں جیسا کہ اس دستاویز میں ہے بلکہ ہوفلیز نے کوسگنی کو ٹیپو کے ساتھ بھیجا تھا۔ بسی ابھی ہندوستان نہیں پہنچا تھا۔

Journal de Bussy PP. 299 - 300 .23

de Bussy Journal PP. vii - viii .24

A.N. C^2 155 de Morlat to Souillac, April 1783 .25
May 1, 1783 f 251a

Ibid, P. 339 .26

Ibid, PP. 339 - 40 .27

Ibid, PP. 339 - 40 .28

Ibid, 357 .29

P.A.M.S. No. 495 .30 ٹیپو نے بسی کو مطلع کیا تھا کہ کرناٹک میں اس نے 35 ہزار سپاہ سید صاحب کی ماتحتی میں چھوڑی ہے۔ مگر بسی کا کہنا ہے کہ سید صاحب کے پاس صرف 12 سے 14 ہزار فوج تھی۔

Journal de Bussy, P. 350 .31

بسی کی شکایتوں کے لیے کر اس کے پاس سامان رسد اور بیلوں کی کمی تھی۔ دیکھیے :

Journal de Bussy, P.350 and A.N.C[a].233.

یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ سید صاحب غیر محدود مقدار میں بسی کو سامان رسد مہیا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کرناٹک میں قحط پڑ رہا تھا اور سید صاحب کے پاس خود اپنی فوج کے لیے کافی سامان نہیں تھا۔

Bussy to de Castries, March 21, 1783.

32. Memoirs du Chevalier de Mautort, P. 274

33. Ch. Cunat, Histoire du Bailli de Suffren, P.281

34. Ibid. حیدر اور فرانسیسیوں کی متحدہ فوجوں نے 16 مئی 1782ء کو پیرو مکمل پر قبضہ کیا تھا۔ ٹیپو نے مغرب کی طرف جاتے ہوئے ہوفلیز سے کہا تھا کہ اس پر قبضہ کرے مگر اس نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر اس نے اس مقام پر لشکر کشی کی تو اس کی مختصر سی فوج مختصر تر ہو جائے گی۔ اس لیے ٹیپو نے اس کے استحکامات کو منہدم کرنے کا حکم دے دیا لیکن چونکہ انہدام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا اس لیے اگر بسی اس پر قبضہ کر لیتا تو وہ ایک مفید فرانسیسی چوکی بن سکتا تھا۔

P.A.M.S. No. 402

35. Martineau, Bussy et l'Inde Francaise, P.354

36. Ibid.

37. Innes Munro P. 321

38. ثارٹ کے نزدیک ہوفلیز اپنی بریگیڈ کے ساتھ چند توپیں لے کر دریا کے دوسرے کنارے پر جانے اور انگریزوں کو دریا عبور کرنے سے روکنے کے لیے تیار تھا لیکن بسی نے اس کی اجازت نہیں دی۔

(Memoirs du Chevalier de Mautort PP. 281-82)

39. wilks: vol. ii, P. 185

40. , P. 186-87, P.A.MS.No.402

41. Mill vol. iv P. 192

42. Martineau Bussy et Inde Francaise P. 296

43. wilks: vol. ii, P. 189

44. Memoirs du Chevalier de Mautort, P. 296

45. ٹاون شینڈ پیپرس کے مطابق انگریز مقتولین اور مجروحین کی تعداد بارہ سو تھی۔

(Townshend Papers, B.M. 38507, f. 287 b)

46. P.A. MS. No. 599
47. Inns MS. P. 329
48. Mill, vol. iv, P. 192
49. Memoirs du Chevalier de Mautort, P. 298
50. P.A. MS. No. 402, M.R. Mly Cons. June 24, 1783 vol. 90 A, PP. 2724-25
51. P.A. MS. No. 402
52. Ibid, Wilson, P. 81
53. P.A. MS. No. 402
54. Ibid
55. wilks, vol. ii, PP. 196-97
56. P.A. MS. No. 403
57. N.A. Sec Pro. Aug. 18, 1783
58. Ibid, Tipu to Mohd. Ismail, Martineau, Bussy et l'Inde Francaise, P. 379
59. A.N., C[4] 66, Cossigny to de Castries, Sept. 3, 1784
60. Pissurlencar, Antigua Chas, i, fasc. ii, No. 79
61. Ibid, Martineau, Bussy et, l'Inde Francaise, P. 385-86

کوسگنی کو سامان کی کمی کی شکایت تھی۔ لیکن ٹیپو نے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ کوسگنی اس کے ہمراہ کرناٹک سے ساڑھے چھ سو آدمی لے کر آیا تھا جن کے لیے اس نے پچیس ہزار روپے ماہوار کے حساب سے ادا کیے تھے۔ اس کے علاوہ روزانہ نو سو سیر چاول، ایک سو پانچ سیر گھی، بیس بھیڑیں اور چودہ بیل بھی دیے جاتے تھے۔ لیکن کوسگنی اپنے آدمیوں کو صرف پانچ روپے دو فنام ماہوار اور ڈیڑھ سیر چاول روزانہ دیتا تھا۔ چاول کا بیشتر حصہ بھیڑیں اور بیل وہ بازار میں فروخت کر دیتا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس کے سپاہی بد دل ہو گئے اور اسّی آدمی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس سے ٹیپو نے دی موت سے معاملہ کی تحقیقات کے لیے کہا۔ اس نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ تنخواہ اور راشن کی تقسیم کی نگرانی کے لیے ایک انسپکٹر مقرر کر دیا جائے لیکن کوسگنی نے اس کی مخالفت کی۔ دیکھیے:

A.N., C[2] 155 Tipu to Sayyid Saheb, received Oct. 2, 1783, ff. 372 a-b

Ibid Tipu to Appaji Ram and Srinivas Rao Sept. 5, 1783 f 373a
Ibid Cossigny to Bussy, Aug. 5, 1783, f. 374 a

P.A. MS. No. 532 .62

P.A. MS. No. 704 .63

N.A. Sec, Pro. Sept. 4, 1783 .64

Ibid, Aug. 16, 1983 .65

Ibid, Aug. 28, 1983 .66

A.N. C[2] 233, Sept. 28, 1783, No. 19 .67

P.A. MS. No. 54 .68

Ibid, No. 678, 713 .69

کشن راؤ مدراس میں ٹیپو کے وکیلوں سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے کہا کہ اس کے لیے میکارٹنی کی اجازت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز اور مرہٹے دونوں کو فرانسیسی مداخلت پسند نہیں تھی۔ دیکھیے :
(C[2] 233 Bussy to de Castries, Sept. 28, 1783 No. 19, Ibid Martin to Bussy Oct. 6 PP. 1783 No. 3)

Martineau, Bussy et l'Inde Francaise, P. 383 .70

A.N. C[2] 234 de Morlat to de Castries June 25, 1784 .71

چوتھا باب

معاہدہ منگلور اور اس کا ردِ عمل

حیدر اور کوٹ کے درمیان مذاکراتِ صلح

حیدر اور انگریزوں کے درمیان صلح کی گفت وشنید بہت پہلے یعنی فروری 1782ء میں شروع ہوگئی تھی۔ اناجی پنڈت نے جو کئی برس سے مدراس میں حیدر کا وکیل تھا سر آئر کوٹ کے ایک ملازم کو لکھا تھا کہ میرے آقا انگریزوں سے مصالحت کے خواہش مند ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ سلسلہ جنبانی موخرالذکر ہی کی طرف سے ہونی چاہیے۔ کوٹ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پہلے اسیروں کا تبادلہ یا اُن کی عام رہائی ہونی چاہیے، اس کے بعد وہ حکومت بنگال کو حیدر سے دوستی و اتحاد کے لیے آمادہ کر سکے گا۔ بنگال گورنمنٹ پہلے تو معاہدہ سلبائی کی وجہ سے حیدر کے ساتھ براہِ راست گفتگو کے لیے تیار نہ تھی۔ تاہم پھر یہ رائے قایم کی گئی کہ گفت وشنید چوں کہ شروع ہوگئی ہے اس لیے وہ موقع کو کام میں لانے کے لیے تیار ہیں لیکن صلح کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ حیدر فرانسیسیوں سے قطع تعلق کرے اور انھوں نے جو فوجیں اس کی مدد کے لیے بھیجی ہیں ان کو برخاست کر دے۔ اس کے معاوضے میں انگریز ان نقصانات کا کوئی تاوان اس سے وصول نہ کریں گے جو اس کے ہاتھوں انھیں پہنچے ہیں۔[۳]

حیدر نے انگریزوں کی تجویز کو ناقابلِ اطمینان قرار دیا اس لیے گفتگو ترک کر دی گئی۔ لیکن ۱۹ جون کو حیدر کا ایک قاصد محمد عثمان انگریزوں کے کیمپ میں پہنچا تو گفتگو پھر شروع کر دی گئی۔ اس نے کوٹ سے کہا کہ اس کا آقا انگریزوں سے دوستانہ تعلقات قایم کرنے کا خواہش مند ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ انگریز کن شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ کوٹ نے جواب دیا کہ "سلبائی کے

عہد نامے کو تمام گفت وشنید کی بنیاد قرار دے لینا چاہیے۔ اسی کے ساتھ دو باتوں کا حیدر کو خیال رکھنا پڑے گا۔ ایک تو یہ کہ اسے فوراً کرناٹک سے ہٹ جانا چاہیے دوسرے اُسے فرانسیسیوں سے تمام تعلقات منقطع کرنے ہوں گے بشرطیکہ انگریز ٹرچناپلی پر اس کا دعویٰ تسلیم کرلیں۔ کوٹ حیدر کے مطالبے کو منظور کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے بنگال گورنمنٹ کو لکھا اور ٹرچناپلی سے حیدر کے حق میں دست برداری ہونے کی سفارش کی۔[41] لیکن گورنر جنرل با جلاس کونسل یہ مراعت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ کیونکہ ٹرچناپلی کی دست برداری سے اور اُس کے نتیجہ میں کرناٹک کے جنوبی حصّے میں جو اقتدار اُسے حاصل ہوگا۔ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے اس کی اس سے حوصلہ افزائی ہوگی اور جنگ کو جاری رکھنے میں بھی اُسے مدد ملے گی۔[42] بنگال گورنمنٹ کی اس رائے کی وجہ سے صلح کی گفتگو کا سلسلہ پھر منقطع ہوگیا۔

بہرطور جلد ہی ایک بار پھر حیدر اور کوٹ میں تعلق پیدا ہونے کی راہ نکلی مدراس گورنمنٹ نے گورنر جنرل کو لکھا اور سلبائی کے عہد نامے کو بنیاد قرار دے کر حیدر سے صلح کی گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی حقیقت یہ ہے کہ کلکتہ سے کوئی جواب موصول ہونے سے پہلے ہی کرنل برتھویٹ کی وساطت سے جسے ٹیپو نے تنجور میں گرفتار کر لیا تھا دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا موقع ملا۔ لیکن بنگال گورنمنٹ کو چونکہ پونا سے فوجی کمک پہنچنے کا یقین تھا اس لیے اس نے حیدر کے مطالبات منظور کرنے سے انکار کر دیا اب وہ سلبائی معاہدے کی بنیاد پر بھی گفت وشنید کے لیے تیار نہ تھی۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جب تک حیدر علی خود صلح کرنے پر مجبور نہ ہو یا اس کے حالات میں کچھ ایسی تبدیلی نہ ہو جس کی وجہ سے اپنی روش میں اسے لوچ پیدا کرنا پڑے اس کے ساتھ گفت وشنید کی کوشش سے جنگ جاری رکھنے میں اس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔[43]

میکارٹنی مذاکراتِ صلح کا آغاز کرتا ہے

دسمبر 1782ء میں حیدر کا انتقال ہوا۔ انگریزوں نے پہلے یہ امید قایم کی کہ اس کے جانشین ٹیپو کی طاقت پر کاری ضرب لگانے کا یہ اچھا موقع ہے۔ لہٰذا انھوں نے صلح کا ارادہ ترک کر دیا۔ مگر جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے اس لیے مدراس گورنمنٹ نے ایک بار پھر اپنی توجہ جنگ کو ختم کرنے کی طرف مبذول کی۔ سنبھاجی مدراس میں تنجور کا ایجنٹ تھا۔ فروری 1783ء میں جب یاترا کے لیے وہ کمبھوکونم جا رہا تھا تو مدراس کے گورنر میکارٹنی نے یہ معلوم

کرنے کے لیے اس سے کہا کہ صلح کے متعلق ٹیپو کے کیا خیالات ہیں اور یہ کہ انگریز جنگی قیدیوں کی مصیبتیں کم کرانے اور ٹیپو کو فرانسیسیوں سے الگ کرنے کی کوشش بھی وہ کرے۔ سنبھاجی نے کنجیورم میں ٹیپو کے دو خاص مشیروں سے ملاقات کی جنھوں نے اُسے بتایا کہ ان کا آقا کیا چاہتا ہے جب وہ مدراس واپس آیا تو سری نواس راؤ کو بھی اپنے ساتھ لایا جسے ٹیپو نے اپنا نمائندہ بنا کر مدراس گورنمنٹ سے گفت وشنید کے لیے بھیجا تھا میکارٹنی نے پہلے سنبھاجی سے اور پھر سری نواس راؤ سے ملاقات کی اُن لوگوں نے اُسے بتایا کہ سلطان صلح کرنے کو تیار ہے۔ کرناٹک کا تخلیہ بھی وہ کر دے گا بشرطیکہ پولو کوٹائی اور پولی پیڈی کے اضلاع اور کرناٹک کی چند اور چوکیاں اُسے دے دی جائیں جو اُس کی سلطنت کی سرحد پر واقع ہیں۔ وہ انگریز جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق تحقیقات پر بھی رضامند ہے۔ وہ اُس پر بھی آمادہ ہے کہ اُن فرانسیسیوں سے بھی کوئی تعلق نہ رکھے جو آئندہ ہندوستان میں آئیں۔ لیکن اُس کا وقار کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دے گا کہ وہ ان فرانسیسیوں سے قطع تعلق کرے یا اُنھیں انگریزوں کا شکار بننے کے لیے چھوڑے جو اس وقت اس کے ساتھ ہیں کیونکہ اپنے باپ کی طرح اس نے بھی ان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ میکارٹنی نے جواب دیا کہ ٹیپو اپنے عہد پیاس طرح بھی قایم رہ سکتا ہے کہ فرانسیسیوں کو انگریزوں کی حوالے کرنے کے بجائے اُنھیں خود اُن کے وطن بھیج دے اس پر سری نواس راؤ نے یہ صلاح دی کہ کمپنی کسی کو مختار اور مجاز بنا کر ٹیپو کے پاس بھیجے جو ٹیپو سے گفتگو کرے اور معاملات کی وضاحت کرے۔[۲۲]

لارڈ میکارٹنی نے ٹیپو کی تجویزیں سلکٹ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیں کمیٹی نے تجویزوں سے اتفاق کیا۔[۲۳] اس نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو لکھا کہ وہ ٹیپو سے سلبائی کے عہد نامے کی بنیاد پر صلح کی اجازت دے اور یہ بھی سفارش کی کہ سلطان کو اجازت دے دینی چاہیے کہ وہ اپنا قبضہ اُن چند چھوٹی چوکیوں پر رکھے جو زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں اگر اُس کی سلطنت سے ملحق ہونے کی وجہ سے مفید ہیں۔

میکارٹنی یہ رعایتیں اس لیے دینے کو تیار تھا کہ اُس کے نزدیک کمپنی اب تادیر جنگ کا بار برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مدراس کی فوج کو کئی مہینے سے تنخواہ نہیں ملی تھی اور رسد کی شدید قلت تھی اِس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ کرناٹک تباہ ہو چکا تھا اور کچھ وجہ یہ تھی کہ کارمنڈل کے ساحل پر انگریزی جہازوں کے بیڑے کی عدم موجودگی کی وجہ سے بنگال سے آنے والے روپیہ اور رسد کو فرانسیسی بیڑا راستے ہی میں روک لیتا تھا۔[۲۴] مزید برآں مدراس میں فوجی اور سول حکام کے باہمی اختلافات نے موثر طریقے پر جنگ جاری رکھنے کو

بہت مشکل بنا دیا تھا۔ کورٹ آف ڈائرکٹرس نے بھی مدراس گورنمنٹ کو ہدایت کی تھی کہ "تمام ہندوستانی حکمرانوں سے قابلِ اعتماد اور بلاتاخیر صلح ہمارا نصب العین ہے۔ اس کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کوئی ایسا قدم ہرگز نہ اٹھانا چاہیے جو اس مقصد کی تکمیل میں براہِ راست حائل ہوتا ہو"[13]

لیکن گورنر جنرل کی رائے میں میکارٹنی کا اندازِ فکر ذلت آمیز اور وقار کے منافی تھا۔ وہ میکارٹنی سے اس قدر برافروختہ تھا کہ اسے معطل کر دینا چاہتا تھا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ فوری صلح کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُس نے مدراس کو تیس لاکھ پونڈ دیے ہیں۔ اس نے مدراس گورنمنٹ کو یہ اختیار دینے سے انکار کر دیا کہ وہ ٹیپو سے علاحدہ معاہدہ کرے کیونکہ یہ سلبائی کے عہد نامے کی خلاف ورزی ہوگی۔ وہ اپنی اس رائے پر قایم تھا کہ کمپنی کی " پالیسی یہ ہے کہ شدت کے ساتھ جنگ جاری رکھی جائے۔ کامیابی میں اعتدال سے کام لیا جائے[14]، قسمت ساتھ نہ بھی دے تو ثابت قدم رہنا ہے۔ لیکن اس طرح احتیاط کے ساتھ احتراز ضروری ہے کیونکہ امن پسندانہ تجاویز گستاخی میں اضافہ اور ضد کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، دشمن کے جنگ جاری رکھنے کو حق بہ جانب قرار دیتی ہیں اور ہر حالت میں اس کو اپنی من مانی شرطیں عائد کرنے کا مواد مہیا کرتی ہیں"[15] جہاں تک چھوٹی چوکیوں اور اضلاع سے دست بردار ہونے کا سوال تھا ہیسٹنگس نے کہا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقبل میں کرناٹک پر حملہ آسان ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اُن سے دست برداری اگر اس بنیاد پر ہوئی کہ وہ ٹیپو کی سلطنت سے متصل واقع ہیں تو آئندہ اور چوکیوں اور ضلعوں سے دست برداری کے لیے بھی یہ ایک مضبوط دلیل ہوگی اور پھر یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہو جائے گا"[16]

اس طرح بنگال گورنمنٹ کے غیر مصالحانہ رویہ کی وجہ سے سری نواس راؤ اور میکارٹنی کی گفت و شنید کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اوّل الذکر مدراس سے چلا گیا[17] لیکن ٹیپو اور کمپنی کے درمیان ہنگامی صلح نامے پر دستخط ہو جانے کے بعد یہ گفتگو پھر شروع ہو گئی۔ ستمبر میں ٹیپو کے ایجنٹ اپاجی رام اور سری نواس راؤ ایسی شرطوں پر صلح کی گفتگو کے لیے مدراس پہنچے جو اُن کی سرکار کے وقار کے شایانِ شان ہوں۔ انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو وہ میر معین الدین جو کرناٹک میں میسور کے کمانڈر تھے اُن سے مشورہ کر لیں۔ شرائط جو انھوں نے پیش کیے تھے یہ تھے کہ دونوں فریق مفتوحہ علاقے واپس کریں۔ مگر ٹیپو کو تیاگڑھ ویلور اور کرناٹک کے دوسرے مقامات بہ طور جاگیر کے ملنے چاہئیں۔ جانبین کے قیدیوں کی رہائی ہونی چاہیے ایاز اور دوسرے غدار جو تیلی چری میں ٹراونکور کے راجا کے یہاں رہنے لگے ہیں ٹیپو کے سپرد کیے جائیں اور آئندہ بھی ٹیپو کی باغی رعایا کو کمپنی پناہ نہ دے آخری تجویز یہ تھی کہ ٹیپو

اور انگریزوں کے درمیان جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ ہو جانا چاہیے[46]

ان تجویزوں کا جواب مدراس گورنمنٹ نے یہ دیا کہ ٹیپو کو چاہیے کہ جنگ بند ہونے کے بعد چار مہینے کے اندر کرناٹک کو بالکل خالی کر دے جس میں تنجور اور ٹراونکور کے مقبوضات بھی شامل ہونے چاہئیں۔ کمپنی ٹیپو کو کوئی جاگیر نہیں دے سکتی۔ کمپنی تمام میسوری جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کے لیے تیار ہے لیکن ایاز کا معاملہ بالکل مختلف قسم کا ہے وہ نہ تو جنگی قیدی ہے اور نہ کمپنی کی حراست ہی میں ہے۔ کمپنی کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے علاوہ کمپنی نے اس کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اس کی ذات کی حفاظت کرے گی۔[47] اس لیے وہ اس کو حوالے نہیں کر سکتی۔ اس طرح وہ لوگ بھی واپس نہیں بھیجے جا سکتے جنھوں نے تیلی چیری میں پناہ لی ہے۔ کمپنی اپنے فراریوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہتی جو ممکن ہے کمپنی کی ملازمت میں آنا نہ چاہتے ہوں۔ جہاں تک ٹیپو اور کمپنی کے درمیان جارحانہ اور مدافعانہ معاہدے کا سوال ہے مدراس گورنمنٹ ٹیپو سے اس قسم کا کوئی معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ معاہدے کی شرائط کی تکمیل نہ ہونے پر اس سے جنگ شروع ہو جائے گی جیسے کہ حیدر سے شروع ہو گئی تھی۔ تاہم گورنمنٹ یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہے کہ اگر کمپنی کسی ہندوستانی یا یورپین طاقت سے جنگ میں مصروف ہے یا اگر ٹیپو کسی طاقت سے نبرد آزما ہے سوائے تنجور اور ٹراونکور کے راجاؤں اور نواب ارکاٹ کے جو کمپنی کی براہ راست حفاظت میں ہیں تو اس حالت میں کمپنی یا ٹیپو ایک دوسرے کے دشمنوں کو براہ راست یا بالواسطہ کسی قسم کی امداد نہیں دیں گے[48] سری نواس راؤ اور اپاجی رام کی جارحانہ اور مدافعانہ معاہدے کی تجویز کے بدل کے طور پر مدراس گورنمنٹ نے غیر جانب داری کے معاہدے کی تجویز اس لیے پیش کی تھی کہ کہیں ٹیپو یہ خیال نہ کرے کہ مقبوضات اور قیدیوں کی واپسی اور کرناٹک کے تخلیے کے بعد انگریز اس کی سلطنت کی لوٹ کھسوٹ کے لیے مرہٹوں اور نظام کی مدد کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں[49] بہر حال بنگال گورنمنٹ اس فقرے کو شامل کرنے کے اس لیے خلاف تھی کہ اس کو مرہٹے اور دوسری ریاستیں جارحانہ تصور کریں گی۔ وہ یہ سمجھیں گے کہ اس کا اشارہ ان ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی جگہ پر اس نے یہ جملہ تجویز کیا جب تک ٹیپو ہمارے خلاف نظام الملک نواب ارکاٹ اور تنجور و ٹراونکور کے راجاؤں کے خلاف جو ہمارے حلیف ہیں جنگ سے باز رہتا ہے، ہم بھی جنگ سے باز رہیں گے۔[50] اصل میں یہ جملہ مرہٹوں کے لیے اس سے زیادہ دل شکن ہوتا کہ میسور گورنمنٹ کو کمپنی کا دوست بتایا گیا ہے جو تجویزیں بدل کے طور پر پیش کی گئی تھیں وہ چونکہ ٹیپو کے وکیلوں کے لیے قابل قبول نہیں

تھیں۔ اس لیے وہ مدراس سے چلے گئے اس گفت و شنید کی ناکامی کا سبب بڑی حد تک وارن ہیسٹنگس کا سخت رویہ تھا جس نے مدراس گورنمنٹ کو علیحدہ مصالحت کی گفتگو کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ اس کے تمام مقاصد اس معاہدے میں شامل ہیں جو مرہٹوں سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے[53] مزید برآں اسے یقین تھا کہ مرہٹے سلطان کو مجبور کر دیں گے کہ سلبائی عہد نامے کو منظور کرے[54]

بہر طور تین باتیں ایسی تھیں جنھوں نے اسے ٹیپو کے ساتھ ایک علیحدہ معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ پہلی وجہ یہ تھی کورٹ آف ڈائرکٹرس کا دباؤ۔ ان کی ہدایت یہ تھی کہ جلد سے جلد صلح ہو جائے دوسری وجہ بنگال کی مالی بدحالی اور شمالی ہند میں قحط کا ڈر تھا جس نے بنگال گورنمنٹ کو صوبے سے باہر غلّے کی برآمد کو ممنوع قرار دینے کے لیے مجبور کر دیا۔ ان حالات میں گورنر جنرل با جلاس کونسل کو جنگ کے احیا کا خیال پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ آخری وجہ یہ تھی کہ اینڈرسن نے جو سندھیا کے یہاں کمپنی کا ایجنٹ تھا اسے پوری طرح یقین دلایا کہ ٹیپو سے علیحدہ صلح کرنے پر اعتراض بے سود ہے کیونکہ میسور کے خلاف مرہٹوں کے بہت سے مطالبات تھے جن کا تصفیہ ٹیپو اور کمپنی کے درمیان صلح ہونے سے پہلے وہ کر لینا چاہتے تھے۔ لیکن ان معاملات میں پڑنا نہ صرف یہ کہ سود مند نہ ہوگا بلکہ گفت و شنید کو مزید الجھن میں ڈال دے گا اور صلح میں تاخیر ہوگی۔ بالاجی راؤ سندھیا کے وعدوں کے باوجود اینڈرسن کو مرہٹوں کی امداد کا کبھی یقین نہیں تھا کیونکہ سندھیا ہندوستان میں اتنا پھنسا ہوا تھا کہ اُسے جنوب کی طرف آنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ پیشوا کی فوجیں ہری پنت ہولکر اور اُس گروہ کے اختیار میں تھیں جو سندھیا کے خلاف تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کبھی بھی نانا کی مرضی پر چلنا پسند کریں گے۔ مزید برآں ٹیپو معاہدہ سلبائی کی بنیاد پر صلح کرنے کا شدید مخالف تھا کیونکہ خود انڈرسن کے الفاظ میں "اسے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ ہم صلح کو برقرار رکھ سکیں گے"۔ کیونکہ خود اس معاہدے کے شرائط ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ جب کبھی ٹیپو اور پیشوا کے درمیان ان بن ہو جائے تو ہم لڑائی شروع کر سکتے ہیں[55] وہ براہِ راست صلح کا خواہاں تھا۔ کیونکہ جب تک اس کے خلاف مرہٹوں کے مطالبات کا تصفیہ نہ ہو اسے ہمیشہ مرہٹوں سے خطرہ رہے گا۔

انگریز کمشنر منگلور میں

یہ تھے وہ حالات جنھوں نے وارن ہیس ٹنگس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مدراس گورنمنٹ کو اجازت دے کہ وہ ٹیپو سے علاحدہ معاہدہ صلح کرے۔ بہر حال یہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہی میکارٹنی

اور اس کی کونسل نے اپاجی رام کی تجویز کے مطابق 31 راکتوبر 1783ء کو انتھونی سیڈلیر کو جو پریزیڈینسی کی کونسل اور کمیٹی میں دوسرے درجے پر تھا اور جارج لیونارڈ اسٹانٹن کو جو لارڈ میکارٹنی کا پرائیویٹ سکریٹری تھا منگلور جانے کے لیے مقرر کیا گیا تاکہ وہ انگریز جنگی قیدیوں کی رہائی حاصل کریں اور ٹیپو سے معاہدہ کریں" جو اس صلح کی تمہیدی دفعات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ جو کورٹ آف ڈائرکٹرس کی متعلقہ ہدایات کے بھی موافق ہو"۔ انھیں یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ اس عارضی صلح کی مدت جو 2 ردسمبر 1783ء کو ختم ہو رہی تھی کسی ایسی تاریخ تک بڑھا دیں جو وہ مناسب سمجھیں ہے گورنر اور سلکٹ کمیٹی نے کمشنروں کو مقرر کر کے منگلور بھیجنے اور بغیر سپریم گورنمنٹ کی پہلے سے اجازت حاصل کیے ٹیپو سے صلح کرنے کو اس لیے حق بہ جانب قرار دیا کہ تمھارا خزانہ خالی ہے۔ ہماری ساکھ ختم ہو چکی ہے اور بنگال سے روپے کی فراہمی بند ہے۔ مزید برآں بنگال میں قحط کا ڈر ہے۔ جہاں سے چاول اور سامانِ رسد کا بڑا حصہ ہم منگاتے ہیں اور جہاں سے یہ سامان برآمد کرنے کی ممانعت ہے اور یہاں ہمارے ذخیرے تک خالی ہو چکے ہیں ۲ے

۹ رنومبر کو کمشنر ٹیپو کے وکیلوں کے ساتھ مدراس سے چلے اور ۱۷ رکو کنجیورم پہنچے یہاں سے وہ ارنی سید صاحب سے ملاقات کے لیے گئے۔ جن کو انگریزوں سے گفت وشنید کے لیے ٹیپو نے اختیار دیا تھا۔ خراب موسم، موسلا دھار بارش اور چڑھی ہوئی ندیوں کی وجہ سے کمشنروں کی رفتار اس قدر سست تھی کہ ارنی تک پہنچنے میں انھیں نو دن لگ گئے ۳ے یہاں انھوں نے سید صاحب سے کئی بار ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں میں انھوں نے تجویز پیش کی کہ میسوریوں کو کرناٹک بالکل خالی کر دینا چاہیے اور جب یہ کام انجام کو پہنچ جائے تو وہ انگریز افسروں کو ٹیپو کی سلطنت کے ان حصّوں کو خالی کرنے کا حکم دیں گے جن پر جنگ شروع ہونے کے وقت قبضہ کر لیا گیا تھا لیکن منگلور اور سلطان کے مالابار کے مقبوضات صرف اُس وقت واپس کیے جائیں گے جب سارے انگریز قیدی رہا کر دیے جائیں گے۔

سید صاحب نے یہ تجاویز رد کر دیں کیونکہ وہ ایسے صلح نامے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے جو دوطرفہ ہو۔ انھوں نے کمشنروں کو مدراس کی وہ کانفرنس یاد دلائی جس میں جانبین کے مفتوحہ علاقوں کی بحالی کے متعلق متفقہ فیصلہ ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم کرناٹک خالی کر دینے کے لیے تیار ہیں بہ شرطیکہ کمشنر جنوب، شمال اور مغرب کے کمانڈنگ افسروں کے نام اور منگلور کے کمانڈر کے نام خطوط لکھ کر میرے ہاتھ میں دیدیں کہ منگلور سمیت وہ تمام مقامات جو کمپنی نے فتح کر لیے تھے ٹیپو کے افسروں کے حوالے کر دیں" وہ اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ منگلور کے انخلا کے بعد کمپنی کے عام قیدی رہا کر دیے

جائیں۔ چونکہ جوابی تجویزیں کمشنروں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھیں راجی رام نے مصالحت کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ میسوری پہلے کرناٹک کا تخلیہ کر دیں اور اسے کمپنی کے نمائندوں کے سپرد کر دیں مگر جنگی قیدیوں کو صرف اس وقت رہا کیا جائے جب انگریز ٹیپو کے تمام مقبوضات کو جن میں ساحل مالابار کے مقبوضات بھی شامل ہیں خالی کر دیں۔[31]

مصالحت کی یہ تجویز سیڈلیر[32] نے منظور کر لی مگر اشانٹن نے اسے مسترد کر دیا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ ساحلِ مالابار کے قلعے اس وقت تک ٹیپو کے حوالے نہ کیے جانے چاہئیں جب تک جنگی قیدی اور دوسرے افراد کی رہائی قطعی طور پر عمل میں نہ آ جائے۔ ٹیپو کے وکیل اس امر کا وعدہ کرنے کے لیے تیار تھے کہ عہد نامے کی دفعات پر سلطان پورے طور پر عمل کرے گا اور تمام قیدی رہا کر دیے جائیں گے۔ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ اگر منگلور فوراً خالی کر دیا جائے تو ہم اس پر راضی ہو جائیں گے کہ مغربی گھاٹ کے مشرق میں جن مقامات پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا وہ قیدیوں کی رہائی تک ان ہی کے پاس رہیں۔ سیڈلیر منگلور چھوڑنے کے لیے تیار تھا۔ اس کے نزدیک وکیلوں کے وعدے کافی قابلِ اطمینان تھے اور اُسے منظور کر لینا چاہیے تھا لیکن اشانٹن وکیلوں کی یقین دہانی کے باوجود اُن کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ منگلور کو حوالے کرنے سے پہلے قیدی رہا کر دیے جائیں۔ اس پر وکیل راضی نہ ہو سکے۔ انھوں نے بہت سی باتیں مان لیں اس سے پہلے کہ انگریز ٹیپو کے مقبوضات سے دست بردار ہوں وہ کرناٹک کے تخلیہ کے لیے راضی ہو گئے انھوں نے جنگی قیدیوں کی رہائی کے متعلق کمشنروں کو ہر ممکن طریقے سے یقین دلایا۔ تاہم منگلور سے متعلق انھوں نے کسی قسم کی مصالحت سے انکار کر دیا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر تمام قیدی رہا کر دیے گئے تو ہو سکتا ہے کہ انگریز ٹیپو کے مالاباری علاقے خاص طور پر منگلور سے دست بردار نہ ہوں جس کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے بمبئی گورنمنٹ بہت آرزو مند تھی۔ اس لیے وہ کچھ نہ کچھ اس وقت اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے جب تک منگلور کا تخلیہ نہ ہو جائے۔

بہرحال ایک بات پر سمجھوتہ ہو گیا یہ فیصلہ ہوا کہ کوم بوم[33] اور ستو ٹیپو کو اُن کے سابق حکمرانوں کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ کمشنروں نے میجر لی سگٹ کو خط لکھا کہ کوم بوم کو قمرالدین خاں[34] کے حوالے کر دیا جائے اسی طرح ٹیپو کے وکیلوں نے قمرالدین خاں کو لکھا کہ ستو پٹو کو انگرکون کے حوالے کر دو لیکن اصلی مسائل چونکہ غیر فیصلہ شدہ رہ گئے تھے اس لیے کمشنر منگلور چلے گئے تاکہ ٹیپو سے براہِ راست گفت و شنید کریں۔

25 نومبر کو وہ ارنی سے چلے اور 24 دسمبر مل ولی پہنچے یہاں سے پہلے وہ انگریز جنگی قیدیوں سے ملنے سرنگا پٹم جانا چاہتے تھے جہاں وہ قید تھے۔ لیکن وکیلوں نے ان کے ساتھ اس راستے سے جانے سے انکار کر دیا اور مشورہ دیا کہ سیدھے منگلور براہ مدور چلیں جیسا کہ سلطان چاہتا تھا کیونکہ اگر وہ سرنگا پٹم گئے تو انھیں قلعہ میں داخل ہونے اور قیدیوں سے ملنے کی اجازت نہیں ملے گی۔[35]

کمشنروں نے وکیلوں کے اس طرزِ عمل پر احتجاج کیا کیوں کہ یہ مدراس سمجھوتے کے خلاف تھا جس کی رُو سے انھیں منگلور اور سرنگا پٹم جانے کا اختیار حاصل تھا۔[36] دوسری طرف وکیل کہتے تھے کہ ہمارا طرزِ عمل بالکل سمجھوتے کے مطابق ہے جس میں یہ بات موجود ہے کہ اگر سید صاحب اور کمشنروں کے درمیان بات چیت کامیاب ہو جائے تو موخر الذکر فوراً سرنگا پٹم جا سکتے ہیں جہاں وہ ٹیپو سے صلح نامے کی قطعی شرطیں طے کر سکتے ہیں اور انگریز قیدیوں سے ملاقات بھی کر سکتے ہیں۔[37] لیکن چونکہ ارنی کی گفتگو ناکام ہو گئی ہے اس لیے کمشنروں کو سرنگا پٹم جانے کا حق حاصل نہیں ہے جہاں اسی وجہ سے ٹیپو ان سے ملنے کے لیے موجود نہ ہوگا۔[38] لیکن ان دلیلوں کا کوئی اثر کمشنروں پر نہیں ہوا۔ انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کریں گے ان کا منصوبہ یہ تھا کہ پچیس ہزار من چاول مل جائیں تو آگے بڑھیں۔ چاولوں کی یہ مقدار ان کے سفر کی ضروریات کے لیے[39] کافی ہو گی۔ لیکن اس منصوبے کا راز چوں کہ کھل گیا اس لیے وکیلوں نے نہ صرف اُن کی معمولی ضرورت سے زیادہ چاول دینے سے انکار کر دیا بلکہ تاجروں کو بھی ان کے ہاتھ چاول فروخت کرنے کی ممانعت کر دی۔ کمشنروں نے اس پر بہت پیچ و تاب کھایا غیظ و غضب میں مبتلا ہوئے اور دھمکایا کہ پچیس ہزار من چاول کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو ہم مدراس واپس چلے جائیں گے[40] مگر آخر کار اس امر کا اندازہ کر کے کہ وکیل دیں گے نہیں اور سرنگا پٹم کو ان کا سفر بیکار جائے گا انھوں نے اپنا رویہ بدل دیا اور سیدھے منگلور جانے کے لیے راضی ہو گئے۔

اصل میں فوجی اسباب کی بنا پر ٹیپو یہ نہیں چاہتا تھا کہ کمشنر سرنگا پٹم جائیں ہر چند کہ عارضی صلح نامے پر دستخط ہو گئے تھے پھر بھی ارنی کی گفتگو کی ناکامی سے انگریزوں اور میسوریوں کے تعلقات پر شک و شبہ اور بے اعتمادی کی فضا چھائی ہوئی تھی اور معاہدہ صلح کی کوئی واضح امید نہیں تھی۔ اس صورتِ حال میں ٹیپو کمشنروں کو انگریز قیدیوں سے ملنے اور سرنگا پٹم کے استحکامات اور دوسرے فوجی رازوں کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اور کمشنروں کو بنگلور نہ جانے کی اجازت نہ دینا بھی فوجی اسباب ہی کی بنا پر تھا۔ پھر بھی انہیں اس کی اجازت دے دی گئی کہ وہ بنگلور اور

سرنگا پٹم کے قیدیوں کو جو چیزیں وہ چاہیں بھیج سکتے ہیں اور پارسل جو انھوں نے اس مقصد کے لیے دیے بہ حفاظت قیدیوں کو پہنچا دیے گئے۔[41]

کمشنر یکم جنوری 1784ء کو مل ولی سے روانہ ہوئے 4 فروری کو منگلور پہنچے اس طرح مدراس سے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں انھیں تقریباً تین مہینے لگ گئے۔ ولکس کا خیال ہے کہ اتنا طویل عرصہ اس لیے لگا کہ انھیں جان بوجھ کر آہستہ چلنے پر مجبور کیا گیا۔[42] لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ الزام قطعاً صحیح نہیں ہے جب کمشنر 9 نومبر کو مدراس سے چلے تو خراب موسم نے ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالی موسلادھار بارش ہو رہی تھی اور ندیاں چڑھی ہوتی تھیں۔ اس لیے وہ نو دن میں ارنی پہنچ سکے۔[43] ارنی میں اور پھر مل ولی میں ایک ہفتہ واڑہ سے زیادہ ٹیپو کے وکیلوں اور خود آپس میں بحث و مباحثے میں ضائع ہوا۔[44] کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ جب وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو کمشنروں کو کافی دن مدراس سے ہدایات حاصل کرنے میں لگے۔[45] علاوہ ازیں انھوں نے بڑے اطمینان سے آہستہ آہستہ منزلیں طے کیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ انھیں منگلور پہنچنے کی جلدی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انھیں پھیر کے چکردار راستوں سے سفر کرنے پر مجبور کیا گیا لیکن اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے منگلور پہنچنے میں تاخیر ہو بلکہ یہ فوجی مصلحتوں کی بنا پر کیا گیا تھا۔

میسور میں صلح کی گفتگو

13 فروری کو کمشنروں نے ایک میموریل ٹیپو کی خدمت میں پیش کیا اس میں انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ معاہدہ سلیبائی کی نویں دفعہ کے مطابق کرناٹک کا تخلیہ کیا جائے اور انگریز جنگی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ انگریز ٹیپو کے ان مقبوضات کو اس کے حوالے کرنے کو تیار ہیں جو ان کے قبضے میں ہیں لیکن اس انخلا کو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ وہ کرناٹک کے تخلیہ یا قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں ہوا ہے کیونکہ یہ دونوں معاملے تو اب سے پہلے مرہٹہ معاہدوں میں طے ہو چکے ہیں۔[46] تاہم جوں ہی ایک سو انگریز قیدی (جن میں آدھے افسر یا معزز افراد ہوں) آزاد کر دیے جائیں گے کمشنر اونور کماٹر اور دوسرے مقامات کے تخلیے کا حکم صادر کر دیں گے ڈینگل کرور اور دھرا پورم اس وقت حوالے کیے جائیں گے جب تمام قیدی ہندوستانی اور یورپین رہا ہو جائیں گے۔ اگر ٹیپو نے ایک مہینے کے اندر ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس کا مطلب ہوگا جنگ اور اس کے معاہدے کے مطابق جس پیشوا نے اور کمپنی نے 22 اکتوبر کو دستخط کیے ہیں انگریزوں کے ساتھ

مرہٹے بھی ہوں گے اور دونوں مل کر اسے سلبائی کے عہد نامے کی نویں دفعہ پر عمل درآمد کے لیے مجبور کر دیں گے۔"[47]

ٹیپو نے اس یادداشت کا جواب یہ دیا کہ جیسے ہی صلح ہوئی وہ کرناٹک کا تخلیہ کر دے گا اور صرف "قیدی" ہی پہلی قسط کے طور پر نہیں بلکہ سب کو فوراً رہا کر دیا جائے گا اور ان کو کسی انگریزی قلعے یا غیر جانب دار نوآبادی میں بھیجنے کے بجائے کمشنروں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جہاں تک سلبائی کے عہد نامے کا سوال ہے ٹیپو کی دلیل یہ تھی کہ اس وقت جب عہد نامے کے شرائط طے ہو رہے تھے، میرا کوئی خط یا کوئی وکیل انگریزوں کے پاس نہیں بھیجا گیا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس صورت میں مجھ سے اس کا تذکرہ کرنے کا جواز کیونکر پیدا ہو گیا۔ اس کے وکیلوں نے 4 ار فروری کی ملاقات میں کمشنروں کو یہ بھی اطلاع دی کہ چونکہ سلطان ایک خود مختار فرماں روا ہے اس لیے سلبائی کے عہد نامے کو حوالے کے طور پر اس کے سامنے پیش نہ کرنا چاہیے اور موجودہ گفت و شنید کو کسی دوسری ریاست کا ذکر بیچ میں نہ لا کر جاری رہنا چاہیے۔[48] رہی انگریزوں کی جنگ کی دھمکی سو اس کے متعلق وکیلوں نے کہا کہ اگر انگریزوں نے مرہٹوں سے مل کر میسور پر حملہ کیا تو ٹیپو بھی بے یار و مددگار نہیں ہے فرانسیسی فوراً اس کی مدد کے لیے آ جائیں گے۔[49]

جن شرائط پر ٹیپو صلح کے لیے تیار تھا وہ تقریباً وہی تھے جو اس کے وکیلوں نے مدراس میں تجویز کیے تھے۔ اس کا مطالبہ تھا کہ کرناٹک کے چند اضلاع اس کے حوالے کیے جائیں اور ایاز کو اس کے سپرد کیا جائے اور اس کے ساتھ جارحانہ مدافعانہ معاہدہ کیا جائے۔ اس نے مزید کہا کہ کرناٹک کو ٹھیک اس وقت خالی کرنا چاہیے جس وقت سرکار سے حاصل کیے ہوئے ان مقبوضات سے کمپنی دست بردار ہو جن پر موجودہ جنگ کی ابتدا سے قبضہ کر لیا گیا ہے۔ اور ہر طبقے کے قیدیوں کو فوراً ان لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے جن کو کمشنروں نے مختلف مقامات پر اس وقت جہاں جہاں وہ قید ہیں تحویل میں لینے کے لیے بھیجا ہو۔[50] بہرکیف ایک میمورنڈم جو ٹیپو نے 19 ر فروری 1784ء کو کمشنروں کے پاس بھیجا اس میں کہا گیا تھا کہ وہ سب قیدیوں کو رہا کرنے اور ان کو انگریزوں کے سپرد کرنے کو تیار ہے اور کرناٹک میں وہ چار یا پانچ مقامات بھی واپس کر دے گا جیسا کہ کمشنر چاہتے ہیں۔ مگر اس کے بدلے میں انگریزوں کو چاہیے کہ وہ کناتور، اونور اور سرایشوگڑھ میرے حوالے کر دیں۔ اس کے علاوہ انگریزوں کو چاہیے کہ وہ ڈنڈیگل اور دوسرے مقامات بھی خالی کریں اور وہ 55 ہزار پگوڈے بھی واپس کریں جو طریچناپلی گھاٹ کے قلعے سے لے گیا ہے۔ صرف ان شرائط کی

بجا آوری کے بعد وہ کرناٹک کے مکمل تخلیے کا حکم صادر کرے گا۔

کمشنروں نے یہ مطالبات نامنظور کر دیے کیونکہ انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جنگی قیدیوں کی رہائی کے سوال پر اور کرناٹک کے تخلیے کے متعلق وہ کوئی مصالحت نہیں کریں گے۔ انھوں نے پچپن ہزار گھوڑے واپس کرنے سے بھی اس بنا پر انکار کر دیا کہ میسوری فوجوں نے کرناٹک کو جو سخت نقصان پہنچایا ہے کمپنی کو حق حاصل ہے کہ سلطان سے اس کا تاوان وصول کرے بہر طور کمشنر تاوان سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں بہ شرطیکہ ٹیپو کمپنی کو اپنی سلطنت میں تجارتی استحقاق عطا کرے[52]

22 فروری کو کمشنروں نے ٹیپو کے وکیلوں کے سامنے صلح نامے کا ایک مسودہ پیش کیا جس میں 29 دفعات تھیں اور جو انگریزوں کے ان مطالبات کا جو اس وقت تک منضبط ہوئے تھے مفصل اور مکمل گوشوارہ تھا۔ اگرچہ کمشنر معاہدۂ سلبائی کو گفتگو کی بنیاد بنانے کے لیے راضی ہو گئے تھے لیکن انگریز قیدیوں کی رہائی اور کرناٹک کے تخلیے کے متعلق اپنے مطالبے میں انھوں نے کوئی تغیر و تبدل کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی کے ساتھ ہی انھوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ نواب کرناٹک کے خلاف ٹیپو کے جو دعوے ہیں ان سے وہ دست بردار ہو جائے۔ ونکٹا گری کے راجہ سے تعلق رکھنے والے ان تمام لوگوں کو صلح ہونے کے ایک ماہ کے اندر رہا کر دیا جائے جنھیں ٹیپو نے اس وقت گرفتار کر لیا تھا جب وہ ویلور سے واپس آ رہے تھے اور راجہ کو کانی گیری[53] کا ضلع معمول کے مطابق سالانہ لگان پر دے دیا جائے۔ مراری راؤ کو آزاد کیا جائے اور ایک جاگیر دی جائے۔ ٹیپو کو چاہیے کہ وہ کمپنی کے ایک نمائندے کو مع سپاہیوں کی دو کمپنیوں کے اپنے دربار میں رہنے کی اجازت دے۔ چنگاما کے درے سے براہ راست سرنگاپٹم تیلی چری تک ٹپل قائم کیے جائیں اور کوہ ڈلی کا قلعہ اور ضلع دونوں تیلی چری کی فیکٹری کو واپس کیے جائیں جن پر آغاز جنگ میں سردار خاں نے قبضہ کر لیا تھا۔ کورگ چیرا کل کوٹایم اور کٹا تنار کے راجاؤں کو جنھیں انگریزوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اپنے اپنے علاقے میں بحال کیا جائے اور انھوں نے اس لیے پریشان نہ کیا جائے کہ انھوں نے میسور کے خلاف انگریزوں کی مدد کی ہے۔ آخری شرط یہ ہے کہ ٹیپو اپنی سلطنت میں کمپنی کو تجارتی مراعات دے۔

ٹیپو نے صلح نامے کی شرطوں کے مسودے کو مسترد کر دیا اور 22 فروری کو کمشنروں کو مطلع کیا کہ چونکہ گفتگو ناکام رہی ہے اس لیے میں کل صبح سرنگاپٹم جا رہا ہوں[54] اس نے جنگی قیدیوں کی رہائی

اور مالابار کے راجاؤں کی بحالی کو اپنے داخلی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔ اس نے نہ تو ٹپیل قایم کرنا ہی منظور کیا جنھیں اس کی مملکت سے گزرنا تھا اور نہ سرنگاپٹم میں کمپنی کے کسی نمائندے کے رہنے کی اجازت دی۔ تجارتی مراعات سے متعلق دفعہ کو بھی اس نے مسترد کر دیا کیونکہ اس دفعہ کے منظور کر لینے کے معنی یہ ہوتے کہ اس کی مملکت معاشی زندگی کی باگ ڈور مکمل طور پر انگریزوں کے ہاتھوں میں دے دیتی۔[55]

ٹیپو کی ان تجویزوں کو رد کر دینے اور یہ اعلان کرنے سے کہ وہ اگلے دن صبح کو سرنگاپٹم چلا جائے گا کمشنر بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ پھر جنگ شروع ہو اس لیے انھوں نے اپنا یہ لوچ رویہ بدل دیا اور ٹیپو کے وکیلوں سے متعدد ملاقاتوں کے بعد اپنا یہ مطالبہ ترک کر دیا کہ کمپنی کے ایک نمائندے کو سرنگاپٹم میں رہنے کی اجازت دی جائے اور ٹپیل میسور سلطنت میں سے ہو کر قایم کیے جائیں انھوں نے یہ تجویز بھی ترک کر دی کہ ہراری راؤ کو رہا کیا جائے اور کورگ چیراکھیل کوٹایم اور کداتناد کے راجاؤں کو اپنے اپنے علاقوں میں بحال کیا جائے اور میسور میں کمپنی کو تجارتی مراعات کے متعلق دفعات کو بھی بہت ہلکا کر دیا۔[56] ٹیپو نے بھی کرناٹک پر اپنا دعویٰ ترک کر دیا اور ایاز کو حوالے کرنے اور پچپن ہزار پگوڈے جو فلرٹن پال گھاٹ سے لے گیا تھا۔ واپس کرنے کے مطالبہ سے بھی دست بردار ہو گیا۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ جنگی قیدیوں کو کسی قریب ترین قلعہ کی انگریزی محافظ فوج کے پاس بھیجے گا اور دوران سفر کی ضروریات کے لیے رسد بھی مہیا کرے گا جس کی قیمت کمپنی کو ادا کرنی ہوگی۔[57]

آخر کار بہت سے معاملات پر سمجھوتا ہو گیا لیکن دو اب بھی طے نہیں ہو سکے اور ان کے متعلق ٹیپو نے کوئی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ پہلا سوال کمپنی کے ساتھ کسی قسم کے اتحاد کا تھا اگرچہ ٹیپو نے کمپنی کے ساتھ جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کا مطالبہ ترک کر دیا تھا لیکن اس دفعہ کو معاہدے میں شامل کرنے پر وہ مصر تھا کہ انگریز اور اس کی حکومت ایک دوسرے کے دشمنوں کی علانیہ یا خفیہ طور پر کسی قسم کی مدد نہ کریں گے اس دفعہ کو صلح نامے میں شامل کرنے کے لیے ٹیپو مرہٹوں کے خطرے کی وجہ سے پریشان اور مضطرب تھا۔ اس نے کمشنروں کو مطلع کر دیا تھا کہ اگر اس دفعہ کو معاہدے میں شامل نہ کیا گیا تو وہ سرنگاپٹم چلا جائے گا۔ اس اعلان نے کمشنروں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا۔ اگر وہ اس دفعہ کو معاہدے میں شامل کرنے سے انکار کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ جنگ ہے اور اگر وہ اسے منظور کر لیتے ہیں تو یہ بات گورنر جنرل کی ہدایات کے

منافی ہوگی جن کا خیال ہے کہ یہ دفعہ مرہٹوں کو ناگوار گزرے گی جو ٹیپو کے سخت دشمن ہیں۔ گورنر جنرل تو یہ معاہدہ کرنا چاہتے تھے کہ ٹیپو کی حکومت نظام کرناٹک کے نواب اور تنجور اور ٹراونکور کے راجاؤں کے خلاف نبرد آزما نہ ہوگی۔[58]

بہرطور کمشنروں نے ٹیپو کی تجویز کچھ ردوبدل کے ساتھ گورنر جنرل کے احکام کے خلاف منظور کر لی اُن کے اس فیصلے پر دو اہم اور قابلِ لحاظ باتوں نے اثر ڈالا۔ پہلی بات یہ تھی کہ انھوں نے اس امر کا اندازہ کر لیا کہ اگر ٹیپو کی تجویز منظور کر لی جائے تو مرہٹوں کو اتنا ناگوار نہیں گزرے گا جتنا وہ جملہ گراں گزرے گا جس میں گورنر جنرل نے اپنی تجویز میں نظام کو تو کمپنی کا دوست بتایا لیکن مرہٹوں کا ذکر اس طرح نہیں کیا تھا۔[59] دوسری بات یہ کہ ٹیپو نے تقریباً اُن کے تمام اہم مطالبات منظور کر لیے ہیں۔ اس ایک بات پر گفت و شنید کو منقطع کر دینا اور کمپنی کو جنگ میں دھکیل دینا غلطی ہوگی۔[60]

دوسرا سوال جس پر ٹیپو کا رویہ بے لوچ تھا اس کا تعلق اُن علاقوں کی بحالی سے تھا جن پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سوال شروع سے گفت و شنید کی کامیابی کے راستے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا ہم دیکھ چکے ہیں کہ مدراس اور ارنی دونوں جگہ کمشنروں نے ٹیپو کے علاقے کے کسی حصے کو اس وقت تک خالی کرنے سے انکار کر دیا تھا جب تک وہ تمام قیدیوں کو رہا نہ کر دے اور کرناٹک کا تخلیہ نہ کر دے۔ بہرطور چونکہ سلطان کا اصرار یہ تھا کہ کرناٹک کا تخلیہ اس کے علاقوں کے تخلیے کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے کمشنروں نے اپنے میمورنڈم میں جو ۱۲ فروری کو ٹیپو کے وکیلوں کو منگلور میں پیش کیا گیا تھا مصالحت کے لیے یہ تجویز کیا کہ ٹیپو سو یورپین قیدیوں کو جن میں پچاس افسر یا اعلیٰ پائے کے لوگ ہوں رہا کر دے تو کمپنی اونور اور کردار کو بحال کر دے گی۔ لیکن کرور دھاراپورم اور اروا کریچی صرف اس وقت بحال کیے جا سکیں گے جب سارے کرناٹک کا تخلیہ کر دیا جائے گا اور سب جنگی قیدی رہا کر دیے جائیں گے مگر ٹیپو اب بھی پہلے ہی کی طرح ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس پر کمشنروں نے یہ تجویز پیش کی کہ کمپنی کرناٹک کے تخلیے کے ساتھ ہی ساتھ ٹیپو کے تمام مقبوضات بحال کر دے گی مگر وہ ڈنڈیگل اور کنانور پر قیدیوں کی رہائی کی ضمانت کے طور پر اپنا قبضہ جاری رکھے گی، ٹیپو نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی جس طرح انگریزوں کو اس پر اعتماد نہیں تھا اسی طرح وہ بھی ان کی ریشہ دوانیوں اور منصوبہ بندیوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور اسے یقین نہیں تھا کہ جب ان کے قیدی رہا ہو جائیں گے تو وہ ڈنڈیگل اور کنانور سے اپنی فوجیں ہٹا لیں گے اس لیے اس نے

پانچ دفعات تجویز کیں[5] کمشنروں کو اختیار تھا کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کرلیں (1) ڈنڈیگل اور کنانور کی بحالی تک کمشنر ٹیپو کے پاس رہیں اور صرف اس وقت واپس جائیں جب مدراس گورنمنٹ کا دستخط شدہ صلح نامہ اسے مل جائے۔ (2) ڈنڈیگل کے بدلے ٹیپو کو اجازت ملنی چاہیے کہ وہ تیاگڑھ اور نیلور میں یا انبور اور ست گھر میں اپنی فوج تعینات کرے۔ (3) تین کمشنروں میں سے دو یا کم سے کم ایک یہاں قیام کرے اور اس کو ان دونوں کمشنروں کی طرف سے مختار بنادیا گیا ہو کہ وہ کرناٹک کے تخلیے اور قیدیوں کی رہائی کے بعد ٹیپو کے تمام مقبوضات کو بحال کر دے۔ (4) کمشنر ڈنڈیگل یا کنانور کی بحالی کا حکم صادر کر دے (5) کنانور ٹیپو کے افسروں کی موجودگی میں واپس اسی وقت جائے گا جب وندواش اور دوسرے مقامات خالی کیے جائیں گے۔

پہلے تو کمشنروں نے ان تمام تجاویز کو مسترد کر دیا اور 4۔ مارچ کو اپنے فیصلے سے ٹیپو کو آگاہ کر دیا۔ لیکن اس امر کا اندازہ کر کے کہ ٹیپو خالی خولی دھمکیاں ہی نہیں دے رہا ہے اور نہ دھونس جما رہا ہے۔ اگر اس کے متبادل مطالبات رد کر دیے گئے تو وہ بات چیت ختم کر کے سرنگا پٹم چلا جائے گا‘ وہ کچھ دب گئے‘ اور انھوں نے دوسری تجویز اس تبدیلی کے ساتھ منظور کرلی کہ ٹیپو کی فوجیں کرناٹک میں ست گھر اور انبور پر اس وقت تک قبضہ رکھیں جب تک ڈنڈیگل اور کنانور پر انگریزوں کا قبضہ ہے اور یہ کہ قیدیوں کی رہائی کے فوراً بعد اُن کی باہم دیگر بحالی کے لیے احکام صادر کر دیے جائیں تمام باتیں طے ہو جانے کے بعد صلح نامے پر 11 مارچ 1784ء کو دستخط ہو گئے۔

صلح کا ردِ عمل اور کمشنروں کے ساتھ ٹیپو کا برتاؤ

منگلور کا صلح نامہ ٹیپو کی سفارتی حکمت عملی کی کامیابی تھی کیونکہ مجموعی طور پر اس نے کمشنروں سے مطلوبہ شرائط منظور کرا لیے۔ سلبائی کے معاہدے کا جہاں تک تعلق تھا یا ذلت کے ساتھ کرایا تھا اس نے کمشنروں کو اس شرط کے مان لینے پر راضی کر لیا کہ دستخط کنندگان نہ تو ایک دوسرے کے دشمن کو بالواسطہ یا بلا واسطہ مدد دیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کے دوستوں اور حلیفوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ ٹیپو نے اپنی سلطنت میں تجارتی مراعات سے متعلق کمشنروں کے مطالبے میں کاٹ چھانٹ کرنے میں بھی کامیابی حاصل کرلی اور آخر میں اُس نے کمشنروں کو اس اصول کو تسلیم کرنے پر راضی کرلیا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مقبوضات ایک ساتھ بحال کردیں گے لیکن سچ ہے کہ وہ کرناٹک کا کوئی ضلع حاصل نہ کرسکا لیکن اُس نے اپنے وہ علاقے واپس لے لیے جو انگریزوں نے جنگ کے دوران فتح کر لیے تھے

اگر ان تباہ کن شکستوں کو نظر میں رکھا جائے جو انگریزوں نے جنگ میں کھائیں اور گفت و شنید کے دوران میں جو مالی اور فوجی نقصانات انھوں نے اٹھائے تو انگریزوں کے لیے بھی صلح کے شرائط غیر معقول نہیں تھے۔ انھیں کرناٹک کے وہ مقامات واپس مل گئے جن پر میسوریوں کا قبضہ تھا اور جنگی قیدیوں کی رہائی کی ضمانت کے طور پر انھیں ڈنڈیگل اور کنانور پر قبضہ رکھنے کی اجازت مل گئی۔ کمپنی کو جو تجارتی مراعات 1770ء کے معاہدے کے مطابق حیدر نے دی تھیں ان سب کی تجدید کر دی گئی اور انھیں مستحکم بنا دیا گیا اس کے علاوہ ٹیپو سے یہ وعدہ بھی لے لیا گیا کہ وہ کوہ ٹلی واپس کر دے گا اور کالی کٹ میں جو رعایتیں کمپنی کو حاصل تھیں وہ بدستور باقی رہیں گی۔ اس طرح انھوں نے اپنے سب سے معقول مطالبے حاصل کر لیے انھوں نے صرف ان مطالبات کے متعلق مصالحت کی جو یا تو اہم نہ تھے یا حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے جنھیں ٹیپو کسی طرح منظور نہیں کر سکتا تھا۔ ٹاڈویل کے الفاظ میں "مختصر یہ کہ ٹیپو سے بھی قریب قریب وہی سب شرائط منظور کرا لیے گئے جو ہیسٹنگس نے مرہٹوں سے منظور کرائے تھے"[63] تاہم وارن ہیسٹنگس کے نزدیک یہ معاہدہ شرمناک تھا[64] اور بورڈ نے اسے اتنا ناپسند کیا کہ وہ اس کو فسخ کرنے پر آمادہ تھا لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اس سے کمپنی کے معاملات الجھن میں پڑ جائیں گے۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ اب تک علاقوں کی بحالی ہو چکی ہوگی اور جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی ہو چکا ہوگا[65]

وارن ہیسٹنگس اصل میں کبھی میکارٹنی کی اس خواہش کا ہم نوا نہیں رہا تھا کہ بلا تاخیر صلح ہو جانی چاہیے۔ اس کو توقع تھی کہ اگر جنگ کو طول دیا جائے تو ہم زیادہ اچھی شرائط حاصل کر سکتے ہیں تاہم مرہٹوں سے مدد ملنے کی توقع پر وہ پھر جنگ شروع کر دینے کے لیے بھی تیار تھا اگرچہ بند ہو چکی تھی اور کمشنروں اور ٹیپو کے درمیان گفت و شنید کا آخری دور چل رہا تھا۔ ادھر میکارٹنی کو نہ مرہٹوں سے امداد ملنے کا پورا یقین تھا اور نہ احیاءِ جنگ کے نتیجے ہی کے متعلق وہ پر امید تھا وہ جانتا تھا کہ اپنے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے مرہٹے انگریزوں کو کچھ عرصے تک کوئی مدد نہیں دے سکیں گے[66] مزید برآں کمپنی کے معاملات کی حالت ایسی تھی کہ ٹیپو کے ساتھ ایک نئی جنگ کو حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کمپنی قرض کے بوجھ سے گراں بار تھی اور اُس کی تجارتی ساکھ تو قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ فوج کو نو مہینے سے تنخواہ نہیں دی گئی تھی اور محافظ فوج کی گیارہ مہینے سے زیادہ کی تنخواہ واجب الادا تھی کوٹ کی وفات کے بعد سے بنگال گورنمنٹ نے کوئی مالی امداد نہیں دی تھی ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف مفلس اور تباہ شدہ کرناٹک کے معینہ محاصل ہی مدراس گورنمنٹ کا ایک سہارا تھے۔[67]

اس کے علاوہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ مستقبل قریب میں ٹیپو کے خلاف جنگ میں بنگال گورنمنٹ کوئی مالی امداد دے سکے گی۔ کیونکہ خود اس کی فوج کی چھ مہینے کی تنخواہ واجب الادا تھی اور وہ بغاوت پر کمربستہ تھی۔ اس کے علاوہ پریسیڈینسی پر قحط کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ کلکتہ اور مدراس دونوں کے وسائل حد درجہ خراب تھے۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر میکارٹنی نے لکھا کہ "ہمارے لیے صلح بہت ضروری تھی کیونکہ اگر جنگ چند مہینے اور جاری رہتی تو ہم اخراجات کے بوجھ سے دب کر رہ جاتے"[63]

یہ سچ ہے کہ فلرٹن نے بڑے پیمانے پر کامیابی حاصل کی تھی لیکن اسے بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے وہ صرف اس وجہ سے فتحیں حاصل کر سکا تھا کہ اس کا کوئی موثر مقابلہ نہیں کیا گیا۔ جنگ بندی کی وجہ سے ٹیپو کے پال گھاٹ اور کوئمبٹور کے میدان کی مدافعت کے انتظامات ڈھیلے ڈھالے تھے ابھی تک فلرٹن کا مقابلہ کسی میدانِ جنگ میں ٹیپو سے یا اس کے کسی کماندار سے نہیں ہوا تھا اس کی فوج کا سرنگا پٹم کی طرف اور آگے بڑھنا مشکوک معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ اسے زیادہ بڑی اور زیادہ مضبوط فوجوں سے مقابلہ کا امکان تھا جو زیادہ قابل جرنلوں کے زیرکمان تھیں۔ اس کے علاوہ سرنگا پٹم ابھی سو میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر فلرٹن ملک کے جغرافیے سے بھی ناواقف تھا اور اس کی فوج جسے بارہ مہینے سے تنخواہ نہیں ملی تھی ناخوش اور غیر مطمئن تھی اشکست اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی اور مدراس گورنمنٹ کو اس کی اہم ترین فوج سے محروم کر دیتی[64] اس کے برعکس جنگ جاری رکھنے کے لیے ٹیپو کی حالت بہت اچھی تھی اس کی فوجیں بہتر حالت میں تھیں اس کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ اس کی سلطنت کو جنگ کی غارت گری سے بہت نقصان نہ پہنچا تھا۔ اور اس کی فتوحات کی وجہ سے اسے شہرت اور ناموری حاصل تھی۔ اگرچہ وہ اپنے فرانسیسی حلیفوں کی مدد سے محروم ہو گیا تھا تاہم اسے انگریزوں سے اس وقت تک خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی جب تک وہ تنہا کسی ہندوستانی حکمراں کی مدد کے بغیر اس سے طاقت آزمائی کریں۔ رہی یہ بات کہ اس کے باوجود ٹیپو نے صلح کر لی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے اپنی قوت کو اور زیادہ مضبوط بنانے کی فکر تھی اور اُن باغی سرداروں کو کچلنا تھا جو جنگ سے فائدہ اٹھا کر اس کی حکومت کے دائرہ اختیار سے نکل گئے تھے۔

اس صلح نامے پر نکتہ چینی کرنے والے جو برابر اس کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے تھے کہ فوجی اور مالی مشکلات کے سلسلے میں جو انگریزوں کو درپیش تھیں ٹیپو کو برتری اور فوقیت حاصل تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انسانوں کے ذہن شکست سے چڑچڑے اور زود رنج ہو جاتے ہیں اور یہ صلح نامہ لاتعداد افسانوں کی آماج گاہ بن گیا۔ ٹیپو کے متعلق کہا گیا کہ اس نے

کمپنی کے نمائندوں کے ساتھ بہت اہانت آمیز سلوک کیا۔ ان کے کیمپ کے پاس پھانسی کے تختے
لگا دیے اور اُن پر اس قدر خوف و دہشت طاری کیا گیا کہ انھوں نے انگریزی جہازوں پر بھاگ
جانے کا ارادہ کیا جو سب سے قریب ساحل پر لنگر انداز تھے[22] لیکن یہ سب افسانے قطعاً بے بنیاد
تھے جیسا کہ ڈاڈویل نے کہا ہے[23] یہ افسانے میکلوڈ کی اشتعال پذیر قوت متخیلہ کی پیداوار تھے اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ٹیپو کی بدسلوکی کی غیر معمولی داستانیں بمبئی کے راستے سے کلکتہ
پہنچی تھیں[24] جان کیمپبل کی سرگزشت کے مطابق تقریباً ستر یا اسی باغیوں کو تین پھانسی کے تختوں
پر لٹکایا گیا تھا یہ پھانسی کے تختے اس وقت بھی موجود تھے جب کمشنر منگلور پہنچے یہیں سے اس کہانی
نے جنم لیا کہ یہ تختے اس لیے کھڑے کیے گئے تھے کہ کمشنروں کو خوف زدہ کر کے ان سے جبراً مفید مطلب
صلح کے شرائط منظور کرا لیے جائیں[25] لارڈ میکارٹنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "نہ تو ان کے کیمپوں میں اور
نہ اُن کے خیموں کے دروازوں پر پھانسی کے تختے لگائے گئے تھے اور نہ وہ اس طرح لگے ہوئے تھے
کہ وہ اپنے کیمپوں سے انھیں دیکھ سکتے۔ متعدد پھانسی کے تختے منگلور کے قرب و جوار میں لگے ہوئے
تھے جن پر ابھی دنوں ان مختلف لوگوں کو پھانسی دی گئی تھی جنھوں نے ٹیپو کے خلاف سازش
کی تھی۔

یہ تختے چونکہ اونچی جگہوں پر لگائے گئے تھے اس لیے منگلور کے چاروں طرف کئی کئی میل
سے یقیناً نظر آتے رہے ہوں گے بلکہ قلعہ میں ٹیپو کے کیمپ سے اور ہمارے کمشنروں کے کیمپ سے بھی جو
خود ان کی منتخبہ جگہ پر لگائے گئے تھے دکھائی دیتے رہے ہوں گے۔ کمشنروں کے کیمپ کی جگہ پر یا اُس
کے قریب کوئی تختہ نصب نہیں کیا گیا تھا[26] کمشنروں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کے مفروضے کا جہاں
تک تعلق ہے میکالوئی نے لکھا ہے کہ "ہمارے کمشنروں نے کسی بے رخی کی شکایت نہیں کی۔ جس کا
کمپنی یا گفت و شنید پر کوئی اثر پڑتا۔ البتہ اس رات کا وہ اکثر دوستانہ شکوہ کیا کرتے تھے کہ منگلور
کے کنارے پر لنگر انداز انگریزی جہازوں سے رابطہ قائم کرنے میں دشواری ہوتی تھی یہی دشواری
وقتی طور پر توجہ کا مرکز بنی اور کمشنروں کی حالت سے متعلق احمقانہ قیاس آرائیوں کا اور
مبتذل خبروں کا ماخذ بن گئی۔ اس موضوع پر جو خطوط آپ کو ملے ہیں وہ بدگمانی کے اُس ماحول
میں لکھے گئے ہیں لیکن صلح نامے کے اختتام پذیر ہونے کے بعد جب کمشنر آزاد تھے تو خود اُن سے صحیح
اور مکمل معلومات حاصل ہونے کے مواقع کی موجودگی میں مبہم اور بعید از قیاس کہانیوں پر
کان دھرنے اور انھیں پھیلانے کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا[27]

اس طرح یہ الزام بھی بے بنیاد ہے کہ کمشنروں کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا جاتا تھا اور منگلور کے سفر کے دوران میں انہیں جان بوجھ کر پریشان کیا گیا اور تکلیفیں پہنچائی گئیں جیسے ہی ٹیپو کو معلوم ہوا کہ کمشنروں کا ارادہ منگلور آنے کا ہے اس نے اپنے افسروں کو ہدایات بھیجیں کہ ان کے رتبہ کے مطابق ان کا خیر مقدم کیا جائے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے۔[76] چنانچہ جس وقت سے انھوں نے میسور کی سرزمین پر قدم رکھا ان کا بہت خیال رکھا گیا اور ان کی بہت خاطر مدارات کی گئیں۔ 14 نومبر 1783ء کو کمشنروں نے کلوا کے مقام سے لکھا کہ ٹیپو کے عامل نے جو وہاں تعینات تھا ان کی آؤ بھگت کی۔ اسی طرح انھوں نے ارنی سے لکھا کہ "ہمارے ورود پر حسرت آمیز انداز میں مشرقی شائستگی کے جملہ لوازم کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کیا گیا۔ ہمارے جھنڈوں کو تیرہ توپوں کی سلامی دی گئی۔ حیدر معین الدین کے کیمپ کے بڑے بڑے افسر ملنے آئے فوراً ہمارے لیے فواکہات بھیجے گئے۔ باقی لوگوں کے لیے آٹھ ہزار پیمانوں سے کم چاول نہیں بھیجے گئے۔"[77] حتیٰ کہ ارنی میں کانفرنس کے ناکام ہونے اور ٹیپو کی شرطوں کو تسلیم کرنے سے کمشنروں کے انکار کے بعد بھی سید صاحب نے رخصت کے وقت انھیں اور ان کے سکریٹری جیکسن کو خلعت اور شال دوشالے جواہرات اور انگوٹھیاں بطور تحفوں کے پیش کیں اور چار ہزار روپیہ[78] نقد دیا۔ یہ سچ ہے ملولی سے منگلور جانے کے لیے انھیں ایک دشوار اور پیچ در پیچ راستے سے گزرنے پر مجبور کیا گیا۔۔۔۔۔ لیکن یہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے فوجی اسباب[79] کی بنا پر کیا گیا تھا۔ ٹیپو انھیں بڑی شاہ راہوں سے سفر کرنے کی اس لیے اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ اس بات کا اس وقت بھی امکان تھا کہ جنگ پھر شروع ہو جائے۔ تاہم کمشنروں کو ان کے سفر کے دوران ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئیں تھیں وہ پوری آزادی و اطمینان کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور قریب قریب روزانہ گھوڑوں پر تفریح کے لیے نکلتے اور شکار کھیلتے تھے۔[80] جب وہ منگلور پہنچے تو انھیں سلامی دی گئی[81] اور ان کا ہر طرح سے پاس و لحاظ رکھا گیا منگلور کے صلح نامے پر دستخط ہونے کے بعد جب کمشنر رخصت ہونے لگے تو ٹیپو کی طرف سے انھیں اور ان کے سیکریٹری کو شال دوشالوں جواہرات اور گھوڑوں اور نقد روپے تحفے کے طور پر پیش کیے گئے۔[82]

لیکن کمشنروں کے ساتھ سلطان اور اس کے افسروں کے فیاضانہ برتاؤ کی طرف اس وقت کوئی توجہ نہیں دی گئی[83] اس کے بجائے کمشنروں اور انگریز قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کی ان کہانیوں کو جو میکلوڈ اور دوسرے لوگوں نے گڑھی تھیں، ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ

کے ان من گھڑت افسانوں کی پیدا کردہ تلخی نے اس مایوسی کے ساتھ مل کر جو اس جلد بازی کی صلح نے پیدا کی تھی جس کے نتیجے میں کمپنی کو کوئی علاقہ نہیں مل سکا تھا اور بہت سے انگریز افسروں کی محرومی نے جو اس نقصان کا انتقام لینا چاہتے تھے جو انھیں اور ان کے ہم وطنوں کو ٹیپو کے ہاتھوں پہنچا تھا اس امر کو یقینی بنا دیا تھا کہ منگلور کا صلح نامہ ایک عارضی عہد نامہ ہے جو زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکتا۔ انس منرو کمپنی کے افسروں کے جذبات و تاثرات کی ترجمانی کر رہا تھا جب اس نے کہا کہ "یہ امید رکھنی چاہیے کہ صلح کا جو معاہدہ حال ہی میں کمپنی نے کیا ہے وہ عارضی ہے۔"[۲۶]

باب 4 کے حاشیے

1. N.A. Sec, Pro., March 4, 1782 PP. 701-2 Coote to Bengal
2. اس عہدنامے کی رو سے پیشوا نے اس بات کی ذمہ داری لی تھی کہ وہ حیدر کو مجبور کرے گا کہ وہ انگریز جنگی قیدیوں کو رہا کر دے اور انگریزوں اور ان کے حلیفوں کے جو علاقے اس نے فتح کر لیے ہیں ان کو واپس کر دے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:
3. N.A. Sec, Pro., March 18, 1783, P. 1158 Bengal to Coote
4. Ibid, July 9, 1782
5. Ibid - Bengal to Coote. P.P. 2265-68.
6. M.R. Mly. Cons. March 5, 1783.
7. Ibid, feb. 11, 1783 President Minute, vol. 88 A PP. 609-11. See also PP. 635 - 636
8. Ibid, March 9, 1783 President Minute, vol. 87 A
9. Ibid, Feb. 1783 vol. 86 B PP. 904 - 5
10. Ibid, March 1783 vol. 87 A PP 1064 - 65
11. Ibid, feb. 19, 1783, Madras to Bengal, vol. 86B, P. 792-94
12. Ibid, Feb. 19, 1783, President's Minute, vol. 86A, 609-11
13. Ibid, Feb. 11, 1783. vol. 86 A, P. 609
14. Ibid, Desp. to Madras No. 10 146
15. N.A., Sec, Pro., Aug. 1, 1783 Hastings to Select Committe March 24.
16. Macartney Papers, Bodlian, M.S. Eng
17. M.R. Mly. Cons. Oct. 31, 1783. Tipu to his agent at Madras.
18. Ibid. Oct. 12, 1783
19. Ibid, Dec. 10, 1783, vol. 94 B, PP. 5378-80

20. Ibid, Oct. 6, 1783 President Minute, vol. 93A, PP. 4329-32

21. Ibid, Oct. 14, 1783, vol. 93A, P. 4448

22. Ibid, Dec. 10, 1783 Hastings to Madras Nov. 14, vol. 94 B, P. 5352.

23. Ibid, June 3, 1784, Madras to Bengal, vol. 100, P. 2218

24. N.A. Sec Pro., Sept. 29, 1783 Anderson to Hastings Sept. 13

25. Ibid, Nov. 10, 1783, Anderson to Hastings Oct. 22

26. M.R. Mly. Sundry Book vol. 60A, P. 3

27. Cited in Das Gupta, Studies in the History of the British in India, PP. 146 and footnote 30

28. M.R. Mly. Sundry Book vol. 60A, P. 32-77

29. Ibid, Commissioner to Madras Nov 26, 1783.

30. Ibid, Nov 21, 1783. P. 88.

31. Ibid, PP. 106-7

32. مدراس گورنمنٹ کے سامنے جب معاملہ پیش کیا گیا تو کونسل نے اسٹانٹن کی رائے کی حمایت کی چونکہ سیڈلیر اور اسٹانٹن کے درمیان اکثر اختلافات رہتے تھے اس لیے اس نے ایک تیسرا کمشنر اور مقرر کر دیا جس کا نام جان اسٹون تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ فیصلہ اکثریت کی رائے کے مطابق ہونے کا موقع نکل آیا۔ وہ او دیگری ضلع نیلو (آندھرا پردیش) میں اپنے ساتھیوں کے پاس 27 دسمبر 1783ء کو پہنچ گیا۔

33. کوم بوم ضلع کرنول (آندھرا پردیش) میں ہے اور ستوپٹو ضلع جنوبی ارکاٹ (تامل ناڈ) میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔

34. M.R. Mly. Sundry Book vol. 60A, Commisions to Madras No. 23, PP. 120-23

35. Ibid, vol. 60B, PP. 435, 472, 78

36. Ibid

37. Ibid Wakil to Commissioners Dec. 27, 1783 PP. 506-12

38. Ibid, Dec. 29, 1783, PP. 472-84

39. وکیلوں نے کمشنروں سے کہا کہ ذخیرے میں تمھارے پاس چاول موجود نہیں ہیں اور مذاقاً کہ ہم بہت سا گھوڑے کا دانہ اس کے بدلے میں دے سکتے ہیں۔ Ibid, P. 504

40. M.R. Mly. Desp to England Feb 4, 1784

41. ولکس کا کہنا ہے کہ انھیں اتنی ہی تیزی سے چلنے دیا گیا جتنی تیزی سے منگلور میں قحط کی رفتار تھی۔

42. M.R. N.ly. Sundry Book vol. 60A

43. Ibid, vol. 61

کمشنروں میں شدید باہمی اختلافات تھے۔ اسٹانٹن کے بارے میں کوسیڈلیر کا کہنا ہے کہ اس کا طرز عمل جابرانہ اور مطلق العنانی کا ہے۔ کوسیڈلیر یہ الزام لگاتا ہے کہ ٹیپو کے وکیلوں سے وہ مل گیا ہے۔ (Ibid, P. 633)

ہڈل اسٹون کے آنے کے بعد بھی ان کے اختلافات ختم نہیں ہوئے کوسیڈلیر اور اس کے ملازم پر الزام لگایا گیا کہ ٹیپو کے وکیلوں سے ان کا خفیہ رابطہ قائم ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے Ibid, vol. 61, PP. 1102-12, 189-91

44. مدراس کے خطوط کو کمشنروں تک پہنچنے میں خاصا عرصہ لگ جاتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خطوط کے ساتھ گھوڑے بھی بھیجے جاتے تھے جو عام ہرکاروں کی معرفت نہیں بلکہ معتبر لوگوں ہی کے ہاتھ بھیجے جا سکتے تھے۔

45. M.R. Mly. Sundry Book vol. 61, PP. 975-85

46. M.R. Mly. Sundry Book vol 61, PP. 975-85

47. Ibid, PP. 905-91

48. Ibid, PP. 992-94

49. Ibid, PP. 994-96

50. Ibid, PP. 1013-14

51. Ibid, PP. 1061-62

52. Ibid, PP. 1064-77

53. یہ ضلع نیلور (آندھرا پردیش) میں ایک شہر ہے۔

54. میسور میں تجارتی مراعات کے متعلق دفعات بمبئی گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق شامل کی گئی تھیں۔ اپنے تجارتی مفاد کی نگرانی کے لیے اس نے کیلانڈر اور یونس کرافٹ کو میسور جانے کے لیے کمشنر مقرر کیا تھا۔ Ibid, 867 seq

55. Ibid, PP. 1200-01

56. Ibid, PP. 1205-9

57. Ibid, P. 1252
58. Ibid, PP. 1252, 2156-61
59. Ibid, P. 1162
60. Ibid, P. 1164
61. Ibid, PP. 1333-4
62. Ibid, P. 1367
63. Ibid, PP. 1377-85, See also Aitchison, Treaties, vol. ix, PP. 207-11
64. Cambridge History of India, P. 288
65. Ibid, P. 333
66. N.A. Sec, Pro., April 20, 1784, Minute of the Board.
67. M.R., Mly. Cons., Jan. 18, 1784, Madras to Bengal, Jan. 1, vol. 96 A, P. 208-9
68. Ibid, Dec. 27, 1783, Minute of the Select Committee vol. 95 A, PP. 5600-03
69. N.A. Sec, Pro., Nov. 23, 1784 Madras to Bangal oct 29
70. Ibid, M.R. Mly. Cons., Dec. 8, 1783, 94 B PP. 5308-11

بمبئی گورنمنٹ بھی صلح کی خواستگار تھی۔ وہ دو کروڑ بیس لاکھ روپے کی قرضدار تھی۔ اس کے اخراجات اس کی آمدنی سے تین گنا زیادہ تھے۔ جنوبی فوج کے پاس اسٹور اور مویشی نہیں تھے اور نہ بمبئی گورنمنٹ اس کو یہ چیزیں مہیا کر سکتی تھی۔

Ibid, July 15, 1784 vol. 100 a, P. 2669

Combridge History of India, vol. v, P. 288

71. Ibid, P. 288
72. صلح کے متعلق لاتعداد داستانیں فوجی افسر پھیلا رہے تھے جو اس خیال سے برافروختہ تھے کہ صلح اس وقت کی گئی ہے جب کامیابی کے امکانات پیدا ہو رہے تھے۔
73. Memoir of John Campbell P. 57-58.

74. M.R. Mly. Cons., Jan. 3, 1784 Madras to Bengal vol.100 A P. 221

75. Ibid

76. M.R. Mly., Sundry Book Tipu to Sayyed Saheb Nov. 19, 1783 vol. 60 A, PP. 183-84

77. Macartney Papers, B. 17.22452 Commissioners to Macartney, Nov. 18, 1783, f. 46 b.

78. M.R. Mly. Sundry Book, Commissioners to Macartney,

79. Macartney Papers, B.M. 22452,

80. ایضاً، جلد 1461-62-64

81. دیکھیے ص 71-72 سپرا

82. مدراس ریکارڈ فوجی متفرقات کی کتاب ولکس کا خط کمشنروں کو 29 دسمبر 1783ء جلد 60 بی۔

83. M.R.Mly., Sundry Book vol.61, PP. 1462-64

84. Cal. Per. Cor., Intro P.X

85. Innes Munro P. 370

پانچواں باب

سازشیں اور بغاوتیں

باپ کی وفات کے بعد ٹیپو کی جانشینی بہ حیثیتِ مجموعی پُرامن طریقے پر انجام پائی۔ اس کے چھوٹے بھائی عبدالکریم کو حکمراں بنانے کی ایک معمولی اور غیر منظم سی کوشش تو ضرور کی گئی تھی لیکن اس کے علاوہ اس کے اقتدار کو کسی اور چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جب وہ مالابار کے ساحل پر انگریزوں سے معروفِ جنگ تھا تو اُس وقت سرنگا پٹم پر قبضہ کرنے اور قدیم ہندو خاندان کے اقتدار کو بحال کرنے کے لیے وہاں ایک خطرناک اور گہری سازش کی گئی۔ اس کے سرکردہ لیڈر یہ تھے۔ سنگیا جو کوئمبٹور صوبہ میں ڈاک اور پولیس کا اعلیٰ افسر تھا، رنگا آینگر جو سرنگا پٹم میں اسی محکمہ کا اعلیٰ افسر تھا۔ نرسنگا راؤ جو راجدھانی میں چہرہ نویس تنخواہوں کی تقسیم کا افسر اور شہر میجر تھا اور سبا راجہ ارس جو دیوراج کی اولاد میں تھا۔ ان سب کا رنگا آینگر کے بھائی شاما آینگر سے مسلسل رابطہ قائم تھا۔ شاما آینگر، جو عام طور پر ستھانیا کے نام سے مشہور تھا میسور میں ڈاک اور پولیس کے محکموں کا وزیر تھا اور منگلور میں ٹیپو کے ساتھ تھا۔ یہ سازشی ترملا راؤ سے اور انگریزوں سے بھی رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ موخرالذکر سے گفت و شنید سنگیا کے ذریعے ہو رہی تھی جو کوئمبٹور میں تھا۔ 24 جولائی 1783ء ناگہانی حملے کے لیے مقرر کی گئی۔ یہ فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے کا دن تھا۔ خیال تھا کہ اس روز وہ کچہری میں منتشر ہوں گے اور غیر مسلح ہوں گے اس لیے ان پر آسانی سے حملہ کرکے مغلوب کیا جاسکے گا۔

سازش پر عمل درآمد کا کام نرسنگا راؤ کے سپرد کیا گیا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ سرنگا پٹم کے گورنر سید محمد مہدوی قلعہ کے کماندار اسد خاں اور وفادار فوج کو ختم کرکے قلعہ اور خزانے پر قبضہ کرلیا جائے۔ انگریز جنگی قیدیوں کو جو سرنگا پٹم میں تھے اور ہمراستے تھے فوراً رہا کرکے جنرل میتھیوز کی کمان میں دے دیا جائے گا۔ فلرٹن کو سرنگا پٹم کی طرف بڑھنا اور پرانے راجاؤں کے خاندان کے اقتدار کو بحال کرنے میں مدد دینا تھا۔ لیکن یہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔ 22 جولائی کی رات کو دفتر سے گھر جاتے

ہونے سید محمد کو ایک صوبیدار نے خفیہ طور پر اس سازش سے آگاہ کیا۔ اس نے فوراً کارروائی کی اور اس مراسلہ کو روک لیا جو انگریزوں کو بھیجا جا رہا تھا اور جس میں انھیں سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ سازش کے سرغنے گرفتار کر لیے گئے سنگھیا جو کوئمبٹور سے اس مہم میں شریک ہونے کے لیے آیا تھا اسے بہت سے باغیوں کے ساتھ فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا گیا نرسنگا راؤ کو ٹیپو کا حکم موصول ہونے کے بعد پھانسی دے دی گئی۔ سازش میں شاما آئینگر کی شمولیت جب ثابت ہو گئی تو اُسے ہتھکڑیاں پہنا کر سرنگا پٹم بھیج دیا گیا۔ جہاں اُسے اور اُس کے بھائی رنگا آئینگر کو آہنی پنجروں میں بند کر دیا گیا۔ محمد شباب کو بھی قید کر دیا گیا جو ٹیپو کی تخت نشینی کے وقت سرنگا پٹم کا گورنر تھا اور اُسے معطل کر کے اُس کی جگہ سید محمد کو گورنر مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں محمد شباب کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو اُسے رہا کر دیا گیا تھا۔

نومبر 1783ء میں اس واقعے کے تقریباً چار مہینے کے بعد ایک اور سازش کا پتہ چلا اس کا کرتا دھرتا میسور کی پیادہ فوج کا ایک اعلیٰ افسر محمد علی تھا وہ اپنی جرأت بہادری صاف گوئی اور غریبوں کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کی وجہ سے حیدر علی کا مقرب بن گیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے سرآئیر کوٹ سے مل کر دو ہزار کی حقیر رقم کے لیے اپنے آقا کے خلاف سازش کی۔ لیکن اس کی سازش کا راز افشا ہو گیا اور اُسے کمانڈر کے عہدے سے محروم کر دیا گیا۔ تاہم پلی لیور کی جنگ کے بعد جس میں اُس نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ اسے اپنے سابق عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ حیدر کی وفات کے بعد اُسے ٹیپو کا اعتماد اور لطف و کرم حاصل رہا اس کے باوجود انگریزوں سے اپنے ساز باز کو اس نے ترک نہیں کیا جب میسوری فوجیں منگلور کے سامنے خیمہ زن تھیں تو محمد علی ساحل پر متعین تھا اور یہ خدمت اس کے سپرد تھی کہ بنا ٹیپو کی اجازت کے کوئی شخص سمندر کی طرف سے قلعہ میں داخل نہ ہو لیکن اس نے میکلوڈ کو قلعہ میں داخل ہونے کی اور کیمبل سے اس کے دفاع اور کمک کی تدبیروں کے متعلق مشورہ کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے میکلوڈ سے ایک سمجھوتہ بھی کیا جس کی رُو سے اس نے منگلور کی حفاظتی فوج کو دوبارہ مضبوط بنانے میں اور ٹیپو کی فوج پر حملہ کرنے میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ان خدمات کے صلے میں محمد علی کو بیس ہزار روپیہ نقد اور پندرہ ہزار روپے کی جاگیر کا وعدہ کیا گیا۔ قاسم علی عرف رستم علی بیگ کو جو ٹیپو کا منگلور میں سابق کمانڈر تھا اور جس کو محمد علی کی حمایت حاصل تھی منگلور جاگیر کے طور پر دیئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ محمد علی نے تو یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اگر کیمبل قلعے کے دو یا تین سو آدمی بھیجنے کے لیے تیار ہو تو وہ ٹیپو کو اُس کے حوالے کر دے گا لیکن کیمبل کو محمد علی کے

خلوصِ نیت پر شبہ تھا اور یہ ڈر تھا کہ سازش ناکام ہوئی تو اس دستے کو جو نقصان پہنچے گا وہ حفاظتی فوج کے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس تجویز کو اس نے منظور نہیں کیا تاہم بعد میں کیمپبل کو نہایت افسوس تھا کہ اس کے (محمد علی کے) نقطۂ نظر کی وسعت کا وہ جلد اندازہ نہ کر سکا اور اس جری انسان کے کردار کو سمجھنے میں قاصر رہا تھا[6]

میکلیوڈ تیلی چری سے فوجیں لینے کے لیے گیا تاکہ منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جا سکے لیکن جب وہ ساحل پر واپس آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ یورش کے لیے جو تاریخ مقرر کی گئی تھی اُس سے چند روز پہلے ہی محمد علی اور قاسم علی دونوں گرفتار کر لیے گئے اور سازش کا انکشاف ہو گیا[7] اس سازش کا انکشاف جن اسباب کی بنا پر ہوا تھا وہ یہ تھے۔ ٹیپو سلطان نے ایک تحقیقاتی کمیشن اس کام کی تفتیش کے لیے مقرر کیا کہ قاسم علی بیگ نے بغیر مقابلہ کے منگلور کا قلعہ انگریزوں کے حوالے کیوں کر دیا۔ تحقیقاتی کمیشن نے اسے غداری کا مجرم قرار دیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اُسے میسوری فوجوں کے سامنے پھانسی دی جائے تاکہ اس کی موت سے دوسرے فتنہ پردازوں کو تنبیہ ہو۔ لیکن اس حکم کی تعمیل ہونے سے پہلے محمد علی تیزی سے اس مقام پر پہنچا جہاں پھانسی دی جانے والی تھی اور قاسم علی کی ہتھکڑیاں توڑ ڈالیں اور اُسے ہاتھی پر سوار کر کے قلعہ کی طرف چل دیا۔ فوج کے اعلیٰ افسروں نے اسے سمجھایا کہ ایسی حرکت وہ نہ کرے لیکن اس نے اُن کی ایک نہ سنی اور تلوار گھماتے ہوئے فوجیوں سے جو وہاں جمع تھے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اس کی رجمنٹ کے سپاہیوں کی کافی تعداد نے اُس کے حکم کی تعمیل کی جب ان واقعات کی اطلاع ٹیپو کو ہوئی تو اس نے فوراً سید احمد غازی خان کو کچھ فوج کے ساتھ باغیوں کا پیچھا کرنے اور اُن کو واپس لانے کے لیے بھیجا اور خود بھی اُن کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ سلطان کو قریب آتے دیکھ کر محمد علی کے بہت سے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے جو باقی بچے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور گرفتار کر لیے گئے۔ قاسم علی اور اُس کے بہت سے ساتھیوں کو پھانسی دے دی گئی محمد علی کو گرفتار کر کے سرنگا پٹم بھیج دیا گیا[8] مگر راستے میں اس نے پسا ہوا ہیرا کھا کر خودکشی کر لی۔ اس کے سامان میں ایک صندوقچی ملی جس میں ایسے خطوط نکلے جن سے معلوم ہوا کہ وہ مدت سے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کر رہا تھا[9]

بالم میں بغاوت

انگریزوں سے صلح کرنے کے بعد ٹیپو مالابار کے عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا جنھوں نے دوسری

اینگلو میسور جنگ کے دوران اس کے خلاف سازش کی تھی اور پرتگالیوں کے اثر میں بہت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا تھا۔[10] ان کو سزا دینے کے بعد ٹیپو نے بالم کی شورش کو کچلنے کے لیے کوچ کیا۔[11] حیدر علی نے بالم پر 1762ء میں قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کا انتظام وہاں کے پالیگار کو اس شرط پر سپرد کر دیا تھا کہ وہ پانچ ہزار پگوڈے سالانہ خراج کے طور پر ادا کرتا رہے گا۔ مگر دوسری اینگلو میسور جنگ کے دوران[12] بالم کے راجا کرشن اپا نائک نے حکومتِ میسور کے خلاف بغاوت کر دی اور انگریزوں سے مل گیا۔ جب ٹیپو منگلور میں تھا تو اس نے کرشن اپا کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ بقایا خراج ادا کر دے اور سرکشی اور بغاوت کا رویہ ترک کر دے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ جب ٹیپو انگریزوں کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوا تو اس نے راجا کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اس نے سید محمد کو عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود ٹیپو نے سامنے سے دھاوا بولا لیکن جب دونوں فوجیں وہاں پہنچیں تو معلوم ہوا کہ راجا بھاگ گیا ہے۔[13] اس کے باوجود ٹیپو نے راجا کو بلوایا اور اس سے وفادار رہنے اور معمول کے مطابق خراج ادا کرتے رہنے کا وعدہ لے کر اسے بحال کر دیا۔ تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران کرشن اپا نائک نے پھر بغاوت کر دی اور پرسرام بھاؤ کی فوج میں اس وقت شامل ہو گیا جب 1792ء میں وہ سرنگا پٹم پر حملہ کر رہا تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد اس خوف سے کہ ٹیپو اسے بغاوت کی سزا دے گا وہ کورگ کی طرف بھاگ گیا اس کے باوجود اسے پھر طلب کیا گیا اور ٹیپو نے اسے کورگ کا ایک حصہ دے دیا اور باقی کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔[14]

کورگ میں بغاوت

بالم سے ٹیپو کورگیوں کو کچلنے کے لیے بڑھا انھوں نے بھی میسور کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی کورگ[15] پر حیدر علی نے 1772ء میں ہلیری کے لنگا راجا کی دعوت پر حملہ کیا تھا جو اپنے بھانجے اپاجی راجا کو ہورامالی کے دیوپا راجا کے مقابلے میں کورگ کی گدی دلانا چاہتا تھا۔ اس پر قبضہ کرنے کے بعد حیدر نے اس علاقے کو اس شرط پر اپاجی راجا کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے 24 ہزار روپے سالانہ خراج ادا کرے گا۔[16] 1776ء میں اپاجی کی وفات کے بعد لنگا راجا اس کا جانشین ہوا۔ لیکن لنگا راجا بھی کچھ ہی دنوں کے بعد 1780ء میں وفات پا گیا۔ اس نے دو بیٹے چھوڑے ویرا راجندر۔ ووٹے یار اور لنگا راجا۔ لیکن چونکہ دونوں ابھی نابالغ تھے اس لیے

حیدر اُن کا ولی دوست بن گیا اور سارے کورگ کو اس وقت تک کے لیے اپنے قبضے میں لے لیا جب تک وہ بالغ ہوں اور حکومت اُن کے سپرد کی جائے۔ سبارسیا نامی ایک برہمن کو جو سابق میں کورگ کے راجا کا ایک سکریٹری تھا حکومت کا منتظم بنا دیا گیا۔[47]

کورگ کے باشندوں نے اس بات پر برا فروختہ ہو کر حیدر علی نے لنگا راجا کے کسی ایک بیٹے کے بجائے ایک برہمن کو حکومت کا حاکم بنا دیا ہے جون 1782ء میں علم بغاوت بلند کر دیا چونکہ حیدر اس وقت انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا اس لیے وہ اور تو کچھ نہ کر سکے لیکن سبارسیا کو یہ حکم بھیج دیا کہ شہزادوں کو مرکارہ سے جہاں وہ ان دنوں رہتے تھے ارکل گڈ تعلقے کے قصبے گروہین جو سلے جوں میں ہے کالے خاں کے یہاں لے جائے تاکہ باغی اپنے جوش و خروش کے مرکز ہی سے محروم ہو جائیں۔[48] ٹیپو جب میسور کا حکمراں ہوا تو وہ بھی کورگ کے باغیوں کے خلاف کوئی موثر کاروائی نہ کر سکا کیونکہ وہ انگریزوں کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ لیکن اس نے شہزادوں کو پیریا پٹم لے جانے کا حکم دیا جو ایک مستحکم اور محفوظ جگہ تھی اور گرور کے مقابلے میں بغاوت کے مرکز سے زیادہ دُور تھی۔ اس نے حیدر علی بیگ کو کچھ فوج کے ساتھ کورگیوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجا لیکن حیدر علی بیگ اس مہم میں ناکام رہا اس لیے کنکیری کو اس کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ دونوں نے مل کر پہلے کچھ کامیابی حاصل کی لیکن آخر کورگی ہر چہار طرف سے حملہ کر کے اُن پر چھا گئے اور انھیں پسپا کر دیا۔ حیدر علی بیگ بھاگ گیا مگر راجا کچھ دیر جمے رہنے کے بعد لڑائی میں مارا گیا۔[49]

انگریزوں سے صلح ہو جانے اور بالم کی شورش فرو کرنے کے بعد ٹیپو نے 1785ء کے شروع میں کورگ کی طرف پیش قدمی کی۔ باغیوں نے جمع ہو کر مقابلہ کیا مگر انھیں شکست ہوئی۔ ٹیپو نے مرکارا پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام ظفر آباد رکھا اور زین العابدین مہدوی کو وہاں کا فوجدار مقرر کیا۔ جب وہاں امن و امان ہو گیا تو ٹیپو سرنگاپٹم واپس ہوا اور اپنی سلطنت کے انتظامی اور دفاعی معاملات کو درست کرنے میں مصروف ہو گیا۔[50]

لیکن جیسے ہی ٹیپو نے پیٹھ موڑی کورگیوں نے پھر بغاوت برپا کر دی اس مرتبہ منیت نیر اور رنگا نیر کی قیادت میں اس فتنے نے سر اٹھایا جنھوں نے قریب قریب تمام کورگ پر قبضہ کر لیا اور اس کے پایۂ تخت مرکارا کے محاصرے کی تیاری کرنے لگے اپنی حالت مخدوش پا کر فوجدار نے ٹیپو کو مدد کے لیے لکھا۔ سلطان نے زین العابدین شوستری کو کچھ فوج کے ساتھ اس کی مدد کے لیے بھیجا۔ شوستری کورگ میں الاگلی کی طرف سے داخل ہوا گو اس کے مقابلے پر چار پانچ ہزار کورگی تھے جنھوں

نے دیری کے ساتھ مقابلہ کیا شو ستری کسی نہ کسی طرح مار کدا پہنچ گیا مگر یہ اندازہ کر کے کہ وہ وہاں تادیر نہ ٹھہر سکے گا، بیٹا داپور کی طرف روانہ ہوا جو میسور کی مغربی سرحد پر ایک مضبوط مقام تھا باغی اس کا برابر تعاقب کر رہے تھے انھوں نے الاگلی پر اس کے سامان پر قبضہ کر لیا اور اس کے متعدد آدمیوں کو مار ڈالا یہ خبر سن کر ٹیپو نے خود کورگ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔[24] اواخر اکتوبر 1785ء میں سرنگاپٹم سے چلا اور الاگلی کے مقام پر کورگ میں داخل ہوا اور بغیر کسی دشواری کے مرکارا کے نواح میں پہنچ گیا۔ یہاں وہ محرّم منانے کے لیے خیمہ زن ہوا اور مرکارا کی حفاظتی فوج کی مدد کے لیے فوج اور سامان رسد بھیج دیا۔ محرّم کے رسوم ختم کرنے کے بعد وہ مرکارا پہنچا اور کورگیوں کی سرکوبی کے لیے حسین علی خاں میر محمود اور امام خاں کے زیرِ کمان مختلف اطراف میں فوجیں بھیجیں[25] کورگی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے مگر شکست کھائی آئندہ بغاوت کا سدباب کرنے کے لیے ٹیپو نے باغیوں کو میسور بھجوادیا[26] اور اُن کی جگہ ابتدائی ضلع بیلاری کے نوآباد کار لاکر وہاں بسانے کا حکم دیا۔ اُنھیں کھیتی باڑی کے لیے زمینیں دی گئیں اور روپیہ قرض دیا گیا۔ ان میں سے کچھ لوگ میسور واپس چلے گئے کیونکہ کورگ کی آب و ہوا اُنھیں موافق نہیں آئی باقی وہیں رہے نگار پیا جو سبارایا کا بھانجا تھا کورگ کا فوجدار مقرر کیا گیا[27] مگر یہ تمام تدبیریں کورگیوں کو زیر کرنے میں کارگر ثابت نہیں ہوئیں اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد انھوں نے پھر میسور کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔

باب 5 کے حاشیے

1. Lawrence, Captives of Sultan, PP. 140-46 also wilks vol. ii, P. 248
2. Ibid, vol. ii, P 248, 49 Punganuri P. 35
3. wilks: vol. ii, PP. 249-50, Punganuri P. 35

کرمانی نے اس سازش کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ غلط ہے۔ اس نے سازش کو ناکام بنانے کا سہرا محمد علی کے سر باندھا ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔ کرمانی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کماندار شمیا سے ملا ہوا تھا اور جب سازش ناکام ہوگئی تو سید محمد کو کماندار بنا دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب سازش کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا تو سید محمد پہلے ہی سے راجدھانی کا حاکم اعلا تھا۔ اسد خاں کسی حیثیت سے سازش میں شریک نہیں تھا۔ اسی طرح شمیا بھی اس وقت سرنگاپٹم میں نہیں تھا جیسا کہ کرمانی نے لکھا ہے کہ وہ منگلور میں تھا۔

4. wilks: vol. ii, PP. 231-32

تاریخ خدادادی : I.O. MS. P. 29

5. Ibid, PP. 30-31, Memoir of John Campbell, P. 58
6. محمد علی اور جان کیمبیل کی خط و کتابت کا مختصر حال دیکھو :

Rushbrook Williams, Great Men of India, Chapter on Tippu Sultan by H.H. Dodwell, P. 214

Memoirs of John Campbell, P. 57

7. تاریخ خدادادی، ص 31-33
8. ایضاً، ص 33-36؛ کرمانی، ص 269-70

Pissurlencar, Antigaulhas, Fasc, ii, No. 79

9. کرمانی کے بیان کے مطابق محمد علی سے خود ٹیپو نے پوچھ گچھ کی بلکہ قاسم کی پھانسی بھی ایک دن ملتوی کر دی مگر محمد علی ٹس سے مس نہ ہوا۔
10. کرمانی، ص 271۔ سازش کے لیے دیکھیے : سلطان التواریخ و 6-33

ولکس کے اس بیان کی کسی ماخذ سے تصدیق نہیں ہوتی کہ ٹیپو نے محمد علی کا گلا گھونٹنے کا حکم دیا تھا۔

11. مالابار کے عیسائیوں کے بارے میں ٹیپو کی پالیسی پر آئندہ بابوں میں بحث کی جائے گی۔

12. بالم ایک علاقے کا نام تھا جو میسور کے ضلع حسن کے تعلقہ بیلور کے مضافات میں واقع تھا۔ اس مقام کو منظر آباد کہتے ہیں۔ 1782ء کے بعد ٹیپو نے بالم میں ایک بلند مقام پر قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ قلعہ جب تیار ہو گیا تو ٹیپو اسے دیکھنے گیا۔ اس وقت پورے علاقے پر کہر چھایا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے ٹیپو نے اس کا نام مبخور آباد ــــ کہر کا گھر رکھ دیا۔

Mysore Gaz 593 vol. V, PP. 948-50

See Rice of Mysore and Coorg, vol. ii, PP. 299, 326

لیکن فارسی مآخذ کے مطابق شورش فرو ہو جانے کے بعد بل کو (فارسی مورخین بالم ہی کہتے تھے) منظر آباد کہا جانے لگا جس سے اس کے ختم کیے جانے کی تاریخ بھی نکلتی ہے (دیکھیے کرمانی، ص 299، تاریخ خدادادی I.O. MS. ص 48)

13. تاریخ خدادادی (I.O. MS.)، ص 8-45

14. Rice Mysore and Coorg, P. 299

15. کورگ جو مغربی گھاٹ کی چوٹیوں اور ڈھلوان زمین پر واقع ہے، اب ریاست کرناٹک میں ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں حسن اور میسور کے اضلاع اور جنوب اور مغرب میں کنانور (کیرالا) کا ضلع ہے۔

16. تاریخ کورگ ؤ 20ب، 22ب۔

17. Ibid, ff 23b-24b

رائس کا کہنا ہے کہ بسارسیا کورگ کے راجا کا ایک خزانچی تھا۔

18. Rice vol. iii, P. 110

رائس کا یہ بیان غلط ہے کہ شہزادوں کو ان کے باپ کی وفات کے بعد فوراً ہی ہٹا دیا گیا تھا۔ حقیقتاً یہ لوگ کورگ کی راجدھانی مرکارا ہی میں رہے اور بغاوت کے بعد انھیں وہاں سے ہٹایا گیا۔

19. تاریخ کورگ و 25 الف و ب۔

20. تاریخ خدادادی اور سلطان التواریخ میں باغیوں کے لیڈر کا نام کوتی بتایا گیا ہے لیکن تاریخ کورگ میں اس نام کے کسی شخص کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

21. تاریخ خدادادی، ص 51

22. کرمانی، ص 291

23. کرمانی کے بیان کے مطابق ٹیپو نے شوستری کو 2 ہزار بے قاعدہ پیادہ فوج بطور محافظ دستے کے بھیجی تھی۔ لیکن تاریخ کورگ نے لکھا ہے کہ شوستری کے ساتھ پندرہ سو فوج تھی۔

24. تاریخ کورگ ڈ 26 الف۔

25. کرمانی، ص 297

26. اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ٹیپو نے جو آدمی میسور بھیجے تھے ان کی تعداد کتنی تھی۔

ولکس نے ستر ہزار بتائی ہے۔

رائس کے بیان کے مطابق پچاسی ہزار آدمی تھے۔

لیکن یہ تعداد بعید از قیاس ہے کیونکہ اس وقت کورگ کی جو آبادی تھی وہ ان اعداد سے مطابقت نہیں رکھتی۔ 1836ء میں

کورگ کی کل آبادی 437، 65 تھی۔

مونک کنگ نے لکھا ہے کہ زمانۂ سابق میں کورگ کی آبادی مشکل سے چار یا پانچ ہزار ہوگی۔

جنگجو طبقے سے تعلق رکھنے والوں ہی کو میسور بھیجا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہو سکتی تھی۔ خاصی تعداد میں لوگ

وہاں چھوڑ بھی دیے گئے تھے جنھوں نے بغاوت دُور کی۔

27 تاریخ کورگ و 27 الف۔

چھٹا باب

مرہٹوں اور نظام کے ساتھ جنگ

پیشوا بالاجی راؤ کے زمانے سے مرہٹوں نے میسور پر شدت سے حملے کرنے شروع کیے تھے کیونکہ بالاجی راؤ کا خیال تھا کہ اس کی سلطنت کی توسیع صرف شمال ہی کی طرف نہیں بلکہ جنوب کی جانب بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس نے 1753ء اور 1754ء میں میسور پر حملے کیے اور مارچ 1757ء میں پھر دھاوا بولا اور سرنگاپٹم کے سامنے تک پہنچ گیا۔ پائے تخت کو بچانے کے لیے نج راج اس کو 32 لاکھ روپیہ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس رقم میں سے 6 لاکھ روپیہ نقد ادا کیے گئے اور باقی کے لیے 13 تعلقے بہ طور ضمانت اس کے حوالے کیے۔ مگر حیدر علی کی صلاح کے مطابق جو اس معاہدے کے فوراً ہی بعد ڈنڈی گل سے آیا تھا جہاں وہ فوجدار تھا معاہدہ مسترد کر دیا گیا اور مرہٹوں کے کارندے ضمانت میں دیے ہوئے ضلعوں[1] سے نکال دیے گئے۔

اس طرزِ عمل نے مرہٹوں کو مشتعل کر دیا۔ انھوں نے 1758ء کے آخر میں راجا کے خراج کا بقایا طلب کیا اور یہ دھمکی دی کہ اگر چھتیس گھنٹے کے اندر مطالبہ ادا نہ کیا گیا تو اس کے ملک پر حملہ کر دیا جائے گا۔ حیدر علی نے الٹی میٹم کو مسترد کر دینے کا مشورہ دیا اور نتیجتاً کامیابی کے ساتھ ان سے جنگ کی اور آخر میں اپنی من مانی شرائط پر صلح کرنے پر انھیں مجبور کر دیا[2]

اس جنگ میں حیدر علی کی کامیابی نے اس کے خلاف مرہٹوں کی رقابت اور عداوت کو بھڑکا دیا۔ اب انھیں اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے منصوبوں کی راہ میں حیدر علی کے رکاوٹ بن جانے کے آثار نظر آنے لگے۔ یہی سبب تھا کہ 1760ء میں جب کھانڈے راؤ نے حیدر علی کا تختہ الٹنے کا ارادہ کیا تو مرہٹوں نے اس کی مدد کی لیکن وہ شمالی ہند پر قبضہ کرنے کی دُھن میں اس قدر مشغول تھے کہ اُن کی

مد دبے سود ہی رہی۔ حیدر علی سے پانچ لاکھ روپے اور بارہ محال کا صوبہ لے کر وہ میسور سے چلے گئے۔

جنوری 1761ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں نے پانی پت میں جو شکست کھائی وہ اُن کی قوت پر ایک شدید ضرب تھی۔ مادھوراؤ جو ستمبر 1761ء میں اپنے باپ بالاجی راؤ کی جگہ پیشوا ہوا چند سال تک اپنی فوجوں کی نئی تنظیم میں اور اپنی سلطنت کو نظام کی دست درازیوں سے بچانے میں لگا رہا۔ اس لیے اپریل 1764ء سے پہلے اس قابل نہ ہو سکا کہ حیدر علی پر حملہ کر سکے۔ حیدر نے اس دوران میں خود کو قوی تر بنا لیا تھا اور میسور میں اس کی حالت بہت مستحکم ہو گئی تھی۔ اس نے نئے علاقے بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیے تھے۔ مادھوراؤ جنوبی ہند میں کسی طاقتور سلطنت کا وجود برداشت نہیں کر سکتا تھا جو اس کے مقبوضات کے لیے خطرہ اور اس کی توسیع کی پالیسی کے لیے رکاوٹ بن سکتی تھی اسی لیے اس نے حیدر علی کو زیر کرنے اور کچلنے کے لیے اپریل 1764ء سے جولائی 1772ء تک تین حملے کیے اور اس کو زبردست شکستیں دیں۔ یہ حیدر علی کی زندگی کا بڑا نازک دور تھا لیکن اُس نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی سوجھ بوجھ اور پختہ ارادے اور 18 نومبر 1772ء کو مادھوراؤ کی بر محل موت کی وجہ سے اس مصیبت سے نجات حاصل کر لی۔

مادھوراؤ کی موت کے بعد پونا میں اختلافات پھوٹ پڑے، ان اختلافات نے مرہٹوں کو برسوں الجھائے رکھا۔ مادھوراؤ کا چھوٹا بھائی نرائن راؤ گدی پر بیٹھا جسے نو مہینے بعد قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا چچا رگھوناتھ راؤ پیشوا ہوا۔ لیکن جلد ہی نانا فرنویس کی قیادت میں مخالف جتھے نے بے دخل کر دیا اور مادھوراؤ نرائن کو جو نرائن راؤ کا بیٹا تھا اور باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا، پیشوا بنایا۔ اس پر رگھوناتھ راؤ نے بمبئی گورنمنٹ سے اتحاد کی خواہش کی، جو جزیرہ سالیٹ پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھی چنانچہ بمبئی کی حکومت نے خوشی سے رگھوناتھ راؤ کے دعوے کی حمایت کی نتیجہ یہ ہوا کہ جانشینی کی جنگ نے پہلی اینگلو مرہٹہ جنگ کی شکل اختیار کر لی۔

حیدر علی نے بھی جو پونا کے واقعات کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا مرہٹوں کی مشکلات سے فائدہ اُٹھانے میں سستی سے کام نہیں لیا۔ اس نے فوراً رگھوناتھ راؤ سے ایک معاہدہ کیا (معاہدہ کلیان درگ 1774ء) جس کی رو سے موخرالذکر نے وہ تمام علاقے جن پر مادھوراؤ نے تین حملے کر کے قبضہ کر لیا تھا حیدر کو واپس دے دیے۔ اس کے بدلے میں حیدر نے رگھوناتھ راؤ کو بحیثیت پیشوا تسلیم کر لیا۔ اور 6 لاکھ روپیہ سالانہ بطور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔[3] 1775ء میں رگھوناتھ راؤ نے حیدر کو اجازت دے دی کہ وہ کرشنا ندی کے داہنے کنارے تک سارے مرہٹہ علاقے پر

قبضہ کرے[4] اس اجازت سے مسلح ہو کر حیدر علی نے 1774 تا 1778ء کے درمیان نہ صرف ان تمام مقامات پر پھر قبضہ کر لیا جو مادھو راؤ نے تین جنگوں میں اس سے چھین لیے تھے بلکہ اُس نے کرشنا ندی کے داہنے کنارے تک کا مرہٹہ علاقہ اپنی عمل داری میں شامل کر لیا۔ نانا فرنویس نے پہلے تو حیدر کی اِن فتوحات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن رگھوناتھ راؤ اور انگریزوں کو زیر کرنے اور کچلنے کی غرض سے اس نے حیدر کی مخالفت کو نرم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں فروری 1780ء میں حیدر علی اور پیشوا کے مابین اتحاد قائم ہوا۔ پیشوا نے کرشنا ندی کے جنوبی کنارے تک مرہٹوں کے علاقے پر حیدر کے تسلط کو تسلیم کر لیا۔ اس کے جواب میں حیدر نے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ خراج منظور کیا اور انگریزوں سے جنگ میں اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ دونوں نے اس بات کا بھی عہد کیا کہ ایک دوسرے کی منظوری کے بغیر دونوں میں سے کوئی انگریزوں سے صلح نہیں کرے گا۔[5]

اینگلو مرہٹہ جنگ جب تک جاری رہی نانا حیدر کا دوست رہا۔ لیکن 17 مئی 1782ء (سلبائی کے عہد نامے کے بعد) اس کا رویہ بدل گیا اور 1780ء کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نے حیدر سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ کرشنا کے جنوب کا علاقہ بحال کرے اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو وہ انگریزوں سے اور نظام سے ایک جارحانہ معاہدہ کرے گا اور سلبائی کے معاہدے کو نافذ کر دے گا اگر اس کے مطالبے کو مان لیا گیا تو سلبائی کے معاہدے کو مسترد کر دے گا جس کی ابھی توثیق نہیں کی گئی ہے اور وہ انگریزوں کے خلاف جنگ پھر شروع کر دے گا۔[6] حیدر چونکہ اس وقت انگریزوں سے جنگ میں مشغول تھا اس لیے اس کا جواب اس قسم کا تھا جس سے گفتگو میں طول پیدا ہو۔[7]

حیدر کی وفات کے بعد نانا نے اس کے بیٹے اور جانشین ٹیپو سلطان پر اپنے مطالبات کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور اس سے سلبائی معاہدے[8] پر عمل درآمد کے لیے کہا۔ ٹیپو سلطان مرہٹوں کی اس ذہنی کیفیت پر بہت برہم ہوا۔ یہ اس کے نزدیک 1780ء کے مرہٹہ میسور معاہدے سے انحراف اور غداری کے مترادف تھا۔ اس نے اپنے وکیل نور محمد خاں کے ذریعہ نانا کو مطلع کیا کہ میں نے مرہٹوں کے لیے انگریزوں سے لڑائی مول لی ہے اور جانی و مالی نقصان اُٹھایا ہے۔ مرہٹوں کو بغیر میرے مشورے کے انگریزوں سے صلح نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بہر طور نانا کو سلبائی کے معاہدے کی توثیق نہ کرنی چاہیے بلکہ انگریزوں کے خلاف پھر سے جنگ شروع کر دینی چاہیے۔ خود اس کا ارادہ تھا کہ منگلور پر قبضہ کرنے کے بعد کرناٹک پر دھاوا بول دے اور بمبئی سے جا کر مل جائے۔ جو

بہت جلد فرانس سے آنے والا تھا لیکن نانا نے جو ٹیپو کے جواب سے مطمئن نہیں تھا اور جس پر انگریز مدد کے لیے مسلسل زور دے رہے تھے ۔ اپنے مطالبات فوجی قوت کے بل پر منوانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سندھیا کو بھی مطلع کیا کہ اس کا ارادہ ہے کہ برسات کے بعد ہولکر فوجوں سے مل کر ٹیپو کو شکست دینے کے لیے انگریزوں کی مدد کرے۔ اسی دوران میں ایک جارحانہ اتحاد کی گفتگو جو مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان چل رہی تھی کامیاب ہو گئی اور 28 اکتوبر 1783 کو پیشوا کے نمائندے مادھوجی سندھیا نے اور انگریزوں کے نمائندے ڈیوڈ اینڈرسن نے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کی رو سے پیشوا کو ٹیپو سے مطالبہ کرنا تھا کہ وہ انگریز جنگی قیدیوں کو رہا اور کرناٹک کو بحال کرے۔ اور اس صورت میں کوئی فریق بھی بغیر دوسرے کی منظوری کے ٹیپو کے ساتھ صلح کر سکے گا۔" اور ٹیپو کے جو علاقے فتح کیے جائیں گے وہ معاہدے میں شریک دونوں فریقوں میں برابر برابر تقسیم کر لیے جائیں گے۔[1]

مگر اس معاہدے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ جیسا کہ ڈف نے لکھا ہے کہ" سندھیا کے اقتدار و اختیار حاصل کرنے پر نانا کا حسد اور خود نظام سے اس کا مجوزہ اتحاد اس معاہدے کی راہ میں رکاوٹ بن گئے، جس میں سندھیا اور انگریز[2] نمایاں حصہ لیتے اس کے علاوہ نانا انگریزوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ پیشوا کی فوجیں ہولکر کے اختیار میں تھیں جو سندھیا کے خلاف تھا۔ موخر الذکر خود ٹیپو کی سلطنت پر حملہ کرنا پسند نہ کرتا تھا کیوں کہ شمالی ہند پر دست درازیوں کی اسکیموں میں وہ بہت زیادہ مشغول تھا۔[3]

اس اثنا میں ٹیپو نے انگریزوں سے منگلور کا معاہدہ کیا جس سے نانا بہت ناراض اور مایوس ہوا کیونکہ میسور پر حملہ کرنے کے لیے ہری پنت کی ماتحتی میں ایک فوج پونا سے پہلے ہی بھیجی جا چکی تھی۔ نانا کو توقع تھی کہ وہ ٹیپو کو پست اور کمزور بنا دے گا۔ اور کرشنا ندی کے جنوب والے مرہٹی علاقے کو انگریزوں کی مدد سے واپس لے لے گا۔ لیکن اب وہ موقع نکل گیا وہ مرہٹوں کو ٹیپو کا مربی بھی بتاتا تھا[4] اور اس فکر میں تھا کہ بیچ میں پڑ کر ٹیپو اور انگریزوں میں صلح کرا دے تاکہ پونا میں اور اس کے باہر اس کا وقار بڑھے ٹیپو نے مرہٹوں کا موکل بننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کھلم کھلا سلبائی کے معاہدے کو چیلنج کیا اور انگریزوں سے بغیر مرہٹوں کو بیچ میں ڈالے صلح کر لی اس کے علاوہ اینگلو میسور جنگ کے اختتام سے اس کی وقعت میں کوئی کمی نہیں آئی اس کے برخلاف جنگ کے بعد اس کے وقار میں اضافہ ہوا۔ اس کے پاس ایک وسیع سلطنت تھی بھرا

بھا خزانہ تھا اور ایک عمدہ تربیت یافتہ فوج تھی۔ اسی لیے نانا نے اس کی قوت کو تہ و بالا کرنے کے منصوبے باندھنا شروع کر دیے اور اس مقصد سے نظام سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

حیدر کے تعلقات نظام سے کبھی بھی مخلصانہ نہیں رہے۔ اس نے ہمیشہ حیدر کے دل میں خوف اور حقارت کے جذبات پیدا کیے یہی وجہ تھی کہ انگریز اور مرہٹے حیدر کے خلاف اپنی جنگوں میں نظام کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اگست 1767ء میں نظام نے انگریزوں سے جنگ آزمائی کے لیے حیدر سے اتحاد کیا لیکن یہ اتحاد چند روزہ تھا۔ فروری 1768ء میں نظام نے اپنے اس حلیف کو چھوڑ دیا اور انگریزوں سے مل گیا۔ فروری 1780 میں اس نے پھر انگریزوں کے خلاف حیدر سے اور مرہٹوں سے اتحاد قائم کیا لیکن یہ اتحاد بھی زبانی تھا اس نے اپنے حلیفوں کی کوئی مدد نہیں کی اور بعد میں ان سے الگ ہو گیا۔

حیدر سے نظام کی مخالفت کا خاص سبب یہ تھا کہ نظام کا دعوا تھا کہ میسور اس کا باج گزار ہے۔ حیدر کا دعویٰ تھا کہ وہ خود مختار ہے نظام کو اپنا فرمانروا تسلیم کرنے سے اس نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس نے کرنول کڑاپا اور چند دوسرے مقامات پر جو حیدر آباد کی حکومت میں شامل تھے قبضہ کر لیا اور نظام کی سلطنت کے دوسرے حصوں پر بھی اس کی نظریں تھیں حیدر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ٹیپو کی طرف سے نظام کے دل میں خوف و بدگمانی کے جذبات تیز تر ہو گئے چنانچہ نظام نے میسور پر حملہ کی نانا کی تجویز کا خیر مقدم کیا جس سے ٹیپو کی تذلیل کا اور ہاتھ سے نکلے ہوئے علاقوں کی بازیابی کا امکان تھا اور اس طرح سے وہ مستقل خطرہ بھی دور ہو جائیگا جو اس کی سلطنت کی سلامتی کو لاحق تھا۔

ٹیپو کے خلاف نانا نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ چار سال کا بقایا خراج طلب کیا۔ ٹیپو نے اس مطالبے کو حق بجانب تسلیم کیا لیکن شائستہ انداز میں اس بنا پر اس کی فوری ادائیگی سے اپنی مجبوری ظاہر کی کہ انگریزوں کے خلاف جنگ میں اس نے بہت نقصان اٹھایا ہے اپنے وکیل نور محمد خاں کی معرفت اس نے نانا کو مطلع کیا کہ صلح ہو جانے کے بعد اس کا مطالبہ ادا کر دیا جائے گا۔

جب نانا نے ٹیپو سے خراج کا مطالبہ کیا تھا اس وقت نظام کے پاس بھی اس نے وکیل کرشن راؤ بلال کو بھیجا تھا ـــــ بظاہر اس کا مقصد چوتھ اور سردیش مکھی کا بقایا وصول کرنا تھا لیکن اصل میں ٹیپو کے خلاف ایک جارحانہ اتحاد کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ یہ تجویز نظام نے پسند کی اور نانا سے ایک مشاورتی ملاقات کے لیے راضی ہو گیا۔ جس میں باہمی اختلافات دور کرنے اور میسور پر

حملے کے منصوبے کو مکمل کرنے کا کام انجام دینا تھا۔ چنانچہ دونوں اپنے پایۂ تخت سے بڑے کروفر کے ساتھ ایک بڑی فوج کی ہم رکابی میں روانہ ہوئے اور جون 1784ء میں یادگیر پہنچے جو بھیما اور کرشنا دریاؤں کے سنگم پر واقع ہے۔[16]

نظام کا مطالبہ یہ تھا کہ سمجھوتے کی ابتدائی دفعہ یہ ہونی چاہیے کہ بیجاپور اور احمد نگر کو بحال کیا جائے اس مسئلہ پر طویل بحث و مباحثہ ہوا لیکن نانا ان دونوں مقامات کو نظام کے حوالے کرنے کے لیے چونکہ رضامند نہیں تھا اس لیے فریقین کے درمیان صرف ایک عام سمجھوتہ ہی ہو سکا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ نظام اور مرہٹے دونوں مل کر ٹیپو کے خلاف اگلے سال جنگ کریں اور فریقین کے ان اضلاع کو واپس لینے کے بعد جن پر حیدر علی جبراً قابض ہو گیا تھا ٹیپو کی باقی سلطنت پر بھی قبضہ کر لیا جائے اور اس کو دونوں آپس میں برابر تقسیم کر لیں۔[17] یہ سب باتیں طے ہو جانے کے بعد یہ کانفرنس جو 7 رجون سے 25 رجون تک چلتی رہی تھی ختم ہو گئی اور جولائی 1784ء کے شروع میں فریقین اپنے اپنے پایۂ تخت کو واپس ہوئے۔[18]

اس دوران میں نظام کرناٹک بالاگھاٹ کی دیوانی کا "پیش کش" ٹیپو سے طلب کر رہا تھا جسے یادگیر کے سمجھوتہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے بیجاپور کی صوبہ داری کے اپنے حق کا مطالبہ کر دیا۔[19] اس جواب سے نظام کو خیال ہوا کہ ٹیپو اس کی سلطنت پر حملہ کرنا چاہتا ہے اس لیے اس نے نانا کو مدد کے لیے لکھا اس کے ساتھ ہی ایک ایلچی ٹیپو کے پاس اس کو مطمئن کرنے کے لیے بھیجا۔[20] نظام کی خوش قسمتی سے سلطان کا ارادہ اس پر حملہ کرنے کا نہیں تھا اس کی افواہیں جنگ بازوں اور خطرے کا شور مچانے والوں نے پھیلائی تھیں۔ اس وقت نانا کی ایسی حالت نہ تھی کہ وہ نظام کو فوجی مدد دے سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ جنگ کے لیے تیار نہ تھا دوسری خاص وجہ یہ تھی کہ اُسے ایک سازش سے نمٹنا تھا۔ جس کا مقصد مادھوراؤ نرائن کو تخت سے اتارنا اور رگھوناتھ راؤ کے بیٹے باجی راؤ کو پیشوا بنانا تھا۔[21] بایں ہمہ نانا کو نارگند کے معاملے میں ٹیپو سے الجھنا ہی پڑا۔

نارگند پر میسوریوں کا حملہ[22]

حیدر علی نے 1778ء میں نارگند[23] پر قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کی سرپرستی میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کا حکمران ونکٹ راؤ بھاوے ایک ڈیسائی برہمن تھا۔ حیدر علی نے ریاست کو اس کی نگرانی میں اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے گا اور سالانہ خراج

ادا کرے گا اس انتظام کی نانا نے فروری 1785ء میں اس وقت توثیق کر دی تھی، جب اُس نے حیدر سے اتحاد کیا تھا اور کرشنا ندی کے جنوب میں واقع تمام مرہٹہ علاقے پر اس کی بالادستی تسلیم کر لی تھی[26]

اس کے باوجود ونکٹ راؤ اور اس کا لائق وزیر کالو پنت پیٹھے جس کے ہاتھ میں نارگنڈی کی اصل حکومت تھی پیشوا کو اپنا آقا مانتے رہے اور پونا کے بااثر لوگوں سے خفیہ طور پر خط و کتابت جاری رکھی۔ 8 جنوری 1783ء کو کالو پنت نے بڑے صاحب کو لکھا کہ مرہٹوں کو حیدر کی موت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اپنا تمام علاقہ واپس لے لینا چاہیے جن پر میسوریوں نے 1774ء اور 1778ء کے درمیان قبضہ کر لیا تھا[27] لیکن وہ اپنے اندرونی جھگڑوں میں چونکہ اُلجھے ہوئے تھے اس لیے اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ پونا کی حکومت سے ناامید ہو کر نارگنڈ کے ڈیسائی نے انگریزوں سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نون نامی اپنے ایک انگریز ملازم کے ذریعے کچھ فوج بمبئی گورنمنٹ سے مانگی اور دعویٰ کیا کہ وہ ایک خود مختار راجا ہے اور کمپنی اگر میسور پر حملہ کرے تو وہ اس کو تعاون دے گا۔ مگر اس تجویز پر کوئی توجہ نہ کی گئی کیونکہ ٹیپو سلطان سے صلح کی گفت و شنید جاری تھی۔

انگریزوں اور مرہٹوں سے خفیہ ساز باز کے علاوہ ونکٹ راؤ نے کھلم کھلا ٹیپو کی حاکمیت کا بھی مقابلہ کیا۔ اس میں مدنالپی کا پالی گار بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس نے سوڈوم کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور گرد و پیش کے علاقہ میں لوٹ مار کی اور ٹیپو کی پرامن رعایا میں سے بہتوں کو ہلاک کر دیا[28] اس نے ٹیپو کے متعلق تمام اطلاعات پیشوا کو بہم پہنچائیں۔ اسے یقین تھا کہ مرہٹے اس کی مدد کریں گے کیونکہ وہ پٹ وردھنوں ذی اثر برہمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ٹیپو کے خراج کے مطالبات کی ادائیگی میں بھی لیت و لعل سے کام لیا۔

جب تک ٹیپو انگریزوں کے ساتھ جنگ میں الجھا رہا اس نے ڈیسائی کی ترکیبوں اور چالبازیوں کی طرف توجہ نہ کی لیکن جیسے ہی منگلور کے صلح نامے پر دستخط ہوئے اور اُس کے ہاتھ خالی ہوئے اس نے نارگنڈ کے حکمران کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے اس نے خراج طلب کیا جو ونکٹ راؤ نے پچھلے دو سال سے ادا نہیں کیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنے دو وکیل محمد غیاث خاں اور نور محمد خاں کو پونا بھیجا تاکہ وہ نانا کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ڈیسائی کا ساتھ نہ دے[29] لیکن نانا خود کو الگ نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ ونکٹ راؤ پٹوردھن خاندان کا رکن اور پیشوا کی حمایت کا دعویدار تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس لیے اس نے اعلان کیا کہ ٹیپو کو معمولی خراج سے زیادہ جبراً وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ کہ جب ضلع دوسروں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے تو

جاگیرداروں سے رقم وصول نہیں کی جاتی ہے اور یہ کہ سوستھانیوں[30] کے حقوق کا لحاظ رکھا جاتا ہے جن پر اس ریاست سے بغاوت کا کوئی الزام نہ ہو۔ جس کے وہ مطیع رہتے ہیں[31] ٹیپو کا جواب یہ تھا کہ مجھے اس بات کا حق حاصل ہے کہ میں جس قدر لگان چاہوں اپنی رعایا سے وصول کروں۔ پونا کی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دے۔ اس کے علاوہ ٹیپو نے بتایا کہ نارگنڈ کا حکمراں حقیقت میں بغاوت کا ملزم ہے اس لیے وہ سوستھانیوں کے حقوق کا لحاظ رکھنے پر مجبور نہیں ہے اپنے وکیل محمد غیاث خاں کو لکھتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر ایک چھوٹے سے زمیندار کو جو ہماری رعایا ہے سزا نہ دی جائے تو ہم اپنے اختیار اور اقتدار کو کس طرح قائم رکھ سکیں گے۔ ان سب باتوں کے باوجود ٹیپو ونکٹ راؤ کو معاف کرنے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ وہ ان نقصانات کی تلافی کے لیے تیار ہو جو اس نے میسور کو پہنچائے ہیں اور خراج کی بقایا رقم ادا کر دے لیکن نانا نے ان شرائط کو مسترد کر دیا۔

جس وقت ٹیپو کے وکیلوں اور نانا کے درمیان گفتگو جاری تھی ٹیپو نے سید غفار کو نارگنڈ بھیجا تاکہ وہاں کے حکمراں کے طرزِ عمل کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ سید غفار نے رپورٹ پیش کی کہ ڈیسائی کا رویہ سلطان کے خلاف معاندانہ ہے اور اس کا دوست اور رشتہ دار پرسرام بھاؤ اسے ابھار رہا ہے۔ یہ سن کر ٹیپو نے اپنے بہنوئی برہان الدین کو پانچ ہزار سوار اور تین قشون کے ساتھ بھیجا۔ برہان نے چیتل درگ اور سوانور کی طرف سے مارچ کیا اور دھرواڑ کے قریب سید غفار کے ساتھ مل کر نارگنڈ کی طرف بڑھا جہاں وہ جنوری 1785ء میں پہنچا اس نے ایک قاصد کو یہ پیام دے کر ونکٹ راؤ کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرے اور معاندانہ رویہ ترک کر دے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی اور اس کی جاگیر بھی اسے بحال کر دی جائے گی[32] مگر کالوپنت نے جو مرہٹوں کی مدد کا انتظار کر رہا تھا اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دو ہزار سوار اور دو ہزار پیدل فوج اور چند توپوں کے ساتھ نارگنڈ کی دیوار کے باہر برہان کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھا۔ مگر اس کو شکست ہوئی اور پسپا ہو کر شہر کے اندر گھسنے پر مجبور ہو گیا اس پر برہان نے اپنی توپوں کا رخ شہر کی طرف موڑ دیا[33]۔ کالوپنت کچھ فوج لے کر بڑھا اور ایک موقع پر اچانک میسوریوں پر حملہ کر دیا اور ان کی دو توپوں کو برباد کر دیا اور ان کے متعدد آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن وہ تادیر اس حالت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ فروری کے شروع میں برہان نے شہر پر حملہ کر دیا اور وہاں قدم جمانے کے لیے اسے ایک اچھی جگہ مل گئی۔ چند روز بعد

اس نے پھر حملہ کیا اور سارے شہر پر قبضہ کر لیا۔ کالو پنت بہادری سے لڑا لیکن آخر میں قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ برہان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا[34]

اس تمام عرصے میں کالو پنت یہ امید لگائے رہا کہ پونا سے کمک آئے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا ٹیپو سے مقابلے کے لیے صرف اس یقین کی بنا پر تیار ہو گیا تھا کہ مرہٹے اس کی مدد کریں گے جب پرسرام بھاؤ نے نارگنڈ پر برہان کے حملے کا حال سنا تو اس نے نانا کو لکھا کہ اس کی مدد کے لیے فوراً فوجیں بھیجے[35]

نانا خود ونکٹ راؤ کی مدد کے لیے فکر مند تھا لیکن پونا کی حکومت چونکہ خود پریشان کن حالات میں گرفتار تھی، وہ خود کو اتنا مضبوط نہیں سمجھتا تھا کہ ٹیپو سے جنگ مول لے۔ چنانچہ اس نے ٹیپو کے وکیلوں سے جو ابھی تک پونا میں قیام پذیر تھے نارگنڈ کے قضیے کو طے کرنے کی کوشش کی۔ ٹیپو کے وکیل نانا سے برابر کہہ رہے تھے کہ ان کے آقا کا ارادہ نارگنڈ پر قبضہ کرنے کا نہیں ہے اور محاصرہ اٹھا لیا جائے گا[36] تاہم جب نانا کو معلوم ہوا کہ برہان نے نارگنڈ شہر پر قبضہ کر لیا تو وہ اپنی تاخیر کی پالیسی جاری نہ رکھ سکا اور عملی قدم اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے پرشورام باہو کو حکم دیا کہ جلد سے جلد ونکٹ راؤ کو مدد پہنچائے منیش پنت پھڑکے کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا کہ باہو سے جا کر مل جائے[37] پرشورام باہو جو نانا کی نرم پالیسی سے تنگ آ چکا تھا یہ حکم پا کر بہت خوش ہوا اگرچہ اس ہدایت نے اس کے ہاتھ باندھ دیے تھے کہ اگر برہان الدین قلعہ کا محاصرہ اٹھائے تو جنگ سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اس نے فوراً اس مہم کے لیے آدمی اکٹھے کیے اور ان کو تین فوجوں میں تقسیم کر دیا۔ پانچ ہزار سوار صوبیدار جتوبا کے زیر کمان مواصلات کی حفاظت کے لیے متعین کیے جو جنوب سے ہو کر گزریں گے دس ہزار سوار رگھوناتھ راؤ کو رنڈوارکر کے زیر کمان نارگنڈ کو براہ رام درگ بھیجے اور پرشورام باہو نے خود سات ہزار فوج کے ساتھ مدھول میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تاکہ محصور ہونے والوں کو اگر کمک کی ضرورت ہو تو وہ تیار ملے[38]

مرہٹوں کی تیاریوں کا حال سن کر برہان نے کمک کے پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ کو مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ نارگنڈ کے قلعہ میں دو ہزار مستحکم حفاظتی فوج موجود تھی جس کے پاس گولہ بارود اور سامان خوراک اتنا تھا کہ تقریباً چھ مہینے کے لیے کافی ہوتا اور چونکہ وہ ڈھلوان پہاڑی پر واقع تھا اس لیے مضبوطی کے ساتھ مدافعت کی جا سکتی تھی[39] برہان نے دو مرتبہ قلعہ پر دھاوا بولنے کی کوشش کی مگر دونوں دفعہ نقصان اٹھا کر پسپا ہو گیا۔ حفاظتی فوج نے اپنی فوجیں موثر طریقے

پر استعمال کیں اور اوپر سے بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر بہت سے حملہ آوروں کو مار ڈالا اس کامیابی سے ان کی ہمت بڑھ گئی اور اس اُمید پر کہ بہت جلد کمک پہنچ جائے گی انھوں نے توپ خانوں پر حملہ کر دیا اور چند میسوریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا[40] برہان ابھی محاصرہ جاری رکھتا لیکن مرہٹی فوجوں کے قریب آ جانے کی وجہ سے جن سے وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا وہ نرگنڈ سے پیچھے ہٹ گیا[41] اُس نے اپنے کیمپ لگانے والے بہیر اور بھاری توپیں دھارواڑ بھیج دیں اور خود اپنی ہلکی فوج کے ساتھ ایک چھوٹی سی ندی بینی ہلا کے قریب خیمہ زن ہو گیا[42] گرانٹ ڈف کا خیال ہے کہ ٹیپو کے افسر پانی کی کمیابی کی وجہ سے محاصرہ اُٹھانے پر مجبور ہو گئے[43] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موسم گرما کی وجہ سے میسوریوں کو پانی کی کمی نے پریشان کر دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ نرگنڈ چھوڑنے کے بعد انھوں نے ایک چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالا لیکن پانی کی ایسی بھی کمی نہ تھی کہ وہ برہان کو محاصرہ اُٹھانے پر مجبور کر دیتی۔ پانی اونٹوں کی پشت پر اور بیل گاڑیوں پر اس ندی سے لایا جاتا تھا جس کے قریب فوجی چھاونی ڈالے ہوئے تھے[44] اصل میں محاصرہ ٹیپو کے حکم سے اُٹھایا گیا تھا جو مرہٹوں سے اتحاد قائم رکھنا چاہتا تھا۔ یہی چیز تھی جس کا نقش اس کے وکیل نانا کے دل پر بیٹھانا چاہتے تھے۔ دوسری طرف نانا کہتا تھا کہ برہان اس لیے نرگنڈ سے پیچھے ہٹ گیا کہ اس کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ محاصرے کو بھی وہ جاری رکھتا اور پیچھے سے آنے والی مرہٹہ فوجوں سے بھی برسرپیکار ہوتا[45] تاہم محاصرہ چوں کہ اُٹھا لیا گیا تھا اور ٹیپو سے گفت و شنید ہو رہی تھی اس لیے اس نے باہو کو لکھا کہ برسات کے آخر تک میسوریوں کو جنگ کے لیے برانگیختہ نہ کرے اور وینکٹ راؤ کالوپنت کو ان کے بال بچوں کے ساتھ قلعہ سے نکال لانے کے بعد رام درگ میں قیام کرے اور قلعہ میں ایک تجربہ کار افسر کے زیر کمان ایک حفاظتی فوج چھوڑ آئے[46] لیکن کالوپنت نے قلعہ خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اگر میں قلعہ سے چلا گیا تو حفاظتی فوج کی ہمت پست ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے پختہ ارادہ کیا کہ برسات ختم ہونے تک قلعہ ہی میں جما رہے گا اس کے علاوہ اگر ٹیپو سے کوئی سمجھوتہ ہو گیا تو اسے قلعہ چھوڑنے کی ضرورت نہ ہوگی[47] پرشورام بابو بھی کالو رام کی رائے سے متفق تھا اور نانا کی رائے سے اُسے اتفاق نہ تھا۔ ٹیپو کے ارادوں سے وہ مشکوک تھے[48] اس نے اور گنیش پنتھ دونوں نے ڈیسائی کو مدد دینے کے جوش میں ناموری حاصل کرنے اور پونا میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے نانا کے احکام کو نظر انداز کر کے میسوریوں پر حملہ کر دیا لیکن اُنھیں پسپا ہونا پڑا اور اُن کے بیس آدمی کام آئے اور ایک ہاتھی ملا

گیا۔ جب نانا کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے باہو کو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر سرزنش کی۔ اسی کے ساتھ شکست کی ذلت کی تلافی کے لیے اس نے تُوکوجی ہولکر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ باہو کی مدد کے لیے بھیجا اور خود جنگ کی تیاریاں شروع کیں[49]

اس اثنا میں نانا اور ٹیپو کے وکیلوں کے درمیان گفت و شنید جاری تھی تجویزیں اور جوابی تجویزیں پیش کی جا رہی تھیں۔ بالآخر وکیلوں نے یہ تجویزیں پیش کی کہ ٹیپو سلطان پیشوا کو دو سال کا واجب الادا خراج اس شرط پر فوراً دے گا کہ قلعہ میں بلا کسی مزاحمت کے جو کارروائی وہ چاہے کرے"۔ نانا نے اس تجویز کو وقتی طور پر قرینِ مصلحت سمجھ کر مان لیا اور ستائیس دن کی مدت اس مقصد کے لیے مقرر کی کہ سلطان سے ضروری جوابات حاصل کیے جائیں اس کے باوجود گفتگو ناکام رہی اور کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ سبب یہ تھا کہ نانا نے جو منصوبہ بتایا تھا اُسے ٹیپو نے بھانپ لیا وہ خود کو کسی ایسے معاہدے میں پھنسانا نہیں چاہتا تھا جو مرہٹوں کی تجوریاں بھر دے اور پھر صرف چند ہی مہینے برقرار رہے۔ نانا کی پالیسی یہ تھی کہ وہ ٹیپو سے روپیہ وصول کرے اور معاملات کو برسات کے آخر تک طول دے اس وقت حملہ کرنا آسان ہو جائے گا اور وہ تمام مرہٹی علاقے جو دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع ہیں اور جن کو حیدر نے فتح کر لیا تھا واپس لے سکے گا[50]۔ نانا ٹیپو کے وکیلوں کی دل جوئی کرتا رہا وہ اُن کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا اور اُن سے مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن یہ سب ظاہرداری تھی اصل میں وہ جنگ کی تیاری میں مصروف تھا اور ٹیپو کے خلاف مرہٹوں، نظام اور انگریزوں کا ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسری طرف ٹیپو مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ اُن علاقوں کو کسی طرح چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا جو اس کے باپ نے فتح کیے تھے اور اس کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ نارگنڈ کے ڈیسائی کو اس کے توہین آمیز اور باغیانہ طرزِ عمل کے لیے ضرور سزا دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب نانا نے وِنکٹ راؤ کا ساتھ دیا تو ٹیپو کو بہت ناگوار گزرا کیونکہ یہ اُس کی سلطنت کے اندرونی معاملات میں مداخلت تھی۔ اس کے باوجود اس نے پونا کی حکومت سے تعلقات منقطع نہیں کیے اور اُس کے وکیل نانا سے گفت و شنید میں مصروف رہے اس کا سبب یہ تھا کہ وہ نانا کی طرح مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔ لیکن نانا کا مقصد یہ تھا کہ برسات ختم ہونے تک نرگنڈ ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔ ٹیپو چاہتا تھا کہ مرہٹوں کے اس کے خلاف مؤثر اقدام کرنے سے پہلے ہی نرگنڈ پر قبضہ ہو جائے ٹیپو کا نرگنڈ پر قبضہ کرنا صرف اس لیے ضروری نہیں تھا کہ اُس کے نافرمان حاکم کو ایک

مثال بنا کر سرزنش کرے اور اُس کو اطاعت پر مجبور کرے بلکہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ نرگنڈ ایک مضبوط قلعہ تھا اور اس کی سلطنت کی شمالی سرحد کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے جنگی اہمیت کا حامل تھا خصوصاً ایسے وقت میں جب مرہٹوں سے جنگ کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ میسوری فوج پر بلا کسی استدلال کے پرشورام باہو کے حملے سے ٹیپو کو نرگنڈ کے خلاف فوجی نقل و حرکت شروع کرنے کا بہانہ مل گیا جو مرہٹہ فوج کے قریب آجانے کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ 12 اپریل کو قمر الدین خاں کی فوج برہان سے آکر مل گئی۔ اس فوج کو سلطان نے کزاپا سے[51] وہاں جا کر کمک پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح امدادی فوج سے تقویت حاصل کر کے برہان نے فوج کے ایک حصے کو نرگنڈ کی طرف بھیجا اور دوسرے کو منولی بھیجا تاکہ وہ نرگنڈ کو مرہٹوں سے الگ رکھے مرہٹوں نے محض معمولی سی بے اثر مزاحمت کی اور برابر پیچھے ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ دریائے کرشنا تک پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 5 مئی کو رام درگ پر میسوریوں نے قبضہ کر لیا اور اُس کے فوراً ہی بعد منولی کو تسخیر کر لیا[52]

اس طرح نرگنڈ کو ہر طرف سے پورے طور پر علیحدہ کرنے کے بعد تاکہ اُسے باہر سے کوئی مدد نہ مل سکے برہان الدین اوائل مئی ہی محاصرے کے لیے بڑھا[53] ابتدا میں قمر الدین خاں اور برہان کے مسلسل باہمی جھگڑوں کی وجہ سے محاصرے میں بہت تاخیر[54] ہوئی۔ اس لیے ٹیپو نے انھیں اچھے دوستوں کی طرح کام کرنے کی ہدایت کی اور تین تجربہ کار افسروں کی ایک فوجی کونسل مقرر کر دی جس کی رائے پر عمل کرنا لازمی تھا۔ جون میں برہان نے بدامی کے تحت[55] کماندار حیدر کی معرفت کالو پنت کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرے تو حفاظتی فوج کی جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی جا سکتی ہے اور انھیں اجازت ہوگی کہ وہ جہاں جی چاہے جائیں لیکن کالو پنت نے اس پیش کش کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور جواب میں کہا کہ اُس نے پونا کو لکھا ہے وہاں سے جو احکام موصول ہوں گے ان پر عمل کیا جائے گا[56] اس کا مقصد یہ تھا کہ بارش کے ختم ہونے تک اسی طرح وہ کام چلاتا رہے کیونکہ اسے یقین تھا کہ برسات ختم ہوتے ہی پیشوا کی فوج اُن کی مدد کے لیے آ جائے گی۔ چنانچہ اس نے بہادری کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ لیکن مسلسل گولہ باری اور قلعہ کی کامیاب ناکہ بندی کی وجہ سے جولائی کے آخر تک حفاظتی فوج کی حالت نازک ہو گئی گولہ بارود اور سامانِ رسد بہت کم رہ گیا۔ پانی کی کمیابی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی اور حفاظتی فوج کے بہت سے آدمی بیمار پڑ گئے تھے چنانچہ کالو پنت یہ دیکھ کر کہ اب وہ مقابلہ نہیں کر سکتا، اطاعت قبول کرنے پر رضامند ہو گیا[57] چونکہ ان کے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا اور اُن کو باہر چلے جانے کی اجازت تھی حفاظتی فوج جس میں 1450 آدمی

تھے[58]، 29 جولائی کو قلعہ سے باہر آگئی۔ پہلے سلطان کے احکام آنے تک برہان الدین نے انھیں روکا لیکن سلطان کی ہدایت موصول ہونے پر آہستہ آہستہ جتھوں کی صورت میں انھیں چھوڑنا شروع کر دیا ۔ ستمبر کے آخر تک وہ سب آزاد ہو گئے۔ کالو پنتھ اور ونکٹ راؤ کو ہتھکڑیاں پہنا کر کپل دُرگ کے قلعہ میں[59] بھیج دیا گیا۔[60] ان دونوں کے اطاعت قبول کرنے کی شرائط کی پابندی اس لیے نہیں کی گئی کہ انھوں نے سلطان کو بہت پریشان کیا تھا۔ چنانچہ وہ انھیں بغیر سزا دیے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ڈیسائی کی لڑکی سلطانی حرم کے لیے پسند کر لی گئی تھی[61] کیونکہ مرہٹوں کی کسی روداد میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح ایک خبرنامے کی یہ کہانی بھی غلط ہے کہ برہان نے کالو پنتھ کی خوبصورت لڑکی کو اس لیے بلوایا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر ٹیپو کے حرم میں داخل کرنے کے لیے منتخب کرے۔ اس کی بھی کوئی معتبر شہادت موجود نہیں ہے خبرنامے کی رپورٹ کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ان کی بنیاد سنی سنائی باتوں اور گپ شپ پر ہوتی ہے۔

نارگنڈ پر قبضہ کرنے کے بعد برہان کثور کی[62] طرف بڑھا جس کے حکمراں مالا سیا نے بھی سلطان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب وہ اس مقام کے سامنے پہنچا تو ڈیسائی نے یہ دیکھ کر کہ مقابلہ بیکار ہوگا اطاعت قبول کر لی لیکن اسے اس کے اہل و عیال کو اور اس کے وزیر گرو پنت کو رنگیا نے گرفتار کر لیا جسے ٹیپو نے کثور سے خراج کے بقایا کی رقم جو ساڑھے پانچ لاکھ روپے تھی وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ رنگیا نے ریاست کے لوگوں کو ستانا اور پریشان کرنا شروع کیا اور ان سے بڑی بڑی رقمیں زبردستی وصول کر لیں جب برہان الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے مداخلت کی اور حکمراں کو اس کے اہل و عیال کو، اور گرو پنت کو رہا کرایا اور ان کو یقین دلایا کہ ان کی حفاظت کی جائے گی اور ونکٹ رنگیا کو جبر و تشدد کے لیے زجر و توبیخ کی[63] چونکہ ونکٹ رنگیا کو برہان کی مداخلت پسند نہیں آئی اس لیے برافروختہ ہو کر وہ دھاڑواڑ چلا گیا۔ ٹیپو نے کثور کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا لیکن ایک رقم اس کے حکمراں کے گزارے کے لیے مقرر کر دی[64]

کثور سے برہان الدین دوسری مرہٹہ ریاستوں کی طرف بڑھا جو میسور کی باج گزار تھیں اور نومبر اور دسمبر دو مہینوں کے اندر وہ ۔ وددد خان پور، سادا، ہو سکوٹ، بادشاہ پور اور جمبوتی[65] پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نرگنڈ اور کثور کی طرح ان مقامات کے حکمرانوں نے بھی بغاوت کی تھی اور ان ہی کی طرح یہ ریاستیں بھی میسور کی سلطنت میں شامل کر لی گئیں۔

ٹیپو کے خلاف نانا کا متحدہ محاذ

برہان الدین کی فتوحات کی خبروں سے نانا کو بڑا دھچکا لگا۔ کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ اس کی پالیسی ناکام رہی نرگنڈ کی شکست کے فوراً ہی بعد نانا ٹیپو پر حملہ کر دیتا مگر وہ پونا کے ناپائیدار حالات کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا[66] مزید برآں پرشورام باہو نانا کی اس پالیسی سے متنفر تھا جسے وہ لیت و لعل اور رفع دفع کی پالیسی قرار دیتا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو برخاست کر دیا اور اپنی جاگیر تاس گاؤں چلا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ گنیش پنتھ بھر ابھی تک کرشنا ندی کے کنارے خیمہ زن تھا لیکن برسات کی وجہ سے اور اپنی فوج کی عدم تیاری کی وجہ سے حرکت میں آنے کے قابل نہیں تھا[67] اس لیے نانا کے پاس برسات کے اختتام تک انتظار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس اثنا میں وہ سیاسی جوڑ توڑ اور فوجی تیاریوں میں مصروف رہا اس نے انگریزوں کو ٹیپو کے خلاف متحدہ محاذ میں شامل ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور مرہٹہ سرداروں سے کہا کہ وہ پیشوا کے گرد جمع ہو جائیں اور ایک بار پھر کرشن راؤ بلال کو نظام کے پاس بھیجا اور اس کو دعوت دی کہ اس سے مل کر میسور کے خلاف حملہ کرنے کے بارے میں صلاح و مشورہ کرے۔ اگرچہ ٹیپو نے اس دوران میں کوئی جارحانہ پیش قدمی نہیں کی تھی، صرف اپنے سرکش اور نافرمان باج گزاروں کو سزا ہی دی تھی اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ ٹیپو کے اسی اقدام کو اس کے خلاف جنگ کرنے کا بہانا بنائے گا تاکہ اس کا کھویا ہوا وقار بحال ہو اور اس کے وہ علاقے بھی واپس مل سکیں جن کو حیدر علی نے 1774 اور 1778 کے درمیان فتح کر لیے تھے۔

مرہٹہ سرداروں کا جواب بہت امید افزا تھا مودھوجی بھونسلے نے جو نانا[68] سے ملاپ کرنے کے لیے پونا آیا تھا۔ ٹیپو کے خلاف پیشوا کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن اپنی بیماری کی وجہ سے اسے ستمبر میں ناگپور جانا پڑا تاہم اس نے اپنے بیٹے منیا با کو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ وہیں چھوڑ دیا اور اور نانا کو یقین دلایا کہ ناگپور پہنچ کر وہ اور فوج بھیجے گا۔ اور جیسے ہی اس کی صحت بہتر ہوئی دس ہزار فوج لے کر وہ خود آئے گا۔ ہولکر بھی بیس ہزار فوج دس ہزار پنڈاری اور چند توپیں لے کر ٹیپو کے خلاف یلغار کے لیے تیار تھا نرگنڈ کے سوال پر نانا کی پالیسی سے اگرچہ متفق نہیں تھا اور اس نے پونا آنے سے انکار کر دیا تھا تاہم جنگ شروع ہوتے ہی اس میں شامل ہونے پر رضامند ہو گیا[69]

نظام نے کرشن راؤ بلال کو جواب دیا کہ متحدہ محاذ میں شامل ہونے کے لیے وہ تیار ہے بشرطیکہ اسے پچیس لاکھ روپے جنگ کے اخراجات کے لیے دیے جائیں اور بیجاپور کا صوبہ اور احمد نگر کا قلعہ

اسے واپس مل جائے۔ اس نے سوچا کہ پونا سے اُن شرائط کی منظوری لی گئی تو تاخیر ہوگی۔ اُسے یہ ڈر بھی تھا کہ ممکن ہے نانا ان شرائط کو منظور ہی نہ کرے۔ اس لیے کرشن راؤ نے اپنی ذمہ داری پر نظام کو یقین دلایا کہ اس کی شرطوں پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا اور اُس سے درخواست کی کہ وہ یادگیر کی طرف کوچ کرے۔ نظام اس جواب سے مطمئن ہوگیا اور نومبر 1785 میں وہ روانہ ہوگیا۔ نانا نے یکم دسمبر 1785 کو ہری پنت کو یادگیر کی طرف نظام کی فوجوں سے مل جانے کے لیے بھیجا اور 12 دسمبر کو وہ خود پونا سے چلا اور پندھار پور کے مقام پر[70] ہری پنت کو جا پکڑا۔ یہیں پر پرشورام باہو اور رگھوناتھ راؤ کرندوارکر بھی اس سے آکر مل گئے اور سب ایک ساتھ یادگیر کی طرف بڑھے جہاں نظام ان کا انتظار کر رہا تھا۔

نانا اور نظام کے درمیان تقریباً ڈیڑھ مہینے تک گفت و شنید جاری رہی نظام کے درباری خبرنویس کے بیان کے مطابق فریقین کے درمیان اختلافات بہت زیادہ تھے۔ اُن کی ساری کارروائیاں ذہنی پراگندگی کے عالم میں تھیں جو کچھ وہ ایک دن طے کرتے ہیں دوسرے دن اس پر اعتراض کرتے ہیں[71] لیکن آخر کار سمجھوتہ ہوگیا جو اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا جو ان دونوں کے درمیان اسی جگہ جون 1784 میں ہوا تھا۔ ایک جارحانہ اتحاد قائم ہوگیا اور یہ طے ہوا کہ میسور پر فوراً دھاوا بول دیا جائے، اپنے اپنے علاقے ٹیپو کے قبضے سے نکالنے کے بعد نظام اور مرہٹے باقی مقبوضہ علاقے[72] کو آپس میں برابر تقسیم کرلیں گے۔ بہرکیف طے یہ کیا گیا کہ اتحادی پہلے ان مرہٹہ ضلعوں کو جو تنگ بھدرا اور کرشنا ندی کے درمیان واقع ہیں فتح کرنے کی کوشش کریں جہاں تک بیجاپور اور احمد نگر کو نظام کے حوالے کرنے کا سوال تھا نانا کا جواب غیر اطمینان بخش تھا[73]۔

جب گفت و شنید ختم ہوئی تو نانا نے وسطِ اپریل میں پونا جانے کی خواہش کی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کی طبیعت ناساز تھی[74] دوسری وجہ یہ تھی کہ پیشوا کو زیادہ دن تک وہ تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ہری پنت اور نظام مہم کی قیادت کریں نانا کے اس ارادے پر اتحادیوں نے شدید احتجاج کیا انھوں نے اس کے پونا واپس جانے کے قصد کو جنگ کے لیے جوش اور سرگرمی کی کمی سے تعبیر کیا[75]۔ نظام نے کہا کہ اگرچہ ٹیپو سے اس کے تعلقات اچھے ہیں تاہم مرہٹوں کے ساتھ دوستی کی وجہ سے وہ جنگ میں شریک ہو رہا ہے۔ اس لیے نانا اگر پونا واپس چلا گیا تو میں بھی چلا جاؤں گا[76] اسی طرح مودھوجی بھونسلے جو 16 جنوری 1786ء کو آیا تھا او باہو بھی جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ اس صورتِ حال سے گھبرا کر جس کی وجہ سے متحدہ محاذ کے

ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا نانا نے اپنی روانگی ملتوی کر دی [77] بہر طور نانا اور ہری پنت کے سمجھانے بجھانے کی کوشش کے باوجود نظام 25 اپریل 1786 کو حیدر آباد چلا گیا۔ لیکن وہ پچیس ہزار فوجیوں کو تہور جنگ کی کمان میں چھوڑ گیا۔ [78] ڈف کا بیان ہے کہ نظام اس لیے چلا گیا کہ وہ برسات میں حملہ کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ [79] لیکن اصل بات یہ ہے کہ نانا نے بیجاپور کو اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگرچہ [80] مرہٹوں کا وکیل کرشن راؤ بلال اس کو واپس کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ نانا کا کہنا تھا کہ اس نے اپنے وکیل کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ اس قسم کا کوئی وعدہ کرے اس لیے نظام کے حیدر آباد لوٹ جانے کی وجہ سے وہ اس سے بہت ناخوش ہوا، خصوصاً ایسے موقع پر جب کہ اس کی موجودگی بہت ضروری تھی۔ [81]

میسور پر حملہ

جب نظام حیدر آباد چلا گیا تو اتحادی فوجیں بادامی کی طرف بڑھیں اور یکم مئی 1786 کو حملہ شروع کیا۔ بہ ٹیپو کی شمالی سرحد کے ایک میدانی علاقے میں قلعہ بند شہر تھا جہاں تقریباً تین ہزار حفاظتی فوج تھی۔ [82] ایک چھوٹی گڑھی بھی تھی۔ اس کے علاوہ شہر کے دونوں جانب دو پہاڑی قلعے بھی اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ [83] تقریباً تین ہفتے تک اتحادی دیواروں میں شگاف ڈالنے کی انتہائی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہیں ہوئے اس لیے انھوں نے براہ راست حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور 20 مئی کی صبح کو بیس ہزار پیادوں کو ساتھ لے کر دھاوا بول دیا۔ لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھے میسوریوں نے جو سرنگیں بچھا دی تھیں اور خندق اور پوشیدہ راستے جو بارود سے بھرے تھے بھک سے اڑ گئے۔ اس سے ان کی بہت سی جانیں ضائع ہوئیں تاہم ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے اور وہ بڑی بہادری اور عزم کے ساتھ آگے بڑھے اور سیڑھیوں کے ذریعہ دیواروں پر چڑھ گئے۔ حفاظتی فوج نے مزاحمت کی مگر ان کو شکست ہوئی اور بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے۔ اتحادی فوجوں نے فراریوں کا پیچھا کیا اور قلعہ میں گھسنے کی کوشش کی لیکن حملہ آور کامیاب نہیں ہو سکے [84] بڑے بڑے پتھر قلعہ سے لڑھکائے گئے اور بندوقوں کی گولیاں جو حفاظتی فوج نے ان پر برسائیں بہت ہی تباہ کن ثابت ہوئیں جن سے آٹھ سو مرہٹے مارے گئے اور اتنے ہی نظام کی فوج کے آدمی ختم ہوئے۔ میسوری صرف چار سو کام آئے۔

اگرچہ قلعہ فی الحال بچا لیا گیا تھا لیکن اس کے کمانڈر حید بخش نے اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ وہ زیادہ دیر جما نہیں رہ سکے گا۔ شہر دشمن کے قبضے میں تھا اس لیے قلعہ کو پانی مہیا نہیں کیا

جاسکے گا۔ کیونکہ وہ شہر کے بڑے تالاب سے لایا جاتا تھا۔ اس لیے اُس نے مصالحت کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی لیکن نانا نے جو ان نقصانات کی وجہ سے جھنجلایا ہوا تھا جو اسے قلعہ کے محاصرے میں پہنچے تھے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اطاعت قبول کرنے میں اصرار کیا۔ کمانڈر پہلے تو اس پر راضی نہ ہوا لیکن پانی کی کمی کو دیکھ کر جس کی وجہ سے اس کے بہت سے آدمی موت کا شکار ہو چکے تھے اور محاصرہ کرنے والوں کے اٹل ارادے کے پیش نظر اس نے ۲۰ مئی کو غیر مشروط اطاعت اس وقت قبول کر لی جب اُسے یقین دلایا گیا کہ حفاظتی فوج کے کسی آدمی کی جان نہ لی جائے گی[56]

پرشورام باہو نے تجویز پیش کی کہ حیدر بخش اور چند اور آدمیوں کو جنھوں نے نرگنڈ کے معاملے میں غداری کی تھی قید کر دینا چاہیے، لیکن نانا اور ہری پنت نے اس کی بات نہیں مانی کیونکہ اُن کے خیال میں حفاظتی فوج کو جان بخشی کی یقین دہانی کی گئی تھی اس کی خلاف ورزی ہوتی۔

بادامی پر قبضہ ہو جانے کے بعد نانا ۲۰ مئی کو پونا چلا گیا۔ فوج کی کمان اس نے ہری پنت کے سپرد کر دی۔ مادھوجی بھونسلے ناگپور واپس چلا گیا اور اپنی فوج کا بڑا حصہ مع اپنے دوسرے بیٹے کھنوڈجی کے ہری پنت کی کمان میں چھوڑ گیا اور یہ وعدہ کر گیا کہ دسہرے کے تہوار کے بعد مزید کمک لے کر وہ واپس آئے گا۔ اسی طرح پرشورام باہو تاس گاؤں چلا گیا۔[57] وہ نانا سے جو اس کی روانگی کے خلاف تھا یہ کہہ گیا کہ میں اپنے بیٹے کی جنیو کی رسم ادا کرنے کے بعد آجاؤں گا[58]

ہری پنت جس کے سپرد اب مہم کی قیادت تھی جون میں گجندر گڑھ پر حملے کے لیے بڑھا تو رجب علی نے جو اس کا کمانڈر تھا پہلے تو اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب کوئی مدد نہیں پہنچی اور جو فوجیں اس کی مدد کے لیے بھیجی گئی تھیں راستے ہی میں روک لی گئیں تو ۱۹ جون کو اس نے رشوت لے کر اطاعت قبول کر لی اس کو یقین دلایا گیا کہ حفاظتی فوج کو آزادی کے ساتھ اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دی جائے گی۔

دریں اثنا مرہٹہ فوجیں جنگ کے دوسرے میدانوں میں مصروف رہیں۔ برہان الدین نے جو فتوحات حاصل کی تھیں اُن سے حد درجہ پریشان ہو کر نانا نے تکوجی ہولکر کو گنیش پنت بہرے کی مدد کے لیے بھیجا، کتور کے علاقے میں میسوریوں سے مقابلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ برہان الدین نے ہولکر کے اس طرف بڑھنے کی خبر سننے کے بعد محسوس کیا کہ موخر الذکر کے پہنچنے پر دشمن کی فوجوں کی تعداد خود اس کی فوجوں سے بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جارحانہ طرزِ عمل ترک کر کے صرف مدافعت ہی کی جائے۔ اس نے اپنے توپ برداروں کو اور بھاری توپوں کو

دھارواڑ اور مصری کوٹ[88] بھیج دیا۔ کتُور کی حفاظت کے لیے تین ہزار فوج اور چند توپیں بھیج دیں اور قریب ہی جنگی اہمیت کے ایک پہاڑی علاقے میں مرہٹوں کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ہولکر نے برہان الدین پر حملہ کرنا مفید نہیں سمجھا۔ اس کے بجائے اس نے اپنی توجہ ضلع کتُور کی طرف مبذول کی جس کے ہر حصے پر سوائے قلعے کے وہ قابض ہو گیا۔ قلعہ پر بھی اس نے حملہ کیا مگر قبضہ نہیں کر سکا اس کے بعد ہولکر ساوانور کی طرف بڑھا جس کے نواب نے میسوریوں کے خلاف اس سے مدد طلب کی تھی۔[89]

ساوانور پر حیدر نے 1776ء میں قبضہ کیا تھا لیکن اس کے پٹھان حکمران عبدالحکیم خاں کے چار لاکھ روپیہ خراج دینے کے وعدے پر اسے بحال کر دیا۔[90] بعد ازاں اور کرشنا میں اپنی فتوحات کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے حیدر نے 1779ء میں اپنی لڑکی کی شادی نواب کے بڑے لڑکے عبدالکریم خاں سے کر دی اور نواب کی لڑکی کا نکاح اپنے بڑے بیٹے کریم صاحب سے کر دیا۔ اس موقع پر حیدر نے اس علاقے کا باقی آدھا حصہ بھی جو مرہٹوں نے اس سے چھین لیا تھا عبدالحکیم خاں کو دے دیا اور اس سے وصول ہونے والے خراج کو بھی کم کر کے آدھا کر دیا۔ اس کے بدلے میں عبدالحکیم خاں کو دو ہزار چیدہ پٹھان سوار اپنے دو بیٹوں کے زیر کمان حیدر کی مدد کے لیے تیار رکھنا تھے۔[91] ابتدا میں تو نواب (عبدالحکیم خاں) نے سواروں کے دستے برقرار رکھے لیکن اُن سواروں کی جگہ پر جو دوسری اینگلو میسور جنگ میں مارے گئے تھے نئے سواروں کی بھرتی نہیں کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ منگلور صلح نامے کے بعد ان کی تعداد گھٹ کر صرف پانچ سو رہ گئی۔ اس لیے ٹیپو سلطان نے نواب کو حکم دیا کہ وہ اپنے نمائندے سرنگاپٹم بھیجے تاکہ یہ جھگڑا چکایا جائے کہ جتنے سوار اسے امداد کے لیے تیار رکھنے تھے کیوں نہیں رکھے۔ اس خراج کا بقایا بھی طلب کیا جو کئی برس سے ادا نہیں کیا گیا تھا۔ جب نواب کے وزیر سرنگاپٹم پہنچے تو اس نے اُن کے سامنے 21 لاکھ روپیہ کا حساب پیش کر دیا جو نواب صاحب سے واجب الادا تھے۔ اس میں خراج کے علاوہ وہ رقم بھی شامل تھی جو پٹھان سواروں کی مقررہ تعداد نہ رکھ کر بچائی گئی تھی۔ تقریباً نصف حصہ اس رقم کا نواب نے ادا کر دیا باقی رقم کے متعلق اپنی معذوری اور مجبوری کا اظہار کیا۔[92] حقیقتاً ٹیپو کے مطالبات کو ٹال جانے کا اصل سبب یہ تھا کہ مرہٹے اسے اس روپیہ کی ادائیگی سے روک رہے تھے۔ انھوں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے ٹیپو کے حکم کو مانا اور روپیہ ادا کر دیا تو وہ اس سے تعلقات منقطع کر لیں گے۔ لیکن اگر اس رقم کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ٹیپو نے اس پر حملہ کر دیا تو وہ اس کی مدد کریں گے۔[93]

نواب نے مرہٹوں کے مشورے پر عمل کیا اور بقایا لگان ادا نہیں کیا۔ چنانچہ ٹیپو نے اپنے

ایک خاص ساہوکار رگھوناتھ کو کچھ فوج کے ساتھ اس سے روپیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ سن کر ہولکر اور سبھرے ساوانور کی طرف بڑھے تاکہ رگھوندر ناتھ کو گرفتار کر لیں لیکن موخرالذکر کسی نہ کسی طرح بھاگ کر تنگ بھدرا کے اس پار پہنچ گیا[94] صرف دو یا تین معمولی مہاجن ہولکر کے ہاتھ آئے جن سے اس نے دو لاکھ روپیہ بطور زر ستگاری وصول کر لیے۔ برہان الدین نے جو ہولکر کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا اس کا پیچھا کیا اور ساوانور کے قریب اس پر حملہ کر دیا۔ مگر مرہٹوں اور نواب کی فوجوں نے اسے پسپا کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹ کر جبریانوٹی چلا گیا جو وردا کے کنارے ساوانور سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے[95]

اس کامیابی کے بعد ٹوکوجی ہولکر نے پندرہ ہزار فوج گنیش کی ماتحتی میں اس لیے چھوڑی کہ نواب ساوانور کی حفاظت کرے اور ٹیپو کے علاقے لکشمیشور پر قبضہ کرے جو سابق میں پٹور دھن خاندان کا علاقہ تھا۔ پندرہ ہزار فوج ہولکر نے باپو ہولکر کی ماتحتی میں بھی بیاہٹی[96] چھوڑی تاکہ دھاروار کے علاقے میں مرہٹہ حکومت قائم کی جائے۔ گنیش نے لکشمیشور کے علاقے کی تقریباً تمام چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح باپو ہولکر نے ضلع دھاروار میں سونسی نول گند گدگ شیرہٹی انوی ہوبلی کو فتح کر لیا[97] اس کے بعد باپو ہولکر پرانی ہوبلی پر قبضہ کرنے کے لیے راضی تھا لیکن جب ٹیپو کے دھاروار کے کمیدان نے کنیجن گوڈا کو اطلاع دی کہ اگر اس نے دغا کی تو اس کا بیٹا جو بطور یرغمال اسکے پاس ہے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو اس نے باپو ہولکر کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اس پر باپو نے پرانی ہوبلی کا محاصرہ کر لیا لیکن برہان الدین قریب پہنچا تو اس نے محاصرہ اٹھا لیا اور باباہٹی چلا گیا۔ یہاں ٹوکوجی ہولکر اس سے مل گیا جو کنور سے ناکام ہو کر وہاں پہنچا تھا۔ اب دونوں مرہٹہ سردار پرانی ہوبلی کی طرف بڑھے اور جون کے آخر میں اس پر قبضہ کر لیا۔ برہان الدین دوبارہ پرانی ہوبلی کی مدد کے لیے نہ آسکا کیونکہ اسے معری کوٹ جانا تھا[98]

ٹوکوجی ہولکر اور گنیش پنت سبھرے کی قیادت میں مارچ سے جون تک مرہٹوں نے جو حملے کیے تھے ان کا مقابلہ کرنے میں برہان الدین کی ناکامی کا سبب اس کی ناکافی فوج تھی۔ یہاں تک کہ جب اس کا خسر بدرالزماں خاں بیدنور سے کمک لے کر پہنچ گیا تب بھی اس کی فوج تعداد میں مرہٹوں کی فوج سے بہت کم اور جارحانہ اقدام کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے اس نے مدافعانہ تدابیر اختیار کیں۔ مختصر سی فوج کے ساتھ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کوشش میں حرکت کرتا رہا کہ مختلف حفاظتی دستوں کو جو مرہٹوں کے نرغے میں تھے مدد پہنچائے۔ لیکن ڈیسائیوں کی غداری کی وجہ سے جو ہولکر اور سبھرے سے ملے ہوئے تھے ضلع کنور دھارواڑ اور للتشمیق کے تمام مقامات کو فتح کرنے

سے مرہٹوں کو روک نہ سکا۔ اہم قلعوں میں صرف کنٹور اور دھارواڑ کے قلعے میسوریوں کے قبضے میں رہ گئے۔ انھوں نے مرہٹوں کی غالب آنے کی ہر کوشش کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔[99]

ٹیپو سلطان کورگ میں تھا جب اُس کے وکیل نور محمد خاں نے جو پونا میں تھا اُسے اطلاع دی کہ مرہٹے اور نظام میسور پر حملہ کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ٹیپو فوراً جنوری 1786ء میں سرنگاپٹم واپس آگیا اور اُس اتحاد کو توڑنے کی کوشش میں لگ گیا۔ ایک وکیل حیدرآباد بھیجا گیا کہ وہ نظام کو سمجھائے کہ اس اتحاد سے وہ علاحدہ رہے۔ ایک ایجنٹ خفیہ طور پر توکوجی ہولکر کے پاس پانچ لاکھ روپے لے کر گیا تاکہ اس سے دوستی کا اور اس جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا عہد لے۔[100] محمد غیاث کو بارہ ہاتھی اور تین لاکھ کے جواہرات کا تحفہ لے کر نانا کے پاس پونا بھیجا گیا تاکہ وہ نانا کو جنگ شروع کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرے۔ محمد غوث اور نور محمد خاں جو پونا میں میسور کے ایجنٹ تھے۔ لکشمن راؤ راستے کی وساطت سے نانا سے ملے۔ محمد غیاث نے نانا سے دریافت کیا کہ آپ ٹیپو سلطان کے مخالف کیوں ہیں۔ حیدر علی نے پیشوا کا اس وقت ساتھ دیا تھا جب وہ بچہ تھا اور ایسے نازک موقع پر اس کی مدد کی تھی جب انگریز اور رگھوناتھ راؤ کے ہاتھوں اس کو بے دخل کر دیے جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ ٹیپو بھی مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے میں اپنے باپ کی پالیسی پر گامزن رہا ہے۔ اس کے باوجود مرہٹوں نے اس سے مشورہ کیے بغیر انگریزوں سے صلح کر کے اس عہد نامے کو توڑ دیا جو 1780 میں پیشوا اور اس کے باپ کے درمیان ہوا تھا اور دوسری اینگلو میسور جنگ میں انگریزوں کے خلاف اسے مدد دینے سے انکار کر دیا اور اس کی مملکت پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔[101] نانا کا جواب یہ تھا کہ سلطان نے کئی سال سے اس کا خراج ادا نہیں کیا ہے جیسے ہی خراج ادا کر دیا جائے گا، مخالفت اور جنگ ختم ہو جائے گی۔ محمد غیاث نے اصرار کیا کہ نانا کو چاہیے کہ پہلے وہ جنگ بند کر دے اس کے بعد روپیہ ادا کر دیا جائے گا۔ لیکن نانا اس پر راضی نہ ہوا۔[102] بہر طور ٹیپو کے وکیلوں نے صلح کرنے کی کوششیں جاری رکھیں اور جب نانا یادگیر گیا تو وہ اُس کے پیچھے پیچھے وہاں بھی پہنچے لیکن اتحادی فوجیں بدامی سے جب تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر تھیں تو نانا نے وکیلوں کو فوجی مصالح کی بنا پر نیز اس خیال سے کہ اُن سے روپیہ وصول کرنے کی کوئی صورت نہ تھی ——— رخصت کر دیا اور زیادہ دن تک اُن کی موجودگی کو اس نے مناسب نہیں سمجھا۔[103]

جنگ روکنے کے سلسلے میں پونا کی حکومت سے گفتگو میں ناکامی کے بعد ٹیپو مارچ 1786ء میں بنگلور کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنی سلطنت کے دفاع کے انتظامات کر سکے۔ وہاں پہنچ کے

بعد اس نے ایک بار پھر کوشش کی کہ پونا کی گورنمنٹ سے اس کے اختلافات کا پر امن تصفیہ ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مادھوجی بھونسلے اور ہری پنت کے پاس اپنے ایجنٹ بھیجے لیکن پہلے ہی کی طرح اس بار بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا[104] اس لیے اس نے بنگلور کی طرف کوچ کیا جہاں اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے بیس دن قیام کیا ان فوجوں میں تقریباً بارہ سو باقاعدہ پیادہ فوج تھی تیس ہزار سوار دس ہزار باقاعدہ پیدل اور 22 توپیں تھیں اس کے علاوہ وہ دستے بھی تھے جو پالیگاروں اور اس کے باج گزاروں نے بھیجے تھے[105] شروع میں وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کی سلطنت کے مختلف حصوں کی فوجیں آ کر اس سے مل جائیں وہ بارشوں کے شروع ہونے کا بھی انتظار کر رہا تھا تاکہ تنگ بھدرا ابھر جائے اور مرہٹے دریا کے جنوب تک کوئی کمک نہ پہنچا سکیں۔

ادونی پر ٹیپو کا حملہ

اتحادیوں کا خیال یہ تھا کہ ٹیپو بنگلور سے برہان الدین کی مدد کے لیے کوچ کرے گا۔ اس کے بجائے وہ گوٹی کو کمک پہنچانے کے لیے بڑھا جس کا مرہٹوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے جب ٹیپو کے آنے کی خبر سنی تو وہاں سے ہٹ کر وہ بادامی چلے گئے چنانچہ ٹیپو ان کو حیرت میں ڈال کر یکایک ادونی پہنچ گیا جس پر مہابت جنگ نے قبضہ کر لیا تھا۔ جو بسالت جنگ[106] کا بیٹا اور نظام کا بھتیجا تھا اپنی فوجوں کو ادونی لے جانے سے ٹیپو کا مقصد حریف کی توجہ کو اس طرف سے ہٹانا تھا جہاں مرہٹوں نے برہان الدین کو مشکلات میں مبتلا کر رکھا تھا اور یہ مقصد بھی تھا کہ دشمن اس کی سلطنت میں اور آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ جانتا تھا کہ ادونی پر اس کے حملے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تنگ بھدرا کے جنوب میں نظام کی ایک مستحکم سرحدی چوکی تھی اور اس کے بھائی اور اُن کے بال بچے وہاں رہتے تھے[107]

ٹیپو کے اس ناگہانی حملے سے خوف زدہ ہو کر مہابت جنگ نے فوراً نظام کو اور مرہٹوں کو مدد کے لیے لکھا اور اُن سے کہا کہ اس کے خاندان کی عزت بچائیں ورنہ وہ دشمن کے ہاتھوں میں پڑ جائے گا اس کے ساتھ ہی اپنے وزیر اسد علی خاں کو اس نے ٹیپو کے پاس بھیجا تاکہ وہ ٹیپو کو ادونی پر حملہ نہ کرنے کے لیے آمادہ کرے اس مقصد کے لیے اس نے ایک بڑی رقم کی پیش کش بھی کی مگر سلطان نے اس کی درخواست کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ مہابت جنگ

نے اس سے ملنے اور مرہٹوں کے خلاف اُسکا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا[188]

ہری پنت نے گجندر گڑھ پر حملہ کیا ہی تھا کہ اس نے ادونی پر ٹیپو کے حملے کا حال سنا۔ اس خبر نے اُسے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ مرہٹوں کے جاسوسوں سے جو خبر اسے ملی تھی اس کے مطابق ٹیپو کو برہان الدین کی مدد کے لیے جانا چاہیے تھا۔ بہر طور اس نے فوراً نظام کی ان فوجوں کو جو اس کے ساتھ تھیں اور بیس ہزار مرہٹوں کو واپلونت اور رگھوناتھ راؤ کی ماتحتی میں ادونی کی مدد کے لیے جلد سے جلد روانہ ہونے کا حکم دیا[189] نظام نے بھی مہابت جنگ کا خط پاتے ہی اپنے چھوٹے بھائی مغل خاں کو پچیس ہزار آدمیوں کے ساتھ اپنے بھانجے کی مدد کے لیے بھیجا اور ہری پنت اور تہور جنگ کو لکھا کہ فوراً ادونی کی طرف مارچ کریں[190] یہ ساری فوجیں بنور میں جا کر مل گئیں اور تنگ بھدرا کو پار کیا جو ذرا مشکل کام تھا۔ اس کے بعد وہ ادونی کی طرف سات ہزار فوج کے ساتھ بڑھے[191]

ٹیپو نے کمک کے پہنچنے سے پہلے ادونی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی وہ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ۲۰ جون کو قلعہ کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ کی دیواریں بہت مضبوط بنائی گئی تھیں اس کی توپیں اس میں کوئی شگاف نہ ڈال سکیں اس نے دو مرتبہ حملے کی کوشش کی لیکن محافظ فوج کی جاں بازانہ مدافعت اور اونچی سیڑھیوں کی عدم موجودگی سے اُسے بڑا نقصان اُٹھانا اور پسپا ہونا پڑا۔ سرنگ کھدوا کر قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش میں بھی اُسے ناکامی ہوئی[193] اتحادی فوجوں کے پہنچنے پر اس نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور وہاں سے چند میل ہٹ کر ایک بلند مقام پر خیمہ زن ہوا[194]

22 جون کو حیدر حسین بخشی نے سات سو سواروں کے ساتھ جو سلطان کی آگے جانے والی فوج کا ایک حصہ تھے اپنے سردار غازی خاں کی اجازت کے بغیر مرہٹوں کی ایک بڑی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس کو بہت نقصان کے ساتھ شکست ہوئی۔ یہ سن کر ٹیپو اس کی مدد کے لیے پہنچا۔ زبردست معرکہ آرائی ہوئی جو کئی گھنٹے تک جاری رہی اگرچہ ہر فریق کو اپنی کامیابی کا دعویٰ تھا تاہم جنگ غیر فیصلہ کن رہی۔ پانچ ہزار مغل فوجیں زیادہ تر بے حرکت رہیں[195]

ٹیپو سلطان نے ادونی پر موسم کے آخر میں حملہ کر کے اتحادیوں کے لیے بہت سی دشواریاں پیدا کر دیں۔ گو اُنہیں ادونی کو نجات دلانے میں کامیابی ہوئی۔ لیکن یہ صرف چند روزہ کامیابی تھی کیونکہ اُنھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ رسد رسانی کی دشواری کی وجہ سے زیادہ دنوں تک وہاں اُن کے قدم جم نہ سکیں گے۔ اُنھوں نے تنگ بھدرا کے جنوب میں اپنی کوٹھیاں بھی قائم نہیں کی تھیں اور تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیانی علاقے کے وسائل پر وہ انحصار بھی

کر سکتے تھے[116]۔ جس کا ایک بڑا سبب رسل و رسائل کی کمی تھی۔ کیونکہ تنگ بھدرا چڑھاؤ پر تھی اور بہت جلد اس میں طغیانی آنے والی تھی۔ یہ خطرہ محسوس کرکے کہ کہیں اتحادیوں کی فوجیں پھنس نہ جائیں ہری پنت نے اپا بلونت کو لکھا کہ اس سے پہلے کہ دریا کو عبور کرنا دشوار ہو جائے مہابت جنگ اور اس کے اہل و عیال کو وہ قلعہ سے نکال لائیں۔ مغل علی خاں کو بھی اس تجویز سے اتفاق تھا۔ چنانچہ 2 ، جولائی کو صبح سویرے اتحادیوں نے ادونی کو خالی کر دیا[117]۔ جیسے ہی ٹیپو نے یہ خبر سنی اس نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ تنگ بھدرا کو پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر بھی اُس نے ان چند لوگوں کو پکڑ ہی لیا جو فرار ہونے والوں سے بچھڑ گئے تھے۔ کچھ سامان بھی اُس کے ہاتھ آیا[118]۔ وہ دریا کے پار جاکر ان کا پیچھا نہ کر سکا کیونکہ اس دوران میں دریا میں سیلاب آ گیا تھا۔

ادونی کا تخلیہ پر شورام باہو نے ناپسند کیا[119]۔ مالٹ نے جو پونا کے دربار میں انگریزوں کا ایجنٹ تھا ایسی مستحکم اور فوجی اعتبار سے اہم جگہ کو ٹیپو کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کو اتحادی کمانداروں کی انتہائی بزدلی سے تعبیر کیا[120]۔ در اصل رسد رسانی کی مشکلات کے پیش نظر اور نظام کی فوجوں کی سرد مہری اور بے توجہی سے جنگ میں شرکت کی وجہ سے ادونی کا تخلیہ ہی اس وقت صحیح فوجی حکمتِ عملی تھی، جس پر کمانداروں نے عمل کیا۔ کیونکہ جیسا کہ بعد کے واقعاتِ جنگ سے واضح ہوا تنگ بھدرا کے جنوب میں ٹیپو کی زبردست فوج کے سامنے ان کی موجودگی تباہ کن ثابت ہوتی۔

ٹیپو تنگ بھدرا کو عبور کرتا ہے

پسپائی کے بعد مہابت جنگ نے رائچور کا رخ کیا اور مغل علی خاں حیدر آباد کا ہر ہنے اور باقی ماندہ مغل سپاہی تہور جنگ کی ماتحتی میں گجندر گڑھ جاکر ہری پنت سے مل گئے[121]۔ دوسری طرف ٹیپو سلطان نے ادونی واپس آکر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور ان توپوں اور گولہ بارود پر بھی قبضہ کیا جو اتحادی جاتے وقت جلدی میں تلف کرنا بھول گئے تھے[122]۔ اس نے قلعہ کے استحکامات کو مسمار کر دیا اور توپوں اور دوسرے ذخیروں کو گوٹی اور بلاری میں منتقل کر دیا[123]۔ اور قطب الدین خاں کو ادونی کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے چند سرکش پالیگاروں کو سزا دینے کے لیے بڑھا[124]۔ اُن کو سزا دینے کے بعد تنگ بھدرا پر آیا اور اپنے جرنیلوں

کی رائے کے خلاف اُسے عبور کرنے کا فیصلہ کیا[125] وسطِ اگست کے لگ بھگ اس کی فوج کے ہراول دستے نے رات کے وقت گورکھ ناتھ گھاٹ پر دریا کو پار کیا[126] اور ایک چھوٹے سے گاؤں کے قلعے پر قبضہ کر لیا جو درگاہ کی نگرانی کرتا تھا۔ 20 اگست تک ساری میسوری فوج نے مع سازو سامان کے ڈونگیوں پر یا ٹھوں اور بانسوں کے بیڑوں پر دریا کو پار کر لیا۔ جن میں سے بیش تر ہری پنت کی بھیجی ہوئی مرہٹہ فوج کی مزاحمت کے باوجود ہنید نور سے لائے گئے تھے۔ ٹیپو رنگا میں خیمہ زن ہوا جو تنگ بھدرا اور وردا کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ جنگی اعتبار سے ایک اہم مقام تھا۔ تنگ بھدرا اس کے پیچھے بہتا تھا ایک چھوٹی سی ندی وردا اس کے سامنے تھی اور دونوں پہلوؤں پر وسیع النظارہ میدان تھا۔[127]

ہری پنت کو پورا یقین تھا کہ ٹیپو تنگ بھدرا کو پار کرنے کی خطرناک مہم پر خصوصاً طغیانی کے زمانے میں عمل پیرا نہ ہوگا[128] اگرچہ ساوا نور کے نواب نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ ٹیپو دریا کے جنوبی کنارے پر فوجیں جمع کر رہا ہے اور اس کا ارادہ اسے پار کرنے کا ہے تاہم اس نے اس خبر کی طرف توجہ نہیں کی اور دھارواڑ ضلع میں میسور کے تمام علاقے پر قبضہ کرنے میں مصروف رہا۔[129] گجندر گڑھ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ بہادر بنیڈا کے مستحکم قلعہ پر دھاوا بولنے کے لیے بڑھا لیکن اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اُسے یہ پریشان کن خبر ملی کہ ٹیپو کی کچھ فوجوں نے تنگ بھدرا کو پار کر لیا ہے اس لیے اس نے 15 اگست کو ایک بڑی فوج میسوریوں کا مقابلہ کرنے اور اُن کو پریشان کرنے کے لیے بھیجی۔[130] 17 اگست کو بہادر بنیڈا پر قابض ہونے کے بعد جو غداری کی بدولت اس کے ہاتھ آیا تھا دوسرے دن اپنی تمام فوج لے کر وہ خود آگے بڑھا۔ باجی انا کی ماتحتی میں اپنی فوج کا ہراول دستہ وہ پہلے ہی بھیج چکا تھا۔ جس میں بیس ہزار آدمی تھے رگھوناتھ پٹودھن کو دس ہزار آدمیوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا تاکہ آدمیوں کے ساتھ کوپل کا محاصرہ جاری رکھا جا سکے جو بہادر بنیڈا سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ایک مضبوط قلعہ تھا[131] لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ہری پنت کی بھیجی ہوئی فوجیں ٹیپو کو تنگ بھدرا پار کرنے سے روک نہیں سکیں اور جب وہ وہاں پہنچا تو دریا کو عبور کرنے کا کام سلطان مکمل کرنے کے بعد دریا کے شمال میں ایک اہم مقام پر خیمے نصب کر کے پڑاؤ ڈال چکا تھا۔

ہری پنت نے ککلری میں پڑاؤ کیا جو ٹیپو کے کیمپ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ چند روز تک دونوں فوجوں میں صرف معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں کیونکہ ہری پنت نے ٹیپو کو در غلا کر کیمپ

سے باہر لانے کی مقدور بھر کوشش کی تا کہ اس سے جنگ ہو سکے۔ لیکن اس نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی حالت کو مضبوط تر بنانے میں مصروف رہا۔ آخر کار ۲۹ اگست کی رات کو اس نے تھوڑی فوج کے ساتھ مرہٹوں پر ناگہانی حملہ کرنے کے لیے کوچ کیا لیکن اُسے پتہ چل گیا کہ مرہٹوں کو اس کے ارادے کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ چوکنے ہو گئے ہیں ٹیپو اپنے کیمپ میں واپس آ گیا چار روز بعد ٹیپو پھر ناگہانی حملہ کرنے کے لیے نکلا لیکن اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا۔[132]

دریں اثنا ہری پنت کو جس کی فوج اب بڑھ کر ایک لاکھ کے قریب ہو گئی تھی انگا کے نواح میں ٹھہرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا کیونکہ رسد کی کمی تھی اور اس کے کیمپ میں بیماری پھیل رہی تھی۔ اس لیے وہ سوانور کی طرف بڑھا۔[133] ٹیپو نے تنگ بھدرا کے کنارے کنارے اس کا تعاقب کیا اور سوانور کے قریب پہنچ کر اوائل ستمبر میں اس نے دو شب خون مارے لیکن ان میں سے کوئی بھی فیصلہ کن ثابت نہیں ہوا۔ ۱۵ کو ٹیپو بہت مستحکم جگہ پر سوانور سے پانچ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ یہاں[134] کل گھنگی سے برہان الدین اور تید تور سے بدرالزماں خاں اس سے آکر مل گئے بدرالزماں بہت کافی مقدار میں سامان خورد و نوش لایا تھا۔[135]

چند روز تک ہر سہ پہر کو ٹیپو نے مہتم بالشان حملے کیے فوجی مظاہرے کیے لیکن دشمن کی بیرونی چوکیوں کو پیچھے ہٹا کر اپنے کیمپ میں واپس آ گیا۔[136] یکم اکتوبر کو اس نے پھر ایک ایسا ہی فوجی مظاہرہ کیا اور اس امید کے ساتھ کہ مرہٹے دھوکا کھا جائیں گے کہ پہلے ہی کی طرح وہ ان پر کوئی بڑا حملہ نہیں کرے گا اس نے شب خون مارنے کا فیصلہ کیا اس نے فوج کو چار صفوں میں تقسیم کیا۔ قلب لشکر کے میسرہ کی کمان اس نے خود سنبھالی قلب لشکر کے میمنہ کی کمان مرزا خاں کے سپرد کی میسرہ برہان الدین کے زیر کمان دیا اور میمنہ معین الدین کے سپرد کیا۔ اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ پہلے سے طے شدہ مقام پر پہنچ کر ٹیپو اشارہ کرنے کے لیے ایک توپ داغے گا جس کا جواب فوراً دوسری صفوں کے سربراہ دیں گے تا کہ ہر ایک کو اندازہ ہو جائے کہ دوسرے کہاں ہیں اور فوراً حملہ شروع کر دیا جائے گا فوجیں شام کے کھانے کے فوراً بعد روانہ ہوئیں لیکن تاریکی اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے سب صفوں کے سربراہ سوائے خود اس کی صف کے راستہ بھول گئے نتیجہ یہ ہوا کہ جب ٹیپو دشمن کے کیمپ کے پاس پہنچا اور اشارے کے لیے توپ داغی تو اس کا جواب نہ ملا خاصی دیر کے بعد جب اس نے دوسری توپ داغی تو اس کا جواب صرف ایک کمانڈر نے دیا طلوعِ سحر سے کچھ پہلے وہ دشمن

کے کیمپ میں گھس گیا وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ صرف تین سو آدمی تھے تاہم پو پھٹنے کے وقت اس نے اپنی فوجوں کو اکٹھا اور منظم کر لیا لیکن دشمن کا کیمپ خالی ملا مرہٹوں نے اپنے جاسوسوں سے یہ خبر پا کر کہ ٹیپو زبردست حملہ کرنے والا ہے میدان چھوڑ کر قریب ہی ایک اونچی زمین پر اپنا کیمپ قائم کر لیا تھا اور وہاں سے انھوں نے گولہ باری شروع کر دی تھی۔ ٹیپو نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ جواب میں گولے نہ برسائیں تاکہ مرہٹے یہ خیال کریں کہ ان کے پاس دور مار توپیں نہیں ہیں اور اس پر حملہ کے لیے آگے بڑھ آئیں۔ یہ ترکیب کام دے گئی اور دشمن کی فوجیں آگے بڑھ آئیں جیسے ہی وہ قریب آئے اس نے زبردست گولہ باری شروع کر دی جو تقریباً سات گھنٹے تک جاری رہی اس نے مرہٹوں کی صفوں میں سراسیمگی پھیلا دی اور وہ کافی نقصان اٹھانے کے بعد شہر سوانور کے بائیں[137] طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دن عیدالاضحیٰ تھی اس لیے ٹیپو نے فوجی نقل و حرکت بند کر دی لیکن تیسرے دن اس نے پھر حملہ کیا اور مرہٹوں کو ان کے مورچے سے ہٹا دیا[138] میسوریوں کے ہاتھوں بار بار نقصان اٹھانے کی وجہ سے اور چارہ اور سامانِ رسد کی فراہمی میں مشکلات درپیش آنے کی وجہ سے ہری پنت نے سوانور خالی کر دیا[139] اور مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ نواب نے بھی یہ دیکھ کر کہ وہ اکیلا سلطان کا مقابلہ نہ کر سکے گا 2 اکتوبر کو پایہ تخت خالی کر دیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر اتحادیوں کے پاس چلا گیا[140] فوج جو قلعہ کی حفاظت کے لیے چھوڑی گئی تھی وہ مقابلہ نہیں کر سکتی تھی ٹیپو مقامی باشندوں کی مدد سے سوانور میں داخل ہو گیا[141]

ٹیپو سوانور میں یکم محرم 1201ھ (24 اکتوبر 1786)[142] تک مقیم رہا وہاں سے وہ محرم منانے کے لیے نواح بنکاپور میں چلا گیا۔ ہری پنت نے اسے طرح طرح سے ورغلا کر میدان میں لانے کی کوشش کی مگر وہ اس اہم مقام سے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا جہاں اس نے اپنا کیمپ قائم کیا تھا وہ اس وقت بھی حرکت میں نہ آیا جب ہری پنت نے شیرہٹی کا محاصرہ کرنے کے بعد 14 نومبر کو اس پر قبضہ کر لیا جو سوانور کے شمال مشرق میں تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ایک قلعہ بند شہر تھا۔ 30 نومبر کو اپنا بھاری سامان بنکاپور محفوظ کر کے ٹیپو وہاں سے روانہ ہوا اور دریائے وردا کے کنارے کنارے چل کر ایک ندی کے کنارے پر پٹا ڈنڈالا جو ہنگا کے شمال میں تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہے یہ جگہ مرہٹوں کے کیمپ سے زیادہ دور نہیں تھی ہری پنت نے جب دیکھا کہ دشمن بہت قریب آگیا ہے تو اس نے کلگری واپس جانے کا فیصلہ

2 دسمبر کو ٹیپو نے اتحادیوں پر جو ٹلیکری کی طرف بڑھ رہے تھے ایک زبردست شب خون مارا کیا[143] اور اُن کی فوج میں افراتفری پھیلا دی۔ غالباً ہولکر کو اس حملے کی خبر تھی اور اس نے چشم پوشی سے کام لیا تھا۔ مالٹ کہتا ہے اس سے مرہٹوں کو سخت دھکا لگا اور میرا خیال ہے کہ اس کے جو نتائج برآمد ہوں گے اس سے یہی ثابت ہوگا۔ تاہم ہری پنت کا نقصان زیادہ نہیں ہوا۔[144] تہور جنگ اور بھونسلے کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا۔ مجروحین اور مقتولین کی بڑی تعداد کے علاوہ ان کا تمام فوجی سامان چھن گیا یہ اس لیے ہوا کہ ہری پنت کو چونکہ شب خون کا خطرہ تھا اس نے اپنی سپہر کو پہلے ہی بھیجدیا چنانچہ وہ بغیر زیادہ نقصان اُٹھائے پیچھے ہٹ گیا[145] اس کے برخلاف تہور جنگ اور بھونسلے کو ٹیپو نے گھیر لیا یہ زیادہ تر اس بھاری سامان کی وجہ سے ہوا جو ان کے ساتھ تھا۔ حالانکہ ہری پنت نے اُنھیں رائے دی تھی کہ بھاری سامان ساتھ نہ رکھیں[146] بڑی تعداد میں عورتیں دو ہزار اونٹ اور دو ہزار گھوڑے بھی ٹیپو کے ہاتھ آئے۔ اس نے گرفتار شدہ مردوں اور عورتوں کو اتحادیوں کے حوالے کر دیا اور ہر قیدی کو دو روپے اور ایک ایک چادر دی[147] لیکن باقی مال غنیمت روک لیا۔

اس فتح کے بعد ٹیپو وارداا ور منگ بھدرا کے کنارے والی ناہموار زمین پر آگے بڑھا اور کوپل اور بہادر بینڈا کے درمیان پڑاو ڈالا۔ 3 جنوری کو اس نے بہادر بینڈا کا محاصرہ شروع کیا اور 8 جنوری تک تین مرتبہ اس پر گولہ باری کی مگر بہت نقصان اُٹھا کر پسپا ہوا۔ اس کے بعد چند روز کے لیے جنگ بند ہوگئی اور صلح کے لیے گفت و شنید شروع ہوئی لیکن چونکہ گفتگو ناکام رہی اس لیے گولہ باری پھر شروع ہوگئی[148]۔ 3 جنوری کو دیوار پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کی گئی[149] حفاظتی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر یہ دیکھ کر کہ مدد ملنے کی کوئی اُمید نہیں ہے اور ان کے کماندار کو ٹیپو نے گولی مار دی ہے تو انھوں نے جان کی امان اور مرہٹہ فوج میں جانے کی آزادی پا کر ہتھیار ڈال دیے[150] بہادر بینڈا بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا پھر بھی ٹیپو نے اُسے فتح کر لیا۔ مالٹ کے خبر رساں بون نے لکھا ہے کہ "یہ سخت حیرت انگیز ہے کہ اس قدر مضبوط قلعہ جیسا کہ یہ ہے سات آٹھ دن میں فتح کر لیا اور مرہٹہ فوج چار یا پانچ فرسخ کے فاصلے پر موجود رہی ہے[151]۔

بہادر بینڈا پر قبضہ کرنے کے بعد ٹیپو نے اتحادی فوجوں پر ناگہانی حملے شروع کر دیے اور انھیں سخت نقصان پہنچایا۔ نظام کی فوجیں غیر منظم تھیں کم چوکس اور بھاری سامان سے لدی

پھندی تھیں اس لیے انھیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا[152] ۱۰ فروری تک ان حملوں کا سلسلہ جاری رہا جنگ بند ہو گئی۔

صلح نامے پر دستخط

مرہٹہ میسور جنگ مرہٹوں اور نظام نے چھیڑی تھی جو ٹیپو کی طاقت کو کم کرنے کی اور اپنے ان علاقوں کو واپس لینے کی فکر میں تھے جو اس کے باپ نے فتح کر لیے تھے دوسری طرف ٹیپو ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا، بہ شرطیکہ وہ اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں اور اسے ان مقبوضات سے استفادہ کرنے دیں جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں حاصل ہوئے تھے۔ اس لیے اس نے نانا کو اپنے باج گزار نارگنڈ کے حکام کی مدد کرنے سے روکنے کی کوشش کی اور بادامی پر جو اس کی سلطنت کا ایک حصہ تھا حملہ کرنے سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی۔[153] لیکن مرہٹوں کے جارحانہ عزائم کی وجہ سے اس کی مصالحانہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور اس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارا نہ رہا کہ وہ اپنی سلطنت کے دفاع کے لیے تلوار میان سے کھینچ لے تاہم پونا میں مالٹ کی ساز باز کے خطرے اور لارڈ کارنوالس کی جنگی تیاریوں کی وجہ سے ستمبر 1786 میں ٹیپو نے اپنے وکیل نور محمد کی معرفت ہری پنت کو ایک خط بھیجا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ نرگنڈ کے معاملات میں پیشوا کی مداخلت کی وجہ سے جنگ برپا ہوئی لیکن یہ ایک معمولی بات ہے جس پر ہمیں جنگ آزمانہ ہونا چاہیے۔ اس لیے مرہٹہ دربار کو چاہیے کہ وہ اپنے دو وکیل بھیجے جو صلح کی شرائط طے کریں۔ یہ میسور اور مرہٹہ دونوں حکومتوں کے مفاد میں ہے کہ وہ متحد ہو کر رہیں[154] ایسا ہی ایک خط پونا بھیجا گیا نومبر میں ٹیپو نے پھر صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔ اس مرتبہ گنگا دھر راستے اور تکوجی ہولکر کو واسطہ بنایا گیا اب تک ٹیپو کی طرف سے صلح کی جتنی تجویزیں پیش ہوئی نانا نے وہ سب مسترد کر دیں کیونکہ اسے انگریزوں سے فوجی امداد کا پختہ یقین تھا[155] وہ اصل میں اس وقت تک ٹیپو سے کوئی تصفیہ نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک مرہٹوں کے وہ تمام علاقے واپس نہ مل جائیں جن پر حیدر نے قبضہ کر لیا تھا۔ مگر جب کارنوالس نے پیشوا کو امداد دینے سے اپنی معذوری ظاہر کی تو نانا نے ہری پنت کو اجازت دے دی کہ وہ ٹیپو سے صلح کی شرائط معلوم کرے۔ چنانچہ ٹیپو نے بدرالزماں خاں اور علی رضا خاں کو مرہٹہ کیمپ میں بھیجا اور ہری پنت نے تکوجی ہولکر اور

گنگادھر راؤ راستے کو ان سے گفتگو کے لیے مقرر کیا۔

ٹیپو نے جو شرائط تجویز کیے وہ یہ تھے کہ مرہٹے تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیان والے علاقے پر اس کے اقتدار اعلیٰ اور فرماں روائی کو تسلیم کریں اور لڑائی کے دوران جو مقامات انھوں نے حاصل کر لیے ہیں ان کو بحال کریں۔ اس کے بدلے میں وہ خراج کے بقایا اڑتالیس لاکھ روپے ادا کرے گا۔ بتیس لاکھ روپے فوراً ادا کیے جائیں گے اور سولہ لاکھ روپے چھ مہینے کے بعد مستقبل میں 1780 کے معاہدہ کے مطابق بارہ لاکھ سالانہ وہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا۔[156] لیکن ہری پنت نے یہ تجویزیں رد کر دیں اور جواب دیا کہ صرف اس وقت صلح ہونے کا امکان ہے جب ٹیپو ادونی کو مہابت جنگ کے حوالے کر دے اور مرہٹوں کو وہ علاقہ واپس دے جو پیشوا مادھوراؤ کے زمانے میں ان کے قبضے میں تھا۔[157] ٹیپو نے یہ شرائط ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ مطالبہ کہ وہ اپنے باپ کی ان فتوحات سے دست بردار ہو جائے جنھیں پیشوا پہلے تسلیم کر چکا ہے انتہائی غیر منصفانہ تھا۔ اس پر ہری پنت نے تجویز پیش کی کہ ٹیپو کالوپنت کو رہا کر دے اور ادونی کٹور، نرگنڈ اور سوانور کو ان کے حکمرانوں کے حوالے کرے، بادامی گجندر گڑھ پیشوا کو واپس کرے بقایا خراج پیشوا کو ادا کرے اور وعدہ کرے کہ آئندہ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتا رہے گا۔ یہ مسودہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ٹیپو کے لیے قابل قبول تھا۔[158] وہ کالوپنت کو رہا کرنے اور ادونی نرگنڈ اور کٹور کو بھی ان کے حکمرانوں کے حوالے کرنے پر تیار تھا لیکن سوانور کو عبدالحکیم خاں کے حوالے وہ اس لیے نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کا باج گزار تھا اور اس پر ایک بڑی رقم واجب الادا تھی۔ اس کی بحالی کا مطالبہ صرف اس وقت کیا جا سکتا تھا جب نواب اپنے واجبات ادا کر دے۔ تاہم وہ بادامی پیشوا کے حوالے کرنے اور بقایا خراج ادا کرنے پر اور آئندہ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دینے پر تیار ہو گیا۔ بدلے میں اس نے مرہٹوں سے وعدہ لینا چاہا کہ وہ تمام وہ مقامات اسے واپس کریں گے جن پر انھوں نے جنگ کے دوران قبضہ کر لیا ہے اور جن میں گجندر گڑھ اور دھارواڑ بھی شامل ہیں اور اس سے ایک مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کریں اور آئندہ اسے "بادشاہ" کے خطاب سے مخاطب کریں۔[159]

مرہٹے اب تک جنگ میں بہت نقصان اٹھا چکے تھے جو ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی تھی اور انگریزوں نے ان کی مدد کرنے سے چونکہ انکار کر دیا تھا اس لیے جنگ میں ان کی

کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چنانچہ ہری پنت نے سوا اس تجویز کے تمام تجویزیں منظور کرلیں کہ ٹیپو آئندہ سے بجائے ٹیپو یا فتح علی خاں کے بادشاہ کے لقب سے مخاطب کیا جائے گا۔ تاہم جب تو کوجی ہولکر نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ معمولی سی بات ہے تو مصالحت کی راہ پیدا ہوگئی اور ہری پنت اس پر راضی ہوگیا کہ آئندہ ٹیپو کو نواب ٹیپو سلطان فتح علی خاں کہہ کر مخاطب کیا جائے گا۔[160] چونکہ تمام نزاعی باتیں طے ہوگئی تھیں ٹیپو اور پیشوا کے درمیان اپریل 1787ء میں ایک معاہدہ صلح پر دستخط ہو گئے۔[161] گو مہابت خاں کا ذکر معاہدے میں تھا لیکن نظام کو اس کا ایک فریق نہیں بنایا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مرہٹے نظام سے غیر مطمئن اور ناخوش تھے کیونکہ اس نے جنگ میں برائے نام مدد دی تھی تاہم جب نظام نے اس کو صلح نامہ سے الگ تھلگ رکھے جانے کی حکومت سے شکایت کی تو اس کو بھی معاہدے میں شریک کر لیا گیا اور ٹیپو اس کی سرحدی چوکیاں واپس کرنے پر راضی ہوگیا جن پر میسوریوں نے جنگ کے دوران قبضہ کر لیا تھا۔[162]

صلح پر نکتہ چینی

ہر چند ٹیپو نے فتح حاصل کر لی تھی تاہم امن کے حصول میں وہ ناکام رہا یہ صلح نامہ اگر میسور کے لیے ایک سفارتی ناکامی تھا تو مرہٹوں کے لیے اس میں فتح مندی تھی جو میدانِ جنگ میں اگرچہ شکست کھا گئے تھے تاہم اپنے لیے بہتر اور سودمند شرائط منوانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ دوسری طرف ٹیپو کو نہ کوئی علاقہ ملا تھا اور نہ اسے تاوان ہی دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُسے رائچور اور ادونی نظام کے حوالے کرنے پڑے اور مرہٹوں کو خراج کے بقایا کی ایک بڑی رقم دینی پڑی اور اُن کے حق میں کتور نرگنڈ اور بادامی سے دست بردار ہونا پڑا یہ وہی مقامات تھے جن کی مدافعت کے لیے وہ نبرد آزما ہوا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے محاصل کم نہیں ہوئے کیونکہ اس نے کنیک گری، اناگونڈی اور سوانور کے حکمرانوں کو ہٹا کر اُن کے علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن جو علاقے اُس نے مرہٹوں کے حوالے کر دیے تھے ان کے نکل جانے سے اس کی سلطنت کی وسعت کم ہوگئی اس کے علاوہ کتور نرگنڈ اور بادامی اس کی سرحدوں پر واقع تھے اور جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے بہت اہم تھے اور مرہٹوں کے لیے ایسا موقع فراہم کرتے تھے کہ وہاں سے وہ ایک چھلانگ میں میسور

پر دھاوا بول سکتے تھے ٹیپو نے مرہٹوں کے شرائط پر قبول کرنے میں اس لیے فراخ دلی سے کام لیا تھا کہ لارڈ کارنوالس کے جوڑ توڑ اور فوجی تیاریوں کے پیشِ نظر مرہٹوں سے دوستی کے رشتے کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ شروع میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو رعایتیں مرہٹوں کے ساتھ کی گئیں ہیں ان کی تلافی اس جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد سے ہوگئی ہے جو مرہٹوں اور نظام کے ساتھ اس نے قائم کر لیا ہے لیکن حقیقتاً وہ رعایتیں بالکل لاحاصل رہیں کیونکہ کچھ ہی عرصے بعد پیشوا نے یہ معاہدہ توڑ دیا اور اس کو زیر کرنے کے لیے انگریزوں سے اتحاد کر لیا۔

جنگ میں ٹیپو کی کامیابی کے اسباب

ٹیپو نے اس جنگ میں قابلِ لحاظ جنگی مہارت اور ہوشمندی کا مظاہرہ کیا اس نے تُنگ بھدرا کو اس وقت عبور کیا جب اس میں سیلاب آیا تھا اور بار بار شب خون مار کر اتحادیوں کو تباہ کن شکستیں دیں جس سے وہ عاجز آگئے اور صلح کی تجویزیں رکھنے پر مجبور ہوگئے۔

ٹیپو نے جنگی حکمتِ عملی میں بھی بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا وہ دریا کے کنارے کے قریب رہا۔ جہاں زمین ڈھلوان پتھریلی اور دشوار گذار تھی اور اس پر مرہٹوں کی سوار فوج کی نقل و حرکت اگر دشوار تھی تو ٹیپو کی فوج کے اقدامات کے لیے نہایت موزوں تھی اور یہی بات اس جنگ میں فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ ہری پنت نے بہت کوشش کی کہ اس کو ورغلا کر وہاں سے ہٹا لائے لیکن اس نے اپنی جگہ نہ چھوڑی۔ جنگ کے موقع پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے زمین کا انتخاب وہ ہمیشہ خود کرتا تھا اور مہم میں قیادت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

اس کے علاوہ دریا کے کنارے مارچ کے دوران ٹیپو کو تُنگ بھدرا کے جنوب میں اپنی سلطنت سے ضرورت کا سامان حاصل کرنے میں آسانی رہتی تھی اس کے برخلاف مرہٹوں کو اپنی ضرورت کا سامان بڑے طویل راستے سے لانا پڑتا تھا جو سیلاب زدہ ندیوں اور چشموں کی کی وجہ سے بہت مشکل کام تھا۔ ٹیپو کے خبر رسانی کے محکمہ کے ہوشمند کارگذار اس کے بے قاعدہ سواروں کو اطلاع دیتے تھے اور راستے میں مرہٹوں کا سامان پکڑ لیتے تھے۔ رسد کی کمی بھی جنگ میں مرہٹوں کی شکست کی بڑی حد تک ذمہ دار تھی۔

مزید برآں اتحادیوں کی فوجیں غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ تھیں اور چونکہ ان کو تنخواہیں نہیں ملی تھیں اس لیے غیر مطمئن بھی تھیں نظام کی فوجیں بے دلی کے ساتھ جنگ میں شرکت

کر رہی تھیں کیونکہ اس سے انھیں کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کی توقع نہ تھی ہولکر کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ وہ ٹیپو سے تنخواہ پاتا ہے اس کے پنڈاریوں نے کئی مرتبہ فوج کا سامان لوٹا تھا[163]۔ اسی طرح اتحادیوں کے دوسرے ارکان بھی اپنے فائدے کی باتوں پر نظر رکھتے تھے اور جوش اور سرگرمی سے جنگ جاری رکھنے کے بجائے ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ دوسری طرف ٹیپو کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ ساری فوج پر بلا شرکت غیرے اس کا حکم چلتا تھا جملوں میں اس کی ذاتی رہنمائی کی وجہ سے اس کے کمانڈر آپس کے رشک و حسد یا رقابت کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی فوجیں بہت تربیت یافتہ تھیں اور ان میں نظم و ضبط تھا اور ان کی ہمتیں بلند تھیں۔ اگرچہ بہ اعتبار تعداد اتحادی فوجوں سے وہ کم تھیں تاہم اس کی پیدل فوج اور توپ خانے[164] کی برتری نے اس کمی کو پورا کرنے کا زیادہ کام کیا تھا اس کی سوار فوج زیادہ نہ تھی مگر غازی خاں اور ولی محمد اور ابراہیم خاں کی ماتحتی میں اس کے بے قاعدہ سواروں نے دشمن کو پریشان کرنے اور اس کی رسد کی راہیں روکنے میں بڑی اہم خدمات انجام دیں۔

ریاڈرگ اور ہرپن ہلی کا الحاق

مرہٹوں سے صلح ہو جانے کے بعد ریاڈرگ کے پالیگار ونکاپتی کو اور ہرپن ہلی کے پالیگار بسپا نائک کو مرہٹہ میسور جنگ کے دوران کی بغاوت اور غداری پر انھیں سزا دینے کے لیے ٹیپو روانہ ہوا[165]۔ ایک بار پہلے حیدر علی انھیں وفاداری کا عہد کرنے کے بعد مرہٹوں اور نظام سے ساز باز کرنے پر معاف کر چکا تھا بہر کیف جب مرہٹہ میسور جنگ شروع ہوئی تو انھوں نے ٹیپو کے دشمنوں سے پھر ساز باز شروع کر دی۔ چونکہ دونوں پالیگار جنگ کے دوران ٹیپو کے ساتھ رہے تھے اس لیے اس کی نقل و حرکت کے متعلق مخفی اطلاعات انھوں نے مرہٹوں کو بھیجیں جب ٹیپو سوانور میں تھا تو انھوں نے اس کو قتل کرنے کے لیے دو مسلمانوں کو رشوت دی[166] مگر اس سازش کا راز کھل گیا ٹیپو چونکہ اس وقت جنگ میں مصروف تھا اس لیے اس نے سازشیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد ان کو سزا دینے کا اس نے فیصلہ کیا[167]۔

ریاڈرگ اور ہرپن ہلی کے پاس پہنچ کر ٹیپو نے قلعوں پر ناگہانی حملوں کے لیے دو ہزار آدمی بھیجے اور اسی کے ساتھ پالیگاروں کو ان کے دو مسلمان سازشیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ اگلے دن سازشیوں کو جنگی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا عدالت نے انھیں موت کی سزا دی۔ دونوں مسلمان مجرموں کو فوراً پھانسی دے دی گئی لیکن دونوں پالیگاروں کی سزائے موت

کو قید کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا اور قیدی بنا کر وہ بنگلور بھیج دیے گئے[168] ریاڈرگ اور ہرین ہلی کو ٹیپو نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ٹیپو بادشاہ کا لقب اختیار کرتا ہے۔

ہرپن ہلی اور ریاڈرگ سے ٹیپو نے بنگلور کی طرف کوچ کیا جہاں وہ تقریباً پندرہ روز تک قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد سرنگا پٹم چلا گیا[169] وہاں پہنچنے کے چند روز بعد اس نے "بادشاہ" کا لقب اختیار کر لیا۔ اس یادگار واقعے کا جشن جمعہ کے دن منایا گیا۔ کئی لاکھ روپے غریبوں میں تقسیم کیے گئے اور خطبے میں کمزور مغل شہنشاہ[170] کے نام کی جگہ ٹیپو سلطان بادشاہ کا نام پڑھا گیا۔ انہی دنوں ٹیپو نے روپیہ کا نیا سکہ جاری کیا جس کا نام اس نے "انعامی"[171] رکھا "مولد احمدی" نام کا دور شروع کیا جس کا حساب ہجری سنہ کے آغاز سے تقریباً تیرہ برس پہلے شروع کیا گیا[172] اس نے حکم دیا کہ سونے کا ایک تخت تیار کیا جائے جس میں جواہرات اس طرح جڑے جائیں کہ شیر کی شکل بن جائے[173]

باب 6 کے حاشیے

1. Sinha, Haidar Ali PP. 5, 20, 22
2. Ibid, PP. 23-5, wilks vol. i, PP. 410-13
3. wilks: vol. i, PP. 714-15
4. Ibid., P. 726
5. تاریخ خداداد (I.O. MS) ص 24 ؛ سار دیسائی مرہٹی ریاست ترجمہ اگ، جلد اوّل، ص 217، بحوالہ جرنل آف دی انڈین ہسٹری، جلد 11، ص 319
6. دوسری طرف نانا نے انگریزوں پر یہ ظاہر کیا کہ حیدر کا وہ بڑا دوست ہے اور اس سے ایک نیا معاہدہ بھی کیا ہے جس کے ایک فریق فرانسیسی بھی ہیں۔ اس قسم کے داؤں پیچ سے نانا کمپنی سے سالبیٹ یا حیدر سے مرہٹہ علاقے واپس لینا چاہتا تھا۔

Khare, vol. vii, Intro P. 3656, Duff, vol. ii, P. 153)

7. Khare vol. vii, Intro, P. 3657
8. wilks: vol. ii, P. 112
9. Khare vol. vii, No. 2677
10. N.A. Sec Pro., April 13, 1784, Anderson to Hastings, Feb. 15.
11. Khare vol. vii, No. 2681, 2695
12. N.A. Sec Pro., July 7, 1783
13. N.A. Sec. Pro., Nov. 10, 1783 Anderson to Hastings, Oct. 22 Sardesai, New History of the Marathas, vol. iii, P. 176
14. N.A., Sec. Pro., Nov. 10, 1783, Anderson to Hastings, Oct. 22
15. حدیقہ، ص 354-55؛ Khare, vol. vii, PP. 3840-41
16. حدیقہ، ص 355-56
17. حدیقہ کی روایت کے مطابق نظام 9 فروری 1784ء کو حیدرآباد روانہ ہوا، 6 جون کو نانا سے اس کی ملاقات ہوئی

اور 7 جون کو یادگیر سے واپسی کے لیے چل پڑا۔

حدیقہ، ص 357

18. ایضاً، ص 358

19. N.A. Sec.Pro., Residentat Hyderabad to Hastings Aug. 3

20 wilks vol. ii, P. 284

21. Duff vol. ii, P. 158

22 یہ باب زیادہ تر میرے مضمون "ٹیپو کا حملہ نارگنڈ پر" سے ماخوذ ہے۔

23. نارگنڈ ضلع دھرواڑ (میسور) میں ہے۔

24. Sinha, Haider Ali P. 134

25. See P. 81, Supra Khare vol. vii, No. 2668

26. Duff vol. ii, P. 7

27. کرمانی، ص 283

28. Khare vol. vii, P. 3893

29. وکیلوں کو اس خراج کے متعلق بھی گفتگو کرنی تھی جو میسور حکومت نے تین سال پیشوا کو ادا نہیں کیا تھا لیکن اصل مقصد ان کے پونا جانے کا یہ تھا کہ وہ نانا کو خوش رکھیں تاکہ وہ ڈیسائی کی مدد نہ کرے۔

30. سوستھانی برہمنوں کی ایک ذات تھی جن کے پاس موروثی جاگیریں تھیں۔

31. Kirkpatrick letter of Tipu Sultan Nos. 3, 27

32. کرمانی، ص 87-286

33. Khare vol. viii, No. 2811

34. چند خطوط میں لفظ 'بازار' بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ نارگنڈ کے بازار کا محلِ وقوع جنگی اہمیت رکھتا تھا اور ایک وسیع قطعۂ اراضی پر پھیلا ہوا تھا۔

35. Ibid, P. 3894

36. Ibid, No. 2813

37. Ibid

38. Ibid Nos. 2815 – 2824 – 3897
متولی ضلع بلگام میں ایک شہر ہے۔ رام ڈرگ اور مڈھول بھی ضلع بلگام میں ہیں۔

39. Ibid, PP. 3895-6

40. Ibid, No. 2816-2817

41. Ibid, No. 2825

42. Duff vol. ii, P. 167

بینی ہلا جسے ملعن کا چشمہ بھی کہتے ہیں دھاروار ضلع میسور سے گزرتا ہے۔

43. کرمانی، ص 287

44. Khare vol. viii, No. 2830 Nana to Bhau, April 7, 1785

45. India, Nos. 2820, 2828, Nana to Bhau, April 6, 1785

46. Ibid, Nos. 2838, See also P. 3701

47. Ibid

48. Selections, Forest Maratha Series, vol. 1, P. 518

49. Ibid

50. Ibid

51. Ibid, Khare, vol. viii, No. 2818

52. کرمانی، ص 288؛ wilks, vol. ii, P. 285 Khare vol. vii, P. 2902

53. wilks, vol. ii, P. 286

54. Ibid

55. بادامی ضلع بیجاپور (میسور) میں ایک گاؤں ہے۔

56. Ibid

57. Ibid, No. 2869 P.A. MS. No. 5356, Montigny to Souillac Nov. 30. 1785

58. Khare vol. viii, No. 2861

59. یہ قلعہ ملوالی (ضلع میسور) کے ایک تعلقہ کی مرزوملی پہاڑی پر واقع ہے۔ حیدر اور ٹیپو اسے سیاسی قیدیوں کو رکھنے کے لیے جیل خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ Khare vol. viii, Nos. 2869-2870

60. ونٹ راؤ اور کالوپنت پہلے سرنگاپٹم بھیجے گئے پھر وہاں سے کبل درگ کے قلعے میں منتقل کیے گئے۔ 1787ء میں

مرہٹہ میسور جنگ کے اختتام پر انھیں رہا کر دیا گیا۔ Duff vol. ii, P. 168

61. کھرے کے خیال میں یہ ایک من گھڑت کہانی ہے۔ (Khare vol. viii, P. 3905)

62. یہ ایک گاؤں ہے ضلع بلگام (میسور) میں۔

63. Khare vol. viii, P. 2897

64. Stokes, Belgaum, cited in Belgaum Gazetteer, Bombay, P. 386

65. یہ سارے مقامات ضلع بلگام (میسور) میں ہیں۔

66. R.P.C. vol. ii, No. 17

67. Khare, vol. viii, P. 3902

68. Ibid, No. 2923

69. حدیقہ، ص 362-63

70. یہ ایک مقدس مقام ہے بمبئی کے ضلع شولاپور میں۔

71. Khare, vol. viii, PP. 3996 - 7, Duff vol. ii, P. 172

72. N.A. Sec Pro., April 4, 1789 Khare vol. viii, No. 2966

73. حدیقہ، ص 365

ڈف کا یہ بیان غلط ہے کہ نظام کو اتحادیوں کا مفتوحہ ایک تہائی علاقہ ملنا تھا۔ وہ اسے کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا تھا، خصوصاً اس حالت میں جب نانا نے اسے بیجاپور دینے سے بڑی حد تک انکار کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں ایک سال پہلے ان دونوں کے درمیان مفتوحہ علاقوں کو برابر برابر تقسیم کیے جانے کا معاہدہ ہو چکا تھا۔

74. حدیقہ

75. ایضاً، ص 395

76. P.R.C. vol. ii, No. 5, Khare vol. viii, No. 2906

77. Ibid, PP. 3998 - 9; P.R.C. vol. ii, No. 5, Khare vol. viii No. 2975

78. لیکن مالٹ کے بیان کے مطابق نظام نے پندرہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے وہیں چھوڑے تھے۔

79. Duff vol. ii, P. 173

80. حدیقہ، ص 365

81. حدیقہ، ص 362

82. P.R.C. vol. ii, No. 9

83. Ibid

میر عالم کا بیان ہے کہ فوج کی تعداد دو ہزار تھی۔ (حدیقہ، ص 367)

84. P.R.C. vol. No. 9, Duff vol. ii, P. 173

85. Ibid, Khare, vol. viii, No. 2981

86. حدیقہ (ص 367) کے مطابق حفاظتی فوج کو چند روز تک گرفتار رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا تھا۔

87. یہ میسور کے ضلع دھارواڑ میں ایک شہر ہے۔

88. کرمانی، ص 301

89. یہ میسور کے ضلع دھارواڑ میں ایک بڑا گاؤں ہے۔

90. Khare, vol. viii, P. 40009. Duff vol. ii, P. 174

91. India, vol. ii, P. 302, See also Bombay Gaz., vol. xxii, PP. 798 – 800

92. wilks vol. ii, P. 303

93. Khare, vol. viii, P. 410 Ibid

94. Duff vol. ii, P. 176

95. یہ ضلع دھارواڑ (میسور) میں ایک گاؤں ہے۔

96. Khare, vol. viii, P. 4010

97. Ibid, Nos. 2990, 2993

98. wilks, vol. ii, P. 295

99. حدیقہ، ص 361

100. Ibid, PP. 361-62 ؛ تاریخ خداداد (I.O. MS) ص 24، 25، 64؛ سلطان التواریخ و 31، 52

101. حدیقہ، ص 362

102. ایضاً، ص 366-67

103. P.R.C. vol. ii, No. 11

104. تاریخ خداداد I.O.Ms P.P. 24,25,64 ؛ سلطان التواریخ، و 31 ' 52

105. کرمانی، ص 301

کوسگنی کا بیان ہے کہ جنگ میں ٹیپو کے ساتھ پچاس ہزار سوار، ایک سو بارہ توپیں اور بارہ دور انداز توپیں تھیں۔

106. P.R.C. vol. ii, No. 11, A.N.C² 172 Cossigny to de Cootries Jan. 23, 1786, f. 65 a

107. Khare, vol. viii, P. 4013

108. کرمانی، ص ؛ wilks vol. ii, P. 296

109. ڈف کہتا ہے کہ ہری پنت نے کرسٹ راؤ اور بلونت کو بھیجا تھا۔ (Duff, vol. ii, P. 175)

110. لیکن کھرے کے مطابق جو شخص بھیجا گیا تھا وہ اپا بلونت تھا۔

111. Khare, vol. viii, No. 2991

112. Duff, vol. ii, P. 175

113. Mack Ms. Mad. 15-4-13 (Adoni) A.N.C² 172, Lallee

114. to Cossigny, Jan. 23, 1786, f 65 a

115. کرمانی، ص 302 ؛ Khare, vol. viii, No. 2987

116. کرمانی، ص 306 ؛ Khare, vol. viii, No. 2991

میر عالم نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے مالٹ کی اطلاعات کے ذریعے مرہٹوں کی خبر رسانی کی ایجنسی تھی۔

117. Ibid, P. 4015

118. کرمانی، ص 306

119. Khare, vol. viii, No. 3000

120. P.R.C. vol. ii, No. 14

121. Duff, vol. ii, P. 167, Khare, vol. viii, P. 4016

122. wilks vol. ii, P. 298

123. کرمانی، ص 307

124. ایضاً، ص 8-307

125. Khare viii, No 3013. P. 3875

تاریخ خداداد (I.O. MS.) ص 70

126. اس گھاٹ کی نشاندہی مشکل ہے کیونکہ تنگابھدرا پر بہت سے گھاٹ ہیں۔ ڈف اسے پایاب گھاٹ کہتا ہے لیکن محل وقوع کی نشاندہی نہیں کرتا۔

ولکس نے اسے ’روک ناٹ‘ کہا ہے۔

کھرے کے بیان کے مطابق اس پایاب گھاٹ کو گھاٹ ناتھ کہتے ہیں اور یہ دھارواڑ ضلع کی ہومیری تحصیل میں واقع ہے لیکن یہ تمام بیانات صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ اصل میں اس پایاب گھاٹ کو پہلا ہوس کے قریب ہونا چاہیے۔ جو ہوس میٹھ ضلع بلاری سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔ اسے کرمانی گوروک ناتھ کہتا ہے (نشان حیدری و 123) اس کے علاوہ بھاڑ تنگ بھدرا کو عبور کرنے کے بعد ٹیپو خیمہ زن ہوا تھا وہ جگرات گٹ ہے جو ضلع سونور سے 27 میل جنوب میں ہے۔

127. Khare, vol. viii, No. 303, P.R.C., vol. ii, No. 23

128. Khare, vol. vii, PP. 4016 – 17

129. P.R.C. vol. ii, Nos. 20, 23, Khare, vol. viii, No. 3013

130. Khare, vol. viii, No. 3013, P.R.C. vol. ii, No. 23

131. Khare, vol. viii, No. 3015

132. Ibid, P. 4022

133. Ibid, P. 4023, Duff, vol. ii, P. 177

گیہوں ایک روپے کا چھ سیر، چنا آٹھ سیر اور گھی ایک روپے کا ڈیڑھ سیر تھا۔ (P.R.C. vol. ii, No. 21)

134. Wilks vol. ii, P. 700, Khare, vol. viii, P. 4024

کل گھٹی (میسور میں) ضلع دھارواڑ کا ایک تعلقہ ہے۔

135. کرمانی، ص 314

136. Wilks vol. ii, P. 300

137. تاریخ خدادادی (I.O.MS.) ص 8-47، سلطان التواریخ، و 9-57

گو کھرے نے مرہٹوں کی شکست کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ پسپا ہوئے تھے۔
(P.R.C. vol. ii, No. 26)

138۔ سلطان التواریخ و 59

139۔ ایضاً و 6؛ تاریخ خداداد ی (I.O. MS.) ص 78؛ Khare, vol. viii, No. 3034, 3640

140۔ Ibid, No. 3043

سونور پر قبضے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

A.N. C² 172 letter to Cossigny Oct. 9, 1786, ff. 17a-b

علی کا بیان ہے کہ نواب اور اس کا بیٹا دونوں بھاگ گئے لیکن اس کے اہل و عیال دھر لیے گئے اور 8 / اکتوبر کو سرنگاپٹم بھیج دیے گئے۔

141۔ سلطان التواریخ و 6؛ تاریخ خداداد ی (I.O. MS.) ص 79

Duff, vol. ii, P. 177

142۔ میسور کے ضلع دھارواڑ میں بنکاپور ایک قصبہ ہے۔ Khare, vol. viii, No. 3052

143۔ Ibid, No. 3065, Duff, vol. ii, P. 17

144۔ Khare, vol. viii, No. 3065

145۔ مالٹ کہتا ہے کہ پونا میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ ہولکر کو اس حملے کا علم تھا اور اس نے چشم پوشی کی۔ چنانچہ ہولکر کی فوجوں کو اس جنگ میں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وہ نانا کے خلاف تھا، اس لیے ٹیپو کی شکست اسے گوارا نہ تھی جس سے نانا کا وقار بڑھ جاتا۔ (P.R. C² vol. ii, No. 41)

146۔ Ibid, No. 40, Khare, vol. viii, No. 3065

147۔ کرمانی، ص 322

148۔ Duff, vol. ii, P. 177

149۔ P.R.C., vol. ii, No. 49

Khare, vol. vii, No. 3076

150۔ تاریخ خداداد ی (I.O. MS.) ص 85؛ سلطان التواریخ و 64

151۔ P.R.C. vol. ii, No. 49

152۔ Wilks vol. ii, P. 306

153۔ Khare, vol. viii, No. 3027

154۔ P.R.C. vol. ii, No. 35

155. Sinha, P. 1317 b

کوسگنی کے بیان کے مطابق محمد علی نے نظام کو تیس ہزار فوج دینے کا اس شرط پر وعدہ کیا تھا کہ فتوحات میں اسے بھی حصہ دیا جائے گا۔ A.N.C.[2] 179, ff 301 seqq

156. Khare, vol. viii, No. 2071

157. Ibid, No. 399

158. حدیقہ، ص 2-371؛ Ibid, No. 3074

159. Ibid, P. 372

160. حدیقہ، ص 73-372

میر عالم کا بیان ہے کہ ٹیپو خود کو "سلطان" کہلوانا چاہتا تھا اور یہ مطالبہ ہولکر کی مداخلت سے تسلیم کر لیا گیا تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ "سلطان" ٹیپو کے نام کا جز و تھا۔

161 ٹیپو نے ہری پنت اور ہولکر کو ایک ایک ہاتھی اور خلعتیں عطا کیں۔ لیکن ہولکر نے چار لاکھ روپے نقد اور دو لاکھ کی مالیت کے جواہرات وصول کیے۔ دس لاکھ کی وہ رقم اس کے علاوہ تھی جو ٹیپو نے جنگ کے شروع میں اسے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ (حدیقہ، ص 73)

162. I.O. Mack MS. No. 46, 51

163. Khare, vol. viii, No. 3065

میر عالم بھی کہتا ہے کہ ٹیپو نے ہولکر کو رشوت دی تھی۔ ایک موقع پر اس نے سلطان کو رائے دی تھی کہ ہری پنت کی فوج پر شبخون مارے۔ اب اس نے صلح کر لینے کی رائے دی۔ (حدیقہ، ص 271)

164. Khare, vol. viii, P. 303

165. Madrass Gaz Bellary, PP. 251-99

166. سلطان التواریخ، و 96

167. ایضاً، و 70

کرمانی (ص 324) کا بیان ہے کہ مرہٹوں سے خفیہ خط و کتابت کے علاوہ پالیگاروں نے یہ عدول حکمی بھی کی تھی کہ سلطان نے جب انھیں حاضر ہونے کا حکم دیا تو وہ حاضر نہیں ہوئے (کرمانی، ص 347)۔ لیکن سلطان التواریخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پالیگار سلطان کی فوج کے ساتھ موجود تھے۔ مائلز نے "نشان حیدری" کے ترجمے (ص 137) میں اس عبارت کا ترجمہ کیا ہے جس میں ٹیپو کے پالیگاروں کی سازشوں کا ذکر ہے۔

168۔ سلطان التواریخ و 71-70؛ کرمانی، ص 324

169۔ سلطان التواریخ و 71

170۔ تاریخ ٹیپو و 5

ولکس کا یہ بیان غلط ہے کہ یہ واقعہ جنوری 1786ء میں پیش آیا جب ٹیپو کورگ سے واپس آیا تھا۔

(Wilks, vol. ii, P. 294)

کرمانی، ص 327

اس روپیہ کے ایک طرف یہ عبارت تھی "احمد کا مذہب حیدر کی فتوحات سے روشن ہوا" اور دوسری طرف لکھا تھا

"صرف وہی ایک عادل بادشاہ ہے۔"

172۔ ایضاً، ص 327. ٹیپو کے نئے دور پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے:

Islamic culture, vol. xiv, April, 1940, P. 161 seq

173 کرمانی، ص 328

ساتواں باب

ٹیپو اور فرانسیسی 1784-89

ٹیپو سلطان کے دل میں فرانسیسیوں نے دوسری اینگلو میسور جنگ کے دوران میں اپنے طرزِ عمل سے بہت تلخی پیدا کر دی تھی اسی لیے انھیں وہ جھوٹا اور دغاباز کہتا تھا کیونکہ اُنھوں نے اسے اتنی مدد نہیں دی جتنی مدد کی اُنھوں نے توقع دلائی تھی اور وعدے کیے تھے۔ اور آخر میں بلا اسے اطلاع دیے ہوئے انگریزوں سے ایک علیحدہ صلح نامہ کر کے اُنھوں نے اس کو دغا دی تھی[1] لیکن اس نے اُن سے تعلقات اس لیے منقطع نہیں کیے کہ اب بھی اسے یہ امید تھی کہ ممکن ہے انگریزوں سے یا دیسی حکمرانوں سے کسی آئندہ جنگ میں وہ کارآمد حلیف ثابت ہوں۔

فرانسیسی حکام نے اپنی پچھلی غلطیاں تسلیم کرتے ہوئے ٹیپو کی منت و سماجت کر کے تلافی کی کوشش کی وکومٹینڈ سوئی لیک جو مشرق میں فرانسیسی مقبوضات کا گورنر جنرل تھا اس نے ٹیپو کو لکھا کہ وہ پچھلی جنگ کو بھلا دے اور دوسری جنگ کی تیاری کرے جس کے لیے فرانس سے بڑی بڑی بری اور بحری فوجیں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے بھیجی جائیں گی[2] ڈی سوئی لیک نے اپنے ایجنٹ رام راؤ کو بھی یہی ہدایت کر کے بھیجا کہ وہ ٹیپو سے کہے کہ اس کی بقا کے لیے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے فرانس کے ساتھ اُس کا اتحاد ضروری ہے نیز یہ کہ فرانسیسی ان سازشوں کا توڑ کرنے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں جو انگریز اس کے خلاف پونا اور حیدرآباد دونوں جگہ کر رہے ہیں رام راؤ کو ٹیپو کو یہ مشورہ دینے کی ہدایت بھی کی گئی تھی[3] کہ جو فرانسیسی فوجی دستہ اس کے پاس موجود ہے

اس میں اور فوجیوں کا اضافہ کرے اور سیور مورام پانٹ کی جگہ ایم دی کو فریلی کو مقرر کرے جو نہ صرف یہ کہ زیادہ قابل اور مستعد ہے بلکہ فرانسیسی ریزیڈنٹ کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہے۔ مزید برآں رام راؤ کو ٹیپو سے یہ درخواست کرنے کی بھی ہدایت کی گئی تھی کہ ساحل مالابار پر ایک عظیم ترچو کی قائم کرے جہاں سے سلطان کو ماہی کی چھوٹی سی بندرگاہ کے مقابلے میں زیادہ آسانی کے ساتھ فوجی امداد بہم پہنچائی جا سکے۔ لیکن ان تجویزوں کے متعلق ٹیپو کا جواب مبہم اور گول مول تھا۔ ڈی موالات کے ساتھ بھی اسی نوع کی بے اعتنائی اس نے برتی جس نے اُسے لکھا تھا کہ سوئی لیک نے انگریزوں کے خلاف معاہدہ اتحاد کے لیے گفت و شنید کرنے کے لیے بھیجا ہے۔[3] فرانسیسیوں کی تجاویز کے ساتھ ٹیپو کی بے اعتنائی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ پچھلی جنگ میں اس نے انگریزوں پر فتح حاصل کی تھی اور اس کا سر پھر گیا تھا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ دوسری انگلو میسور جنگ میں اُسے فرانسیسیوں سے بڑی مایوسی ہوئی تھی، جن کا اپنے تمام خطوط میں وہ مسلسل ذکر کرتا رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہندوستان کے فرانسیسی حکام کی پیش قدمیوں کا جواب دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور اسے توقع تھی کہ لوئی شانزدھم اور اس کے وزیروں سے براہ راست گفت و شنید سے اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔[4]

دی سوئی لیک کی ٹیپو سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کی کوششوں کا مقصد نظام اور مرہٹوں کو نقصان پہنچانا نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ تمام ہندستانی حکمرانوں سے دوستی قائم رکھنا چاہتا تھا اسی لیے اس نے ٹیپو سے ملاقات نہیں کی کیونکہ اس سے نظام اور مرہٹوں کو شبہات پیدا ہو جاتے۔[5] اس وقت فرانسیسی حقیقتاً یہ چاہتے تھے کہ ہندستانی حکمران آپس میں نہ لڑیں بلکہ خود اُن کی قیادت میں متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف ایک اتحادی محاذ قائم کر لیں۔[6] یہ بات اس خط سے واضح ہوتی ہے جو اسی نے کاستے دی ورگینس کو لکھا تھا، اس میں وہ کہتا ہے کہ مرہٹے اور نظام ٹیپو کو نیست و نابود کرنے کے لیے متحد ہو گئے ہیں۔ یہ منصوبہ انگریزوں کے لیے انتہائی مفید ہے میں نے اس سازش کو توڑنے کے لیے کوشش کی، اور اب بھی کر رہا ہوں اور اسی کے ساتھ یہ کوشش بھی کر رہا ہوں کہ یہ تینوں ہندستانی حکمران انگریزوں کے خلاف متحد ہو جائیں۔ یہ کام میں اس طرح کر رہا ہوں کہ اس سے ہمارے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔[7] اسی پالیسی کے مطابق دی سوی لیک نے نانا، نظام اور

ٹیپو کو مشورہ دیا تھا کہ آپس کے اختلافات کو وہ مٹا دیں اور ایک دوسرے کے دوست بن جائیں[8]
اور کوسگنی نے جو پانڈیچری کا گورنر تھا نانا کو متنبہ کیا کہ اگر پیشوا نظام اور ٹیپو آپس کے اختلافات
دور کر کے متحد نہ ہوں گے اور اپنے محدود اور خود غرضانہ مفاد سے لپٹے رہیں گے تو اس حالت
سے انگریز فائدہ اٹھائیں گے اور انھیں زیر کر کے ان کی حالت اودھ اور کرناٹک کے نوابوں
کی سی بنا دیں گے[9]

لیکن فرانسیسیوں کی جنگ روکنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور ٹیپو اور مرہٹوں میں
جن کا ساتھ نظام بھی دے رہا تھا، جنگ شروع ہو گئی۔ فرانسیسیوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرانے
کی کوشش کی۔ کوسگنی نے نظام سے اپیل کی کہ وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے کچھ ایثار و قربانی
سے کام لے اور ٹیپو سے صلح کرلے کیوں کہ ملک میں صرف وہی ایک ایسا مسلمان بادشاہ ہے جو
برطانوی حکومت کو للکار سکتا ہے۔ کوسگنی نے نظام کو یہ یقین دلایا کہ وہ اس امر کی کوشش
کرے گا کہ مسلمانوں کو ان کا گم شدہ عروج پھر حاصل ہو جائے[10] اسی نے نانا کو بھی سمجھایا کہ انگریزوں
کو ملک پر چھا جانے سے روکنے کے لیے تھوڑی سی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس
نے نانا سے یہ بھی دریافت کیا کہ وہ کن شرائط پر ٹیپو سے صلح کرنے کے لیے تیار ہوگا تاکہ ٹیپو کو جنگ
بند کرنے پر آمادہ کیا جا سکے[11]۔ پونا میں فرانسیسیوں کے نمائندے مانٹ گنی نے اس امر کا بھی یقین دلایا
کہ اگر ٹیپو جنگ بند کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو اسے سمجھوتہ کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے گا[12] لیکن
نانا نے صرف مبہم جواب دیے فرانسیسی اب اتنے مضبوط نہیں رہے تھے کہ حیدر آباد یا پونا کی حکومتوں
پر ان کے مشوروں کا کوئی اثر پڑ سکتا[13]

اس جنگ میں فرانسیسی پالیسی صلح نامہ ورسائی (1783) کی دفعہ سولہ کے مطابق،
متعین کی گئی تھی، جس کی رو سے ہندستانی حکمرانوں کی جنگوں میں انگریزوں اور فرانسیسیوں
کی شرکت ممنوع قرار دی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ٹیپو پر مرہٹوں نے حملہ کیا تھا فرانسیسیوں
نے اس کو کوئی فوجی امداد نہیں دی۔ بایں ہمہ کوسگنی نے ٹیپو کو مطلع کیا تھا کہ انگریزوں نے مرہٹوں
کے ساتھ مل کر اس پر حملہ کیا تو فرانسیسی اس کی مدد کریں گے[14] حقیقت یہ ہے کہ کوسگنی
ٹیپو سے اتحاد قائم رکھنے کے حق میں تھا، چاہے انگریز مرہٹوں کی مدد کرتے یا نہ کرتے۔ وہ ٹیپو کو
آٹھ سو بندوقیں بھی مہیا کرنے کے لیے تیار تھا جو اس نے طلب کی تھیں۔ کوسگنی کا خیال تھا
کہ صرف ٹیپو ہی کی مدد سے ہندستان میں انگریزوں کو شکست دی جا سکتی ہے[15] کیونکہ ٹیپو بہت

طاقتور ہے اور مرہٹہ نظام اتحاد کو یقینی طور پر شکست دے دے گا۔[16] لیکن اگر اسے شکست
ہو گئی تو یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہو گی۔[17]

تاہم سوئی لیک کوسگنی سے متفق نہیں تھا۔ اس نے کوسگنی کو ہدایت کی وہ ٹیپو سے کوئی
معاہدہ نہ کرے۔ کیونکہ اس سے مرہٹے ناراض ہو جائیں گے۔[18] وہ ٹیپو کو مغرور متکبر اور ناقابل اعتماد سمجھتا
تھا اور چاہتا تھا کہ اگر کوئی اسے زیر کرے اور نیچا دکھائے تو اچھا ہے کیونکہ اس وقت وہ
خود کو فرانسیسیوں کی آغوش میں دے دے گا۔[19] سوئی لیک اصل میں مرہٹوں سے اتحاد قائم
کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ٹیپو کی قوت چند روزہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جلد یا
بہ دیر انگریزوں، نظام اور مرہٹوں کی متحدہ کارروائیاں اسے کچل ڈالیں بحری فوج کے
وزیر مارشل دی کاستریز نے بسی کو بہت پہلے، یکم نومبر 1783 کو لکھا تھا کہ کمپنی کے حق میں
ٹیپو سے کہیں زیادہ مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کارآمد ثابت ہوگا، کیونکہ ٹیپو کی "قوت نئی ہے
اور اسے مستحکم ہونے کے لیے وقت درکار ہے۔" دوسری طرف اس کے نزدیک "مرہٹوں
میں استحکام ہے وہ زیادہ مضبوط ہیں اور ہندستان میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔[20]" لیکن
مرہٹوں نے فرانسیسیوں کے سلسلہ جنبانی کا کوئی امید افزا جواب نہیں دیا۔ انھیں وہ ٹیپو
کا دوست سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ٹیپو فرانسیسیوں کے مابین خفیہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ فرانسیسی
ایجنٹ مانٹ گنی نے نانا کو اس امر کا یقین دلانے کی مقدور بھر کوشش کی کہ ٹیپو اور فرانسیسیوں
کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے اور مرہٹوں کے ساتھ جنگوں میں فرانسیسی ٹیپو کی مدد
نہیں کریں گے۔[21] البتہ اگر انگریزوں نے صلح نامہ وارسائی کی دفعہ سولہ کو توڑ کر مرہٹوں
کی مدد کی، تو فرانسیسی بھی غیر جانب داری چھوڑ کر ٹیپو سلطان کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائیں
گے۔[22] لیکن ان یقین دہانیوں کے باوجود نانا نے فرانسیسیوں کو نظر انداز کیا۔ وہ انگریزوں
کی دوستی کو ترجیح دیتا تھا، جنھیں وہ قوی تر اور قابل اعتماد حلیف سمجھتا تھا۔ اگست 1786 کے
اوائل میں گوداز نامی ایک ایجنٹ پانڈیچری سے پونا آیا تاکہ پیشوا سے دوستانہ تعلقات پیدا
کرے۔ لیکن اس کی کوششوں کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا گودرسا اور منتگی دونوں کی ریشہ دوانیوں
کا توڑ کرنے میں مالٹ کو کامیابی ہوئی۔[23] نظام کو اپنے ساتھ ملانے میں بھی فرانسیسی کامیاب نہ
ہو سکے۔ ادمانت، جسے نظام سے اتحاد کی گفتگو کے لیے بھیجا گیا تھا، کارآمد ثابت نہیں ہو سکا
کوسگنی کے خطوط کا بھی نظام پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ " ہندستان پر انگریزوں کے حملے سے مجھے

اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی ٹیپو کے غضب سے پہنچی ہے[24]

نظام اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملانے میں فرانسیسیوں کی ناکامی نے آخرکار سوئی لیک کی پالیسی میں تبدیلی پیدا کی۔ مزید برآں مرہٹہ اور نظام کے خلاف ٹیپو کی فتوحات نے اُسے بہت متاثر کیا تھا اور وہ پانڈی چری کے گورنر کوسگنی کی اس رائے سے اتفاق کرنے لگا تھا کہ ٹیپو کے ساتھ اتحاد کرنا فرانسیسیوں کے مفاد میں ہے اور صرف اسی کی مدد سے انگریزوں کو ہندستان سے نکالا جا سکتا ہے۔ مرہٹے انگریز کے خلاف کارگر ثابت نہیں ہو سکتے کچھ تو اس لیے کہ ان میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور ان کو روپیہ دے کر توڑا جا سکتا تھا، اور کچھ اس لیے کہ اُن کے پاس صرف سواروں ہی کی فوج تھی[25]

فرانسیسیوں کے ساتھ پُرخلوص اتحاد قائم کرنے کی ٹیپو کی خواہش کا بھی دی سوئی لیک کو یقین تھا کیونکہ ٹیپو نے وہ سترہ لاکھ روپیے لینے سے انکار کر دیا تھا جو اس کے باپ نے دوسری اینگلو میسور جنگ کے دوران فرانسیسیوں کو دیے تھے اور جسے فرانسیسی واپس کرنے پر تیار تھے۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کر کے دی سوئی لیک نے ٹیپو کی اس تجویز کا بھی خیر مقدم کیا کہ وہ اپنا سفیر لوئی شانزدھم کے دربار میں بھیجے تاکہ وہ براہِ راست فرانس گورنمنٹ سے اتحاد قایم کرنے کی بات چیت کرے اور اپنے دشمنوں کے خلاف فرانس سے فوجی امداد حاصل کرے[26]
ابتدا میں ٹیپو نے کوئی علاحدہ سفارتی مشن نہیں بھیجا بلکہ 1785ء کے آخر میں اس نے جو سفیر عثمانی سلطان کی خدمت میں بھیجے تھے ان ہی کو ہدایت کی کہ وہ قسطنطنیہ میں اپنا کام ختم کر کے پیرس جائیں اور پھر وہاں سے لندن جائیں[27]

سفیروں کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ وہ لوئی شانزدہم کو مطلع کریں کہ انگریزوں نے کس طرح ہندستان میں مستقل طور پر اپنی حکومت قائم کر لی ہے اور وہ مسلمانوں پر کس قدر ظلم توڑ رہے ہیں۔ انھیں دوسری اینگلو میسور جنگ کی وہ کہانی بھی سنانی تھی جس میں فرانسیسیوں نے قابلِ اعتراض کردار ادا کیا تھا۔ اس وقت فرانسیسی اس کا ساتھ چھوڑ کر الگ نہ ہو گئے ہوتے تو وہ انگریزوں پر مکمل فتح حاصل کر لیتا اور انھیں ملک سے نکال دیتا۔ اور یہ کہ اس نے اور اس کے باپ نے فرانسیسیوں کے لیے بہت قربانیاں کیں ہیں لیکن انھوں نے انتہائی نازک موقع پر اس کے ساتھ غداری کی[28]

سفیروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ ان اُمور کے اظہار کے بعد وہ لوئی شانزدہم کے

سامنے اپنے آقا اور فرانس کے مابین ایک دائمی معاہدۂ اتحاد کی تجویز پیش کریں، جس کے تحت فرمارِوائے فرانس دس ہزار فوج ان کمانداروں کی ماتحتی میں بھیجے جو براہِ راست ٹیپو کے تابع رہیں۔ ان کمانداروں سے یا اُن کے سپاہیوں سے کوئی جرم سرزد ہو تو اُن پر میسور کے قوانین کے مطابق مقدمہ چلایا جائے گا۔ اگر انگریزوں سے جنگ چھڑ جائے تو فرانسیسی یا ٹیپو دس سال تک اُن سے کوئی صلح نہ کریں گے۔ اگر، دریں اثنا انگریز صلح کے خواہش مند ہوں تو اُس وقت اُن سے صلح نہیں کی جائے گی جب تک اُنھیں اُن کے تمام ہندستانی مقبوضات سے محروم نہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں یہ مقبوضات ٹیپو اور فرانسیسیوں میں تقسیم کر لیے جائیں گے۔ سفیروں کو لوئی شانزدہم سے یہ درخواست بھی کرنی تھی کہ میسور کو ایسے اہلِ حرفہ، صناع اور کاریگر بھیجے جائیں جو توپیں، گھڑیاں، چینی اور شیشے کے برتن اور دوسری چیزیں بنانا سکھائیں۔[29]

لیکن سفارتی عملہ قسطنطنیہ سے آگے نہ بڑھ سکا[30] کیونکہ ٹیپو نے اُنھیں وہاں سے واپس بلالیا۔ اسی دوران میں پونا میں انگریزوں کے ساز باز سے پریشان ہو کر ٹیپو نے ایک علیحدہ سفارتی مشن فرانس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ڈی سوئی لیک نے، خصوصاً کوسگنی نے اس کی بہت ہمت افزائی کی اور اس مشن سے برآمد ہونے والے نتائج کے بارے میں ٹیپو کے دل میں بہت سی امیدیں پیدا کر دیں۔ فرانسیسیوں کے جذبۂ خیرسگالی کے اظہار کے لیے یہ طے کیا گیا کہ میسور سے پیرس تک سفارتی عملے کے آنے جانے کے اخراجات فرانسیسی حکومت برداشت کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی سوئی لیک نے سفارتی عملے کے سفر کے لیے روئی لاآردا، نامی ایک کشتی خریدی اور تحفے کے طور پر ٹیپو کو پیش کی۔ اس کی یہ بھی تجویز تھی کہ ہندستان اور یورپ دونوں کو متاثر کرنے کے لیے کشتی پر ٹیپو سلطان کا جھنڈا لگایا جائے گا، ہندستانی جہازراں ہوں گے اور مسلمان کپتان مقرر کیا جائے گا اگرچہ اصل کپتان پیری مونیران ہوگا جو فرانس کا باشندہ اور بادشاہِ پرتگال کی رعایا تھا۔[31] حکومت فرانس کی طرف سے ایک تجارتی معاہدے کی بات چیت کرنے کے لیے مونیران، 1786ء کے وسط میں سلطان سے ملا بھی تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ سفیروں کو فرانس تک لے جائے گا اور بہ حفاظت تمام اُنھیں واپس لے آئے گا۔[32]

ڈی سوئی لیک کا ارادہ یہ تھا کہ کشتی سیدھی منگلور جائے اور وہاں 15 جنوری 1787ء کو پہنچ جائے۔ سفارتی عملہ وہاں سے جنوری کے آخر یا فروری کے شروع میں روانہ ہو جائے۔ مگر مونیران اوائل جنوری تک جزیرہ فرانس سے روانہ نہ ہو سکا اور جب وہ 19 مارچ کو کوچین

پہنچا تو کوسگنی نے اُسے اطلاع دی کہ سفارتی عملہ جنوری کے آخر میں پانڈیچری پہنچ چکا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی درخواست پر کوسگنی نے ڈی سوئی کے منصوبے میں تبدیلی کر کے منگلور کے بجائے پانڈیچری میں اُترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بہر طور مونیران نے منگلور تک اپنا سفر جاری رکھا تاکہ وہ سامانِ جنگ ٹیپو کے حوالے کر دے، جو اس نے منگایا تھا اور اپنی کشتی مسالوں سے بھرے۔ وہ 28 مارچ کو منگلور پہنچا اور 7 اپریل کو وہاں سے روانہ ہو کر 5 مئی کو پانڈیچری پہنچ گیا۔[33]

سفارتی مشن جن لوگوں سے مشتمل تھا ان کے نام یہ ہیں:۔ درویش خاں، اکبر علی خاں اور عثمان خاں۔ اکبر خاں کے ساتھ اُن کا بیٹا اور عثمان خاں کے ساتھ ان کا بھتیجا بھی تھا۔[34] ان کے علاوہ اُن کے ساتھ سپاہی رکاب دار، باورچی اور باڈی گارڈ تھے۔ کشتی پر سوار ہونے والوں کی مجموعی تعداد اسی تھی۔ مونیران کے خیال میں یہ تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے اس نے کم کر کے اُسے پینتالیس کر دی۔[35] موسم کی خرابی سے اور رمضان اور عید کے تہوار کی وجہ سے وہ 22 جولائی تک پانڈیچری سے روانہ نہ ہو سکا۔[36]

ڈی سوئی لیک کی ابتدائی ہدایتیں یہ تھیں کہ لارد کو جزیرۂ فرانس یا جزیرۂ بار بوان پر بلا رکے ہوئے، براہِ راست راس امید پر پہنچنا ہے۔ لیکن مونیران نے جزیرہ پر سامانِ رسد کی فراہمی کے لیے قیام کیا اور چونکہ کشتی میں ایک سوراخ ہو گیا تھا، جس کی مرمت وہاں نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے اُسے اپنا سفر جزیرۂ فرانس تک جاری رکھنا پڑا۔ اس دوران میں پتوار میں بھی خرابی پیدا ہو گئی۔ جہاز کی مرمت، محرم کی تقریبات اور جزیرے کی خوش گوار آب و ہوا نے اس قیام کو 4 دسمبر تک طول دے دیا۔ جہاز 3 جنوری 1788 کو راس امید پر پہنچا۔ لیکن یہاں بھی ناموافق ہواؤں کی وجہ سے پھر تاخیر ہوئی اور 11 فروری سے پہلے کشتی وہاں سے روانہ نہ ہو سکی۔ اس کے بعد تازہ پانی حاصل کرنے کے لیے جزیرہ السین کنشن میں رکنا پڑا کیونکہ لکڑی کے دو سو پیپوں میں جو تازہ پانی راس امید پر سے روانہ ہوتے وقت لیا تھا اسے سفیروں اور اُن کے ہم رکابوں نے خرچ کر لیا تھا جنھوں نے پانی کے معاملے میں کفایت شعاری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کشتی پھر جزیرہ گورو پر سامانِ رسد لینے کے لیے رکی۔ وہ 19 اپریل کو وہاں سے روانہ ہو جاتی، مگر درویش خاں بیمار پڑ گیا۔ اس کے صحت یاب ہونے کے بعد 28 مئی کی رات کو کشتی وہاں سے روانہ ہو سکی۔ اس اثنا میں مشن کے اکثر اراکین اسقر بوط میں مبتلا ہو گئے اور

ان میں سے تین مر گئے۔ اس لیے یہ طے کیا گیا کہ ملاگا کے بندرگاہ پر ٹھہرا جائے اور کافی مقدار میں تازہ ترکاریاں اور سامانِ رسد وہاں سے حاصل کیا جائے۔ ملاگا سے فرانس تک کے سفر میں کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔[37]

وکومے دی سوئی لیک نے منیران کو ہدایت کی تھی کہ برسٹ کی بندرگاہ پر قیام کیا جائے تاکہ مشن کے اراکین فرانس کی بحری فوج کی وسعت سے مرعوب ہوں چنانچہ وہاں اُن کے شاندار خیر مقدم کے لیے بڑے پیمانے پر تیاریاں کی گئی تھیں۔[38] لیکن یہ خیال کیا گیا کہ مشن کے ممبر چونکہ منطقہ حارہ کی گرم آب و ہوا میں رہنے کے عادی ہیں، ان کے لیے برسٹ کی آب و ہوا کافی گرم نہیں ہوگی۔ اس لیے کشتی تولون چلی گئی، جہاں وہ پانڈیچری سے روانگی کے دس مہینے سترہ دن بعد ۶ جون 1788ء کی سہ پہر کو پہنچی اس پر ٹیپو کا جھنڈا لہرا رہا تھا، جو فرانسیسی ساحل کے نزدیک پہنچنے کے بعد لگا دیا گیا تھا۔[39]

فرانسیسی گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق تولون میں سفارتی مشن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے اعزاز میں آتش بازی چھوڑی گئی، انھیں تھیٹر لے جایا گیا اور فوجی پریڈ دکھائی گئی۔ تولون سے ۲۱ جون کو روانہ ہو کر ۱۶ جولائی کی شام کو پیرس پہنچے۔ مارسیلز، گرینوبل، ڈیجان، لیونس، وے بلاسی، ماولنس، نیورس، مونٹارگس اور فاؤنٹین بلو سے جب وہ گزرے تو ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ پیرس پہنچنے پر بھی عزت و احترام کے ساتھ ان کا خوش آمدید کیا گیا۔ چھ گھوڑوں کی گاڑی میں انھیں لے جایا گیا، سوار اُن کے آگے آگے تھے اور دور دراز اجنبی ملک سے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے کثیر تعداد میں لوگ سڑکوں پر جمع ہو گئے تھے۔[40]

سفیروں کے قیام کا انتظام ریو برگیری کے اس مکان میں کیا گیا تھا جس میں پہلے نیکر کا قیام تھا۔ اسے پھر آراستہ کیا گیا تھا اور اس کے باغ کو بہتر بنایا گیا تھا۔ سفیروں کو آرام و آسائش مہیا کرنے میں فرانسیسی حکام نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی چونکہ وہ چاول کے شوقین تھے اس لیے تولون سے کئی قسم کے چاول حاصل کیے گئے۔ زندہ بھیڑ بکریاں، شکار کے جانور اور مرغیاں انھیں مہیا کی گئیں۔ کیونکہ وہ ان ہی جانوروں کا گوشت کھاتے تھے، جو ان ہی کے طریقے پر ذبح کیے گئے ہوں۔ ہر سفیر کے لیے علیحدہ علیحدہ گاڑی اور چھ چھ گھوڑے مہیا کیے گئے۔[41]

فرانسیسی حکومت نے سفیروں کے لیے ملبوسات تیار کرانے کے انتظامات کیے تاکہ جب لوئی شانزدہم کے حضور میں وہ پیش ہوں تو خوش سلیقگی اور شائستگی کے ساتھ ملبوس ہوں۔ ان

کے اہلکاروں کے پاس یورپین معیار کے مطابق لباس چونکہ ناکافی تھے اور یہ خیال کیا گیا کہ ململ کے اپنے باریک لباس میں وہ جاڑوں میں مر جائیں گے، اس لیے ان کے واسطے بھی ملبوسات تیار کرائے گئے۔[42]

سفیر ابتدا میں خوش نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے آرام کی طرف کافی توجہ نہیں کی گئی ہے۔ قیام کے انتظام سے بھی وہ مطمئن نہیں تھے۔ ان کے نزدیک وہ ناکافی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے قیام کے لیے علیٰحدہ علیحدہ عمارت ہونی چاہیے۔ اُنھوں نے تجویز پیش کی کہ لوئی شانزدہم کے متعدد محلات ہیں، ان میں سے ایک ان کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ اُن کی رہائش کے لیے مزید جگہ بنانے کی غرض سے یہ طے کیا گیا کہ اُن کے بڑے بڑے صندوق اور بنڈل کسی دوسری عمارت میں منتقل کر دیے جائیں اور اُن کی جگہ پر الماریاں لگا دی جائیں تاکہ وہ ان میں اپنے استعمال کی چیزیں رکھ سکیں۔ لیکن اپنے سامان کو کسی علیٰحدہ جگہ رکھنے پر وہ تیار نہیں ہوئے۔ اسی طرح اپنے ملازمین کو ایک برابر والی عمارت میں منتقل کرنے یا اپنی قیام گاہ کی دوسری منزل میں انھیں ٹھہرانے کی تجویز بھی مسترد کر دی۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ملازم اُن کے قریب رہیں تاکہ ضرورت کے وقت اُن کو آواز دے کر بلا سکیں۔ رہائش کے متعلق اُن کی بے اطمینانی کا حال سن کر فرانسیسی حکام نے اُنھیں ایک بہت کشادہ شاہی حویلی لاکوئی ملی نائر، دکھائی لیکن اس وقت تک چونکہ وہ اسی جگہ جم چکے تھے، اس لیے کہیں اور منتقل ہونا انھوں نے پسند نہیں کیا۔[43]

ان کی بے اطمینانی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان سے ملاقات کے لیے بہت کم لوگ آتے تھے۔[44] اس کے علاوہ وہ اس لیے بھی بے چین تھے کہ فرانسیسی وزیروں اور شاہ لوئی شانزدہم سے ملاقات میں بہت تاخیر ہو رہی تھی۔ بہر حال 31 جولائی کو کامتے دی لا زرین وزیر جہاز رانی نے اُنھیں ڈنر پر مدعو کیا تاکہ وہ ایم مانت مورین، سیکرٹری امور خارجہ، سے ملاقات کریں اور شاہ فرانس سے ملاقات کی تاریخ ۱۰ اگست مقرر کی گئی۔[45] چونکہ بادشاہ کی خواہش تھی کہ جب سفیر وارسائی پہنچیں تو ایک بڑا مجمع وہاں موجود ہو، چنانچہ 'جورنل دی پاری' میں اشتہار شائع کیا گیا۔[46] ام دی برزگرینڈ ماسٹر آف سیری منیز کو پیرس سے بلایا گیا تاکہ سفیروں کے استقبال کی تفصیلات تیار کی جائیں۔[47] سفیر چاہتے تھے کہ بیٹھے ہی بیٹھے سر جھکا کر وہ شاہی آداب بجا لائیں۔[48] لیکن اُنھیں بتایا گیا کہ کھڑے ہو کر آداب شاہی بجا لانا ہوگا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ جو تحائف وہ

بادشاہ کے لیے لائے تھے نمائشی انداز میں شاہی محل تک لے جائے جائیں۔ لیکن فیصلہ کیا گیا کہ وہ چیزیں چونکہ ادنیٰ درجے کی اور کم قیمت ہیں اس لیے فرانسیسی اخباروں میں، خاص طور پر انگریزی اخباروں میں، اس کی ہنسی اُڑائی جائے گی، اس لیے انھیں نجی طور پر لے جایا جائے چونکہ باریابی عام اور علی الاعلان تھی سفیروں کے سپاسنامے میں سرکاری ترجمان روفن نے کچھ تبدیلیاں کر دیں تاکہ انگریزوں کو ناگواری نہ ہو۔

10، اگست کو لوئی شانز دہم نے سفیروں کو بہت تزک و احتشام کے ساتھ باریاب کیا۔ وارسائی کے محل کے خاص خاص کمرے تماشائیوں سے کھچاکھچ بھرے تھے اور سلون دی ہرکلس جہاں باریابی ہوئی تھی، اعلےٰ طبقے کے مرد اور عورتوں سے بھرا تھا۔ ولی عہد علالت کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکا تھا۔ مگر ملکہ، میری انتونیت، تخت شاہی کی بغل میں ایک مخصوص نشست گاہ میں موجود تھیں۔ سفیروں کو ملکہ کی طرف نہ تو دیکھنے کی اجازت تھی اور نہ سلام کرنے کی تخت شاہی کے دوسری جانب ایک علیحدہ نشست گاہ میں ڈیوک آف نارمنڈی اس کی بیوی اور لڑکی۔۔ بادشاہ کی بہن کومتس دی آرتو اس اور مادام الزبیتھ۔۔ بیٹھی تھیں۔ تینوں سفیر بڑے پروقار انداز میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ درویش خاں نے جو اُن کا قائد تھا بادشاہ کے حضور میں چند سونے کے سکّے، ہیرے جواہرات اور ململ کے چند تھان پیش کیے، جنھیں دی لازرین نے ان سے لے کر تخت شاہی کے قریب میز پر رکھ دیا۔ اس کے بعد درویش خاں نے دھیمی آواز میں سپاسنامہ پڑھا جس کا ترجمہ روفین نے انگریزی میں کیا[82]۔ سپاس نامے میں انگریزوں کے ظلم و تعدی کی داستان بیان کی گئی تھی جس کا ہندستانی اور فرانسیسی دونوں شکار تھے۔ اس کے بعد اُن غلطیوں کا حال بیان کیا گیا تھا جو فرانسیسی حکام، خصوصاً دوشی من اور کوسگنی، نے ہندستان میں کی تھیں۔ اس سلسلہ میں میسور کی فوج سے کوسگنی کو واپس بلا لینے کی اور ٹیپو کو خبر کیے بغیر انگریزوں سے صلح کر لینے کی شکایت کی گئی تھی، جس کی وجہ سے ٹیپو کو یکہ و تنہا جنگ جاری رکھنی پڑی۔ آخر میں درویش خاں نے مختلف اقسام کے پھولوں اور پودوں کے بیجوں کے لیے اور کاریگروں، صنعت کاروں اور ڈاکٹروں کو فرانس سے میسور لے جانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ دوسرے معاملات بعد میں مراسلات کے ذریعہ پیش کیے جائیں گے کیونکہ ان کا علانیہ ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا[83]۔

باریابی کے بعد سفیروں نے دی لازرین کے ساتھ کھانا کھایا۔ اگلے دن وہ خاص خاص

وزیروں کی دعوت میں شریک ہوئے اور 12 کو مانٹ مورین کے ساتھ کھانا کھایا۔ دی لازرین سے اُن کی آخری ملاقات 2 ستمبر کو ہوئی جس میں اُنھوں نے جارحانہ اور مدافعانہ معاہدے کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے شرائط یہ تھے! انگریزوں کے خلاف دس برس تک جنگ جاری رہنی چاہیے۔ دس ہزار فرانسیسی فوج سے ٹیپو کی مدد کی جائے۔ یہ فوج ٹیپو کے زیر کمان رہے گی اور اس کے جملہ اخراجات وہ خود برداشت کرے گا۔ کرناٹک کی فتح کے بعد فرانسیسیوں کو وہ علاقہ دے دیا جائے گا۔ جو پانڈیچری اور مدراس سے ملحق ہے۔ اسی طرح بنگال بہار اور دوسرے انگریزی مقبوضات پر جب قبضہ ہو جائے گا تو وہ فرانسیسیوں کے حوالے کر دیے جائیں گے[52]۔

سفیر جب ہندستان سے چلے تھے تو مارشل دی کیسٹریز بحری امور کا وزیر تھا۔ اس لیے اسی کے نام وہ ٹیپو کے خطوط لائے تھے۔ لیکن جس وقت فرانس پہنچے تو وہ اپنے عہدے سے سبک دوش ہو چکا تھا اور کرسی دی لازرین اس کی جگہ مقرر ہوا تھا۔ کیسٹریز انگریزوں کے خلاف ہندستانی حکمرانوں سے سازباز رکھنے کے حق میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندستان میں فرانسیسیوں کے اقتدار کا احیاء اب بھی ممکن ہے۔ لیکن دی لازرین کی رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے وسائل زیادہ ہونے اور ملک میں ان کو جو فوجی برتری حاصل ہے اس وجہ سے اب فرانسیسی اثر و رسوخ دوبارہ قائم نہیں ہو سکتا اور نہ انگریزوں کے خلاف ہندستانی حکمرانوں کے متحد ہونے کا کوئی امکان ہے۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ فرانسیسی فوجوں کو ہندستان سے ہٹا لیا جائے اور انھیں جزیرہ فرانس میں رکھا جائے کیونکہ فرانس صرف اسی طرح سے مشرق میں اپنا رسوخ قائم رکھ سکتا ہے[53]۔

اس نئی فرانسیسی پالیسی کی وجہ سے نیز فرانسیسی گورنمنٹ کے انگریزوں کو یہ یقین دلانے کی وجہ سے کہ ٹیپو کے سفیروں سے انگریزوں کے مفادات کے خلاف کوئی گفت و شنید نہیں ہوگی، سفیروں کے مشن کی ناکامی یقینی ہو گئی تھی[54]۔ مزید برآں چونکہ فرانس اس وقت ثقافتی و معاشی بحران کی گرفت میں تھا، جس کے نتیجے میں زبردست سیاسی انقلاب ظہور میں آیا، اس لیے وہ کوئی نئی ذمہ داری لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ سفیروں کو مطلع کر دیا گیا کہ ورسائی کے عہدنامے کے پیش نظر لوئی شانزدہم کے لیے ٹیپو کے ساتھ کوئی معاہدۂ اتحاد کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں میں اگر جنگ چھڑ جائے اور ٹیپو بھی اس میں شریک ہو تو فرانس اس کی مدد کے لیے فوجیں بھیج دے گا۔ یہ فوجیں اس کی ماتحتی میں رہیں گی اور بغیر اس کی رضامندی

کے صلح نہیں کی جائے گی۔ ہندستان میں جو فتوحات ہوں گی اُن پر فرانس کے بادشاہ کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ وہ وہاں صرف فیکٹریاں قائم کرنا اور تجارت کرنا چاہتا ہے[55]

دوسری اینگلو میسور جنگ میں فرانس کی پالیسی کے متعلق بسی کے طرزِ عمل پر بادشاہ نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ بسی کی غلطی تھی کہ وہ اپنے حلیف سے علیحدہ ہوگیا۔ اسلحہ بنانے اور نئی صنعتیں روشناس کرنے والے کاریگروں اور صنعت کاروں کے بھیجنے کے متعلق ٹیپو کی درخواست کا جواب اس نے یہ دیا کہ ایسے آدمیوں کا انتظام کیا جائے گا۔ ان میں سے کچھ کو وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں اور کچھ کو بعد میں منگلور کے علاوہ کسی اور راستے سے بھیجا جا سکتا ہے۔ فرانسیسی بیج اور پودے بھی مہیا کیے جائیں گے، لیکن مسالے اور کافور کے درخت فرانس میں نہیں اُگتے وہ جزیرہ مالوکس سے حاصل کیے جا سکتے ہیں[56]

اگرچہ سفیر اپنا مشن پورا کر چکے تھے مگر وہ وہاں سے روانہ ہونے کے لیے بے چین نہیں تھے بہرطور ان کے پاس روپیہ ختم ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے نہ صرف وہ ایک لاکھ روپیہ (دو لاکھ پچاس ہزار فرانسیسی سکہ) خرچ کر لیا تھا جو ٹیپو نے اخراجات کے لیے دیا تھا[57] بلکہ مختلف چیزیں خریدنے میں 49414 لیورے کے مقروض بھی ہوگئے تھے[58] اس کے علاوہ فرانسیسی حکمران ان 'گراں خرچ عزت مآب' لوگوں کے قیام سے تھک بھی گئے تھے۔ اس لیے دی لازرین نے لوئی شانز دہم کے طرف سے سفیروں کو لکھا کہ ان کے لیے اب فرانس سے روانہ ہونا ہی مناسب ہے کیونکہ سردی کا موسم بہت تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ اس نے انھیں اس بات سے بھی مطلع کیا کہ ٹیپو نے لوئی شانز دہم کو لکھا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو فرانس سے ان کی روانگی کا انتظام کیا جائے۔ بالآخر سفیر 9 / اکتوبر کو پیرس سے برسٹ کے لیے روانہ ہوئے ان کے ساتھ کیپٹن میکنم آرا بھی تھا، جسے اُنھیں ہندستان تک بہ حفاظت تمام پہنچانا تھا اور ٹیپو کے دربار میں لوئی شانز دہم کے ایلچی کی خدمات انجام دینی تھیں۔ سفیروں کو خود ان کے لیے اور اُن کے سلطان کے لیے بیش بہا تحائف دیئے۔ برسٹ جاتے ہوئے اُنھوں نے آرلینس، تورس، نانتیز، اور راورینٹ میں مختلف فیکٹریوں کا معائنہ کیا۔ برسٹ میں اُنھوں نے مسلح جہازوں کا معائنہ کیا اور اُنھیں مشقیں دکھائی گئیں[60]

سفیر 17 / نومبر 1788 تھائیس نامی جہاز پر برسٹ سے روانہ ہوئے کپتان میکنم آرا ماہی کی بندرگاہ پر اترنا چاہتا تھا مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے کشتی راستے سے بھٹک کر پانڈی چری کی طرف چلی گئی، جہاں وہ 11 / مئی 1789 کو پہنچی[61] ٹیپو نے میکنم آرا کے استقبال کی تیاریاں اسی بڑے

پیمانے پر کی تھیں، جو ایک سفیر کے شایانِ شان ہو سکتی تھیں۔ اس نے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے ساتھ زین العابدین کو ان کے استقبال کے لیے سرحد پر بھیجا۔ لیکن نئی فرانسیسی پالیسی کے مطابق پانڈی چری کے تخلیے کے متعلق احکام پر عمل درآمد کے لیے میکنم آرا رک گیا اور ٹیپو کو مطلع کر دیا کہ اگلے نومبر میں منگلور آئے گا اور اُن تحائف کو اپنے ساتھ لائے گا جو لوئی شانز دہم نے اس کے لیے بھیجے ہیں۔ یہ تحفے چونکہ وزنی ہیں اس لیے سڑک کے راستے سفیروں کے ساتھ بھیجے نہیں جا سکے۔ تاہم سفیروں نے نواب ارکاٹ سے ضروری اجازت نامے حاصل کر لیے اور پندرہ دن بعد سڑک کے راستے کوئمبٹور روانہ ہو گئے جہاں ان دنوں سلطان خیمہ زن تھا۔ ٹیپو خوش تھا کہ سفیر اپنے ہمراہ "کاریگر اور صنعت کار" لائے ہیں جو ایسی صنعتیں میسور میں رائج کریں گے جن سے مشرقی ممالک نا آشنا ہیں، لیکن اسے یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ وہ فرانس کے ساتھ جارحانہ اور مدافعتی معاہدہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

فرانسیسیوں کی ٹیپو سے تجارتی معاہدے کی پیش کش

دریں اثنا ان فرانسیسیوں سے ٹیپو کے تعلقات کشیدہ رہے جو ہندستان میں تھے۔ ستمبر 1787ء ٹیپو نے کورنگوڈ نائر کے علاقہ پر اس لیے قبضہ کر لیا کہ وہ راجہ ٹراونکور اور اس کے دوسرے دشمنوں سے ساز باز کر رہا تھا۔ لیکن فرانسیسی اس علاقے کو اپنی سرپرستی میں سمجھتے تھے اس کے علاوہ یہ علاقہ چونکہ دریائے ماہی کے کنارے واقع تھا اور ماہی کی بندرگاہ سے ان کی تجارت کے لیے اسے بڑی اہمیت حاصل تھی، اس لیے انھوں نے ٹیپو سے درخواست کی کہ اس علاقے کو وہ کورنگوڈ نائر کو واپس کر دے۔ ٹیپو نے پہلے تو فرانسیسیوں کے دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب کولاستری کے راجہ نے، جس کو اس نے ثالث بنایا تھا، فرانسیسیوں کے حق میں فیصلہ کیا، تو اس نے مالابار ساحل پر اپنے اہل کاروں کو ہدایت کر دی کہ وہ علاقہ واپس کر دیا جائے۔ لیکن اس علاقے کے مسالوں کی نفع بخش تجارت کی وجہ سے اسے واپس نہیں کیا گیا اور میسور کے اہل کاروں نے ماہی سے درآمد و برآمد کیے جانے والے سامان پر جو کورنگوڈ نائر کے علاقہ سے ہو کر گزرتا تھا، محصول وصول کرنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو نے خفیہ طور پر احکام جاری کر دیے تھے کہ وہ علاقہ فرانسیسیوں کے حوالے نہ کیا جائے، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ اس کے اہل کار اس کے احکام کو مسلسل نظرانداز

کرتے[76] ٹیپو نے یہ طرزِ عمل کچھ تو اس علاقہ کی تجارتی اہمیت کی وجہ سے اور کچھ فوجی اہمیت کے پیشِ نظر اختیار کیا تھا۔ لیکن اس کا سب سے بڑا سبب فرانسیسیوں کا وہ غیر دوستانہ رویہ تھا، جو مختلف مواقع پر انھوں نے اختیار کیا تھا۔

فرانسیسی مدت سے شمالی مالابار پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ وہ اس علاقے کے مسالوں کی تجارت پر قبضہ کر سکیں۔ ۱۷۷۰ میں ماہی کے فرانسیسی کمانڈر دوپلت نے کتاتاناد کی سیاہ مرچ کی تجارت پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیا تھا اور حیدر علی کے افسروں کو مطلع کر دیا تھا کہ اگر وہ سیاہ مرچ خریدنا چاہیں تو کتاتاناد سے براہِ راست نہیں بلکہ ماہی سے خرید سکتے ہیں۔ اسی نے 1773ء میں زمورن کو اس علاقہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی تھی۔ اس طرح وہ علاقہ فرانس کے زیرِ اقتدار آ گیا تھا اور فرانس کو بلا شرکت غیرے تجارتی مراعات حاصل ہو گئی تھی، اگرچہ حیدر علی اس علاقے پر قبضہ کر چکا تھا۔[77] امریکہ کی جنگِ آزادی کے دوران فرانسیسی مالابار کے ساحل پر اپنی سرگرمیاں موقوف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، لیکن ورسائی کے معاہدے (1783) کے بعد انھوں نے پھر مالابار کے سرداروں کو اسلحہ اور ماہی میں تحفظ دے کر ٹیپو کے خلاف شہ دینے کی پالیسی کا احیاء کیا، تاکہ ان سے تجارتی مراعات حاصل کی جائیں۔ اسی طرح انھوں نے کتاتاناد کے حکمران کو ٹیپو کے خلاف بغاوت کرنے میں مدد دی اور اس کی قلمرو کی سیاہ مرچ کی ساری تجارت پر قبضہ حاصل کر لیا۔[78] ٹیپو کو فرانسیسیوں کی یہ سازشیں اور مالابار کے معاملات میں دخل اندازی کی کوشش سخت ناگوار گزریں، کیونکہ مالابار کے سرداروں کو وہ اپنا باج گزار سمجھتا تھا اور مغربی ساحل کی مسالوں کی تجارت میں اسے خود دلچسپی تھی۔ اس کے افسروں کے متکبرانہ رویے کی یہی وجہ تھی۔ انھوں نے ماہی کی تجارت پر پابندیاں لگا دی تھیں۔ نائروں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ شہر میں گھس گئے گھروں کو لوٹا اور ان کے رہنے والوں کو اٹھا لے گئے۔ ایک موقع پر تو فرانسیسی جھنڈا پھاڑ ڈالا۔[79] کونوے نے جب ٹیپو کو اس کی اطلاع دی تو اس نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے فرانسیسی جھنڈا پھاڑا ہے انھیں سزا دی جائے اور ماہی کے باشندوں کو پریشان نہ کیا جائے۔ ٹیپو نے بے عمل داروں کو تنبیہ بھی کی۔[80] لیکن اس کے باوجود ماہی کے حالات بہتر نہیں ہو سکے۔[81]

ٹیپو کو کچھ عرصے سے اس امر کی تشویش تھی کہ انگریزوں کے ایجنٹ حیدرآباد، پونا، گوالیار اور ناگپور کے درباروں میں جوڑ توڑ کر رہے ہیں۔ چونکہ فرانسیسیوں کو وہ ابھی تک اپنا دوست

سمجھتا تھا' اس لیے تلی کی معرفت یکم نومبر 1788ء کو ان سے درخواست کی کہ وہ انگریزوں سے دریافت کریں کہ انھوں نے نظام سے جو معاہدہ کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ کیونکہ اسے شبہ تھا کہ یہ معاہدہ اسی کے خلاف کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کی تجویز پیش کی لیکن پانڈی چیری کے فرانسیسی حکام نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد نہیں کر سکتے' اور یہ کہ انھیں انگریزوں سے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل نہیں کہ انھوں نے نظام سے کیا معاہدہ کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی دفعہ فرانسیسیوں کے خلاف نہیں ہے۔[76]

فرانسیسی کچھ عرصے سے شاکی تھے کہ ٹیپو نے اپنی قلمرو سے صندل کی لکڑی، سیاہ مرچ، الائچی اور چاول کی برآمد پر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔[77] سلطان نے منگلور سے ماہی کو چاول کی برآمد اس لیے روک دی تھی کہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ انگریزوں کی ٹیلی چیری والی بستی اپنی چاول کی ضرورت ماہی سے ہی حاصل کرتی ہے۔[78] جہاں تک مسالوں کی تجارت کا سوال ہے سلطان کو خود اس میں دلچسپی تھی اور اپنی ریاست میں اس کاروبار پر خود تسلط حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاہم وہ فرانسیسیوں کو مراعات دینے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ اس کے دشمنوں کے خلاف وہ اسے فوجی امداد دیں۔

1786 کے وسط میں پانڈی چیری گورنمنٹ نے مونیراں کو تین چینی کے مرتبان اور پانچ سو بندوقیں لے کر میسور بھیجا جو لوئی شانز دہم نے ٹیپو کو تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ اس کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ وہ ان انتیس لاکھ روپیوں کی ادائیگی کا طریقہ طے کرے جو ٹیپو نے دوسری اینگلو میسور جنگ میں فرانسیسیوں کو دیے تھے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ تین یا چار لاکھ روپے کی مالیت کا جو سامان میسور سے خریدا گیا تھا' اسے برآمد کرنے کی اجازت دی جائے۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ سیاہ مرچ اور الائچی کی بلا شرکت غیرے خریداری کے لیے ایک تجارتی معاہدہ ہو جائے۔[79] پہلے سوال کے جواب میں ٹیپو نے کہا کہ میں روپیہ واپس لینا نہیں چاہتا۔ اس کی نظروں میں سب سے زیادہ اہمیت فرانسیسیوں سے دوستانہ روابط کی ہے۔ مونیراں کے دوسرے مطالبے کی بابت سلطان نے کہا کہ میسور سے' براہ کرناٹک' برآمدات کو اس نے اس لیے ممنوع قرار دیا ہے کہ اس کاروبار سے انگریز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بہر حال اپنے عامل داروں کو وہ اب احکام صادر کر دے گا کہ ان ہی تاجروں کے ہاتھ سوتی کپڑا فروخت کیا جائے جن کے پاس کوسگی کے

پروانے ہوں۔ سلطان نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اپنے مقبوضات میں مسالے خریدنے کی اجازت بھی دے دیگا[50] لیکن کسی عہد نامے پر چونکہ دستخط نہیں ہوئے تھے اس لیے فرانسیسیوں کو سلطان کے زبانی وعدوں کا اعتبار نہیں تھا خصوصاً اس لیے کہ ملابار کی تجارت پر وہ اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا چاہتا تھا[51]

اکتوبر ۱۷[illegible]ء کے شروع میں فرانس نے ایک تجارتی معاہدے کے لیے حسب ذیل تجویزیں سلطان کو بھیجیں۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور نہ اُس کی اجازت کے بغیر مالابار ساحل کے حکمرانوں سے کسی قسم کے تعلقات قایم کریں گے۔ فرانسیسی کمپنی کے جہاز اور ٹیپو کے جہاز ایک دوسرے کی مدد کریں گے اگر کسی دیسی طاقت نے ان میں سے کسی پر حملہ کیا۔ کمپنی کو ٹیپو کی قلمرو میں سیاہ مرچ کی سالانہ پیداوار کی خریداری کا اور ایک خاص مقدار میں جو بعد میں مقرر کی جائے، صندل کی لکڑی، الائچی، سوتی دھاگے، اون، سوتی کپڑے گوند، ہاتھی دانت اور دوسری اشیا کی خریداری میں سہولتیں دی جائیں گی۔ قیمتوں اور خریداری کی شرطوں کا تصفیہ باہمی گفتگو کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ ان برآمدات کی قیمت، ٹیپو کی مرضی کے مطابق، توپوں، دستی بندوقوں، گولہ بارود، جنگی جہازوں، ریشم، ادنی سامان اور یورپ سے لائی ہوئی دوسری چیزوں کی صورت میں ادا کی جائے گی۔ اس تبادلے میں اگر کچھ بقایا رہ گیا تو وہ سونے یا چاندی کی شکل میں ادا کیا جائے گا[52]

اگر ٹیپو سلطان کو یہ تجویزیں منظور نہ ہوں تو اس کے بجائے فرانسیسی کمپنی کو میسور میں پیدا ہونے والی اشیا کو ملک کے بیوپاریوں سے بلا رکاوٹ خریدنے کی سہولتیں مہیا کی جائیں، جن کی قیمتیں ہر سال باہمی گفت وشنید سے طے کی جائیں گی، جس کی منظوری ٹیپو، فرانسیسی کمپنی کے ایجنٹ اور ریاست میسور کے چار بڑے تاجر مشترکہ طور پر دیں گے[53] فرانسیسیوں نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ فرانسیسی کمپنی کو ساحل پر یا ایسے مقامات پر جو اس کی تجارت کے لیے موزوں ہوں تجارتی کوٹھیاں اور گودام بنانے کی اجازت دی جائے۔ ان کی تعمیر کے لیے ٹیپو آراضی فراہم کرے اور ان کے ارد گرد مناسب انداز کی دیواریں کھڑی کرنے کی اجازت دے۔ کمپنی کو اس کی بھی اجازت ہونی چاہیے کہ اپنے اسباب تجارت کو ٹیپو کی قلمرو میں خشکی یا پانی کے راستے سے، بلا چنگی ادا کیے ہوئے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔ یورپ سے لائے ہوئے فروخت شدہ سامان پر اور ہندستانی مال کی برآمد پر سال میں صرف ایک مرتبہ محصول لیا جائے۔ لیکن اگر یورپ سے درآمد کیا ہوا مال فروخت

نہیں ہوا ہے اور کمپنی اُسے برآمد کرنا چاہے تو اس کا محصول اس سے دوبارہ وصول نہ کیا جائے۔ کمپنی کو اجازت ہونی چاہیے کہ ہر سال منگلور سے یا میسور کی کسی اور بندرگاہ سے چاول کی ایک مقررہ مقدار بلا محصول ادا کیے ہوئے برآمد کرے۔ کمپنی سونے اور چاندی یا اپنے ملازموں کے استعمال کی چیزوں پر بھی محصول ادا نہیں کرے گی۔ کمپنی کے تمام ملازمین خواہ یورپین ہوں یا ہندستانی، دونوں اس کے سول قوانین کے تابع ہوں گے۔[۲۶] ان تجاویز کو سلطان نے اس معقول بنا پر مسترد کردیا کہ وہ اگر اُن کو منظور کرلے تو فرانسیسیوں کو اس کی سلطنت میں تجارت اور کاروبار کی مکمل اجارہ داری حاصل ہوجائے گی۔ اور یہ صورتحال اس کے لیے ناقابل قبول تھی۔ اس کے علاوہ، جس امر کا وہ خواہاں تھا، وہ تجارتی معاہدہ نہیں بلکہ دفاعی و جارحانہ اتحاد تھا۔ بہرکیف چونکہ انگریزوں سے جنگ سر پر منڈلا رہی تھی، اس لیے ٹیپو نے فرانسیسیوں کی دوستی حاصل کرنے کی غرض سے انھیں صندل کی لکڑی، مسالے اور چاول منگلور سے برآمد کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس سے وہ مطمئن نہیں ہوئے کیونکہ جو رعایتیں انھیں ٹیپو نے دیں وہ ان کی تجاویز سے بہت کم تھیں اور چیزوں کی قیمتیں بازار کے نرخ سے بہت زیادہ تھیں۔[۲۷] بہرطور ٹیپو انھیں اس وقت تک مزید مراعات دینے کے لیے تیار نہیں تھا، جب تک کہ اس کے دشمنوں کے خلاف وہ اُسے فوجی امداد دینے کے لیے راضی نہ ہوجائیں۔

(باب 7 کے حاشیے)

1. See, P. 52 Supra

2. A.N., c^2 169, de Souillac to Tipu, Aug. 19, 1785, ff 179 a, seq; Ibid., de Morlat to Tipu, Sep. 14, 1785, f 149 b.

3. Ibid., de Souillac to Rama Rao, June 9, 1785, ff 156 a, seq; also Tipu to de Morlat, undated, ff 154b-155 b, and Tipu to de Souillac, Sept. 21, 1785.
سوئی لیک چاہتا تھا کہ اونور اور اس کے آس پاس کے علاقے اس کے حوالے کر دیے جائیں کیونکہ پچھلی لڑائی میں انگریزوں نے ماہی کی قلعہ بندیوں کو تباہ کر دیا تھا۔ نئے مورچے بنانا بہت گراں پڑتا۔ ڈی سوئی لیک تو بنگلور لینا پسند کرتا مگر اسے معلوم تھا ٹیپو وہ ہرگز نہیں دے گا۔ (C^2, 169, f 22 b)

4. Ibid., Tipu to de Souillac, Aug. 3, 1785, f 63 b; also Ibid., Tipu to Louis XVI, 3 zilhijja A.H/Oct. 7, 1785, ff 163 a-64 b.

5. Ibid., from de Souillac, Aug. 3, 1785, No. 15

6. P.A. MS. No. 492, Bussy to de Castries, Oct. 20, 1784

7. Ibid., No. 437, Bussy to Vergennes, Aug. 4, 1784.

8. Ibid, No. 894

9. Ibid., also A.N., C^2 172, Cossigny to Nana, undated, ff 181 a-b

10. A.N., C^2 237, Cossigny to Nizam, Aug. 3, 1787, No. 132

11. P.A. MS., No. 944, Cossigny to Montigny, Dec. 27, 1786

12. P.R.C., vol. ii, No. 17.

13. Ibid.

14. A.N., C^2 172, Cossigny to Tipu, undated, f 30 b.

15. Ibid., Cossigny to de Castries, Jan. 20, 1786, f 22 b

16. Ibid., Feb. 22, 1786, ff. 28 a-b
17. Ibid., Jan. 20. 1786, f 23 a
18. Ibid., f 22 b
19. A.N., c^2 169, from de Souillac, Sept. 15, 1785, f 22 a, also c^4 67, de Souillac to de castries, Nov. 25, 1785, No. 51.
20. P.A. MS., No. 550
21. Ibid., 894
22. Ibid., No. 952, Cossigny to Nana, Jan. 5, 1787

صورت حال یہ تھی کہ اگر انگریز ٹیپو یا نظام کی مدد کریں تو فرانسیسی دوسرے فریق کا ساتھ دیں۔

23. P.R.C., vol. ii, No. 17
24. A.N., c^2 180, Conway to de Castries, July 19, 1787, ff 127 seq.
25. Ibid., c^2 237, Cossigny to Castries, Oct. 12, 1787, ff. 187 seq.

ٹیپو فرانسیسی حکام سے بار بار کہہ رہا تھا کہ لوئی شانزدہم کے پاس وہ اپنا سفیر بھیجنا چاہتا ہے۔ دیکھو

A.N., c^2 169, Tipu to Souillac, Aug. 3, 1785, f 63 b; also P.R.C., vol. ii, No. 17;

26. Hukumnamah, No. 1677, f 5b

ہندوستانی حکمرانوں کا یورپ کے درباروں میں سفیر بھیجنا ٹیپو کی اختراع نہیں تھی۔ رگھوناتھ راؤ پیشوا نے برطانوی حکومت کا تعاون حاصل کرنے کے لیے مینا رپارسی کو انگلستان بھیجا تھا۔ نانا کے ذہن میں بھی ایک مدت سے یہ بات تھی کہ ٹیپو کے اقتدار کو ختم کرنے کے کام میں انگریزی کمپنی کی مدد حاصل کرنے کے لیے اپنا ایجنٹ انگلستان بھیجے۔ دیکھیے

(P.R.C., vol. ii, Nos. 42, 54, 70, 77, 88)

27. Hukumnamah, No. 1677, (R.A.S.B) ff 22a-26a;
28. Hukumnamah, No. 1676, ff 4 a-13 a

29. Ibid., f 13b; Hukumnamah, No. 1677, ff 7b-8b

30. دیکھیے اگلا باب۔ ہندوستانی حکمرانوں کا یورپ کے ممالک کو سفیر بھیجنا ٹیپو تک ہی محدود نہ تھا۔

31. A.N., C^2 179, de Souillac to Cossigny, Nov. 22, 1786, ff 9a-b.

لاآرور، اگرچہ سلطان کو پیش کی گئی تھی اور راستے بھر اسے اپنا جھنڈا لگانے کی اجازت دی گئی تھی، تاہم فرانس کے ساحل کے قریب پہنچنے کے بعد اس پر فرانسیسی جھنڈا لگایا جانا تھا۔ دیکھو

(C^2 179, Cossigny's instructions to Monneron, July 21, 1787, ff 43 a seq)

32. P.A. MS., No. 1036; P.R.C., vol. ii, No. 45; Tantet, L'Ambassade de Tippou, PP., 1 seq.

33. A.N., C^2 73, de Souillac to Cossigny, Nov. 22, 1786, No. 41; $C^2$174, Monneron to de la Luzerne, April 28, ff 111a seq; and C^2 179, de Souillac to Cossigny, March 25, 1787, ff 29 a seq.

کونوے کے بیان کے مطابق مینران نے ٹیپو کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سفیروں کو پانڈیچری بھیجا جائے، لیکن اس نے کوسگنی سے اسے پوشیدہ رکھا تھا۔ منگلور وہ اس لیے گیا تھا کہ اپنی کشتی کو مسالے کے مال سے بھرے۔ اگرچہ ڈی سوئی لیک نے اسے سیدھے راس امید جانے کی ہدایت کی تھی، تاہم سامان اُتارنے کے لیے وہ جزیرۂ فرانس اور جزیرۂ باربون میں بھی لنگر انداز ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مینران کو سفارتی مشن سے زیادہ اپنے تجارتی منافع سے دل چسپی تھی۔

(C^2 180, Conway to de la Luzerne, No. 16)

34. ولکس کا کہنا ہے کہ عثمان خاں ٹیپو کا خدمت گار تھا۔ (vol. ii, P. 361)

لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ عثمان خاں حیدر علی کا ایک بڑا معتمد تھا، جسے متعدد سفارتی مہموں پر اس نے بھیجا تھا۔ شاہی محل کے دواخانے کا، جراحوں اور طبیبوں کا سپرنٹنڈنٹ بھی رہا تھا۔ ٹیپو نے جب اسے پیرس بھیجا تو اس کی عمر پچاس، اور ساٹھ کے درمیان تھی۔ (P.R.C., vol. ii, No. 45; Sec. Pro., July 8, 1782)

سفیروں میں سب سے کم سن درویش خاں تھا، جس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ (C^2 187, f 45 a)

35. Tantet, L'ambassade de Tippou, P. 138

36. A.N., C^2 174. Monneron to de la Luzerne, April 28, 1788, ff 111 a seq.

ولکس نے سفارت کی روانگی کی جو تاریخ لکھی ہے، وہ غلط ہے۔

37. Ibid.

38. Ibid., de Morlat to de la Luzerne, March 26, 1788, 100 a seq.

پیوران دی مورلٹ نے سفیروں کے استقبال کا اہتمام برسٹ میں کیا تھا۔

39. Tantet, L'ambassade de Tippou, P. 9; P.A.MS; No. 996; Michaud, vol. i, P. 138.

معلوم ہوتا ہے کہ منیران کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ 'لے آرون' برسٹ نہیں، بلکہ تولوں جائے، کیونکہ سفیروں کے لیے برسٹ انتہائی سرد مقام ہوگا۔

(A.N., C^2 174, Monneron to de Luzerne, April 28, 1788)

40. Tantet, PP. 9–10; also F.O. 27/28, Dorset to Cormathian, June 19 and 26, 1788, No. 43; A.N., C^2 174, Extract from the Register of the Controle de la Marine, Toulon, June 18, 1788, ff 141 a seq, Marseilles, June 26, 1788, ff 179 a seq.

41. Ibid., Launay to de la Luzerne, July 18, 1788, f 269 a; Ibid., July 23, 1788, f 274 b; Journal de Paris, June 30, 1788, PP. 794–95.

42. A.N., C^2 174, Launay to de la Luzerne, July 23, 1788, f 274 a; Ibid., from de la Luzerne, July 26, 1788, f 258 a.

43. Ibid., July 18, 1788, ff 268 a–b, July 23, 1788, ff 275 a–b; July 26, 1788, f 280 a.

44. فرانسیسی حکام کی یہ پالیسی تھی کہ وہ لوگوں کو، خصوصاً غیر ملکیوں کو، سفیروں سے ملنے سے روکتے تھے تاکہ وہ کسی ساز باز کا شکار نہ ہو جائیں۔ (C^2 187, f 45 b)

45. F.O. 27/28, Dorset to Carmathian, July 24 and 31, 1788, No. 52, 54.

اس ڈنر میں سفیروں نے صرف ترکاریاں اور فواکہات ہی کھانے پر اکتفا کی۔ کیونکہ گوشت ایسے جانوروں کا تھا جو ان کے عقیدے کے مطابق ذبح نہیں کیے گئے تھے۔

46. A.N., C^2 189, to Lt. General of Police, Versailles, Aug. 4, 1788, f 8 a.

47. Ibid., to M. de Braze, f 9 a

48. Ibid., to ambassadors, Aug. 10, 1788, f 43 a

49. Ibid., Memoirs, f 52 a.

ایک خبر جو میلٹ کو ملی تھی اس کے مطابق سفیر جو تحائف لے گئے تھے ان کی قیمت تین لاکھ پونڈ اسٹرلنگ تھی۔ ان کے علاوہ اُنیس لاکھ روپے منسوخ شدہ وہ تمسکات بھی تھے جو فرانسیسیوں کے ذمے ٹیپو کے واجب الادا تھے۔
(P.R.C., vol. iii, No. 9)

50. Ibid., ff 35 a-b; C^2 174, ff 246 a-247 b; F.O. 27/29, Dorset to Carmathian, Aug. 11, 1789, No. 57.

51. سفیروں کا سپاس نامہ فارسی میں (فرانسیسی ترجمے کے ساتھ)۔ A.N., C^2 174

52. A.N., C^2 189, f 149 a

(ایک خط کی نقل جو فارسی میں ہے اور جو 2 ستمبر 1788ء کو سفیروں نے ڈی لوزرن کو پیش کیا تھا۔)

53. Holden Furber, John Company at work, PP. 73-4.

54. I.O., Sec. despatches to Bengal (1788-1803). See letter to Governor-General in Councill, July 15, 1788, P. 2; also F.O., 27/29, Dorset to Carmathian, 7 and 14 August, 1788, No. 55, 58.

55. A.N., C^2 187, Louis xvi to Tipu, Aug. 16, 1788, f 56 a.

56. Ibid., 189, Counseil d'etat, Aug. 7, 1789, ff 37a-38a.

57. Ibid., 187, f 54 a

ٹیپو نے فرانسیسی وزیروں کو لکھ بھی دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو انھیں قرض دیدیں۔

58. Ibid., Memoire, Nov. 2, 1788, ff 5a-b,

فرانس کی حکومت نے قرض کی یہ رقم تاجروں کو ادا کر دی تھی۔

59. A.N., C² 189, Launay to de la Luzerne, Sept. 21, 1788, f 197 a,

Ibid., de la Luzerne to Ruffin, Sept. 22, 1888, f 199 a.

پیرس میں سفیروں کے قیام پر فرانس کی حکومت نے 2,63,122 لیورے خرچ کیے تھے۔ لیکن پانڈیچری سے روانگی کے وقت سے لے کر پانڈیچری پہنچنے تک' اواخر جنوری 1787ء تک' اس سفارت کے سلسلے میں' مجموعی طور پر، فرانسیسی حکومت کو 8,19,284 لیورے خرچ کرنے پڑے تھے۔ اس کے علاوہ فرانسیسی حکومت نے چوبیس ہزار لیورے کی قیمت کے چینی کے ظروف ٹیپو کو تحفے کے طور پر بھیجے تھے (اس رقم میں دوسرے تحائف کی قیمت شامل نہیں ہے)۔ سفیروں کو بھی چھ ہزار لیورے کی قیمت کے چینی ظروف دیے گئے تھے۔ (Ibid., f 337a)

لیورے ایک برطانوی پونڈ کے برابر تھا۔

60. A.N., C² 187, de Morlat to de la Luzerne, Nov. 3, 1788, ff 10a-b; ambassdors to de la Luzerne, Nov. 17, 1888, ff 24a-b.

61. Tantet, L'ambassde de Tippou, PP. 28-9; A.N., C² 187 Macnamara to de la Luzerne, June 12, 1789, f 83a.

62. Ibid., ff. 76 a seq.

63. Tantet, L'ambassade de Tippou, PP. 28-9

لیکن ٹیپو کو میکنامار نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ایک برطانوی اسکوڈرن چونکہ مدراس پہنچ گیا ہے، اس لیے ایک جنگی جہاز کی کمانداری کے لیے اسے پانڈیچری میں رکنا پڑا ہے۔

(A.N., C[2] 187, Macnamara to Tipu, June 23, 1789, f 79b)

Ibid. .64

.65 Ibid., Macnamara to de la Luzerne, June 12, 1789, ff 83 a-b; Tantet, L'ambassade de Tippou, PP. 28-9.

.66 Ray, Some India Office Letters of Tipu, No. 14

ٹیپو نے فرانسیسی حکومت سے جن کاریگروں اور صنعت کاروں کو میسور بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا، ان کی فہرست یہ ہے:
توپیں ڈھالنے والے دس ؛ بندوق بنانے والے دس ؛ آتشگیر بم بنانے والے دس ، چینی کے برتن بنانے والے دس ؛ شیشہ گر دس ؛ اون صاف کرنے والے دس ؛ گھڑی بنانے والے دس ؛ سوتی کپڑے بنانے والے دس ؛ مشرقی زبانوں کی طباعت کا کام جاننے والے دس ، بُنکر دس ؛ مشّاق ڈاکٹر ایک ؛ سرجن ایک ؛ انجینیر ایک ؛ کارتوس ڈھالنے والا ایک ؛ لونگ اور کافور کے درخت ؛ یورپ کے پھلوں کے پودے ؛ مختلف اقسام کے پھولوں کے بیج ؛ السی کے بیج اور اس کی کاشت کرنے والے دس آدمی.

یہ فہرست اس سپاس نامے سے مرتب کی گئی ہے جو ٹیپو کے سفیروں نے لوئی شانزدہم کو پیش کیا تھا.

(C[2]174, Persian Text, ff 250 a-b, French translation, ff 251 a seq, Shawwal 28, 1202 A.H./Aug. 1, 1788)

بہرطور ٹیپو کی ملازمت اختیار کرنے پر رضامند ہونے والوں کی فہرست یہ ہے: توپ ڈھالنے والے دس ، بندوق بنانے والے دس ، کارتوس تیار کرنے والے دس ، چینی کے ظروف بنانے والے دس ، شیشہ گر دس ، بُنکر دس ، شال باف دس ، گھڑی بنانے والے دس ، سن کی کاشت کرنے والے دس ، مشرقی زبانوں کی طباعت کا کام کرنے والے دس ؛ ڈاکٹر ایک ، سرجن ایک ؛ انجینیر دو ؛ باغبانی کرنے والے دو۔

ان سب لوگوں نے سفیروں سے معاہدے کیے تھے۔ ان کی تنخواہیں حسب ذیل تھیں:
گھڑی بنانے والے سو روپے ماہوار، پیشگی بارہ سو ؛ ڈاکٹر و سرجن دو دو سو روپے ماہوار اور پیشگی چھ چھ سو ، باغبان کو سرسٹھ روپے ماہوار، پیشگی چھ سو ؛ انجینیر کو دو ہزار روپے سالانہ۔ سب سے کم بُنکر اور اس کی بیوی کی تنخواہ تھی۔ اوّل الذکر کو 720 روپے اور موخر الذکر کو 380 روپے سالانہ۔

(A.N., C[2] 187, ff 13a-16a; C[2] 189, ff 256a-62a)

.67 Wilks, vol. ii, P. 361; Michaud, vol. i, P. 140

ان دونوں کا بیان ہے کہ سفیر کچھ دنوں تک معتوب رہے۔

P.A.MS., Nos. 1089, 4565, 1199 .68

ماہی اسی نام کے دریا کے جنوبی دہانے پر کورنگوڈنائر کے علاقے سے بہت قریب دریا کے دوسرے کنارے پر واقع تھا۔

Ibid., Nos. 4571-4 .69

A.N., C^2 191, Canaple to Conway, March 29, 1789, No.16 .70

Law de Lauristan, Etat Politique de l' Inde en 1777, .71
Intro, PP. 22-4.

P.A.MS., Nos. 4592, 4624 72

A.N., C^2 191, Canaple to Conway, March 29, 1789, No. 16 .73

Ibid., Tipu to Conway, June 15, 1789, No. 16 .74

.75 لیکن ٹیپو کے افسروں کی دراز دستی کی فرانسیسی روداد کو ہمیں آنکھ بند کرکے نہ مان لینا چاہیے۔ دی فرسنے نے خود تسلیم کیا ہے کہ واقعات کے بیان کرنے میں اس نے مبالغے سے کام لیا ہے تاکہ ٹیپو پر اثر ہو اور اس کے افسروں کی حرکتوں کی روک تھام ہو سکے۔

(A.N., C^2 291, de Fresne to de la Luzerne, Aug. 7, 1790,
No. 13)

P.A.MS., No. 1006 76

Ibid., No. 894 77

Ibid., Nos. 4631-32 .78

تو ابھی منگلور سے چاول حاصل کرکے تیلی چری کو بھیجتا تھا۔ حقیقتاً بڑے پیمانے پر چاول کی اسمگلنگ ہوتی تھی اور ٹیپو کے افسر بھی اس میں شریک تھے۔ اسی کے پیش نظر سلطان نے فیصلہ کیا کہ ساحلی علاقے کا سارا چاول خرید کر وہ خود فروخت کرے۔

(A.N., C^2 191, Canaple to Conway; May 12, 1789, No. 16) 79

A.N., C^2 172, Cossigny's instructions to Monneron,
envoy to Tipu Sultan, Feb. 2, 1786, ff 197a-198b

Ibid., Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, .80
ff 201a seq.

Ibid. .81

لیکن کوسگنی کا بیان ہے کہ پابندیوں کے اٹھ جانے کے بعد پانڈیچری کی تجارت کی حالت بہتر ہوگئی اور میسور سے سامان روزانہ شہر میں آنے لگا۔

(Ibid., Cossigny to de Castries, July 6, 1786, ff 45a seq.)

82. P.A.MS., No. 1089

83. Ibid.

84. Ibid

85. Ibid., No. 4609

آٹھواں باب

قسطنطنیہ میں سفارت

1784ء میں ٹیپو سلطان نے عثمان خاں کو یہ معلوم کرنے کے لیے قسطنطنیہ بھیجا کہ آیا عثمانی حکومت میں ایک سفارت خانہ قائم کرنا مفید ہوگا یا نہیں؟ امید افزا جواب پا کر اس نے ایک سفارتی مشن قسطنطنیہ بھیجا۔ غلام علی خاں، نور اللہ خاں، لطف علی خاں اور جعفر خاں مشن کے ارکان، اور سید جعفر و خواجہ عبد القادر مشن کے سکریٹری مقرر کیے گئے۔[1] مشن کو ہدایت کی گئی تھی کہ قسطنطنیہ سے وہ پیرس اور پھر لندن جائے اور فرانس و انگلستان کے بادشاہوں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ نظام اور مرہٹوں کو مرہٹہ میسور جنگ میں مدد نہ دیں[2] لیکن انھیں چوں کہ قسطنطنیہ ہی سے واپس بلا لیا گیا، وہ اپنے مشن کے اس جز کی تکمیل نہ کر سکے۔ اسی اثنا میں ٹیپو نے ایک خاص سفارتی مشن ورسائی کے دربار میں بھیجا[3]

ٹیپو نے ایک سفارتی مشن اس غرض سے قسطنطنیہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ عثمانی خلیفہ سے میسور کی بادشاہت کی سند حاصل کرے[4] ٹیپو نے یہ کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔ شاہانِ مغلیہ کے سوا، جو خود کو خلیفہ سمجھتے تھے، ہندستان کے متعدد حکمرانوں نے اپنی تخت نشینی کی توثیق خلیفۂ وقت سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح التوتمش اور محمود غزنوی نے اپنی تخت نشینی کی توثیق بغداد کے عباسی خلفا سے کرائی تھی اور محمد بن تغلق فیروز شاہ تغلق اور مالوہ کے بادشاہ محمود نے یہ سند مصر کے عباسی خلفا سے حاصل کی تھی۔ اب جبکہ خلافت سلاطین عثمانی کی طرف منتقل ہو گئی تھی ٹیپو عثمانی خلیفہ سے یہ سند اس لیے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس کی حیثیت باضابطہ ہو جائے۔ جو کچھ بے ضابطہ سی معلوم ہوتی تھی۔ نظام، نواب کرناٹک اور مرہٹوں کے پاس اپنے علاقوں کی ملکیت کی سندیں موجود

تھیں ٹیپو کے باپ حیدر علی تک کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ وہ راجہ میسور کا "دالاوائی" تھا اور بسالت جنگ کی وساطت سے صوبہ سیرا کی حکومت کی سند مغل شہنشاہ سے حاصل کرلی تھی۔ دوسری طرف ٹیپو کو ایک غاصب سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس نے میسور کے راجہ کو تخت سے اتار دیا تھا جو مغل شہنشاہ کا باج گزار تھا۔ یہ صورتِ حال سلطان کے لیے بہت پریشان کن تھی اس لیے اس نے خلیفہ کے پاس اپنے سفیر بھیج کر حکمرانی کی سند حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس قسم کی توثیق وہ مغل شہنشاہ سے حاصل کرنا پسند کرتا، مگر وہ جانتا تھا کہ اس میں وہ کامیاب نہ ہوگا۔ 1783 میں اپنے وکیل مکند لال، متعینہ دہلی، کی معرفت ارکاٹ کی سند اور ہفت ہزاری منصب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی پیش کش اور ایک بڑی رقم شہنشاہ کو نذر گزارنے کے لیے بھی کہا تھا۔ مانتگنی نے بھی، جو دہلی میں فرانس کا نمائندہ تھا، اس کی پیروی کی تھی اور نواب امیر الامرا (محمد شفیع خاں) اور دوسرے امرا کو اس نے ہموار بھی کر لیا تھا۔ پہلے تو شہنشاہ شاہ عالم فرانسیسیوں کی طرف رجوع تھا اور اُن کے ساتھ اس مقصد کے لیے اتحاد کرنے کے لیے تیار تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے خارج کر دے۔ لیکن میجر براؤن نے، جو دہلی میں انگریزی کمپنی کا نمائندہ تھا اور مجدالدولہ نے، جو شاہ عالم کا مقرب وزیر اور انگریزوں کا بڑا حامی تھا، ٹیپو کے وکیلوں کے اور فرانسیسیوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس کا صرف یہی نتیجہ نہیں ہوا کہ ٹیپو کو ارکاٹ کی سند نہیں ملی، بلکہ وہ خلعت سے بھی محروم رہا۔

دہلی سے ارکاٹ کی سند حاصل کرنے میں ناکام ہوکر ٹیپو نے اس خیال سے، قسطنطنیہ سے سند حاصل کرنے کا فیصلہ کیا کہ عثمانی خلیفہ سے حاصل کی ہوئی سند ناکارہ مغل شہنشاہ کی سند سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہوگی۔

اپنی حیثیت کو قانونی شکل دینے کی خواہش سے قطع نظر، انگریزوں کے خلاف، جو اس کے انتہائی خطرناک دشمن تھے اور اسے تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے ٹیپو خلیفہ سے فوجی امداد بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے باپ حیدر علی نے 1785 میں شیراز سے، جو فارس میں ہے، ایک ہزار آدمیوں کی مدد حاصل کی تھی۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی تھی کہ اسی طرح کی فوجی امداد اسے ترکی سے نہ مل سکے۔ اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے اور اپنے مطالبے کی فوری اہمیت جتانے کے لیے خلیفہ کے مذہبی جذبات کو ابھارنے کی اس نے کوشش کی۔ اس نے خلیفہ کو لکھا کہ انگریزوں نے بنگال پر، کرناٹک پر اور ہندوستان کے دوسرے حصوں پر قبضہ

کر لیا ہے، جو مغل شہنشاہوں کے ملک تھے۔ انگریز مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں، انھیں زبردستی عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر رہے ہیں اور مسجدوں کو گرجا گھروں میں تبدیل کر رہے ہیں[13]۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ٹیپو کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اپنی سلطنت میں صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دے، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف سے ان کی عدم توجہی ہے اور یورپ کے باشندے چونکہ پورے انہماک کے ساتھ اس طرف توجہ دے رہے ہیں اس لیے مسلمان ملکوں پر ان کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے[14]۔ چنانچہ سفیروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ سلطنت عثمانیہ میں تجارتی مراعات حاصل کریں اور قسطنطنیہ سے صنعت و حرفت کے ایسے ماہرین اپنے ساتھ لائیں، جو میسور میں مختلف صنعتوں کو جاری کریں[15]۔ بصرے سے انگریز ایجنٹ نے اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "ہمارے پاس اس امر کے یقین کرنے کے اسباب موجود ہیں کہ ترکی میں سفیر اس لیے گئے تھے کہ ترکی مقبوضات میں کارخانے قائم کرنے کے لیے فرمان حاصل کیے جائیں[16]۔ سفیروں کو مسقط میں قیام کرنے کی بھی ہدایت کی گئی تھی تاکہ ان تجارتی اور دوستانہ تعلقات کو مضبوط تر کیا جائے جو عمان کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ خلیج فارس سے گزرتے ہوئے بوشہر پر بھی اتریں اور شاہِ فارس سے تجارتی مراعات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ انھیں یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ خلیج فارس کا بحری جائزہ لیں، اور جن مقامات سے وہ گزریں وہاں کے جغرافیائی، سماجی، سیاسی و معاشی حالات کا مطالعہ کریں اور اپنے تجربات کو قلم بند کرتے رہیں[17]۔

وفد کے قائد غلام علی خاں کو ہدایت کی گئی تھی کہ عثمانی حکومت سے مندرجہ ذیل بنیادوں پر معاہدہ کرے: پہلی بات یہ ہے کہ میسور اور عثمانی حکومتوں میں ہمیشہ دوستانہ تعلقات قائم رہیں۔ دوسرے یہ کہ عثمانی حکومت ٹیپو کی مدد کے لیے فوج بھیجے، جس کے اخراجات حکومت میسور برداشت کرے گی اور جب کبھی خلیفہ کو اُن کی ضرورت ہوگی تو قسطنطنیہ تک ان کی واپسی کے اخراجات بھی اسی کے ذمے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ خلیفہ ٹیپو کے پاس ایسے صنعت کار بھیجے جو بندوقیں اور توپیں ڈھال سکیں، جو شیشے اور چینی کے برتن اور دوسری چیزیں بنا سکیں۔ اس کے بدلے میں ٹیپو بھی ایسے کاریگروں کو، جو اس کی قلمرو میں پائے جاتے ہوں اور جن کی خلیفہ کو ضرورت ہو، قسطنطنیہ بھیجے گا۔ اور آخری بات یہ کہ سلطنت عثمانی کے حدود میں اسے تجارت کی سہولتیں ملیں۔

اس کے بدلے میں ٹیپو بھی عثمانی حکومت کو اسی قسم کی سہولتیں اور رعایتیں مملکت میسور میں دے گا
ٹیپو نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ ٹیپو کو بصرہ کی بندرگاہ دے دے، اس کے بدلے میں وہ خلیفہ
کو بندرگاہ منگلور پیش کر دے گا۔[18]

سفرا 17 نومبر 1785ء کو سرنگا پٹم سے روانہ ہوئے اور ساحل مالابار کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ
تدری سے چہار شنبہ 9 مارچ کو چار جہازوں میں سوار ہوئے، جن کے نام یہ تھے: ضرب سمتی،
فخر المراکب، فتح شاہی معاذی اور نبی بخش۔ ان کے ساتھ بہت بڑا عملہ تھا، جو تقریباً نو سو افراد
پر مشتمل تھا، جن میں سکریٹری، ترجمان، خدمت گار، جاروب کش، باورچی اور فوجی سپاہی تھے
اُن کے ساتھ کافی مقدار میں کپڑے، صندل کی مصنوعات، مسالے، میسور کے سونے اور چاندی کے
سکے، بیش قیمت ملبوسات، جواہرات اور چار ہاتھی تھے۔[19] ان میں سے کچھ ٹیپو کی مملکت کی مصنوعات
تھیں، جو تشہیر کے لیے بھیجی گئی تھیں اور جنھیں مختلف ساحلی مقامات پر قیام کے دوران فروخت
کیا جا سکتا تھا۔ باقی سامان امراء، اعلیٰ افسروں، عمان، فارس اور ترکی کے حکمرانوں کو تحفے کے
طور پر پیش کیے جانے کے لیے تھا۔ جہاں تک ہاتھیوں کا تعلق ہے، ان میں سے ایک تو عثمانی
خلیفہ کو پیش کرنے کے لیے اور دوسرا فروخت کر کے اخراجاتِ سفر پورے کرنے کے لیے تھا۔
باقی دو ہاتھی فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں کی خدمت میں پیش کیے جانے کے لیے تھے،
جہاں سفیروں کو قسطنطنیہ میں اپنے فرائض انجام دینے کے بعد جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔[20]

تدری سے چل کر ان کے جہاز سیدھے ساحلِ عرب کی طرف چلے اور 15 اپریل کو مسقط
پہنچے۔ خلفان بن محمد، گورنر مسقط اور اس کے دو بیٹوں نے سفیروں کا خیر مقدم کیا۔ بعد میں
نور اللہ خلفان سے ملنے گیا اور دو خط اس کو دیے۔ ان میں سے ایک اس کے نام اور دوسرا
امامِ عمان کے نام تھا۔ امام چونکہ اپنے پایۂ تخت اسطاق میں تھا، اس لیے اس کا خط وہیں بھیجا
گیا۔ 27 اپریل کو امام خود مسقط پہنچ گیا۔ اس نے نور اللہ سے ہندستان میں انگریزوں کے
پیر پھیلانے کا حال پوچھا اور خلفان کو ہدایت کی کہ ٹیپو کے معاملات میں ذاتی دل چسپی لے۔[21]

اسی دوران میں سفیروں نے کچھ سامان فروخت کر دیا۔ مختلف اقسام کے کپڑے اور
شالیں ماد جی سیٹھ نے خریدیں جو مسقط میں ایک ہندستانی دلال تھا۔ صندل کی لکڑی بھی اسی
کی معرفت 67 بن حیدری فی کینڈی اور الائچیاں جن کا وزن ساڑھے چار کینڈیاں تھا پچھتر
بن فی رطل کے نرخ سے فروخت کر دیں۔[22]

25 جون کو سفیر مسقط سے روانہ ہوئے اور کئی بندرگاہوں اور جزیروں کی سیر کرتے ہوئے 23 جولائی کو بوشہر پہنچے۔ شیخ ناصر گورنر بوشہر نے اپنے بیٹے کو خیر مقدم کا پیام دے کر بھیجا۔ وہ خود اس لیے نہیں آسکا تھا کہ اسے ایک مہم پر جانا تھا۔ سفیروں کو مطلع کیا گیا کہ شیخ ناصر کا ارادہ ایک مشن میسور بھیجنے کا ہے تاکہ وہ منگلور میں ایک فیکٹری قائم کرنے کی اجازت ٹیپو سے حاصل کرے اور اس کے بدلے میں ٹیپو کو بھی اجازت ہوگی کہ وہ بوشہر میں ایک فیکٹری قائم کردے سفیروں سے درخواست کی گئی کہ وہ اس تجویز کو اپنی سفارش کے ساتھ سلطان کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ سفیروں نے شیخ ناصر کے نمائندوں کو اپنے آقا کے نام سفارشی خطوط دیے[23] بصرہ پہنچ کر انھوں نے اس مضمون کا ایک خط جعفر خاں، شاہِ فارس، کو بھیجا کہ ٹیپو کی خواہش ہے کہ فارس سے تجارتی روابط قائم کرے اور فارس کے تاجر اس کے بندرگاہوں پر تجارت کی غرض سے آئیں[24]

28 جولائی کو سفیر بوشہر سے روانہ ہو کر 30 کی رات کو جزیرہ خرگ پہنچے 7 اگست کی رات کو ایک (عربی جہاز) اور فتح شاہی سترہ دوسری بڑی کشتیوں کے ساتھ جزیرہ خرگ سے ایک ساتھ روانہ ہوئے کیونکہ انھیں کعب کے بحری قزاقوں کا خطرہ لاحق تھا، جو بصرے کے راستے میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ خیر گو سے کچھ فاصلے پر وہ لنگر انداز ہوئے، جہاں سے 11 کو روانہ ہو کر اگلے دن دیلم، بنگ، اور بحرگان کی بندرگاہوں سے ہوتے ہوئے گزرے اور اس کے بعد خور موسی میں داخل ہوئے[25]

موسم کی خرابی اور شمال کی وجہ سے شط العرب تک جہازوں کی رفتار بہت سست رہی۔ 17 کی صبح کو وہ خود بصرہ میں داخل ہوئے۔ سفیروں نے پہلے ہی ایک قاصد ابراہیم آغا متسلم بصرہ کی خدمت میں بھیج کر اپنی آمد کی اطلاع کر دی تھی۔ اس لیے جب وہ محامرہ، دربند اور دوسرے قریوں سے گزرے جو شط العرب کے ہر دو جانب آباد تھے، تو ان کے استقبال کے لیے حاجی محمد آفندی دفتردار اور حاجی جواد کپتان پاشا موجود تھے۔ وہ اپنے ساتھ سات کشتیاں لائے تھے تاکہ انھیں بصرہ حفاظت کے ساتھ پہنچا دیں، کیونکہ کعب کے بحری ڈاکوؤں کا ڈر تھا۔ ترکی افسروں نے داؤسیف کی حفاظت کے لیے اپنے دو افسر وہیں چھوڑے اور باقی کو ساتھ لے کر آگے چلے تاکہ دوسرے جہازوں کی حفاظت کریں جو پیچھے آرہے تھے[26] اسی اثنا میں خبر موصول ہوئی کہ 18 اگست کی شب کو جہاز نبی بخش میں آگ لگ گئی اور وہ غرق ہو گیا۔ جس کی وجہ سے پچاس جانیں ضائع ہوئیں جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ایک سفیر جعفر خاں کی بروقت کوشش سے باقی لوگ

بچ گئے۔ جب فتح شاہی اور غراب سورتی پہنچے تو داد سیف نے لنگر اٹھایا اور وہ سب ایک ساتھ 20 اگست کو بصرہ پہنچے[28] چند روز بعد انھوں نے سلیمان پاشا کو اپنی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ وہ بصرہ پہنچ گئے ہیں اور جیسے ہی ان کا جواب موصول ہوگا ـــــــ وہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔ 3 اکتوبر کو سلیمان پاشا[29] کے کہیا[30] احمد آغا کے خطوط موصول ہوئے، جن میں اُن کی آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اطلاع دی گئی تھی کہ گورنر نے متسلم کے نام احکام جاری کردیے ہیں کہ ایک حفاظتی دستے کے ساتھ اُن لوگوں کو سماوا پہنچا دیا جائے جہاں فوجیں اُن کا انتظار کر رہی ہوں گی جو اُنھیں بغداد لے جائیں گی جب متسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے سفیروں کو یقین دلایا کہ وہ 25 اکتوبر تک روانہ ہوسکیں گے۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر ان کی روانگی بار بار ملتوی ہوتی رہی۔ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ حکام بصرہ کشتیوں کا انتظام نہیں کرسکے جن میں سوار ہوکر اُنھیں جانا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ قبیلہ جزیل[31] کی باغیانہ روش کی وجہ سے دریائے فرات کا راستہ مخدوش تھا۔ سفیر بہت مایوس اور برافروختہ تھے اور بصرے کی حکومت پر الزام لگا رہے تھے کہ ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے اور دھمکی دے رہے تھے کہ وہ دوسرے راستے سے قسطنطنیہ چلے جائیں گے۔ بہر حال خوش قسمتی سے سلیمان پاشا نے اطلاع دی کہ فرات کا راستہ اب محفوظ اور پر امن ہے اور سفیروں کو آنے کی اجازت دے دی جائے[32] چنانچہ 9 دسمبر کو وہ لوگ تین سو آدمیوں کے لاؤ لشکر کے ساتھ چار کشتیوں میں روانہ ہوئے[33]۔ لیکن 15 تاریخ کو قرنا پہنچنے کے بعد انھیں منتفق قبیلے کے سردار شیخ ثوینی نے، جو اس وقت فی الواقع بصرہ اور اس کے نواح پر قابض تھا، ان سے کہا کہ وہ فوراً بصرہ واپس جائیں[34] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ چاہتا تھا کہ جو سامان سفیروں کے ساتھ ہے وہ اس کا محصول ادا کریں اور جب تک وہ یہ نہ کریں اس وقت تک انھیں آگے بڑھنے نہ دیا جائے[35] اس کے علاوہ یہ بھی یقینی طور پر معلوم نہیں تھا کہ اس وقت بغداد کا گورنر کون تھا۔ کیونکہ یہ افواہ گرم تھی کہ سلیمان پاشا کو معزول کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ سلیمان الشاوی کو بغداد کا پاشا مقرر کیا گیا ہے[36] جو قبیلۂ عبید کا سردار اور شاوی خاندان کا سربراہ تھا۔ ان تغیر پذیر حالات میں متسلم نے سفیروں کو رائے دی کہ وہ بصرہ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ بحری راستے سے وہ 24 دسمبر کی رات کو بصرہ پہنچے۔ متسلم کو جب یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ سلیمان پاشا کی معزولی کی افواہیں بے بنیاد ہیں اور اسے موخر الذکر کا خط ملا جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ سفیروں کو فوراً قرنا بھیج دیا جائے جہاں پانچ سو

سوار انھیں منتظر ملیں گے جو حفاظت کے ساتھ انھیں بغداد پہنچا دیں گے، تو مسلم نے انھیں پھر روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ دریں اثنا عثمانی سلطان نے بھی سلیمان پاشا کو لکھا کہ ٹیپو کے سفیروں کو، جو تجارتی تعلقات کے متعلق گفتگو کرنے آئے ہیں، فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے[37]۔

سفیروں نے بصرہ کے قیام کے دوران، عبداللہ سہودی کی معرفت، مختلف چیزیں فروخت کریں۔ مادرجی سیٹھ کے دو ایجنٹوں، سیدا اور پریم نے بھی اس سلسلے میں سفیروں کی مدد کی سودے میں یقیناً مول تول خوب ہوا۔ ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں کہ خریداروں کو یہ احساس ہوا کہ انھیں دغا دی گئی ہے۔ مثلاً عبداللہ بانی سے ایک شخص نے کپڑے کی چند گانٹھیں خریدی تھیں جب وہ انھیں گھر لے گیا تو معلوم ہوا کہ کپڑا ناقص ہے۔ اس لیے وہ ان گانٹھوں کو واپس کرنا چاہتا تھا لیکن نوراللہ نے ان کو واپس لینے سے انکار کر دیا[38]۔

مسقط اور خرگ میں نرخ اچھا تھا، پھر بھی سامان وہاں اس توقع پر فروخت نہیں کیا گیا کہ بصرہ میں زیادہ قیمت وصول ہو سکے گی۔ بہرحال چونکہ قیمتیں کم لگائی گئیں اس لیے نوراللہ کو قیمتیں مقرر کر دینی پڑیں تاکہ چیزوں کی فروخت پر بہتر اثر پڑے۔ کالی مرچ کا بھاؤ ۵ ہن فی کینڈی تھا اور کپڑا ایک سو بارہ آنے فی انگا۔ لیکن اس بھاؤ پر بھی گاہک ملنے مشکل تھے اس لیے قیمتیں اور کم کرنی پڑیں اس طرح سیاہ مرچ 29 ہن فی کینڈی بیچنی پڑی[39]۔

بصرہ واپس آنے پر انھیں ابراہیم پاشا کا یہ پیام ملا کہ وہ لوگ چند روز اپنی کشتیوں ہی میں قیام کریں، اس دوران میں شیخ سوینی آجائیں گے اس وقت وہ جا سکیں گے[40]۔ نوراللہ اس پر راضی ہو گیا لیکن جلد ہی اس نے محسوس کیا کہ ترکی افسر زیادہ مددگار ثابت نہیں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے ابراہیم آغا کو مطلع کیا کہ اگر چند روز کے اندر اس کی روانگی کا انتظام نہ ہوا تو وہ ایک چھوٹی کشتی کرائے پر لے کر اور جعفر خاں کے ساتھ بغداد چلا جائے گا اور وہاں سے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بلانے کا انتظام کرے گا[41]۔ مسلم نے کوشش کی کہ اس ارادے سے اسے باز رکھے۔ اس نے کہا کہ سوینی جلد ہی بصرہ پہنچنے والا ہے اور اس مسئلہ پر اس سے گفتگو ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ بغداد سے یہ امید افزا خبر موصول ہو چکی ہے کہ سلیمان پاشا اپنے سابق عہدے پر مستقل طور پر تقرر ہو گیا ہے اور اس نے پانچ سو سوار سفیروں کو حفاظت کے ساتھ بغداد پہنچانے کے لیے بھیج دیئے ہیں۔ سلطان ترکی نے یہ فرمان جاری کیا ہے کہ ٹیپو کے وکیل قابلِ عزت اور معتبر ہیں اور چونکہ وہ منگلور اور بصرہ کے مبادلے کی گفتگو کرنے کے لیے آئے

ہیں، انھیں فوراً قسطنطنیہ بھیج دینا چاہیے۔[42] ان سب باتوں کے باوجود نوراللہ بصرہ کے حکام کی طرف سے بدگمان ہی رہا۔ لیکن متسلّم کی اس قطعی یقین دہانی اور پختہ وعدے کے بعد کہ سفیروں کو جلد ہی روانہ کر دیا جائے گا، نوراللہ نے بالآخر اپنے اس ارادے کو ترک کر دیا کہ بصرہ کی حکومت کی مدد کے بغیر ہی چل پڑے گا۔ لیکن اب سواری اور بار برداری کے وسائل کی فراہمی کے مسائل کا سامنا تھا۔ کیونکہ سفیروں کے ساتھ اب بھی بہت سے آدمی تھے۔ اس کے علاوہ غلام علی اور نوراللہ خاں کے باہمی اختلافات بہت بڑھ گئے تھے، جو نتیجہ تھے باہمی رشک و رقابت کا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ غلام علی نے نوراللہ کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر دیا اور تنہا سفر کرنے کے انتظامات کرنے لگا۔ ان سب واقعات کی وجہ سے بہت زیادہ وقت ضائع ہو گیا۔ آخر بہت سمجھانے بجھانے سے غلام علی نے ارادہ بدل دیا اور سب کے ساتھ سفر کرنے پر راضی ہو گیا۔[43]

سفیر ۱۰ فروری 1787 کو دریائے دجلہ کے راستے سے روانہ ہوئے۔[44] ان کے ساتھ چار سو افراد تھے، جن میں دو سو سپاہی بھی تھے، جنھیں یورپین طرز پر تربیت دی گئی تھی۔ ان کے پاس تین لاکھ روپے اور جو بیش قیمت تحائف تھے، انھوں نے ملک میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ 25 اپریل کو جب پانچ سو سواروں کی حفاظت میں، جو انھیں اپنے ہمراہ لانے کے لیے سماوہ بھیجے گئے تھے، بغداد پہنچے تو سلیمان پاشا نے انھیں بہت عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ بغداد سے وہ نجف اور کربلا کی زیارت کو گئے اور وہاں سے ۲۰ روز بعد واپس آئے۔[45] بغداد سے 29 مئی کو وہ قاپچی باشی کی مشایعت میں جنھیں سلطان نے قسطنطنیہ سے بھیجا تھا، خشکی کے راستے سے روانہ ہوئے اور موصل و دیار بکر ہوتے ہوئے سفر کی منزلیں طے کیں یکم ستمبر کو سکوتری پہنچے۔ 25 ستمبر کو قسطنطنیہ میں داخل ہوئے اور شہر کے ایک محل میں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ یکم اکتوبر کو وزیر اعظم نے انھیں عام باریابی عطا کی مگر ان کے استقبال میں کوئی غیر معمولی رسم ادا نہیں کی گئی۔ انھوں نے وزیر اعظم کی خدمت میں بیش قیمت ملبوسات، جواہرات اور 17 ہزار وینس کی اشرفیاں پیش کیں۔ اس کے بدلے میں انھیں خلعتیں دی گئیں۔[46] اس کے بعد کیلھانا کے گاؤں میں وزیر اعظم نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر پہلے ترکی سپاہیوں نے فوجی مشقیں دکھائیں، اس کے بعد ہندستانی سپاہیوں نے بہت باضابطگی اور چستی کے ساتھ یورپین فوجی قواعد کی۔" اس تقریب میں تمام اعلیٰ افسروں نے شرکت کی اور خود سلطان عبدالحمید اوّل بھی بھیس بدل کر، وہاں موجود تھا۔[47]

سلطان نے 5 نومبر کو سفیروں کو اعزاز کے ساتھ باریابی بخشی۔ سفیروں کو سیاہ رنگ کے سمور اور دونوں سکریٹریوں کو بھورے رنگ کے سمور عطا کیے[48] اس دوران میں قسطنطنیہ میں طاعون پھیل گیا اور سفارت سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد اس کی نذر ہو گئے۔ شدید سردی کی وجہ سے بھی، جس کے میسوری عادی نہیں تھے، بہت سی جانیں ضائع ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اواخر جنوری 1788ء تک ان کے چار سو خدمت گاروں میں صرف ستّر باقی بچے۔ غلام علی خاں سخت بیمار تھے اُن کی حالت نازک تھی۔ اس لیے تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے سفیر سقوطری چلے گئے جو ایشیائی ساحل پر واقع ہے[49]

یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سفیروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ قسطنطنیہ سے فرانس اور اور وہاں سے انگلستان جائیں۔ چنانچہ عثمانی دارالحکومت میں پہنچنے کے بعد انھوں نے فرانسیسی سفیر پر زور دینا شروع کیا کہ فرانس کے لیے ان کے سفر کا انتظام کرے۔ اسی دوران میں ٹیپو نے ایک مشن براہِ راست فرانس بھیج دیا تھا[50] جس نے وہاں پانچ مہینے سے زیادہ قیام کیا، جس کی وجہ سے فرانسیسی حکومت کو کثیر مصارف برداشت کرنے پڑے تھے اور اب وہ ایک دوسرے مشن کے مصارف برداشت کرنے پر تیار نہیں تھی۔ مزید برآں فرانسیسی حکومت نے ہندستان سے متعلق اپنی پالیسی تبدیل کر دی تھی۔ اس لیے ٹیپو کی ایک دوسری سفارت کی آمد کو فرانسیسی حکومت صرف بے مقصد ہی نہیں سمجھتی تھی بلکہ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ وہ کہیں انگلستان کے ساتھ ان کے تعلقات میں الجھن نہ پیدا کر دے۔ کیونکہ فرانس نے انگلستان سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ کوئی بات نہیں کی جائے گی جس سے اشتعال پیدا ہو[51]۔ اسی لیے کامتے دی ماتمورن نے فرانسیسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو مشورہ دیا کہ ٹیپو کے سفیروں کو پیرس جانے سے باز رکھے لیکن اگر وہ وہاں آنے کے لیے مُصر ہی ہوں تو اُنھیں یہ بتلا دینا چاہیے کہ ان کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آیا جائے گا، جس طرح اور تمام غیر ملکی سفیروں کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہ غیر معمولی برتاؤ نہیں کیا جائے گا جو سابقہ سفارت کے ساتھ کیا گیا تھا[52]۔ ان اسباب کی بنا پر سفیروں نے فرانس جانے کا ارادہ ترک کر کے ہندستان واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران میں ٹیپو نے بھی اُنھیں واپس ہونے کی ہدایت بھیج دی تھی۔

4 مارچ کو سفیر رخصتی سلام کے لیے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے[53] اور مہینے کے آخر میں اسکندریہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے دریائے نیل کے راستے سے قاہرہ

گئے۔ اور پھر سویز کو پار کر کے جدہ میں اُترے اور ٹیپو کی ہدایت کے مطابق مکہ و مدینہ کی زیارت کی[54] اس کے بعد مدینہ سے براہِ جدہ انھوں نے وطن کا رخ کیا اور ۲۹ دسمبر ۱۷۸۹ء کو کالی کٹ کے ساحل پر اُترے اور اوائل جنوری ۱۷۹۰ میں ٹیپو کے کیمپ میں پہنچے، جو تھاڈکول کی فوجی بارکوں کے نواح میں تھا۔

اس سفارتی مشن پر میسور حکومت کی ایک بڑی رقم خرچ ہوئی تھی اس کے علاوہ سفیر کو دورانِ سفر میں ہر طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ ان چار کشتیوں میں سے تین سمندر کی نذر ہو گئی تھیں، جن میں انھوں نے بصرہ تک سفر کیا تھا۔ اس کی وجہ سے شدید جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔ اس قافلے کے بہت سے لوگ پیچش، بخار اور طاعون میں جاتے رہے۔ تقریباً نو سو آدمیوں میں سے جو مالابار کے ساحل سے روانہ ہوئے تھے، صرف مٹھی بھر آدمی اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

بے اندازہ اخراجات، سخت اذیتیں اور جانی نقصانات برداشت کرنے کے باوجود سفارتی مشن سلطان ترکی سے صرف سندِ شاہی حاصل کر سکا تھا، جس کی رُو سے ٹیپو کو خود مختار بادشاہ کا لقب اختیار کرنے، اپنے سکے جاری کرنے اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ سفیروں کو سلطان اور اس کے وزیرِ اعظم نے ٹیپو کے لیے دوستانہ خطوط، خلعتیں اور ایک ڈھال بھی دی تھی، جو جواہرات سے مرصع تھی[55] لیکن سفارت نہ تو تجارتی مراعات حاصل کر سکی اور نہ فوجی امداد۔

اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب ترکی کے وجود ہی کو کیتھرائن دوم، ملکہ روس اور جوزف دوم شہنشاہِ آسٹریا کی وجہ سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا، جنھوں نے ۱۷۸۷ میں عثمانی سلطنت کے یورپین صوبوں کو آپس میں تقسیم کرنے کا اور قسطنطنیہ کے تخت پر کیتھرائن کے پوتے کانسٹنٹائن کو بٹھانے کے لیے ایک سمجھوتہ کیا تھا۔ ان خطروں نے ترکی کو اشتعال دیا اور ۱۶ اگست ۱۷۸۷ء کو اس نے روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ فروری ۱۷۸۸ء سے آسٹریا سے بھی اسے جنگ کرنی پڑی، کیونکہ روس کے حلیف ہونے کی وجہ سے آسٹریا نے بھی ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ ترکی فرانس سے بھی جو اس کا روایتی حلیف تھا، کسی مدد کی توقع نہیں کر سکتا تھا کیونکہ فرانس خود اپنے بعض داخلی مصائب میں گرفتار تھا۔ لیکن وہ انگلستان کی حمایت پر بھروسہ کر سکتا تھا جو ۱۷۸۸ء

میں پروشیا اور ہالینڈ کے ساتھ اس معاہدے میں شامل ہوگیا تھا، جس کا مقصد جنوب مشرقی یورپ میں توازنِ دول بحال کرنا اور اسے برقرار رکھنا تھا۔ یہ معاہدہ ترکی کے حق میں تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چھوٹا پٹ بیچ میں پڑ کر ترکی اور اس کے دشمن آسٹریا و روس، کے مابین صلح کرانا چاہتا تھا۔ ان حالات میں ٹیپو کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کر کے عثمانی حکومت برطانیہ کو دشمن نہیں بنا سکتی تھی۔ معاصر ماخذ اس امر پر روشنی نہیں ڈالتے ہیں کہ سفارتی مشن کے متعلق برطانیہ کا رویہ کیا تھا۔ لیکن ٹیپو کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے، انھیں اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا کہ برطانوی رویہ معاندانہ ہی ہو سکتا تھا۔ مینسٹی نے، جو بصرہ میں برطانوی ایجنٹ تھا، 5 ستمبر 1786ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرس کو لکھا تھا کہ "(ٹیپو کے) وکیل ترکی سلطنت میں اپنے ملک کی پیداوار فروخت کرنے کے لیے کوٹھیاں قائم کرنے کے لیے فرمان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس صورتِ حال کی اہمیت کے پیشِ نظر، انریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس کو اس کی اطلاع دینی ضروری ہے کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ تلی چری میں آپ کے ملازمین انگلستان جانے والے جہازوں کے لیے کالی مرچ حاصل کرنے سے قاصر رہیں گے"[56]۔ اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ برطانیہ سفیروں کی سرگرمیوں اور اور منصوبوں سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس اس نے اپنے اس اثر و رسوخ سے کام لے کر جو انھیں بغداد و قسطنطنیہ میں حاصل تھا، سفیروں کی کوششوں کو ناکام بنانے کی حتی المقدور کوشش کی ہوگی۔

(باب 8 کے حاشیے)

1. Wilks, vol. ii, P. 361
2. N.A., Sec. Pro., Jan 5 - 1787, No. 3
3. See P. 116 Supra
4. اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا مقالہ:
"The Purpose of Tipu Sultan's Embassy to Constantinople" in J.I.H., vol. xxiv, 1945, PP 77-84.
5. Ibid., PP. 81, 83; Wilks, vol. i, PP. 491-92
6. اس باب میں ٹیپو کی تشویش کا اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مرہٹوں سے مصالحت کی گفتگو کے دوران بھی وہ اس پر مصر تھا کہ اسے بادشاہ کے لقب سے مخاطب کیا جائے۔ (See PP. 107-08 supra)
7. N.A., O.R. 91, Enclosure from Major Brown, Sept. 18, 1783
8. Ibid., No. 88, Bussy to Shah Alam, Sept. 10 1785
9. Cal. Per. Cor., vol. vii, No. 315; O.R. 84
10. N.A., O.R. 91

وکیل سے کہا گیا کہ خلعت وہ اپنے صَرف سے تیار کرائے اور بادشاہ کے نام سے ٹیپو کو تحفے کے طور پر پیش کر دے۔ ارکاٹ کی سند کے بارے میں کہا گیا کہ وہ تیار ہو رہی ہے۔ اس کے بعد وکیل کو رخصت کر دیا گیا۔

11. N.A., Sec. Pro., Nov. 12, 1787, Nizam to Cossigny, Cons. No. 10
12. Rice, Mysore and Coorg, vol. i, P. 268

حیدر نے مزید سپاہ حاصل کرنے کے لیے ایک اور سفارت ایران بھیجی تھی لیکن وہ خلیج کچھ میں پھنس کر ختم ہو گئی۔

13. Hukm-namah, MS. No. 1677, ff 14 a - 15 b
14. Ibid., f 16 b
15. Ibid.
16. N.A., Sec. Pro., Jan. 5, 1787, from Basra, Sept. 24, 1786. No. 3.
17. ٹیپو کی ہدایت کے مطابق سفیر سفر کے تجربات ایک روزنامچے میں لکھتے رہے جس کا نام 'واقعاتِ منازلِ روم'

ہے (مرتبہ محب الحسن)۔ امام عثمان اور کریم خاں کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات کے لیے دیکھیے متذکرہ کتاب کے صفحات 32-131

18. حکم نامہ، و 10ب تا 11ب، سینز وقائع، ص 50،

19. وقائع، ص 1 و 2

20. حکم نامہ ف، و 2ب تا 3 الف، 4 الف ہاتھی بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی مر گئے۔

21. وقائع، ص 3 تا 6

22. ایضاً، ص 6۔ مینسٹی کا بیان ہے کہ سیاہ مرچ دو سو کینڈیاں اور کچھ کپڑے کے تھان مسقط میں فروخت کیے گئے۔

(I.O. Factory Records, Manesty to Court of Directors, Sept. 5, 1786, f 348 b)

23. وقائع، ص 5-24

24. ایضاً، ص 47

25. ایضاً، ص 25 سلسلہ وار

26. ایضاً، ص 9-36

27. ایضاً، ص 1-40

مینسٹی کا بیان ہے کہ چالیس پچاس آدمی غرق ہوئے۔ چار سو کینڈی سیاہ مرچ اور صندل کی لکڑی کی کچھ مقدار اور بعض دوسری چیزیں بھی ڈوب گئیں۔ سفیروں کے پاس جو سامان بچ رہا تھا، اس کی تفصیل یہ تھی:

چھ سو کینڈی سیاہ مرچ، پچاس کینڈی صندل کی لکڑی اور پندرہ کینڈی الائچی۔

(I.O. Factory Records, Manesty to Court of Directors, Sept. 5, 1786, f 248b)

28. وقائع، ص 42

29. سلیمان پاشا جارجیا کا باشندہ اور بغداد کے وائسرائے حسن پاشا کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اپنی قابلیت کی وجہ سے 1765ء میں بصرہ کا متسلّم بن گیا۔ جب اہلِ فارس نے صادق خاں کی قیادت میں بصرہ پر حملہ کیا تو اس نے بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ تاہم بصرہ پر غنیم کا قبضہ ہو گیا اور اسے قیدی بنا کر شیراز بھیج دیا گیا۔ چار سال بعد وہ رہا ہوا۔ جولائی 1780ء میں، بغداد کا پاشا مقرر کیا گیا اور پھر اپنی وفات (1802ء) تک اس عہدے پر برقرار رہا۔

30. کہیا ترکی لفظ اور فارسی کے کتخدا کا مرادف ہے۔ لغوی معنی دارو غۂ محل کے ہیں۔ لیکن اس جگہ صوبائی حکومت کے وزیر اعلیٰ کے ہیں، جو پاشا کے ماتحت ہوتا تھا۔

(Longrigg, Four Centuries of Modern Iraq, P. 354; Gibb, Islamic Society and the West, vol. i, Part 2, P. 200)

31. خزیل ایک بڑا قبیلہ تھا جس کے قبضے میں کوفہ سے سماوہ تک کا علاقہ اور اسی سے ملحق شمیہ کے ریگستان کا ایک حصہ تھا۔ وہ کافی قوی و جنگجو اور مذہباً شیعہ تھے۔ ترکی حکومت کے لیے وہ خاصا دردسر بن گئے تھے کیونکہ بصرہ سے بغداد جانے والے دریائے فرات کے راستے میں وہ رکاوٹیں پیدا کرتے تھے۔

Description du Pachalik de Baghdad, P. 59; Bombay selections (1600 - 1800), P. 324.

32. وقائع، ص 8-97

33. Ibid., P. 103

مینسٹی کا کہنا ہے کہ سفیر تین سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے اور ان کی روانگی کی تاریخ 7 / دسمبر بتاتا ہے۔

(I.O. Factory Records, Manesty to Court of Directors, Dec. 20, 1786, f. 266 a)

34. وقائع، ص 17-116

سویني العبداللہ پہلے ترکی حکومت کا وفادار تھا۔ لیکن آگے چل کر اس نے بغاوت کی اور 1785ء میں بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ اوائل جولائی 1787ء میں ایک حبشی غلام نے اسے قتل کر دیا۔

(Longrigg, Four Centuries of Modern Iraq, PP. 195 seq)

35. وقائع، ص 114

36. ایضاً، ص 116 سلسلہ

سلیمان الشاوی ابتدا میں سلیمان پاشا کا دوست تھا لیکن آگے چل کر جب سلیمان پاشا نے جارجیا کے رہنے والے احمد آغا کو اپنا کہیا مقرر کیا تو اسے احمد آغا سے حسد ہو گیا۔ اسی بنا پر اس نے بغاوت کی، ترکی فوجوں کو اس نے شکست دی اور بغداد پر حملہ کرنے کے لیے شہر کے اردگرد چکر لگاتا رہا۔ اسی دوران میں یکایک یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ اسے بغداد کا پاشا مقرر کیا گیا ہے۔ کچھ عرصے تک سلیمان کو بھی اس افواہ کا یقین رہا۔

(Longrigg, Four Centuries of Modern Iraq, PP. 203-4)

37. وقائع، ص 117 سلسلہ
38. ایضاً، ص 92
39. ایضاً، ص5-64-69
40. ایضاً، ص 122
41. ایضاً، ص 130
42. ایضاً، ص 125، 133، 150
43. ایضاً، ص 134
44. I.O. Factory Records, Persia and Persian Gulf, No. 18, Manesty to Court of Directors, March 15, 1787, f 286.
45. Affairs Etrangeres BI 107 (Archives Nationales, Paris, Rousseau to de Castries, April 21, 1787, No. 39; also F.O. 78/8 - 1787, Robert Ainslie to Carmathian June 9, 1787, f. 96 b.
46. Ibid., Oct. 20, 1787, ff 216 b - 17 a
47. Ibid., Oct. 25, 1787, f 235 a
48. Ibid., Nov. 10, 1787, f 241 a
49. Ibid., 78/9 - 1788, ff 22 a - b
50. Affaires Etrangeres, BI 448, Correspondance Consulaire - Constantinople, 1787 - 90, (Archives Nationale, Paris), Choiseul-gouffier to de la Luzerne, Oct. 3, 1788.
51. F.O. 27/29, Dorset to Carmathian, Aug. 7, 1788, No. 55
52. Affaires Etrangeres - Turquie (Archives Nationales, Paris), Montmorin to Choiseul-Gouffier, Aug. 22, 1788, vol. 178, f 44 a.

53. F.O. 78/9 – 1788, March 8, 1788, f 63 b
54. Ibid., March 25, 1788, ff 68 a, 76 b
55. وقائع، ص 135؛ کرمانی، ص 328؛
J.I.H., vol. xxiv, April and Aug. 1945, P. 84, n. 28
56. I.O. Factory Records, Manesty to Court of Directors, Sept. 5, 1786, No. 18, f 249 a.

نواں باب

کورگ اور مالابار میں بغاوت

۱۷۸۹ء کے شروع میں کورگوں نے حکومتِ میسور کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ ویر راجا جو پیاپٹم کے قلعہ میں چار برس سے قید تھا دسمبر ۱۷۸۸ء کے وسط میں ایک روز آدھی رات کو اپنے بال بچوں کے ساتھ بھاگ نکلا کرچی میں جو کوٹلتناڈ میں ہے، اس نے پناہ لی[1] لیکن جلد ہی وہ کوٹایم کے راجا کے ہاتھ لگ گیا، جس نے اسے کورگ کے تین گراں قدر اضلاع حوالے کرنے پر مجبور کر دیا۔ اپنی رہائی کی قیمت ادا کرنے کے بعد راجہ کورگ واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے راجہ کوٹایم کے کیمپ کو گھیر لیا، جو ان اضلاع پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجے دیے گئے تھے گھاٹ کی پہاڑیوں پر آ گیا تھا۔ اس نے صرف وہ دستاویزیں ہی واپس نہیں لے لیں جو اس سے زبردستی لکھوائی گئی تھیں، بلکہ وائناد خطے کے تمام حقوق سے دست بردار ہونے پر بھی مجبور کر دیا۔[2]

اس کے بعد ویر راجا نے اپنی توجہ ان میسوریوں کی طرف مبذول کی جنھوں نے کورگ پر قبضہ کر رکھا تھا اور انھیں بہت مختصر عرصے میں نکال باہر کیا۔ جو لوگ نکالے گئے تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جو ٹیپو کے حکم سے کورگ میں لا کر بسائے گئے تھے۔ اس کے بعد اس نے سدیسوارا کے مقام پر اپنا کیمپ قائم کیا، جہاں سے میسور کے علاقے پر دھاوے بولنے شروع کیے، کثیر تعداد میں مویشی پکڑے اور بڑی مقدار میں گیہوں کے ذخیرے ہتھیا لیے۔ یہ سن کر ٹیپو نے ویر راجا کو زیر کرنے کے لیے غلام علی غازی خاں اور دل دلیر کی ماتحتی میں ایک بڑی سی فوج بھیجی۔ یہ لوگ سدیسوارا کے راستے سے داخل ہوئے۔ کورگیوں نے ایک ایک انچ زمین کے لیے جان لڑا دی لیکن انھیں

شکست ہوئی۔ غلام علی نے غلے کے بڑے بڑے ذخیروں پر قبضہ کر لیا اور بہت سے آدمیوں کو گرفتار کیا لیکن کورگیوں کو مکمل طور پر زیر کرنے کا کام ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ عین اسی وقت مالابار میں بغاوت پھوٹ پڑی اور اُسے ٹیپو کا حکم ملا کہ وہ مالابار جائے۔ جب وہ کوچ کر رہا تھا تو درۂ کو دنتورا میں کورگیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس نے انھیں پسپا کر دیا اور بہ خیریت تمام بیاورہ پہنچ گیا۔ کورگ اور مغربی ساحل کی متزلزل حالت کی وجہ سے ٹیپو نے محمد رضا، اعظم علی خاں، فضل خاں اور جین کیسٹوریز کو غلام علی کی مدد کے لیے بھیجا۔ یہ امدادی فوج ہیگلا گھاٹ کے راستے سے گئی۔ ویرراجا درے کے دہانے پر جا بیٹھا اور اچانک میسوریوں پر حملہ کر کے انھیں منتشر کر دیا۔ ان کا سامان چھین لیا اور ان میں سے بہتوں کو زخمی کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔[۵]

یہ پریشان کن خبریں سن کر ٹیپو نے اپنے بہنوئی برہان الدین کو کورگ بھیجا۔ برہان کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوشل نگر (فریزرپٹ)، مرکارا، بیپوناد، بھاگمنڈالا کے چاروں قلعوں کو مستحکم بنا کر کورگیوں کو زیر کرے۔ مگر جب وہ مرکارا جا رہا تھا تو ویرراجا نے حملہ کر کے اسے سخت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اس نے سرنگاپٹنم واپس جا کر ٹیپو کو کورگ کی حالت سے آگاہ کیا[۶] اور اس سے ایک دوسری مہم کے لیے مشورہ کیا۔ اس کے بعد برہان ایک بڑی فوج لے کر پھر روانہ ہوا۔ خود ٹیپو بھی ستمبر 1789ء کے شروع میں پایۂ تخت سے روانہ ہوا۔ مگر برہان ویرراجہ کو شکست نہیں دے سکا، بلکہ اس نے میسور کے تین قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ مرکارا ابھی میسوریوں کے قبضہ میں تھا لیکن اُسے اور مقامات سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا تھا اور کسی وقت بھی اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ تھا۔[۷] ٹیپو خود کورگ اس لیے نہیں جا سکا کہ اُسے مالابار جانا تھا، جہاں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ لیکن جوں ہی اس بغاوت کو کچلنے سے وہ فارغ ہوا، انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ اس طرح کورگ مغلوب نہ ہو سکا۔

مالابار کی بغاوت

مالابار سے حیدر کا پہلا تعلق اس وقت پیدا ہوا جب 1767ء میں اس نے اپنے برادر نسبتی مخدوم علی کو کچھ فوج کے ساتھ راجا پال گھاٹ کی مدد کے لیے بھیجا، جو زمورین کے ساتھ کالی کٹ میں برسرِ پیکار تھا۔ مخدوم علی ساحل سمندر تک بڑھتا چلا گیا اور اس نے زمورین کو راجا پال گھاٹ کو اس کا تمام علاقہ واپس کرنے ہی پر مجبور نہیں کیا، بلکہ بارہ لاکھ روپیہ کا فوجی

تاوان، قسطوں میں ادا کرنے پر بھی راضی کیا لیکن یہ روپیہ کبھی ادا نہیں کیا گیا اور 1766ء تک حیدر مالابار کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

مالابار اس زمانے میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ شمالی مالابار میں نائروں کی ریاستیں۔ چراک کل، کدات ناد کوٹایم اور کورنگوونائر، نیز موپلاؤں کی ریاست۔ شامل تھیں۔ کنانور کا ریاست چراک کل کے ساتھ برائے نام رشتۂ اطاعت تھا۔ جنوبی مالابار کالی کٹ کے زمورین اور کوچین کے راجا کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ کوچین کا راجا کچھ دنوں سے زمورین اور راجا ٹراونکور، دونوں کی جارحیت کا شکار بنا ہوا تھا۔

حیدر نے جنوری 1766ء میں مالابار پر حملہ کیا اور وسط اپریل کے لگ بھگ اس علاقے میں سب حکمرانوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کوئمبٹور واپس آ گیا۔ لیکن وہاں پہنچے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ مالابار میں بغاوت ہو جانے کی اسے خبر ملی۔ چنانچہ واپس جا کر وہاں کی شورش کو بڑی بے رحمی سے کچل دیا۔ لیکن نائروں کی کمر نہیں ٹوٹی تھی اور انھوں نے پھر علمِ بغاوت بلند کیا۔ دوسری اینگلو میسور جنگ کے دوران مالابار انگریز اور میسوری فوجوں کا میدانِ جنگ بن گیا تھا اور اس کے ایک بڑے حصّے پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن منگلور کے صلح نامے کے بعد وہ پھر ٹیپو کے قبضے میں آ گیا۔ مالابار کی مسالوں کی تجارت کی وجہ سے ٹیپو اس علاقہ پر اپنے تسلط کو مضبوط کرنے کی فکر میں تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ دوسری اینگلو میسور جنگ نے میسور کے بچاؤ کے لیے اس علاقے کی فوجی اہمیت بھی ٹیپو پر واضح کر دی تھی۔ لیکن محاصل وصول کرنے والے ٹیپو کے حکام کے استحصال نے اور اس علاقے کے رہنے والوں کی خود مختاری کی روح نے، نیز راجاؤں کو ٹیپو کے خلاف بھڑکانے کی انگریزی سازشوں نے صوبے میں سرکشی اور بغاوت کی صورت پیدا کر دی۔ انتظامی خرابیوں سے ارناد اور والاوند کے موپلا بھی بہت غیر مطمئن تھے۔ نائروں کی قیادت روی ورما کر رہا تھا جو زمورین خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور موپلاؤں کے لیڈر منجری کے گورک تھے (منجری جنوبی کالی کٹ کی ایک تحصیل SUB DIVISION تھا) روی ورما کا منہ بند کرنے کے لیے ٹیپو نے 1784ء میں اسے ایک جاگیر عطا کر دی تھی اور انتظامی اصلاح کی طرف سے سول انتظام کو فوجی انتظام سے الگ کر دیا تھا۔ ارشد بیگ جو حیدر کی وفات کے بعد سے مالابار کی حکومت کا حاکمِ اعلیٰ تھا

اب صرف فوجی کمانداررہ گیا اور شہری انتظام و انصرام کے لیے میر ابراہیم اور میر غلام حسین کا تقرر عمل میں آیا، جو بالترتیب دیوان اوّل اور دیوان دوم تھے۔ ان نئے افسران کو ٹیپو نے ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے اور صوبہ کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کی کوشش کریں[7]

لیکن ان اصلاحات سے حالات بہتر نہیں ہوئے، 1788ء میں منجیری کے گورکل موپلاؤں نے بغاوت کر دی[8] صوبہ کی تغیر پذیر حالت کی وجہ سے ٹیپو نے خود وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ 1788ء کے شروع میں درۂ تمراس شیری کے راستے سے، بغیر کسی بڑی فوج یا توپ خانے کے کالی کٹ پہنچا[9] اس کے ساتھ صرف اتنی ہی فوج تھی جتنی عام طور پر اس کے ساتھ ہوا کرتی تھی[10] ارشد بیگ اور ابراہیم دونوں کو اس نے برخاست کر دیا۔ ارشد کو اس لیے کہ اس پر شبہ تھا کہ وہ غداری سے نائروں اور موپلاؤں سے ساز باز کر رہا ہے۔ اور ابراہیم پر بے ایمانی اور جبر ستانی کے الزامات تھے۔ ان کی جگہ پر حسین علی خاں فوج کا کماندار مقرر ہوا اور شیر خاں دیوان اوّل[11] ٹیپو 9 مئی کو کالی کٹ[12] سے روانہ ہو کر دریائے بیپور کے جنوبی کنارے پر پہنچا، جہاں اس نے مالابار کے اپنے نئے دارالحکومت کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کا نام فرخ آباد یا فروخ آباد رکھا۔ یہاں اس نے ایک قلعہ تعمیر کیے جانے کا حکم دیا کیونکہ کالی کٹ کے قلعہ سے اب دفاع کا کام لینا ممکن نہیں تھا۔ اس دارالحکومت کو مختلف مقامات سے آنے والی نئی نئی سڑکوں کا مقامِ اتصال بھی قرار دیا گیا۔ محلِ وقوع کے اعتبار سے ساحلِ سمندر کے اور مقامات کے مقابلے میں یہ جگہ بندرگاہ بننے کے لیے بھی زیادہ موزوں تھی۔ کالی کٹ کے بہت سے باشندوں کو وہاں بسنے پر مجبور کیا گیا، لیکن تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران میں جب انگریزوں نے مالابار پر قبضہ کر لیا تو یہ لوگ کالی کٹ واپس آ گئے اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد نئے دارالحکومت کا نشان بھی باقی نہ رہا[13]

برسات قریب ہونے کی وجہ سے ٹیپو مئی کے آخر میں کوئمبٹور واپس آ گیا۔ وہاں سے ڈنڈی گل گیا جو اس کے رشتہ دار سید صاحب کی جاگیر تھی۔ اس نے بہت پرتکلف انداز میں اس کی مہمان داری کی۔ کوئمبٹور اور ڈنڈی گل دونوں ضلعوں کے سرکش پالیگاروں کو سزا دی گئی۔ اگست کے مہینے میں وہ گجل ہٹی کے راستے سے سرنگاپٹم واپس آ گیا[14]

ٹیپو کو ابھی اپنے دارالحکومت میں زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مالابار میں ایک سنگین بغاوت پھوٹ پڑنے کی اسے اطلاع ملی۔ اس بغاوت کا رہنما روی ورما تھا، جس کو خاموش

رکھنے کے لیے جاگیر عطا کی گئی تھی[15] اس کا ساتھ دینے والوں میں نائروں کے علاوہ موپلا اور کورگ بھی تھے۔ جولائی سے نومبر 1788ء تک روی ورما کھلے میدانوں کا مالک بن گیا۔ اس کے بعد اس نے کالی کٹ کا محاصرہ کر لیا[16] ان خبروں سے پریشان ہو کر دسمبر 1788ء میں ٹیپو نے للی اور قمر الدین خاں کو چھ ہزار میسوریوں اور ایک سو ستر یورپینوں کے ساتھ روانہ کیا[17] تلی چری کے گماشتوں نے بہت سے راجاؤں کو امان دی تھی، اس لیے ٹیپو نے 15 فروری کو ان سے باضابطہ درخواست کی کہ آئندہ وہ کسی کو امان نہ دیں[18] اس کے ساتھ ہی بغاوت فرو کرنے للی، عمر بیگ اور سید صاحب اور باکا جی راؤ کی ماتحتی میں اس نے فوجیں مختلف اطراف میں بھیجیں۔ میسور کے راجا نے بھی میسوریوں کی مدد کی[19] بالآخر باغیوں کو شکست ہوئی۔ ان میں سے کچھ گرفتار کر لیے گئے اور باقی جنگلوں میں بھاگ گئے۔ جنوری 1789ء میں ٹیپو ودہ، تماس شیری سے ہو کر پھر مالابار میں داخل ہوا۔ نائروں کو زیر کرنے کے لیے کالی کٹ میں فوج کا ایک دستہ چھوڑ کر فروری کے آخر میں وہ شمالی کی طرف بڑھا[20] یہ سن کر کوٹایم اور کدتا ناڈ کے راجا بھاگ کر تلی چری اور وہاں سے ٹراونکور چلے گئے۔ لیکن چراکل کا راجا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے بہت عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور بیش قیمت تحائف دے کر اسے رخصت کیا۔ لیکن جلد ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ راجا اس کے دشمنوں سے اس کے خلاف ساز باز کر رہا ہے تو اسے واپس لانے کے لیے فوج بھیجی۔ کوٹی پورم میں راجا کے مستحکم قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن اس کے آدمیوں نے مقابلہ کیا۔ اس جھڑپ میں راجا مارا گیا[21] اس کے بعد سلطان نے اس کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد ٹیپو "بی بی" کی دعوت پر کنانور گیا۔ اس نے چراکل کے علاقے کا ایک حصہ اسے دے دیا اور اپنے بیٹے عبدالخالق کی اس کی بیٹی سے شادی کی۔ ان تدابیر سے ٹیپو کا مقصد جنوبی مالابار کے موپلاؤں کی تالیف قلوب تھا اور اس مقصد میں اسے کامیابی بھی ہوئی۔ شمالی مالابار سے 24 اپریل 1789ء کو رخصت ہو کر وہ کوئمبٹور چلا گیا[22]

موپلاؤں کو مسخر کرنے میں تو ٹیپو کامیاب ہو گیا، لیکن نائر ویسے ہی شورہ پشت رہے جیسے کہ پہلے تھے۔ چنانچہ جوں ہی ٹیپو نے پیٹھ پھیری وہ جنگلوں سے واپس آ گئے۔ صوبے میں جو میسوری فوجیں متعین تھیں انھیں پریشان کرنا شروع کیا اور ہر چہار طرف لوٹ مار کرنے لگے۔ 22 اپریل 1789ء کو انھوں نے اردیناد میں ٹیپو کے ایک عامل اور اس کے کچھ سپاہیوں کو قتل کر دیا[23]

نائروں کو کچلنے میں ٹیپو کی ناکامی کا سبب مالابار کی کوہستانی سرزمین تھی جو دشوار گزار پہاڑیوں اور گھنے جنگلوں سے پُر تھی۔ وہاں سڑکیں نہیں تھیں۔ بارشوں کی وجہ سے جو جون سے ستمبر تک اور پھر اکتوبر سے دسمبر تک جاری رہتی ہیں، جنگ بہت ہی کم مدت تک چل سکتی تھی۔ ان اسباب نے میسوری فوجوں کی نقل و حرکت میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کیں۔ اس کے برعکس یہ سب باتیں باغیوں کے مناسب حال تھیں۔ جب ٹیپو مالابار جاتا تو وہ سب جنگلوں میں بھاگ جاتے تھے اور جب وہ واپس آتا تو وہ پھر کھلے میدانوں میں نکل آتے تھے۔ اس کے علاوہ انگریزوں سے اور ٹراونکور کے راجا سے انھیں ہر قسم کی مدد ملتی تھی۔

مالابار میں امن قائم کرنے کی غرض سے ٹیپو وہاں نظم و نسق کا عمدہ انتظام کرنا چاہتا تھا، وہاں کے باشندوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا اور نئی سڑکیں بنانا چاہتا تھا، تاکہ نائروں کی بغاوت کو کچلا جا سکے۔ مگر بدقسمتی سے تیسری اینگلو میسور جنگ شروع ہو گئی اور ٹیپو کو اپنی تمام سرگرمیاں اس کے لیے وقف کرنی پڑیں۔ دریں اثنا مالابار کے حکمرانوں نے، جو کچھ عرصے سے انگریزوں سے خط و کتابت کر رہے تھے، ان سے معاہدہ کر لیا، اور اس شرط پر انھوں نے کمپنی کا باج گزار بننا قبول کر لیا کہ ان کا وہ علاقہ انھیں واپس مل جائے جس سے سلطان نے انھیں بے دخل کر دیا تھا۔ مالابار پر انگریزوں کی مہم کامیاب رہی اور معاہدے کے مطابق مختلف حکمرانوں کو ان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بحال کر دی گئیں۔ سرنگاپٹم کے صلح نامے (1792ء) نے ان کی نئی حیثیت کو قانونی شکل دیدی اور اس کے بعد وہ انگریز کمپنی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

(باب 9 کے حاشیے)

1. تاریخ کرگ، و 27 ب

2. ایضاً، و 32 ب

3. ایضاً، و 32 الف تا 35 الف

4. ایضاً، و 35 ب تا 36 الف

5. Rice, Mysore and Coorg, vol. iii, P. 113

6. Report of joint Commissioners, P. 35, Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 448.

7. Ibid., P. 36

8. Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 449; P.A.MS., No. 4577.

9. N.A., Sec. Pro., May 27, 1788, Capt. Kyd from Tellicherry, April 14.

10. کرمانی، ص 2-331 Punganuri, P. 39.

ارشد بیگ سرنگاپٹم واپس چلا گیا اور معزولی کے صدمے سے انتقال کر گیا۔ ٹیپو کے حکم سے اسے لال باغ میں دفن کیا گیا۔

11. Report of the joint Commissioners, P. 37

کرمانی کہتا ہے کہ ارشد بیگ کی جگہ مہتاب خان بخشی کا تقرر کیا گیا تھا۔ (کرمانی، ص 332)

12. P.A.MS., No 4583

13. Report of the joint Commissioners, P. 37

امپیریل گزیٹیئر کے مطابق "ٹیپو کا دارالحکومت اب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جسے فرخ کہتے ہیں۔"
(Imp. Gaz. vol. xii, P. 88)

"اس کا نام فرخی ہے" (سلطان التواریخ، و 74 ا) Punganuri, P. 39

"اسے فرخ آباد کہتے ہیں" (Report of the joint Commissioners, P. 37)

14. Wilks, vol. ii, P. 32; Punganuri, PP. 39-40

15. Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 452

16. P.A. MS., Nos. 4592, 4597; Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 451.

17. Ibid., Mack. MS., I.O. No. 46

موخرالذکر ماخذ کے مطابق فوج جنوری 1789ء میں بھیجی گئی تھی۔

18. Logan, Malabar, vol. i, part ii, 453

19. I.O. Mack. MS. No. 46, PP. 89, 98

20. Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 453

21. Ibid.; Report of joint Commissioners, P. 46.

لیکن تاریخ کورگ کے مطابق ٹیپو کے سزا دینے کے ڈر سے راجا نے خودکشی کر لی تھی۔

22. Logan, Malabar, vol. i, part ii, PP. 453, 456, Wilks, vol. ii, P. 332.

23. P.A. MS., No. 4629

دسواں باب

ٹیپو اور انگریز 1784ء تا 1788ء

منگلور کے صلح نامے کو جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بنگال گورنمنٹ نے پسند نہیں کیا تھا۔ کمپنی کے بہت سے فوجی افسر بھی اس کے حق میں نہیں تھے۔ وارن ہیسٹنگس نے اسے "ذلت آمیز صلح" کہا تھا[1] اور سر تھامس منرو نے امید ظاہر کی تھی کہ "یہ صلح نامہ، جو کمپنی نے ٹیپو صاحب کے ساتھ کیا ہے، عارضی ہے"[2] یہ اسی ذہنی کیفیت کا نتیجہ تھا کہ سرکاری طور پر تو ٹیپو کے ساتھ انگریزوں کی صلح تھی، لیکن ان کے تعلقات کشیدہ ہی رہے اور وہ اکثر صلح نامے کی خلاف ورزیاں کرتے رہے۔

منگلور کے صلح نامے میں ایک دفعہ یہ تھی کہ کنانور کو، ٹیپو کے متعینہ ایک افسر کی موجودگی میں، بی بی کے حوالے کیا جائے گا۔ لیکن اس کے بجائے انگریزوں نے، سلطان کے نمائندے کی آمد کا انتظار کیے بغیر، کنانور کو خالی کر کے آس پاس کے علاقے کو تاخت و تاراج کیا، وہاں کے باشندوں کو لوٹا، قلعہ کے سامان جنگ میں آگ لگا دی اور توپوں کو سمندر میں پھینک دیا[3] اونور، کروار اور سداسیو گڑھ کو خالی کرتے وقت بھی انھوں نے اسی قسم کی غارت گری کی[4] لارڈ میکارٹنی نے ان حرکتوں کا حال سنا تو انھوں نے انگریز افسروں کے طرز عمل کو بے حد ناپسند کیا اور اسے صلح نامے کی دفعہ چار کی خلاف ورزی قرار دی۔ وہ اس کے لیے بھی تیار تھا "جس طرح بھی ٹیپو چاہے اس کی تلافی کی جائے"[5]

لیکن انگریزوں نے صلح نامے کی صرف یہی خلاف ورزیاں نہیں کی تھیں۔ انھوں نے ڈنڈی گل کو لوٹا اور اس ضلع سے لگان وصول کرنا شروع کر دیا جس کا صلح نامے کے مطابق

اُن کو حق حاصل نہیں تھا[8] مزید برآں انھوں نے ٹیپو کی قلمرو میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کی اور باغیوں کو پناہ دی۔ نائروں کی ایک بڑی تعداد تلی چری بھاگ گئی جہاں اُن کو انگریزوں نے پناہ دی۔ وہاں سے اُنھوں نے ٹیپو کے علاقے میں چھاپے مارے[9] ٹیپو نے تلی چری کے حاکم کو اس کے متعلق لکھا مگر وہاں اس کی آواز بہرے کانوں سے ٹکرا کر رہ گئی۔ اس بات نے سلطان کو اس قدر برہم کیا کہ اس نے وہاں کے حاکم کو لکھ دیا کہ آئندہ میرے پاس کوئی خط نہ بھیجنا[3] اس نے انگریزوں کو اگرچہ اُن کی کالی کٹ والی کوٹھی واپس کر دی تھی، تاہم کوہ ڈِلی کو ان کے حوالے کرنا ملتوی کر دیا۔ مزید براں سیاہ مرچ، الائچی اور صندل کی برآمد پر بھی پابندی عائد کر دی اور چراکل کے راجا کو بھڑکایا کہ وہ دھرما پٹنم کے جزیرے پر قبضہ کرے، جو تلی چری کی کنجی تھا چنانچہ راجا نے جون 1788ء میں اس پر قبضہ کر لیا[9]

انگریز اور مرہٹہ میسور جنگ

جب ٹیپو اور پیشوا کے درمیان جنگ ناگزیر نظر آنے لگی تو سندھیا نے اینڈرسن کو، جو اس کے دربار میں انگریزوں کا ایجنٹ تھا[10] اپاجی پنڈت کی معرفت ایک پیام بھیجا کہ چونکہ ٹیپو مرہٹوں کی سرحد پر فوجیں جمع کر رہا ہے اس لیے انگریز کمپنی کو چاہیے کہ سالبائی کے معاہدے کے مطابق پونا گورنمنٹ کی مدد کرے اور ٹیپو کے خلاف پیشوا اور نظام سے جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد قائم کرے[11] اینڈرسن نے امداد کی درخواست اور اتحاد قائم کرنے کی تجویز گورنر جنرل میکفرسن کو بھیج دی۔ اس نے جواب دیا کہ معاہدۂ سالبائی میں ایسی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ "کمپنی اور مرہٹہ حکومت کے دوست اور دشمن ایک ہی ہیں۔" اس کی تیرھویں دفعہ میں صرف یہی ہے کہ کمپنی پیشوا کے خلاف کسی قوم کی مدد نہیں کرے گی۔ چنانچہ کمپنی ٹیپو کی مدد نہیں کرے گی۔ مگر اسی کے ساتھ ہی مرہٹوں کی بھی وہ مدد نہیں کرے گی۔ کیونکہ معاہدۂ منگلور کے مطابق اس بات کی پابندی بھی اس پر عائد ہوتی ہے کہ ٹیپو سلطان کے دشمنوں کی وہ اعانت نہ کرے[12] میکفرسن مرہٹوں کی فوری امداد کرنا بے حد پسند کرتا، کیونکہ وہ ان کی درخواست کو "مناسب اور معقول" سمجھتا تھا[13] لیکن وہ کچھ تو اس وجہ سے ایسا نہیں کر سکا کہ پٹس انڈیا ایکٹ کے بہ موجب گورنر جنرل با جلاس کونسل کو ایسا اتحاد قائم کرنے کا اختیار نہیں تھا، جو کسی دیسی طاقت سے جنگ کا سبب بن جائے اور کچھ معاہدۂ ورسائی کی سولھویں دفعہ بھی اس میں مانع تھی۔

لیکن سب سے بڑا سبب کمپنی کی مالی و فوجی خستہ حالی تھی۔[43] بایں ہمہ، میکفرسن نے بہت جلد غیر جانب داری کی پالیسی ترک کر دی۔ وہ پہلے ہی یہ اعلان کر چکا تھا کہ "ملکی طاقتوں کے باہمی جھگڑوں میں اگرچہ ہم فریق بننا نہیں چاہتے، لیکن ہم نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جسے ہم حق پر اور سیاسی مصلحت کے مطابق سمجھیں گے اس کی حمایت میں اپنے فیصلہ کن اثر و رسوخ کو استعمال کریں گے اور اسے فوجی امداد دیں گے۔۔ کیونکہ یقیناً ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب کہ صلح جویانہ طرزِ عمل، خواہ وہ کتنا ہی دل پسند کیوں نہ ہو، جاری نہیں رکھا جا سکتا۔"[44]

چنانچہ جب ٹیپو اور مرہٹوں میں جنگ چھڑی اور نانا نے مدد کے لیے انگریزوں پر زور ڈالا تو میکفرسن نے پانچ بٹیلین فوج نظام کی مدد کے لیے پیش کی۔[45] اس نے یہاں تک کیا کہ نانا کو یقین دلایا کہ بٹالینیں مرہٹہ فوج کے ساتھ جانے کے لیے تیار رہیں گی۔ لیکن یہ معاہدۂ منگلور کی کھلی خلاف ورزی تھی جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ٹیپو اور کمپنی "بالواسطہ یا براہ راست ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔"

میکفرسن نے ٹیپو کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی اس لیے کی اور مرہٹوں کی مدد کے لیے اس واسطے تیار ہو گیا کہ اوّل تو پونا میں فرانسیسیوں کی سازشوں کا توڑ کرنے کی فکر تھی، اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ فرانسیسیوں سے فوجی امداد طلب کر کے پیشوا ان کے زیرِ اثر آ جائے۔ دوسرے وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مرہٹے شکست کھا جائیں اور طاقت کا توازن ملک میں درہم برہم ہو جائے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر مرہٹوں کا زوال ہوا تو پھر ٹیپو انگریزوں کے لیے بے حد خطرناک ہو جائے گا۔[46] اس کے علاوہ میکفرسن مرہٹوں کو مدد دینے کے لیے اس واسطے بھی راضی ہو گیا تھا کہ ٹیپو سے صلح کرنے کی جگہ پر مرہٹے اس کے خلاف جنگ جاری رکھیں کیونکہ کوسگنی نے کہا تھا کہ یہ بات انگریزوں کے حق میں ہے کہ ہندوستانی حکومتیں آپس میں لڑ کر خود کو کمزور بناتی رہیں۔[47]

لیکن میکفرسن نے نظام یا مرہٹوں کو مدد دینے کی جو پیش کش کی تھی، لندن کی حکومت نے اسے مسترد کر دیا۔ برطانوی حکومت چاہتی تھی کہ کمپنی غیر جانب دار رہے، چاہے ٹیپو سے جنگ میں مرہٹے فتحیاب ہوں یا شکست کھائیں اور وہ اس وقت مداخلت یا طرف داری نہ کرے، جب تک فرانسیسی دخل اندازی نہ کریں یا خود اس کے مقبوضات کو کسی قوت کی طرف سے خطرہ لاحق نہ ہو۔[48] چنانچہ لندن کی حکومت نے لکھا کہ گورنر جنرل کو چاہیے تھا کہ مرہٹوں کو وہ مطلع کر دیتا کہ کمپنی صرف اسی وقت ان کی مدد کرے گی، جب فرانسیسی ٹیپو کی مدد کریں گے

اور اگر یہ صورت ہو کہ مرہٹے فرانسیسیوں سے مدد حاصل کرلیں تو کمپنی ٹیپو کی مدد کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس گورنر جنرل نے بغیر یہ بات متعین کیے ہوئے کہ فرانسیسی یقینی طور پر ٹیپو کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، پیشوا سے مدد کا وعدہ کرلیا۔ لندن کے حکام نے سوچا کہ اس طریق کار کا "پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ٹیپو کو فرانسیسیوں کی گود میں دھکیل دیں گے اور دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹیپو ہمارا دشمن بن جائے گا۔"[47]

میکفرسن کی جگہ جب لارڈ کارنوالس کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تو بورڈ آف کنٹرول نے ہدایت کی کہ "صلح جویانہ اور مدافعانہ رویہ اختیار کرے" جس کی بنیاد "اس عالم گیر قانون پر ہو..... کہ پہلے سے جو ہمارے مقبوضات ہیں ہم ان پر بالکل قانع ہیں" اسی کے ساتھ اس کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ اگر فرانسیسی جنگ میں کسی ایک فریق کا ساتھ دیں تو کمپنی خود بہ خود دوسرے فریق کے ساتھ مل جائے۔[48] کارنوالس کو عہدہ سنبھالنے کے بعد معلوم ہوا کہ "مرہٹوں کو مدد کی پیش کش کرکے ہم نے خود کو ایک انتہائی بھونڈی اور احمقانہ الجھن میں پھنسا لیا ہے۔ خدا ہی جانے ہم کیونکر عزت کے ساتھ اس جنجال سے نکل سکیں گے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح ہمیں اس سے نکلنا ضرور ہے اور فوج مرہٹوں کو نہیں دینا ہے۔[49]" چنانچہ اس نے اپنے پیش رو کی پیش کش کو مسترد کردیا اور نظام اور پیشوا کو مدد دینے کا وعدہ واپس لے لیا۔ لیکن انھیں یہ یقین دلایا کہ اگر فرانسیسی ٹیپو کو مدد دیں گے تو کمپنی فوراً ان کی اعانت کے لیے آجائے گی۔[50]

لیکن یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ کارنوالس نے یہ کارروائی اس لیے کی تھی کہ وہ صلح جویانہ پالیسی پر جاری رہنا چاہتا تھا یا اس کا یہ خیال تھا کہ ٹیپو بھی اس کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائے۔[51] حقیقت یہ ہے کہ وہ مرہٹوں کی مدد کرنا پسند کرتا لیکن اس نے بربنائے مصلحت غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کیا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر مرہٹوں کو مدد دی گئی، تو اس کے نتیجے میں ٹیپو سے جنگ ہوگی اور یہ جنگ ٹیپو اور فرانسیسی دونوں قریب ترین حلیف کی طرح مل کر لڑیں گے۔ لیکن ایسی جنگ کے لیے انگریز کمپنی اس وقت تیار نہیں تھی کیونکہ اس کی فوج کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اور اس کی مالی حالت، سوائے بنگال کے، تشویش ناک حد تک خراب تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک ایسی جنگ میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا جس میں فرانسیسی لازمی طور پر ٹیپو کی طرف سے انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوں۔ کیوں کہ اس سے نہ صرف یورپ میں سفارتی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں بلکہ ٹیپو کی شکست بھی بے حد دشوار ہو جاتی۔ مزید برآں مرہٹوں کو مدد کی پیش کش اس

یے کی گئی تھی کہ وہ فرانسیسیوں سے مدد نہ لیں۔ نیز یہ بھی فرض کر لیا گیا تھا کہ اس سے ٹیپو کی قوت میں اضافہ ہو جائے گا اور اس کا امکان بھی سمجھا گیا تھا کہ فرانسیسی فوج کے شامل ہو جانے کے بعد ٹیپو کی قوت اور بھی خوفناک ہو سکتی ہے۔" لیکن چونکہ "اب یہ صورتِ حال باقی نہیں رہی" اس لیے نظام یا مرہٹوں کی مدد کے لیے فوج بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

تاہم کارنوالس کو یقین تھا کہ اگر انگریز ہندستان میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں تو انھیں جلد یا بدیر ٹیپو سے جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ توازنِ قوت کا جھکاؤ میسور کی طرف بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ تمام ہندستانی ریاستوں میں میسور کی سلطنت سب سے زیادہ مستحکم تھی اور اس کا نظم و نسق بھی سب سے اچھا تھا۔ اس کے حکمراں نے نظام اور مرہٹوں کی متحدہ فوج کو شکست دے دی تھی۔ مزید برآں سفارتی وفد بھیج کر فرانس کے بادشاہ اور ترکی کے سلطان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی جو کوشش وہ کر رہا تھا، کارنوالس کی نظر میں اس سے ہندستان میں انگریزی مفاد کو شدید خطرات لاحق ہونے کے امکانات تھے۔ اسے پختہ یقین تھا کہ "ہندستانی فرمانرواؤں میں ٹیپو غیر معمولی قابلیت کا اور بے پایاں اولوالعزمی اور حوصلے کا مالک ہے، جس نے اس حد تک وسیع علاقہ، دولت اور فوجی قوت حاصل کر لی ہے کہ اس سے کمپنی کے کرناٹک کے مقبوضات کے لیے اور اس کے تمام ہمسایوں کے لیے شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" اسی کے پیشِ نظر وہ ضروری سمجھتا تھا کہ ٹیپو کی قوت کو کم کیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہندستان میں انگریزوں کے مقبوضات کو وسیع تر کرنے کی دوسری قسط شروع کی جائے۔ اس مقصد کے لیے اس کی للچائی نظریں ٹیپو کی قلمرو پر، خصوصاً اس کے مالاباری مقبوضات پر پڑ رہی تھیں، جہاں مسالے، صندل اور صنوبر کے درختوں کی کثرت تھی اور جہاں کالی کٹ اور کنانور جیسی عمدہ بندرگاہیں تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مقصد اگر حاصل ہو گیا تو اس سے کم سے کم تیرہ امریکی نوآبادیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی جزوی تلافی ہو سکے گی۔

بورڈ آف کنٹرول کے صدر ہنری ڈنڈاس نے بھی کارنوالس کو مشورہ دیا تھا کہ وہ توسیعی پالیسی شروع کریں۔ اس کی خواہش تھی کہ بمبئی کو وسیع تر بنایا جائے تاکہ وہ خود کفیل ہو سکے۔ اس کا خیال تھا کہ "ہندستان کے مغربی ساحل پر ہماری فوجی چوکیوں کا سلسلہ اگر قائم ہو جائے تو اس سے ہماری ہندستانی قلمرو کی بہتر حفاظت ہو سکے گی۔" اور یہ چوکیاں یا تو "گفت و شنید کے ذریعے سے یا کسی بھی دوسرے طریقے سے" حاصل کی جا سکتی ہیں۔ بعد میں ڈنڈاس نے گفت و شنید پر فوجی قوت کے استعمال کو ترجیح دی اور کارنوالس کو مشورہ دیا کہ ٹیپو کو ختم کر دو جو "سیماب صفت، دھوکے باز اور

نظام سے ہے اس جگہ پر سابق راجا کو بحال کرو اور میسور کی حیثیت کم کر کے ٹراونکور، تنجور اور اودھ کے برابر کر دو۔ اس کا یہ خیال نہیں تھا کہ اگر ٹیپو کو ختم کر دیا گیا تو قوت کا توازن درہم برہم ہو جائے گا اور مرہٹے مضبوط تر ہو جائیں گے۔ اسے یہ خطرہ اس لیے محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ مرہٹوں میں نااتفاقی تھی۔[27]

کارنوالس کے جارحانہ منصوبے

اس مقصد کے حصول کے لیے کارنوالس نے سب سے پہلے کمپنی کی فوج اور اس کی مالیات کی تنظیم نو کی طرف اپنی توجہ مبذول کر دی۔ یہ کام اس نے جس جوش و سرگرمی سے انجام دیا اس کا اندازہ اواخر دسمبر 1787ء کے ایک خط سے لگایا[28] جا سکتا ہے، جس میں اس نے مالٹ کو مطلع کیا تھا کہ "تمام صوبوں میں کمپنی کی فوجیں بالکل تیار ہیں" اپنے کو اس طرح تیار پا کر اس نے مرہٹوں اور نظام سے ٹیپو کے خلاف، اتحاد قائم کرنے کی گفتگو شروع کر دی۔ بظاہر تو یہ اتحاد مدافعانہ معلوم ہوتا تھا لیکن حقیقتاً جارحانہ تھا۔ 23 اکتوبر 1787ء کو کارنوالس نے ناگپور میں کمپنی کے ایجنٹ فاسٹر کو لکھا کہ "مرہٹوں سے ہم ٹیپو کے خلاف اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں جو ہم دونوں کا یکساں دشمن ہے"۔ اس نے فاسٹر کو ہدایت کی کہ مادھوجی بھونسلے سے درخواست کرے کہ "ٹیپو سے جنگ کی تجدید کی غرض سے وہ مرہٹوں کو متحد کرے" اور اس سے لڑنے کے لیے جو فوجیں بنگال سے بھیجی جائیں انھیں کٹک سے آزادانہ گزرنے کی اجازت دی جائے۔[29] کارنوالس نے مادھوجی کو ایک خط براہ راست لکھا اور اس میں اسے یاد دلایا کہ مرہٹوں نے حیدر علی اور ٹیپو کے ہاتھوں کس قدر نقصان اٹھائے ہیں اور اسے مشورہ دیا کہ وہ ٹیپو سے انتقام لے۔ اس نے مادھوجی کو یقین دلایا کہ ٹیپو سے صلح باہمی رضامندی کے بغیر اور اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک وہ سارا علاقہ جو کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان ہے مرہٹوں کو واپس نہ مل جائے۔[30] اسی طرح کے ایک خط میں کارنوالس نے پامر کو لکھا، جو گوالیار میں تھا، "اگر سندھیا کو اس پر آمادہ کیا جا سکے کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے پونہ کی حکومت کو ٹیپو سے جنگ کی تجدید کی غرض سے مرہٹوں کو متحد کرنے کی ترغیب دینے ہی میں پیش قدمی نہ کرے، بلکہ خود بھی اس میں سرگرمی سے حصہ لے تو۔ اسے میں ایک ایسا دوستانہ اقدام متصور کروں گا جو اس لائق ہو گا کہ ہماری حکومت اس کا شاندار صلہ دے"۔[31] پونہ کی حکومت کو بھی خط لکھے گئے اور کمپنی کے ایجنٹ مالٹ نے پیشوا کے ساتھ اتحاد کرنے کی تجویز بھی نانا کے سامنے پیش کی۔

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی گئی ہے کہ کارنوالس مرہٹوں کی طرف اس لیے جھکا کہ اسے گمان تھا کہ ٹیپو کرناٹک پر حملہ کرنے والا ہے۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ ٹیپو کی حالت ایسی تھی ہی نہیں کہ وہ کمپنی سے نبرد آزما ہوتا، کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا، اور کچھ اس لیے کہ فرانسیسیوں سے مدد ملنے کی اسے توقع نہ تھی جن سے اس وقت انگریزوں کی صلح تھی[32] یہ صحیح ہے کہ کرناٹک پر ٹیپو کے حملے کی افواہیں اس وقت پھیلی ہوئی تھیں، جو بالکل بے بنیاد تھیں اور جنھیں راجا ٹراونکور، نواب کرناٹک اور ان لوگوں نے پھیلایا تھا، جو ٹیپو اور کمپنی میں جنگ کرانے کے درپے تھے[33] حقیقتاً خود کارنوالس کو بھی ان افواہوں کا یقین نہیں تھا۔ اس نے مدراس کی حکومت کو لکھا تھا کہ "وہ (ٹیپو) ہمارے خلاف جنگ نہیں چھیڑے گا"[34] اس کے باوجود کارنوالس نے مرہٹوں کے نزدیک آنے کی جو کوشش کی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ٹیپو کے خلاف جارحانہ ارادے رکھتا تھا۔

بہرکیف، وارسائی کے معاہدے کی بنا پر اور کورٹ آف ڈائرکٹرس کی ہدایت کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ٹیپو نے انگریزوں کو کسی قسم کا اشتعال نہیں دلایا تھا، کارنوالس جارحانہ اتحاد کی تجویز پیش نہیں کر سکا۔ اس لیے اب اس نے نانا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ٹیپو، فرانسیسیوں کی مدد سے یا بغیر ان کی مدد کے، اگر کرناٹک پر حملہ کرے یا کمپنی کے کسی حلیف پر چڑھائی کرے، تو اس کی توجہ ہٹانے کے لیے مرہٹے میسور کی شمالی سرحدوں پر کمپنی کی فراہم کردہ یورپین بٹالین، سپاہیوں کے ایک بریگیڈ اور قلعہ شکن توپوں سے حملہ کر دیں گے اور اس کے اخراجات مرہٹے ہی برداشت کریں گے۔ دوسری طرف ٹیپو نے مرہٹوں پر اگر تنہا حملہ کیا، تو اس حالت میں کمپنی غیر جانب دار رہے گی۔ کمپنی صرف اسی وقت مرہٹوں کی مدد کرے گی، جب ٹیپو فرانسیسی سپاہیوں کی مدد سے ان پر حملہ کرے گا"[35]

نانا کے لیے یہ تجاویز قابلِ قبول نہیں تھیں۔ وہ انھیں بہت زیادہ انگریزوں کے حق میں سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ دونوں فریقوں کے لیے یکساں پابندیاں ہونی چاہئیں۔ وہ ایک ایسے معاہدے کے حق میں تھا جو جارحانہ بھی ہو مدافعانہ بھی۔ مالٹ نے نانا کو معاہدۂ وارسائی (1783ء) اور پارلیمانی ایکٹ (1784ء) کے مضمرات سمجھانے کی بہت کوشش کی، جن کی رُو سے کمپنی مرہٹوں کی اس حالت میں مدد نہیں کر سکتی تھی جب ٹیپو تنہا ان پر حملہ کرے، اور مرہٹوں سے جارحانہ معاہدہ کرنا بھی کمپنی کے لیے ممکن نہیں تھا[36] لیکن یہ وضاحتیں بے سود ثابت ہوئیں، کیونکہ نانا کو یورپین سیاست کی نزاکتوں سے برطانوی پارلیمانی ایکٹ سے کوئی دلچسپی

نہیں تھی۔ اس لیے گفتگو ختم ہوگئی۔ لیکن اس سے انگریزوں کو زیادہ حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ مالٹ ابتدا ہی سے گفت وشنید کی کامیابی کی طرف سے مایوس تھا اور کارنوالس کو مطلع بھی کر چکا تھا کہ مرہٹے ان تجاویز کو منظور نہیں کریں گے۔ کیونکہ "وہ پہلے ہی بہت جھنجلائے ہوئے ہیں کیونکہ ٹیپو اور مرہٹوں کی سابقہ جنگ میں ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے معاہدے ناقابلِ انفساخ بن جاتے ہیں جب تمھارا مطلب ہوتا ہے تاہم جب اسی مطلب کا دوسرا تقاضا ہوتا ہے تم اپنے معاہدوں پر کاربند نہ رہنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کرتے۔ وہ کہیں گے کہ اب تمھیں ہماری امداد کی ضرورت ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ تمھاری لڑائی لڑنے کے لیے تمھارے سپاہیوں کے اخراجات ہم برداشت کریں۔ تم اپنے خیالی فتوحات سے، ہمارے حق میں، دست کش ہونے کو ہمارے دیرینہ مواعد کی قربانی کا اجر قرار دیتے ہو۔ حقیقی فائدہ تمھارا ہوگا، جب کہ جنگ کے اخراجات ہمیں برداشت کرنے پڑیں گے۔"[37]

مگر گفت وشنید کی ناکامی کا نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ انگریزوں اور مرہٹوں کے تعلقات منقطع ہو جاتے، کیونکہ کارنوالس برابر نانا کی دلجوئی کرتا رہا۔ کیونکہ یہ بات وہ جانتا تھا کہ ٹیپو سے جنگ کرنے کے لیے، جلد یا بدیر، کوئی نہ کوئی بہانہ اسے مل ہی جائے گا اور اس کے اختیارات پر جو پابندیاں ہیں، وہ ختم کر دی جائیں گی اور اس وقت نانا کے خیالات سے متفق ہونا ممکن ہو جائے گا۔ دریں اثنا کارنوالس چاہتا تھا کہ انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان "انتہائی دوستانہ رسم و راہ قائم رہے" اور دونوں قوموں کے خیالات و مفادات کے بارے میں جذبات کا آزادانہ اظہار ہوتا رہے۔[38]

کارنوالس جس طرح مرہٹوں کو ٹیپو کے خلاف اکسا رہا تھا اسی طرح وہ نظام کے جذبات کو بھی بھڑکا رہا تھا اور ان علاقوں کی واپسی کے سبز باغ اسے دکھا رہا تھا جو اس سے حیدر علی نے زبردستی چھین لیے تھے لیکن چونکہ خود کمپنی نظام سے گنٹور سرکار کا مطالبہ کر رہی تھی اس لیے حیدرآباد میں انگریزوں کی ساز باز کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اصل میں گنٹور کے مناقشے کی وجہ سے[39] نظام اور انگریزوں کے تعلقات ایک وقت میں اس قدر کشیدہ ہوگئے تھے کہ ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ٹیپو کا حلیف بن جائے گا۔

لیکن ستمبر میں جب نظام گنٹور سرکار کو کمپنی کے حوالے کرنے پر تیار ہوگیا تو اس نے کمپنی کو یاد دلایا کہ اسی عہد نامے کی ایک دوسری دفعہ کے مطابق کمپنی نے وعدہ کیا ہے کہ اس کا آبائی

علاقہ حیدر سے واپس لینے میں وہ اس کی مدد کرے گی۔ انگریزوں سے ایک نیا معاہدہ کرنے کے لیے نظام نے اپنے وزیر میر عبدالقاسم کو' جو عام طور پر میر عالم کہے جاتے تھے' کلکتہ بھیجا۔ کارنوالس نے نظام کو مطلع کیا کہ اب وہ کوئی نیا معاہدہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ پارلیمنٹ کے ایکٹ کے خلاف ہوگا اور مرہٹوں کو اس سے حسد پیدا ہوگا' جن سے وہ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اس نے 7 جولائی 1789ء کو ایک خط لکھا جس میں 1768ء کے معاہدے کی توضیح کی گئی تھی اس لیے اس کی پابندی انگریزوں پر بھی باضابطہ معاہدے کی طرح لازمی تھی۔ خط میں اس امر کی وضاحت کی گئی تھی کہ معاہدے کی چھٹی دفعہ کے مطابق یہ بات طے ہوئی تھی کہ "کمپنی کے حالات اگر اجازت دیں گے تو نظام کو فوجیں مستعار دی جائیں گی۔ اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نظام کمپنی کی فوجوں کو کسی ایسی طاقت کے خلاف استعمال کر سکتا ہے جو انگریزوں کی حلیف نہ ہو۔ انگریزوں کے حلیف تھے پیشوا' سندھیا اور دوسرے مرہٹہ حکمران' نواب کرناٹک' نواب اودھ' راجا تنجور اور راجا ٹراونکور۔" اس فہرست میں ٹیپو کا نام نہیں تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ نظام کو انگریزوں کی فوج کو اس کے خلاف استعمال کرنے کا حق تھا' کیونکہ وہ کمپنی کے اتحادیوں میں شمار نہیں ہوتا تھا۔ اس خط میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ 1768ء کے معاہدے کی ان دفعات پر بعض اسباب کی وجہ سے عمل درآمد نہیں ہو سکا جن کے مطابق کرناٹک بالاگھاٹ کی دیوانی کمپنی کو ملتی تھی' تاہم "اب اگر ایسی صورت پیدا ہو کہ ان علاقوں پر' جن کا حوالہ ان دفعات میں ہے' اعلیٰ حضرت کی مدد سے کمپنی کا قبضہ ہو جائے تو وہ (کمپنی) ان شرائط کی پابندی سختی کے ساتھ کرے گی' جو اعلیٰ حضرت اور مرہٹوں کے حق میں ہیں۔"

کمپنی نے 1768 کے معاہدے کے بعد حیدر سے دو معاہدے اور پھر 1784ء میں کمپنی نے ٹیپو سے بھی ایک معاہدہ کیا تھا جس میں ان علاقوں پر' جو اس کے قبضے میں تھے' اس کی فرماں روائی کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اس لیے گورنر جنرل کا خط منگلور کے معاہدے کی خلاف ورزی تھا۔ یہ "انڈیا ایکٹ کی حقیقی روح کے منافی تھا' کیونکہ اس کی نوعیت جارحانہ تھی اور "مدافعانہ انتظام کے معاہدے سے اور ٹیپو سے جنگ کے رکنے سے کہیں زیادہ اس کا تعلق ٹیپو سے جنگ کرنے کے معاملات سے تھا۔ اس طرح سے یہ خط اس امر کے مزید ثبوت فراہم کرتا ہے کہ کارنوالس ٹیپو سے جنگ کرنے پر تلا ہوا تھا اور اس جنگ کا جواز پیدا کرنے کے لیے کسی شاخسانے کی تلاش میں تھا۔

(باب III کے حاشیے)

Camb. Hist. India, vol. v, P. 333

2. Innes Munro, P. 370

3. M.R., Mly. Cons., May 23, 1784, Tipu to Macartney, vol. 99 B, p. 2050.

4. Ibid., May 28, 1784, Tipu to Macartney, PP. 2127-28

5. Ibid., May 23, 1784, Select Committee's Minutes, P. 2050; Mly. Desp. to England, June 8, 1784, vol. 19, p. 156.

6. M.R., Mly. Cons. July 15, 1784, vol. 100 C, PP. 2683-84

7. P.R.C., vol. iii, No. 37a, P. 50x;

8. Ibid.

9. M.R., Mly. Cons. Jan. 25, 1788, vol. 120a; P.R.C., vol. iii, No. 37; Logan, Malabar, vol. i, part ii, P. 453.

10. M.R., Mly. Cons., July 1, 1786, Anderson to Macpherson, May 10, vol. 108 A, PP. 1815-16.

11. Ibid., Macpherson to Anderson, May 26, P. 1818

12. N.A., Sec. Pro., March 28, 1787, Macpherson to Carnac, Company's Agent with Tipu, Dec. 20, 1785, Cons No. 8.

13. Ibid., Ibid., Dec. 7, 1785, Cons. No. 7a

14. Ibid.

15. Khare, vol. viii, No. 3004, Sindhia to Nana, July 26, 1786

یہ یقین دہانی میکفرسن نے ایک خط میں کی تھی جو فارسی میں لکھا گیا تھا۔ بعد میں مالٹ نے اس کی دوسری طرح سے وضاحت کی اور نانا کو اطلاع دی کہ پلٹنیں پیشوا کے علاقے کی مدافعت کے لیے تو استعمال کی جا سکتی ہیں لیکن ٹیپو کی قلمرو پر حملے کے لیے نہیں۔ لیکن نانا نے اس وضاحت کو میکفرسن کی ان یقین دہانیوں کے منافی قرار دیا جو اس نے اپنے پچھلے خطوں میں کی تھیں۔ اس کے علاوہ نانا نے دعوا کیا کہ ٹیپو کے علاقے پر حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نرگند، کتّور اور

دوسرے مقامات مرہٹوں کی سلطنت میں شامل تھے۔ میکفرسن نے صرف معاہدہ منگلور ہی کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ اپنے خلاف منافقت کا الزام لگانے کا بھی نانا کو موقع دیدیا۔

16. N.A., Sec. Pro., Feb. 14, 1786, Cons. No. 3

17. P.A. MS., No. 894

18. N.A, Sec. Desp. from Secret-England July 21, 1786, vol. i, PP. 32-35.

19. N.A., Sec. Pro., Feb. 26, 1787, see Commit. of E.I.C. to Bengal, Sep. 22, 1786, Cons. No. 8.

20. Board's, Seret Letters, vol. i, March 8, July 19, Sept. 20 1786, Cited in Philip's The East India Company, P. 66, footnote-1.

21. P.R.O., 30/11/134, Cornwallis to Dundas, Sept. 17, 1786, f. 3a.

22. P.R.C., vol. ii, No. 37

23. Thompson and Garratt, Rise and fall of the British Rule in India, P. 174.

24. P.R.C., vol. ii, No. 37

25. P.R.O., 30/11/152, Cornwallis to Grenville, April 24, 1791, f. 24 a.

ٹیپو کے بارے میں کیمبیل کی رائے تھی کہ وہ "ایک مستعد، حوصلہ مند اور من چلا حکمران ہے۔ ان تمام ایشیائی طاقتوں کے مقابلے میں، جن سے ہم واقف ہیں، کہیں زیادہ منظم ہیں۔"

(Ibid., 30/11/118, Compbell to Cornwallis, May 1, 1787, f. 88 b)

26. Melville Papers, MSS. No. 3387, Dundas to Cornwallis, April 3, 1789, No. 3, PP. 65, 67.

27. Ibid., Nov. 13, 1790, No. 54, P. 157, P.R.O., 30/11/116, Dundas to Cornwallis, No. 53, 54, Nov. and Dec., 1790

28. N.A., Sec. Pro., Dec. 14, 1787, Cornwallis to Malet

کیمبل نے یہی بات اسٹورٹ کو بھی لکھی تھی: "آپ کو اس سلسلے میں مطلع کرتے ہوئے مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ ٹیپو سے جنگ کرنے کے لیے ہم پورے طور پر تیار ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کے خیال سے ہماری فوج خوش ہے، اس کے اس جذبے کو مزید ابھار کر اس سے فائدہ اٹھانے کی میں زیادہ سے زیادہ کوشش کروں گا۔"

(P.R.O., 30/11/134, Campbell to Stuart, Oct. 6, 1787, f 12a)

29. N.A., Sec. Pro., Nov. 8, 1787, Cornwallis to Foster, Oct. 23, 1787.

30. Ibid., Cornwallis to Bhonsle, Oct. 23, 1787

31. N.A., Pol. Pro., April 7, 1794, Cons. No. 1, Cornwallis to Palmer, Oct. 20.

32. N.A., Sec. Pro, May 7, 1788, Governer General, Minute of April 14, M.R., Mly. Sec. Cons. Oct. 9, 1787, Cornwallis to Madras, vol. 119 B, P. 467.

33. کارنوالس کے نام کیمبل کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ یہ افواہیں بے بنیاد تھیں اور یہ کہ ٹیپو معقول باتوں کو سننے پر راغب تھا، کیونکہ اسے کمپنی کی فوجی تیاریوں کا، مرہٹوں کی عداوت کا اور قریب آنے کی کوششوں کے سلسلے میں کانوے کی سرد مہریوں کا پورا پورا احساس تھا۔

(P.R.O., 30/11/18, Campbell to Cornwallis, Oct. 9, 1787, f 178 b)

34. M.R., Mly. Cons. Oct. 9, 1787, Cornwallis to Madras, vol. 119 b, P. 467.

چونکہ ٹیپو کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا، اسی وجہ سے کارنوالس نے نظام سے گنٹور کا مطالبہ کیا تھا۔

P.R.O., 30/11/150, Cornwallis to Dundas, Dec. 5, 1789, f. 161.

35. M.R. Mly Sec. Cons., Oct. 9, 1787, vol. 119 B, PP. 228-30; N.A., Sec. Pro., Dec. 14, 1787, Malet to Cornwallis, Oct. 28.

36. Ibid., Cornwallis to Malet, Dec. 14, 1787

37. Ibid., Malet to Cornwallis, Oct. 28, 1787

38. P.R.C., vol. iii, No. 24

39. نظام اور کمپنی کے مابین جو معاہدۂ اتحاد 1766ء میں ہوا تھا، اس کے مطابق پانچ سرکاروں کے معاوضے میں، جن میں گنٹور کی سرکار بھی شامل تھی، کمپنی وقت ضرورت نظام کو امدادی فوج دینے کی پابند تھی، اور اگر امدادی فوج کی ضرورت نہ ہو تو کمپنی کو نو لاکھ روپے سالانہ نظام کو دینے تھے۔ گنٹور سرکار نظام نے اپنے بھائی بسالت جنگ کو جاگیر کے طور پر دی تھی اور اس کے انتقال سے پہلے اس پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(Aitchison, Treaties, vol. ix, PP. 22-25)

1782ء میں بسالت جنگ کا انتقال ہوگیا، لیکن گنٹور سرکار کو نظام نے اپنے ہی قبضے میں رکھا۔ 1788ء میں کمپنی نے گنٹور سرکار پر اپنے حق کا دعوا کیا۔

(Ibid., P. 3)

40. Ibid., PP. 43-5

41. Ibid., P. 44

1768ء کے معاہدے میں کرناٹک بالوگھاٹ کو فتح کرنا طے پایا تھا جو حیدر کے قبضے میں تھا۔ اس علاقے کی دیوانی کمپنی کو ملنی تھی، جس نے نظام کو سات لاکھ روپے سالانہ اور مرہٹوں کو ان کا چوتھ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

(Ibid., P. 33)

42. Short. Camb. Hist. of India, P. 600

43. Malcolm, Political History of India, vol. i, P. 57.

گیارھواں باب

ٹراونکور کے راجا کے ساتھ جنگ

ٹراونکور، اٹھارویں صدی کی چوتھی دہائی تک، ایک چھوٹی اور کمزور سی ریاست تھی لیکن مارتنڈ ورما نے اپنے انتیس سالہ (1729ء– 1758ء) دورِ حکومت میں اسے مالابار کی ایک انتہائی طاقتور سلطنت میں تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ رام ورما نے، جو 1758ء میں تخت نشین ہوا، اپنے چچا کی حوصلہ مندانہ پالیسی کو جاری رکھا[1] اور ہندستان میں ولندیزی قوت کے زوال سے اور مالابار کے حکمرانوں کے آپس کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر اس نے کرنگا نور سے راس کیمرن تک سارے علاقے پر کچھ تو عیاری اور ناجائز طور پر اور کچھ فوجی قوت کے بل پر قبضہ کر لیا[2] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم ہو گئیں کوچین کے راجا کا بہترین علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ رام ورما کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا[3] لیکن وہ ان ہی مقبوضات پر قانع نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سارا مالابار متحد ہو کر ایک جھنڈے کے نیچے آ جائے[4] تاہم اسے جنوری 1766ء میں حیدر کے مالابار پر حملے کی وجہ سے اپنی فتوحات کی رو کو روکنے پر مجبور ہونا پڑا جس نے نہ صرف اس کے حوصلہ مندانہ منصوبوں کو معرضِ خطر میں ڈال دیا بلکہ اس کی سلطنت کی سالمیت کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔

حیدر جب ڈنڈیگل کا فوجدار تھا تو راجا ٹراونکور، مارتنڈ ورما نے اپنے باغی سرداروں کی شورش سے مجبور ہو کر اس سے مدد مانگی تھی۔ حیدر نے بہ خوشی مدد دینا منظور کر لیا۔ لیکن اسی دوران میں سرداروں نے راجا کی اطاعت قبول کر لی۔ اس لیے اس نے حیدر کو مطلع کر دیا کہ اب اس کی امداد کی ضرورت نہیں رہی، تاہم حیدر نے معاوضہ طلب کیا۔ لیکن راجا نے معاوضہ دینے

سے انکار کر دیا تھا۔ 1758ء میں مارتنڈ ورما کا انتقال ہو گیا' تو حیدر نے اس کے جانشین رام ورما سے معاوضہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہا تمہیں ہمارا باج گزار بننا پڑے گا۔ رام ورما نے معاوضہ دینا منظور کر لیا لیکن باج گزار بننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ پہلے سے کرناٹک کے نواب محمد علی کا باج گزار تھا۔ یہ محسوس کر کے کہ اس کا جواب حیدر کو مطمئن نہیں کرے گا اور جلد یا بدیر وہ ٹراونکور پر حملہ کر دے گا' اس نے ٹراونکور کی مدافعت کے لیے فوجی تیاریاں اور انگریزوں سے قریبی دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش شروع کی۔

مزید برآں مالابار میں حیدر کو کمزور بنانے کے لیے اس نے حیدر کے خلاف بغاوت پھیلانی شروع کر دی اور باغیوں کو ٹراونکور میں پناہ دینے لگا۔ راجہ کے اس گستاخانہ و معاندانہ طرز عمل سے برافروختہ ہو کر اور یہ سوچ کر کہ جب تک وہ مغلوب نہ ہو گا مالابار پر میسور کا اقتدار خطرے ہی میں رہے گا' حیدر علی نے ٹراونکور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن مرہٹوں اور انگریزوں سے جنگوں کی وجہ سے' جن میں وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک مصروف رہا' وہ بڑے پیمانے پر کوئی باقاعدہ فوجی اقدام نہ کر سکا۔ اس اثنا میں رام ورما نے حیدر کے خلاف اپنی سازش اور معاندانہ حرکات جاری رکھیں اور برابر اس کی سلطنت میں بغاوت کرنے کے لیے رعایا کو بھڑکاتا رہا۔ اس نے انگریزی فوج کو' 1778ء میں' اپنے علاقے سے گزر کر ماہی کی اس فرانسیسی بندرگاہ پر حملہ کرنے کے لیے راستہ دیا' جو حیدر کی حفاظت میں تھی' اور پھر جب دوسری اینگلو میسور جنگ شروع ہوئی تو اس نے انگریزوں کو فوجی امداد دی۔

اپنے باپ کی طرح ٹیپو بھی کئی برس تک بہت سے اہم معاملات میں پھنسا رہا۔ پہلے تو اسے انگریزوں سے جنگ کرنی پڑی' پھر منگلور کے صلح نامے کے بعد کورگ اور مالابار کے اپنے مقبوضات میں امن و امان قائم کرنے میں مشغول رہا۔ اس کے بعد اسے مرہٹوں کی آفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح 1788ء کے وسط تک اسے ٹراونکور کے راجا کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ ملی۔ جبکہ اس تمام عرصے میں ٹیپو کے خلاف اپنے معاندانہ طرز عمل پر قائم رہا تھا۔ راجا نے دوسری اینگلو میسور جنگ میں انگریزوں کی بہت مدد کی تھی اور منگلور کے صلح نامے کے بعد بھی' جس میں اس کا ذکر بہ طور انگریزوں کے ایک حلیف کی حیثیت سے تھا اور جس کی پابندی اس پر لازم تھی' اس نے مالابار میں باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور وہاں کے لوگوں کو بغاوت پر اکسانے سے اور باغیوں کو ٹراونکور میں پناہ دینے سے باز نہ آیا۔ ٹیپو نے کئی بار راجہ کو تنبیہ کی کہ وہ اپنی معاندانہ سرگرمیوں سے باز آئے۔

لیکن چونکہ اسے انگریزوں کی امداد ملنے کا پورا پورا یقین تھا' اس لیے ٹیپو کی اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ 1788ء میں اس نے یہ بہانہ کر کے کہ اس کی سلطنت کو ٹیپو سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کمپنی سے ہندوستانی فوج کی دو بٹالین اپنی سرحدوں پر تعینات کرنے کے لیے حاصل کیں جن کے اخراجات اس کے ذمہ تھے۔ کمپنی نے اس سے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو یورپین اور ہندوستانی فوج کی مزید امداد بھی اسے دی جائے گی" جو دشمن کے منصوبوں کے خلاف" استعمال کی جاسکے گی[9] اس طرح انگریزی امداد کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے مطالبہ کیا کہ ٹیپو کے باج گزار کولوٹ نیر کا علاقہ واپس کیا جائے۔ اس مطالبے کی بنیاد یہ تھی کہ وہ اس کے ایک گہرے دوست کا رشتہ دار ہے کو دونوں ایک ہی جد کی اولاد ہیں۔ اس نے مدراس کے گورنر سے بھی کہا کہ وہ مالابار کے سرداروں کی مدد کرے اور ٹیپو سے اُن کی سلطنتیں انھیں واپس دلائے[10] مزید براں اس نے ٹراونکور کی ان فوجی چوکیوں کو مسمار کرنے سے بھی انکار کر دیا جس کے متعلق ٹیپو نے کہا کہ وہ کوچین کے راجا کے علاقے میں بنائی گئی ہیں' جو میسور کا باج گزار ہے اس نے ولندیزیوں سے آیو کوٹا اور گران گانور دونوں مقامات خریدلیے اگرچہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ٹیپو بھی انھیں خریدنے کا خواہش مند ہے۔

ٹراونکور کی سلطنت جزیرہ نمائے ہند کے انتہائی جنوبی سرے پر تھی۔ اس کا سلسلہ جزیرۂ وائی پن کے قریب شروع ہو کر جو دریائے منگم پر کوچین سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے' راس کیمرون کے تھوڑا سا مشرق کی طرف ختم ہوتا ہے۔ اس کی مشرقی سرحدیں بلند مغربی گھاٹوں کے ڈھلانوں سے گھری تھیں جو جنوبی راس پر ختم ہوتی تھیں مغرب میں اور جنوب میں اس کی سرحد سمندر کو چھوتی تھی۔ اس لیے سوائے شمال کے ہر طرف وہ خشکی کے حملے سے محفوظ تھی۔ یہ سمت بھی جزوی طور پر گھاٹوں کی پناہ میں تھی' مگر کوچین کی طرف سے کھلی ہوئی تھی۔ قدرتی روک کے فقدان کی تلافی کے لیے راجا ورما نے 1764ء میں اپنے ولندیزی سپہ سالار جنرل بوشتا سیو ڈی لینائے[11] کے مشورے سے دفاعی استحکامات بنانے کا حکم صادر کیا' جو ٹراونکوری مورچے کہے جاتے تھے ان مورچوں کے بارے میں پاولی نے' جو راجا کی سلطنت میں کمپنی کا ایجنٹ تھا' مدراس گورنمنٹ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ "وہ مغرب سے مشرق تک پھیلی ہیں جو سمندر کے کنارے جزیرہ وائی پن سے شروع ہو کر دریائے چینا منگلم کے وسیع کناروں تک چلی جاتی ہیں۔ پھر دریا کے مقابل سمت سے اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ہاتھی پہاڑ تک چلا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ایک پہاڑی چوٹی پر ختم ہوتا ہے' جہاں سے پہاڑوں کا ایک سلسلہ شروع ہو کر بلند شمالی عرض البلد تک اور شمال میں جزیرہ نما

کے انتہائی نشیبی سرے یا راس کیمروں تک چلا جاتا ہے۔ اس طرح سے یہ سب ریاست کی مشرقی سرحد کی پاسبانی کرتے ہیں۔ سمندر سے کے کردریائے چینامنگلم تک یہ مورچے چار یا پانچ میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دریا کے دوسرے کنارے سے پہاڑوں کے سرے تک ان کا سلسلہ چوبیس پچیس میل تک پھیلا ہوا ہے۔ ان مورچوں میں ایک خندق بھی ہے جو سولہ فٹ چوڑی اور بیس فٹ گہری ہے۔ اس کے کنارے بانس کی ایک گھنی باڑ ہے۔ ہموار زمین پر ایک ایک پتلا سا دمدمہ اور ایک عمدہ پشتہ ہے، جس سے مورچوں کو ایک سرے سے دوسرے تک تقویت پہنچتی ہے۔ ان پر صرف شمال کے عام راستے ہی سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔[13]

ٹیپو کو مرہٹوں سے صلح کے بعد جب فرصت ملی تو اس نے راما ورما سے مطالبہ کیا کہ اپنے مورچوں کے ان حصوں کو وہ ڈھا دے جنھیں کوچین کے راجا کے علاقے میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس مطالبے کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ راجا اس کا باج گزار تھا اور کچھ یہ تھی کہ ان کی وجہ سے اس کی کوچین کی سلطنت کے وہ دو تہائی حصے کٹ جاتے تھے، جو ان کے جنوب میں تھے۔[14] لیکن راما ورما نے اس کے مطالبے کو رد کر دیا۔ اس نے کہا وہ زمین جس پر مورچے بنائے گئے ہیں قانونی طور پر کوچین کے راجا سے اس امداد کے معاوضے میں حاصل کی گئی تھی، جو اسے کالی کٹ کے زمورن کے خلاف اس نے دی تھی۔ دوسرے یہ کہ یہ مورچے اب سے پچیس سال قبل اس وقت بنائے گئے تھے جب راجا کوچین اس کا باج گزار نہیں بنا تھا اور اس وقت سے لے کر اب تک ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔[15]

لیکن راما ورما کے یہ دعوے بالکل بے بنیاد تھے دراصل 1764ء میں یہ مورچے ڈی لینائے کی نگرانی میں بننا شروع ہوئے اور 1775ء میں بن کر تیار ہوئے جب وہ انھیں تکمیل کو پہنچا تے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔[16] اس مدت میں جب کبھی بھی جنگی نقطۂ نظر سے ضرورت پڑی ان مورچوں کو وسعت دی گئی مثلاً جولائی 1776ء میں راما ورما نے کرنگانور کے قلعہ اور راجا کرنگانور کے علاقے پر مورچوں کو وسعت دینی شروع کی۔ اس پر ولندیزیوں نے احتجاج کیا کیونکہ انھیں ڈر تھا کہ اس سے حیدر علی برافروختہ ہو جائے گا۔[17] مورچوں کا وہ حصہ جو جزیرہ وائی پن کے اس پار تھا اور جس کی چوڑائی 1500 گز تھی 1775ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔[18] کوچین اور ٹراونکور کے مقبوضات چونکہ کئی جگہ خلط ملط تھے اور مورچے کوچین کے علاقے سے ہو کر گزرتے تھے۔[19] اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ راما ورما نے کوچین کے راجا کے علاقے میں دست اندازی کی اور اس پر مورچے تعمیر کر لیے کیونکہ

زبردستی علاقے پر قبضہ کرلینا، مالابار میں اس کی توسیعی پالیسی کے عین مطابق تھا۔ کپتان ہیز مان نے بھی، جو ٹراونکور میں کمپنی کی فوج کا کمان دار تھا، تسلیم کیا تھا کہ "جزیرۂ وائی پن کے اس پلہ بنائے جانے والے مورچوں کی حفاظت کے سلسلے میں راجا ٹراونکور سخت پریشانی میں مبتلا ہے، کیونکہ وہ راجا کوچین کی عملداری میں تعمیر کیے گئے ہیں۔" راجا راما ورما کا یہ دعویٰ کہ کوچین کے راجا سے اس نے جائز طور پر اور قانون کے مطابق زمین حاصل کی ہے، تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مالابار کے مختلف حکمران "ہمیشہ ایک دوسرے کے علاقوں کے مقامات پر حق جتایا کرتے تھے جو اکثر بے حد مبہم ہوا کرتا تھا۔" مورچوں کو مسمار کرنے سے انکار کرنے کے علاوہ راجا ورما نے ولندیزیوں سے آئی کوٹا اور کنگانور کے جزیرے اور قلعے خرید کر ٹیپو کو اور برانگیختہ کر دیا کیونکہ انھیں سلطان خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان حرکتوں سے راجا نے فی الواقع ٹیپو سلطان کو مقابلے کی دعوت دی تھی۔

ا۔ وٹا ساحل مالابار پر جزیرہ وائی پن کے شمالی سرے پر واقع ہے۔ گنگانور آئی کوٹا سے شمال مشرق میں ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔ اور ان کے قریب بہت سے جزیرے ہیں۔ ٹیپو نے مرہٹوں سے صلح کرنے کے فوراً ہی بعد ولندیزیوں سے ان قلعوں کا سودا کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ انھیں اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ یہ عمل مالابار کو وسعت دینے کی اس پالیسی کے عین مطابق تھا جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ چیتوائی اور پالونیٹی پر پہلے ہی حیدر علی نے قبضہ کرلیا تھا۔ اور اب ٹیپو اپنی سلطنت کی حدود کو مزید وسعت دینا چاہتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ دوسری اینگلو میسور جنگ سے اس نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ اگر پھر انگریزوں سے جنگ چھڑی تو پالی گھاٹ ہی ان کے حملوں کا پہلا نشانہ بنے گا کیونکہ ان کے لیے دوسرے خاندوں کے علاوہ مالابار اور کارومنڈل کے ساحلوں کے درمیان آسانی سے رابطہ قائم کرنے کا یہی واحد راستہ تھا۔ اس لیے ٹیپو چاہتا تھا کہ اس درے کی مشرق اور مغرب میں دونوں سمت کے راستوں کی پوری احتیاط کے ساتھ حفاظت کی جاسکے اور اس مقصد کے لیے وہ کرانگانور کو حاصل کرنے کا خواہش مند تھا، جو پونانی سے صرف بیس میل کے فاصلے پر تھا، جہاں دوسری اینگلو میسور جنگ کے دوران ہمبرسٹون نے پالی گھاٹ کے خلاف فوجی کارروائیوں کے لیے اپنا صدر کیمپ بنا رکھا تھا۔ اصل میں ٹیپو یہ نہیں چاہتا تھا کہ ساحل کے اس رخ پر کوئی جگہ بھی کسی ایسی قوت کے ہاتھ میں رہے جو اس کی دوست نہ ہو اور جو اس راستے سے انگریزوں کو اس کی سلطنت پر حملہ کرنے کی اجازت دے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ آئی کوٹا اور کرانگانور

کو ٹراونکور پر حملہ کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ فوجی حکمتِ عملی کے نقطۂ نگاہ سے یہ حملہ اس لیے غیر دانشمندانہ ہوتا کہ کرنگانور سے مورچوں تک پہنچنے کے لیے ایک دریا کو پار کرنا پڑتا ان مورچوں پر مشرق کی جانب والے مقامات سے، جو چوبیس میل کے رقبے میں تھے حملہ کرنا زیادہ آسان تھا بعد کے واقعات سے بھی ظاہر ہوا کہ ٹیپو نے ٹراونکور پر نہیں بلکہ پہلے مورچوں پر حملہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مورچوں کو زیر کرلیا گیا تو قلعے بلا کسی مزاحمت کے فتح ہوگئے۔

1776ء میں سردار خان نے، جو کالی کٹ میں حیدر کا گورنر تھا، کرنگانور پر ناگہانی حملہ کرکے اسے فتح کرنے کی کوشش کی تھی، مگر ناکام ہوا تھا۔[21] ٹیپو نے جب مرہٹوں سے صلح کرلی تو اس کے فوراً ہی بعد یہ افواہ گشت کرنے لگی تھی کہ وہ کرنگانور اور اس کے پاس والے ولندیزی جزیروں کا مطالبہ کرے گا۔ ستمبر 1787ء میں میسور کی فوجیں کرنگانور کے قریب پہنچ گئیں لیکن جلد ہی واپس ہوگئیں[22] دریں اثنا کرنگانور کے قلعہ اور جزیروں کی خریداری کے بارے میں راما ورما نے گفتگو شروع کردی، جو سابق میں زمورن کی ملک تھے۔ اگست 1788ء میں اس کی خبر جب چیتوائی میں ٹیپو کے کماندار کو ملی تو کوچین کے ولندیزی کماندار اینگل کو لکھا کہ ان جزیروں کو فروخت کرنے کا اگر آپ نے ارادہ کیا تو وہ ٹیپو کو اس کی اطلاع دینے کے لیے مجبور ہو جائے گا۔ اینگل بیک نے گھبرا کر ان جزیروں کو فوراً راجا کے حوالے کردیا[23] اس بات کو یقینی تسلیم کرکے کہ کرنگانور بھی اسی طرح راما ورما کے سپرد کر دیا جائے گا، میسوری مئی 1789ء میں قلعے کے سامنے تک پہنچ گئے اور اطاعت کا مطالبہ کیا لیکن اس نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ میسوری اپنے ساتھ بھاری توپیں نہیں لائے تھے انھوں نے قلعہ کا محاصرہ نہیں کیا۔[24]

جولائی 1789ء میں کوچین یہ اطلاع پہنچی کہ ٹیپو ولندیزیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ انگل بیک کو صورتِ حال نازک نظر آئی۔ کیونکہ اس کے پاس روپیہ کی کمی تھی اور نہ تو لنکا کے ولندیزی مقبوضات سے وہ کوئی مدد حاصل کرسکتا تھا اور نہ انگریزوں سے[25] راما ورما یقیناً مدد کرنے کے لیے تیار تھا لیکن وہ اس وقت تک بے سود تھی جب تک انگریز بھی جنگ میں شامل نہ ہوں۔ لیکن اس کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ 14 مئی 1789ء کو پانے، نے جو راجا کے یہاں کمپنی کا ریذیڈنٹ تھا، گورنر مدراس کو مطلع کیا کہ ٹیپو کرنگانور پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور اس سے دریافت کیا کہ ایسے موقع پر اسے کیا کرنا چاہیئے اور راجا کو کیا مشورہ دینا چاہیئے؟[26] ہولانڈ نے جو کیمبل کی جگہ مدراس کا گورنر مقرر ہوا تھا، جواب دیا کہ ''کمپنی کی فوجیں

صرف راجا کی اپنی سلطنت کے دفاع کے لیے استعمال کی جاسکتی ہیں اور راجا کو سختی کے ساتھ تاکید کرو کہ موجودہ نازک صورتِ حال میں انتہائی احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ٹیپو کو تراونکور کے علاقے پر حملہ کرنے کا بہانہ مل جائے۔"[29] پھر جب جولائی 1789ء میں کرنگانور پر ٹیپو کے حملے کا خطرہ تھا اور راجا ولندیزیوں کی مدد کے لیے بے قرار تھا، تو ہولانڈ نے اسے تنبیہ کی کہ ہرگز ایسا نہ کرے۔[30] مدراس گورنمنٹ کے اس اندازِ فکر کی وجہ سے راجا نے ولندیزیوں کی مدد کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کر دیا۔ اس پر ولندیزیوں نے یہ سوچ کر قلعے راجا کے ہاتھ فروخت کر دیئے کہ وہ تنہا ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے اور اگر وہ راجا کے ہاتھ میں چلے گئے، تو ان کے دفاع میں انگریز راجا کی مدد کریں گے۔ اس طرح سے انھوں نے کوچین پر حملہ کرنے سے ٹیپو کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ ولندیزیوں کے تمام ہندستانی مقبوضات میں صرف ایک کوچین رہ گیا تھا۔ اب ان کے اس طرزِ عمل نے انھیں مکمل طور پر انگریز کمپنی کی حفاظت و حمایت میں دے دیا۔ جو یہ وعدہ کر چکی تھی کہ ٹیپو سلطان نے اگر راجا اور راجا کی سلطنت پر حملہ کیا تو اس کی مدد کرے گی۔[31]

راجا نے جو سمجھوتہ ولندیزیوں سے کیا تھا وہ کمپنی کی حکومت کے مشورے کے منافی تھا۔ راجا نے پہلے کپتان ہیترمان کی معرفت آرچی بالڈ کیمبل، گورنر مدراس، سے مشورہ کیا تھا لیکن موخرالذکر نے راجا کو کسی قسم کی مصالحت کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی۔[32] اس کے باوجود راجا نے قلعہ کی خریداری کے سلسلے میں ولندیزیوں سے اپنی گفت و شنید جاری رکھی۔ جب کیمبل کے جانشین ہولانڈ کو اس کا علم ہوا تو اس نے فوراً اپنے ریزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ راجا کو ولندیزیوں سے زمین اور قلعے خریدنے سے باز رکھے جو کوچین کے راجا کی طرف سے ان کے پاس ہیں، جو ٹیپو کا باج گزار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو کی نظروں میں یہ سودا ایک پرفریب معاملہ قرار پائے۔" پانے کو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ "مدراس گورنمنٹ اس کو (راجا کو) اس کے مقبوضات کے حدود سے باہر کی جنگ میں اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں ہے۔[33]" لیکن وہ خط جو 17 اگست کو بھیجا گیا تھا اتنی تاخیر سے پانے کو ملا کہ وہ بے سود رہا۔ راجا ان قلعوں کو 31 جولائی کو ولندیزیوں سے خرید چکا تھا۔ پانے کو ان مذاکرات کا مسلسل علم رہا تھا، جو راجا ولندیزیوں سے کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ان میں در پردہ شریک رہا تھا۔ لیکن اس معاملے میں ہولانڈ کے جذبات سے واقف ہونے کی وجہ سے اس نے ان کو راز میں رکھا

اور 4 اگست کو اس کی اطلاع اس وقت دی جب خریداری ہو چکی تھی اور اسے روکنے کی اب کوئی صورت نہ تھی۔

گنگا نور اور آئی کوٹا کی خریداری کی خبر سن کر ہولانڈ راجا سے بے حد ناراض ہوا، جس نے اس کی اجازت کے بغیر یہ معاملہ کیا تھا۔ اس نے راجا کو لکھا کہ اس نے اپنے اس طرز عمل سے کمپنی کے تحفظ سے اپنے کو محروم کر دیا ہے۔ اب اسے چاہیے کہ ان قلعوں کو وہ فوراً ولندیزیوں کو واپس کر دے تاکہ وہی صورت حال پھر بحال ہو جائے جو پہلے تھی[34]۔ لارڈ کارنوالس نے بھی راجا کے طرز عمل کو ناپسند کیا اور ہولانڈ کو لکھا کہ راجا یہ قلعے ولندیزیوں کو واپس کر دے اور ان سے کوئی ایسی معاملت نہ کرے، جس سے ٹیپو کو اشتعال ہو۔ راجا کو صرف اسی وقت امداد دی جائے گی جب بغیر کسی اشتعال کے ٹیپو اس پر حملہ کر دے۔ لیکن "اس نے پر فریب طریقوں سے ٹیپو کے ایک باج گزار کے علاقے میں قلعے اور زمینیں خرید کر اسے اشتعال دلایا . . . . تو اس سے ٹیپو کی آزردگی حق بجانب ہوگی اور ساتھ ہی وہ (راجا) کمپنی کی دوستی سے اور اپنے حق میں کمپنی کی مداخلت سے محروم ہو جائے گا۔" کارنوالس نے پالنے کے طرز عمل کی بھی مذمت کی جس نے "ان مقامات کی خریداری کے سلسلے میں راجا کے خیالات کی ہم نوائی کی[35] تھی۔

راجا اس سرزنش سے پریشان ہو گیا اور اس ڈر سے کہ کہیں اسے کمپنی کی حمایت سے محروم نہ ہونا پڑے اس نے اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ان قلعوں کی خریداری کے لیے اس نے سر آرچی بالڈ کیمبل گورنر مدراس کی منظوری حاصل کر لی تھی اور یہ اس کے علاقے کے مورچوں سے صرف ایک بندوق کی مار کے فاصلے پر واقع ہیں اور اس کے دفاع کے لیے ضروری ہیں۔ نیز یہ کہ ولندیزیوں نے کبھی بھی راجا کو چیرا، کو خراج ادا نہیں کیا اور ان قلعوں کو فروخت کرنے کا پورا حق حاصل تھا[36]۔

بہرکیف راجا کے دلائل کی بنیاد واقعات پر مبنی نہیں تھی۔ اس کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ آئی کوٹا اور کرنگا نور کی خریداری سے پہلے اس نے آرچی بالڈ کیمبل کی منظوری حاصل کر لی تھی۔ کیونکہ جب کورٹ آف ڈائریکٹرس نے اس کے متعلق کیمبل سے دریافت کیا تو اس نے 20 ستمبر کو جواب میں لکھا کہ اس نے کرنگانور آئی کوٹا کی خریداری کی نہ کبھی راجا کو رائے دی اور نہ اس کی حمایت کی۔ کورٹ آف ڈائریکٹرس نے یہ بھی کہا کہ "مدراس کی سرکاری دستاویزوں سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ راجا نے وہ قلعے آرچی بالڈ کیمبل کی رائے سے خریدے ہیں[37]۔"

ہولانڈ نے بھی یہی بیان کیا کہ راجا نے مدراس گورنمنٹ کی رضامندی کے بغیر یہ قلعے خریدے تھے[38]
اسی طرح کارنوالس نے بھی راجا کی بات کا یقین نہیں کیا اور کہا کہ کیمبل نے قلعوں کی خریداری
کے متعلق اسے، یا اس کی کونسل کو، کوئی خط نہیں لکھا[39] بہت دنوں بعد، جب آدھی لڑائی ختم ہو چکی
تھی تو جنگ کو اور راجا کے طرزِ عمل کو جو اس جنگ کا سبب بنا تھا، حق بجانب قرار دینے کے لیے
تو کارنوالس نے ڈنڈاس کو لکھا کہ اب وہ مراسلت اسے ملی ہے جو کیمبل اور بینرمان کے درمیان ہوئی
تھی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجا نے ولندیزیوں سے گفت و شنید نہ صرف کیمبل کی منظوری
سے بلکہ اس کی ہدایت کے بعد شروع کی تھی، لیکن اپنی خراب صحت کی وجہ سے وہ اس قصے کو بھول گیا[40]

راجا کا دوسرا بیان بھی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کرنگانور، ٹراونکور کے
مورچوں سے صرف ایک بندوق کی مار کے فاصلے پر نہیں بلکہ کئی میل کے فاصلے پر تھا[41] اور یہ بھی
صحیح نہیں ہے کہ ٹراونکور جیسے علاقے کی حفاظت کے لیے جہاں تک پہنچنا بھی دشوار تھا، متعلقہ
قلعوں کی خریداری ضروری تھی[42] مدراس گورنمنٹ کا خیال تھا کہ "کرنگانور اور جے کوٹا ولندیزیوں
کی ملک، مگر غیر مستحکم تھے"[44] لارڈ کارنوالس کا یہ بھی خیال تھا کہ "قلعے، اگر ان کو یہ نام دیا بھی جاسکے،
تو بھی ان کی اہمیت بہت کم تھی۔ اور اگر مجھے اس کا علم بھی ہوتا، تو راجا کو میں مشورہ دیتا کہ وہ انھیں
نہ خریدے"[43] پانے کی رائے بھی یہی ہے کہ "غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا
کہ کرنگانور اور جے کوٹا انتہائی حقیر اور اس قابل نہیں تھے کہ کسی سنجیدہ مقابلے میں انھیں خریدا
جائے"[45] یہاں تک کہ خود راجا نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "جے کوٹا اور کرنگانور کے حصول سے
مجھے کوئی فائدہ یا نفع نہیں ہوا"[46] رہی یہ بات کہ اس کے باوجود راجا نے "انھیں
خرید لیا تو یہ عمل مالابار میں اپنی حکومت کو وسعت دینے کی اس کی پالیسی کے عین مطابق تھا۔ اس کے
علاوہ اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ ان قلعوں کی خریداری کے سلسلے میں اگر اس نے ولندیزیوں کی
درخواست رد کر دی تو "ٹیپو ان قلعوں کو فوراً خرید لے گا"[47] اور وہ یہ برداشت ہی نہیں کرسکتا
تھا کہ اس کے مورچوں کے قریب کا کوئی قلعہ، خواہ وہ کتنا ہی غیر اہم کیوں نہ ہو، اس کے دشمن
کے قبضے میں رہے۔

بہر حال راجا کی یہ آخری دلیل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ولندیزیوں کو اس کا حق تھا کہ جس
کے ہاتھ بھی چاہیں قلعوں کو فروخت کریں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ولندیزی کوچین کے راجا
کو درآمد و برآمد کے محصول کا آدھا حصہ ہر سال دیا کرتے تھے یہ وہ محصول تھا، جو یہ لنگالیوں

کے زمانے میں بھی اسے ملتا تھا اور پھر بعد کے معاہدے میں بھی راجا کو اس محصول کا حق دیا گیا تھا[48] اور صرف یہی اس کی عظمتِ گزشتہ کی یادگار باقی رہ گیا تھا[49] راجا جب میسور کا باج گزار بنا تو جتنے حقوق اسے حاصل تھے وہ سب ٹیپو کو منتقل ہوگئے، جو اس وقت سے محصول میں سے اپنا حصہ وصول کرنے لگا۔ اسی طرح ولندیزی کمپنی ٹیپو کے پٹے دار کو بارہ پگوڈے سالانہ لگان ادا کرتی تھی[50] لیکن لگان یا ٹیکس، جو خود ٹیپو یا اس کے محکوم وصول کرتے تھے۔ وہ خراج نہیں تھا، جیسا کہ ٹیپو نے اسے سمجھ لیا تھا اور آسے ان قلعوں پر اپنے اقتدار کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں تھا، جنھیں ولندیزیوں نے پرتگالیوں پر فتح پاکر حاصل کیا تھا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان خراج اور لگان کو ایک ہی چیز سمجھتا تھا اور گورنر مدراس کے نام اپنے خطوں میں دونوں لفظوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتا تھا)۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ولندیزی اس کو خراج ادا کرتے تھے تو اٹھارویں صدی کے ہندوستان کے رواج کے مطابق اپنے مقبوضات کو فروخت کرنے کی جو آزادی انھیں حاصل تھی، اس پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا[51] دراصل آگے چل کر ٹیپو نے اپنے حق کا تو ذکر نہیں کیا لیکن اس نے یہ البتہ کہا کہ میرے بجائے میرے دشمنوں کے ہاتھ جزیرے فروخت کرنا ولندیزیوں کا بے دردانہ اقدام تھا[52] ٹیپو کی حقیقی شکایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ولندیزی اگرچہ اسے لگان اور ٹیکس دیتے تھے تاہم انھوں نے اس معاملے میں اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس ایک ادنیٰ راجا کے مقابلے میں جس کے ساتھ اس کے تعلقات معاندانہ تھے، اسے نظرانداز کیا گیا۔ اس کے علاوہ راجا سے بہت پہلے اس نے ان جزیروں کو خریدنے کی خواہش کی تھی[53] اور جب وہ ان کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو راجا بیچ میں کود پڑا اور اس نے قلعے خرید لیے۔ ان سب باتوں نے ٹیپو کی خودداری کو مجروح کیا اور اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے ساتھ دغابازی اور اس کی توہین کی گئی[54] پانی کرنے بجاطور پر ولندیزیوں پر فریب دہی کا الزام لگایا ہے۔ وان لوئزن نے ولندیزیوں کے طرزِ عمل کی لیپ پوت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ناقابل یقین ہے[55] لیکن ٹراونکور کا راجہ بھی ان کے اس جرم میں شریک تھا۔ اس نے ٹیپو اور انگریزوں کی رقابت سے فائدہ اٹھا کر اپنی عمل داری کو وسعت دینے کی کوشش کی[56] اس نے کرنگانور اور آئی کوٹا کو اس لیے نہیں خریدا تھا کہ اس کی سلطنت کی حفاظت کے لیے ان کی کوئی جنگی اہمیت تھی، بلکہ اس کا مقصد خود توسیعی اور ولندیزیوں کو ان کے منصوبوں کی تکمیل میں مدد دینا تھا۔

بہرکیف جب قلعے راما ورما کے قبضے میں آ گئے تب بھی ٹیپو نے ان کو حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اس نے گورنر مدراس ہولانڈ کو لکھا کہ وہ راجا کو اس بات پر آمادہ کرے کہ یہ مقامات ولندیزیوں کو واپس کر دے[57] اس نے کوچین کے راجا کی معرفت بھی ــــ ولندیزیوں کو ترغیب دینے کی کوشش کی تھی کہ ان مقامات کو واپس لے کر اس کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ اس نے ان کی قیمت چھ لاکھ روپیہ پیش کرنے کے لیے کہا جو اس قیمت سے دُگنی تھی جو انھیں راجا نے دی تھی[58] اس نے براہِ راست راجہ کو بھی لکھا کہ اس نے ولندیزیوں سے جو معاملہ کیا ہے اس کو منسوخ کر دے[59] لیکن اس کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ نہ تو ولندیزی کرنگانور اور آئی کوٹا پر پھر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور نہ راجا ان کو چھوڑنے پر تیار تھا[60]

اکتوبر 1789ء کے آخر میں ٹیپو پالی گھاٹ کے قرب میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے اس نے راجا کوچین کو ملنے کی دعوت دی، لیکن اس نے راجہ ٹراونکور کے مشورے کے مطابق بہانہ کر کے خود کو ایک کمرے میں بند کر لیا اور ٹیپو کے وکیل عبدالقادر سے ملنے سے انکار کر دیا[61]

14 دسمبر کو ٹیپو ایک ایسے مقام پر پہنچا جو مورچوں سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر تھا اور اگلے دن اس نے اپنے وکیل کو راما ورما کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ راما ورما کالی کٹ کال، کدتاناد کے حکمرانوں کو اور میسور گورنمنٹ کے دوسرے باغیوں کو اس کے حوالے کر دے آئندہ کبھی انھیں پناہ نہ دے۔ دوسرے یہ کہ کرنگانور اور ائی کوٹا پر سے وہ دست بردار ہو جائے اور تیسرے یہ کہ وہ مورچوں کے اس حصے کو مسمار کر دے جو راجہ کوچین کے علاقے سے گزرتے ہیں[62]

ان مطالبات کے متعلق راما ورما کا جواب نہایت غیر اطمینان بخش تھا۔ مورچوں کو مسمار کرنے اور کرنگانور اور آئی کوٹا کو ولندیزیوں کے حوالے کرنے سے اس نے قطعاً انکار کر دیا۔ اور باغیوں کو حوالے کرنے کے مطالبے کا جواب یہ دیا کہ اس نے پناہ نہیں دی ہے، بلکہ وہ اس سلطنت میں بغیر اس کے علم کے داخل ہو گئے ہیں۔ البتہ چیرا کل، کالی کٹ اور کدتا ناد کے راجا اس کے رشتہ دار ہیں اس لیے انھیں اس نے اپنی پناہ میں لیا ہے۔ ٹیپو نے اب تک ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا، لیکن اب چونکہ یہ مطالبہ کیا ہے اس لیے ان سے کہا جائے گا کہ وہ ٹراونکور سے چلے جائیں[63]

ٹراونکور کے راجہ نے اپنی سلطنت میں میسور کے باغیوں کی موجودگی کا جو جواز پیش

کیا تھا، وہ بالکل ناکافی تھا۔ اس نے چیراکل کالی کٹ اور کدتا ناد کے راجاؤں کو اس لیے پناہ نہیں دی تھی کہ وہ اس کے رشتہ دار تھے بلکہ اس لیے پناہ دی تھی کہ مالابار کے سیاسی کھیل میں ان سے وہ مہروں کا کام لے سکے۔ اس کا یہ بیان بھی کہ باغی اس کی سلطنت میں بغیر اس کے علم کے داخل ہو گئے تھے بالکل غلط تھا۔ میسور گورنمنٹ کی یہ شکایت کہ راجا اس کے باغیوں کو پناہ دیتا ہے حیدر کے وقت سے چلی آ رہی تھی۔[43] حیدر کی وفات کے بعد ٹیپو کو بھی اس کی شکایت ہوئی تھی اور اس نے راجا ہی کو نہیں بلکہ مدراس گورنمنٹ کو بھی اس کی بابت لکھا تھا۔ بس پر موخرالذکر نے راجا کو تنبیہہ بھی کی کہ وہ "مالابار کے ساحل پر پولیگاروں اور دوسرے لوگوں کو، جن کا ٹیپو سے کچھ جھگڑا چل رہا ہو، کوئی امداد نہ دے اور ان کی حمایت اور حوصلہ افزائی نہ کرے۔"[44] لیکن اس کا راجا پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے مالابار میں باغیوں کو اکسانے اور اپنی عملداری میں انھیں پناہ دینے کی پالیسی کو ترک نہیں کیا۔

اپنے مطالبات منوانے میں ناکام ہو کر ٹیپو اس خیال سے مورچوں کی طرف بڑھا کہ ٹراونکور کی سرحد کے پاس اس موجودگی سے ممکن ہے کہ راما درما اپنی معاندانہ روش بدلنے پر آمادہ ہو جائے۔ 24 دسمبر کو اس نے مورچوں سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر پڑاؤ کیا اور ایک سفیر کے ذریعہ پھر اپنے مطالبات بھیجے[45] لیکن راجا نے پہلے ہی کی طرح غیر تسلی بخش جواب دیا۔

دریں اثنا ٹیپو نے باغیوں کو گرفتار کرنے کے لیے اپنی فوجیں ٹراونکور ریاست کے ان نواحی جنگلوں اور پہاڑیوں میں بھیجیں، جہاں انھوں نے پناہ لی تھی۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا لیکن جب فوجی دستے کی حفاظت میں انھیں کیمپ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ٹراونکوریوں نے ان کے محافظوں پر گولی چلا دی۔ اس سے برافروختہ ہو کر میسوری فوجوں نے بھی مشرقی کنارے کے اس کمزور ترین مورچے پر جوابی حملہ کر دیا[46] جہاں اس علاقے کے بعض باشندوں نے 28 دسمبر کی رات کو ان کی رہنمائی کی تھی۔[47] اس ناگہانی حملے کی ٹراونکوری تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دن نکلتے ہی فصیل کے خاصے وسیع حصے پر قبضہ کرنے میں اور اپنی فوج کی بڑی تعداد دیوار کے دوسری طرف اتارنے میں میسوری کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد فصیل کے ساتھ ساتھ چل کر انھوں نے پھاٹک پر قبضہ کر لیا اور اپنی باقی فوج بھی مورچوں کے اندر داخل کر دی۔ مگر شروع میں مدافعت بے حد کمزور تھی اور ٹراونکوری ایک چوکی سے دوسری چوکی کو بھاگ رہے تھے۔ مگر ایک چوکور احاطے پر، جو میگزین اور بارک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا

اور جسے میسوریوں کو پار کرنا تھا، ان کی پیش قدمی رک گئی۔ اس جگہ تقریباً آٹھ سو نائروں نے چھ پونڈ گولوں والی توپوں سے مدافعت کی اور مزید کمک سے انھیں شدید نقصان پہنچایا۔ لڑائی تقریباً چار گھنٹے تک جاری رہی۔ میسوری چونکہ راجا کی داہنی اور بائیں دونوں طرف سے آنے والی فوجوں کی زد پر تھے اس لیے وہ یک سر ہمت ہار بیٹھے اور ان میں افراتفری پھیل گئی۔[70]

کچھ مورخوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اس لڑائی کے دوران ٹیپو اپنی فوجوں کے ساتھ وہاں موجود تھا اور اپنی جان بچا کر بھاگنے میں وہ اگرچہ کامیاب ہو گیا تاہم بندوق کی گولی سے وہ مجروح ہوا اور اس کی پالکی، اس کی مہریں، اس کی تلوار اور پستول اور ایک چاندی کی صندوقچی جس میں اس کی ہیرے کی انگوٹھیاں اور جواہرات تھے، فتح کی یادگار کے طور پر دشمن کے ہاتھ آئے۔ حقیقت میں کوئی قابلِ اعتماد شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے کہ خود ٹیپو اس وقت وہاں موجود تھا جب اس کی فوجوں نے راجا کے مورچوں پر حملہ کیا تھا۔ اس نے خود اس کی تردید کی ہے، بلکہ اس نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ حملہ اس کی فوج نے بغیر اس کے علم کے کیا تھا اور جیسے ہی اسے اس کا علم ہوا اس نے فوراً اپنی فوج کو واپس بلا لیا اور ٹراونکوری اسیرانِ جنگ کو راجا کے پاس بھیج دیا۔[71] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کے مشکل سے اپنی جان بچانے اور زخمی ہونے کی افواہیں ہرکاروں نے اڑائی تھیں جو کہتے تھے ہم ٹیپو کے کیمپ سے آ رہے ہیں لیکن اُن کی اطلاعوں کو اہمیت دینا مناسب نہیں ہے۔ انھوں نے تو پانے کو یہ خبر بھی دی تھی کہ قمرالدین خاں اس لڑائی میں مارا گیا اور اس کی وجہ سے سلطان کے کیمپ میں سب بہت رنجیدہ اور غمگین ہیں۔[72] لیکن یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ تھا۔ کیونکہ قمرالدین خاں چوتھی میسور جنگ کے بعد تک زندہ رہا۔ اسی قسم کی جھوٹی خبریں ایک متصدّی نے بھی پھیلائی تھیں، جو گرفتار ہو گیا تھا اور جس نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ دس ہزار میسوری سپاہیوں کا کماندار ہے۔ ولکس نے اپنے بیان کی بنیاد خاص طور پر اس متصدّی کی اطلاع پر رکھی ہے، جس کے متعلق پانے تک نے کہا ہے کہ "اس نے جو بیان کی ہیں، مجھے ان کا پورا یقین نہیں ہے۔"[73] رہی یہ بات کہ ٹراونکوریوں نے سلطان کی پالکی تلوار اور دوسری چیزیں حاصل کر لیں تو یہ بھی بے بنیاد افواہوں پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹیپو نے کہیں پالکی استعمال نہیں کی۔ ولکس کا بیان ہے کہ ٹیپو "عام طور پر گھوڑے کی سواری کرتا تھا۔ شہسواری کو بہت اہمیت دیتا تھا اور مشہور تھا کہ اس فن میں اسے بے حد مہارت حاصل ہے۔ پالکی سواری کا وہ مذاق اُڑایا کرتا تھا اور بوڑھوں اور کمزوروں تک کے لیے بھی اس کا

استعمال بڑی حد تک ممنوع قرار دے دیا تھا[74] "اس کے علاوہ جتنے خط اس دوران میں راجا نے گورنر مدراس کو اور گورنر جنرل کو لکھے ان میں سے کسی ایک میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی فوجوں نے ٹیپو کی پالکی اور تلوار پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ وہ ایسا آدمی تھا اگر یہ واقعہ ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتا۔ ان خطوں میں اس نے صرف یہ لکھا ہے کہ چار گھوڑے، جھنڈوں کی دو چوکیاں اور دو نقارے میری فوجوں کے ہاتھ آئے[75]

مندرجہ بالا تجزیے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مورچوں پر ٹیپو کی فوج کے حملے کے وقت خود کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی اور اوپر جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ٹیپو کا کہنا ہے کہ نہ صرف یہ کہ حملے کے وقت وہ موجود نہیں تھا بلکہ اس سے قطعاً لاعلم تھا۔ اس کی تصدیق گورنر مدراس کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ اس نے کیناوے کو لکھا ہے کہ حملہ بالکل اتفاق سے اور بغیر ٹیپو کے حکم کے کر دیا گیا تھا[76] جنرل میڈوز، جو ٹیپو کے بہت خلاف تھا، اس حملے کو اس نے "کوئی باضابطہ جنگ نہیں، بلکہ ایک چھوٹا سا واقعہ[77] کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "جسے مورچوں پر حملے" کا نام دیا گیا تھا، محض ایک سرحدی واقعہ تھا۔ لیکن راما ورما نے اسے بڑھا چڑھا کر ٹیپو کا ایک سوچا سمجھا جارحانہ منصوبہ بنا کر پیش کیا تاکہ کمپنی کو ٹیپو سے جنگ چھیڑنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہ بات کہ سلطان کا ارادہ اس وقت ٹراونکور کے خلاف جنگ برپا کرنے کا نہیں تھا اس حقیقت سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا تھا۔ اس کے پاس نہ تو زیادہ توپیں تھیں اور نہ زیادہ گولہ بارود تھا[78] اور جتنی فوج اس کے ساتھ تھی بھی وہ کوئی بڑی مہم کو کامیاب بنانے کی اہل نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً اس حالت میں جب کہ ایک لاکھ آدمیوں کی فوج سے مقابلہ کرنا تھا۔ جن میں آٹھ ہزار وہ سپاہی بھی تھے، جو کمپنی کے سپاہیوں کی طرح مسلح اور باوردی تھے[79] مزید برآں اس نے نہ صرف اس کی تردید کی کہ 28 دسمبر 1789ء کو ظہور میں آنے والا واقعہ "جنگی کارروائی" تھا، بلکہ بعد کے دو مہینے تک اس کا جو طرزِ عمل رہا، وہ بھی اس تردید کی تائید کرتا ہے[80] اس نے راجہ کے جنگی قیدیوں کو واپس کر دیا اور گورنر مدراس کو لکھا کہ اس کی خواہش ہے کہ کمپنی بیچ میں پڑ کر معاملہ طے کرا دے[81] 7 فروری کو اس نے پھر لکھا کہ وہ کمشنروں سے ملاقات کے لیے تیار ہے 22 فروری کو اس نے اس تجویز کو پھر دہرایا اور قلعوں کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جملہ کاغذات بھی بھیج دیے[82]

یکم مارچ کو تقریباً ایک ہزار ٹراونکوری فوجی سپاہی مورچوں سے نکل کر میسور کی عمل داری میں اس بہانے سے گھس پڑے کہ وہ فوجی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور اس گھنے جنگل کو صاف کرنا چاہتے ہیں جو ان کے سامنے آڑ بنا ہوا ہے اور انھیں ڈر ہے کہ دشمن وہاں توپ خانہ لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چار سو گز کے قریب آگے بڑھیں ان پر میسوریوں نے حملہ کر دیا۔ اگرچہ دمدموں پر سے ان کی مدد کے لیے گولہ باری ہو رہی تھی تاہم اُنھیں پسپا ہونا اور بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس کے بعد ٹیپو نے بہت سے توپ خانے نصب کر دیے جنھوں نے مورچوں کی توپوں کے منہ بند کر دیے اور وہ بیکار ہو کر رہ گئیں۔ ۹ اپریل کو ٹراونکوریوں کی دو ٹولیاں، جن میں سے ہر ایک میں پندرہ سو سپاہی تھے، میسوریوں پر حملہ کرنے کے لیے مورچوں سے نکلیں، لیکن یکم مارچ والے حملے کی طرح یہ کوشش بھی سخت ناکامی پر ختم ہوئی اور راجا کی فوجیں بہت نقصان اُٹھا کر پسپا ہوئیں[83]

اس اثنا میں ٹیپو نے انتہائی کوشش کی کہ راجا سے گفت و شنید کر کے یہ جھگڑا ختم کر دے اس نے مدراس کے گورنر کو بیچ میں پڑنے کے لیے لکھا[84] اس نے پانے کو دعوت دی کہ وہ اس کے کیمپ میں چند ایسے آدمیوں کو لے کر آئے، جن پر اعتماد کیا جا سکے، اور جو اس کے اور راجا کے اختلافات کو دور کر سکیں[85] مگر اس کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ راجا کے بار بار اشتعال دلانے اور انگریزوں کے آمادہ جنگ ہونے کے پیش نظر ٹیپو نے ٹراونکور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۲ اپریل ۱۷۹۰ء کی صبح سے میسوریوں نے باقاعدہ گولہ باری شروع کر دی اور چند ہی روز کے اندر ایک کارآمد شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا، جو تین چوتھائی میل کا تھا۔ ۱۵ اپریل کی صبح کو ٹیپو نے صرف چھ ہزار سپاہی لے کر مورچوں پر حملہ کر دیا اور گو اس شگاف کی دفاع کے لیے تیس ہزار پیدل فوج اور پانچ سو سوار تیار کھڑے تھے، ٹیپو نے جھنڈے اُٹھائے اور فوج کو لے کر دھاوا بول دیا[86] مقابلہ اور مزاحمت ناقابل لحاظ تھی اور مورچے توقع کے خلاف بہت جلد فتح کر لیے گئے۔ راجا کی فوجوں میں دہشت پھیل گئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئیں[87] حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئی تھیں کہ ان کو دوبارہ اکٹھا کرنے کی کوششیں ناکام رہیں اور بقول پانے "ایسی شرم ناک بھگدڑ شاید ہی کبھی مچی ہو"[88] دو انگریز بٹالین، تین اور بٹالینوں کے ساتھ، جو کرنل ہارٹلے کی ماتحتی میں بمبئی سے بھیجی گئی تھیں، آئی کوٹا چلی گئیں، کیونکہ انھوں نے دیکھا

کہ ٹیپو کی فوجوں کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو نے پہاڑیوں سے لے کر دریائے چیامنگم تک سب مورچوں پر نیز توپوں اور گولہ بارود پر قبضہ کر لیا۔[89]

اس کے بعد ٹیپو کرنگانور کی طرف بڑھا اور 10 اپریل کو اس سے ایک میل کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ 26 اپریل تک اس نے اپنی توپیں نصب کر لیں جنہوں نے 7 مئی کو قلعہ کے تمام دفاعی استحکامات کو مسمار کر کے اس کی تمام توپوں کو خاموش کر دیا۔[90] ٹیپو کرنگانور پر حملہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کرنل ہارٹلے نے یہ دیکھ کر کہ اب زیادہ دیر تک وہ مقابلہ نہ کر سکے گا، 5 مئی کی رات کو اپنی محافظ فوج قلعہ سے نکال لی۔ اس پر میسوریوں نے اگلے دن صبح کو کرنگانور پر قبضہ کر لیا۔[91] آئی کوٹا، پرور اور دوسرے قلعوں نے بھی بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کر لی۔ ٹیپو نے مورچوں کو مسمار کر دیا اور سارا ٹراونکور اس کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ مگر وہ ویراپولی ہی تک پہنچا تھا کہ اسے خبر معلوم ہوئی کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ 24 مارچ کو واپس روانہ ہوا۔ اگر انگریزوں کے حملے کا اندیشہ نہ ہوتا جس نے اسے واپس ہونے پر مجبور کر دیا، تو ٹیپو سارے علاقے پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیتا، کیونکہ وہاں کوئی منظم فوج اس کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود نہیں تھی۔[92]

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کارنوالس ٹیپو سے نبرد آزما ہونے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا اور اس کے لیے کسی بہانے کا منتظر تھا۔ 29 دسمبر کے واقعہ نے اسے ایک بہانا مہیا کر دیا اس لیے جیسے ہی اس نے مورچوں پر حملے کی خبر سنی اس نے فوراً ٹیپو کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ یہ معلوم کرنے کی بھی پروا نہیں کہ یہ واقعہ حقیقتاً کوئی جارحانہ کارروائی تھی یا صرف سرحدی جھگڑا تھا۔ اس نے حملے کے متعلق راجا کی رپورٹ پر پورے طور سے یقین کر لیا۔ اگرچہ صرف چند ہی مہینے پہلے اسے شبہ ہوا تھا کہ راجا نے صحیح باتیں چھپا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے راجا کے اس طرز عمل پر تنقید کی تھی کہ قلعوں کی خریداری کی بابت وہ راجا کے خیالات کا ساتھ دے رہا ہے۔[93] اس نے ٹیپو کی ان تجویزوں کو بھی مسترد کر دیا جو اس نے لڑائی کو روکنے اور راجا سے پر امن طریقے پر اپنے جھگڑے چکانے کے لیے پیش کی تھیں۔ اس کے طرز عمل کی اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ اب وہ اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔

راجا سے ٹیپو کے اختلافات بہت پرانے تھے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو حیدر علی کے وقت سے چلے آ رہے تھے۔ ان کے متعلق اس نے کئی بار گورنر مدراس کو لکھا بھی لیکن تبنی کے

ارباب حل و عقد نے اس نیک خواہش اور توقع کے اظہار کے سوا اور کچھ نہ کیا کہ ٹیپو اور راجا کے باہمی جھگڑے جنگ و جدل کے بجائے گفت و شنید کے ذریعے طے ہو جائیں گے۔ اواخرِ جنوری 1790ء میں مدراس گورنمنٹ نے لارڈ کارنوالس کی ہدایت کے مطابق ٹیپو کو مطلع کیا کہ راجا سے اس کے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے کمشنروں کا تقرر عمل میں آنا چاہیے۔[95] ٹیپو نے اس تجویز کو رد نہیں کیا۔ اس نے صرف یہ کہا کہ کمشنروں کو اس کے پاس بھیج دیا جائے تو اچھا ہوگا۔ گورنر مدراس نے اپنے خط مورخہ 2 فروری 1790ء میں یہ بات منظور کر لی۔[95] لیکن میڈوز جو 2 فروری کو مدراس کا گورنر مقرر ہوا تھا، اس کی رائے یہ تھی کہ اگر کمشنروں کو ٹیپو کے کیمپ میں بھیجا گیا تو "نہایت نامناسب" ہوگا اور کمپنی کی گورنمنٹ کا رتبہ ملک کے حکمرانوں کی نظر میں کم ہو جائے گا۔" لارڈ کارنوالس نے بھی کمشنروں کے بھیجنے کو "ہتک آمیز اقدام قرار دیا۔[99] حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی، جو کمپنی کے مرتبے کے منافی ہوتی۔ حقیقتاً لڑائی کو روکنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا، جیسا کہ ہیس لے نے دارالعوام میں کہا تھا کہ "ٹیپو خود وہاں موقع پر موجود تھا جو متنازعہ فیہ مسائل کو جانچنے کے لیے موزوں ترین آدمی تھا۔"[99] مزید برآں کمپنی کی حکومت کا یہ ایک مستقل دستور تھا کہ وہ ہندستانی حکمرانوں کے جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے اور مصالحت کی گفتگو یا صلح ناموں کے سلسلے میں اپنے ایجنٹ ہندستانی حکمرانوں کے پاس بھیجا کرتی تھی۔ اس لیے اگر کمپنی اپنے نمائندے ہندستانی حکمرانوں کے پاس ان معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے بھیج سکتی تھی، جن میں وہ خود فریق ہوتی اور جن سے اس کی ساکھ پر اثر پڑ سکتا تھا، تو یقیناً وہ انھیں ٹیپو کے پاس بھی بھیج سکتی تھی، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ انھیں صرف ایک مصالحت کرانے والے کی حیثیت سے کام کرنا تھا۔ اس کے باوجود لارڈ کارنوالس نے ٹیپو کی تجویز مسترد کر دی بلکہ ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس نے سلطان کو مدراس گورنمنٹ کی اس تجویز کو قبول کرنے کا دوبارہ موقع دینے سے انکار کر دیا، جس کے مطابق اسے اپنا ایجنٹ بھیجنے کی اجازت دی گئی تھی۔ 22 مئی 1790ء کو جب ٹیپو نے میڈوز کو لکھا کہ وہ اپنے وکیل اس کے پاس بھیجنا چاہتا ہے[95] تو اس نے جواب دیا کہ اب گفتگو ممکن نہیں ہے، لیکن اگر وہ مصالحت کا خواہش مند ہے تو اسے تاوان ادا کرنا ہوگا۔ یہ ایک ایسی غیر منصفانہ شرط تھی کہ ٹیپو کے لیے اسے مسترد کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

کارنوالس کا ٹیپو کے پاس کمشنروں کو بھیجنے سے یا اس کے وکیلوں کو مابہ النزاع مسائل

کو طے کرنے کے لیے طلب کرنے سے انکار اور اس پر مستزاد تاوان کا مطالبہ۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امن قائم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ نومبر 1789ء میں اس نے مدراس گورنمنٹ کو ہدایت کی تھی کہ وہ ٹیپو سے کہے کہ راجا سے اپنا جھگڑا طے کرنے کے لیے وہ کمشنر مقرر کرے[99] لیکن ٹیپو کو یہ تجویز تاخیر سے اس وقت موصول ہوئی جب 29 دسمبر والا واقعہ رونما ہو چکا تھا۔ اس تاخیر میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس لیے جھگڑے کو طے کرنے کے لیے اسے دوسرا موقع ملنا چاہیے تھا ممکن ہے کہ جھگڑا طے ہو جاتا۔ ہولانڈ کے اس طرزِ عمل پر اعتراض کرتے ہوئے کہ اس نے کمشنروں کے تقرر کی تجویز بھیجنے میں تاخیر کی، کارنوالس نے خود تسلیم کیا ہے کہ اگر کمشنر مقرر کرنے والی تجویز کا خط 29 دسمبر 1789ء سے پہلے مل جاتا" تو قطعیت کے ساتھ یہ ناممکن نہیں ہے کہ جو تجویزیں اس میں پیش کی گئی تھیں وہ اس امر پر اُسے آمادہ کر دیتیں کہ جھگڑے کو طے کرنے کے لیے وہ گفت و شنید شروع کرے"[100] لیکن 29 دسمبر سے پہلے ٹیپو اگر مدراس گورنمنٹ کی تجویزوں پر دھیان دینے کے لیے تیار تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس تاریخ کے بعد وہ انھیں مسترد کر دیتا۔ اصل یہ ہے کہ گورنر مدراس اور گورنر جنرل کو ٹیپو نے اس سلسلے میں جو خطوط لکھے ان سے بہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راجا سے اپنے جھگڑے پر امن طریقوں سے طے کرنے کے لیے تیار تھا۔ لیکن کارنوالس صلح نہیں، بلکہ جنگ برپا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خفیہ کمیٹی کو مطلع کیا تھا کہ "ہماری فوجیں اس وقت جتنی منظم اور تربیت یافتہ ہیں اس سے زیادہ کبھی نہیں ہو سکتی ہیں"[101] اسی طرح اس نے میڈ۔ گورنر مدراس کو بھی لکھا کہ "اس وقت ہمیں ملکی حکمرانوں سے مدد ملنے کی پوری امید ہے جب کہ اسے (ٹیپو کو) فرانس سے امداد ملنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی"[102] گورنر جنرل کے نزدیک اپنے ملک کے "وقار" کو بڑھانے اور اس کے "مفاد" کو ترقی دینے کا بہت اچھا موقع تھا[103]

(باب 11 کے حاشیے)

1. Pannikar, Malabar and the Dutch, P. 95
2. Dutch Records, No. 13, P. 107
3. Ibid., P. 108
4. Pannikar, Malabar and the Dutch, P. 95
5. Menon, History of Travancore, P. 159
6. Francis Day, The Land of Permauls, P. 114
7. Ibid.
8. M.R., Tellicherry Factory Records, April 2, 1780
9. Menon, History of Travancore, P. 239
10. M.R., Mly. Count. Cor., Raja to Madras Governor, June 10, 1789, vol. 38, No. 59.
11. ڈی لینائے کو ٹراونکوریوں نے اس وقت گرفتار کر لیا تھا، جب 10 ر اگست 1741ء کو انھوں نے ولندیزیوں کو کولاچل کے مقام پر مکمّل شکست دے دی۔ مارتنڈ ورما نے اسے اپنے باڈی گارڈ ٹیلین کے سپاہیوں کو فوجی تربیت کے لیے مقرر کیا۔ اس نے ریاست میں بہت سے نئے قلعے تعمیر کرائے اور پرانے قلعوں کی مرمّت کرائی۔ اس نے بغاوتوں کو کچلنے میں اور فتوحات کی اسکیموں میں راجا کی مدد کی اور اپنی قابلیت اور خدمات کی وجہ سے ترقّی کر کے ٹراونکوری فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔
(Menon, History of Travancore, PP. 136-37, 164)
12. M.R., Mly. Cons., Feb. 16, 1790, Pawney to Hollond, Feb. 1, vol. 133 C, P. 415.
13. Ibid., Jan. 1, 1790, Pawney to Hollond, Dec. 10, 1789, vol. 133 A, P. 5.
14. Francis Day, The Land of the Permauls, P. 52; Wilks, vol. ii, PP. 340-41.

M.R., Mly. Cons. Jan. 1, 1790, 133 A, P.S., Ibid., Feb .15
16, 1790, vol. 133 C, PP. 414, 416.

Dutch Records, No. 13, P. 19 .16

Francis Day, The land of the Permauls, P. 149 .17

Wilks, vol. ii, P. 341 .18

M.R., Mly. Cons., Feb. 16, 1790, Pawney to Hollond, .19
Feb. 1, vol. 133C, 416; Menon, History of Travancore,
P. 155.

I.O., Home Misc. Series, Bannerman to Campbell, May .20
16, 1788, vol. 85, PP. 8-9.

Dutch Records, No. 13, P. 19 .21

M.R., Mly. Sundry Book, 1785, vol. 66, P. 97 .22

Van Lohuizen, The Dutch E.I.C. and Mysore, .23
PP. 95-96.

Ibid., P. 144 .24

Ibid., P. 147 .25

Ibid., P. 148 .26

Ibid., P. 149 .27

M.R., Mly. Cons., May 26, 1789, Pawney to Hollond, .28
May 14, vol. 129 C, P. 1447.

Ibid., PP. 1447-48 .29

M.R., Mly. Count. Cor., Hollond to Raja, Aug. 17, 1789, .30
vol. 38, No. 70, PP. 121-22; also N.A., Sec. Pro., Sept.
9, 1789, Mad. as to Bengal, Aug. 15, Cons. No. 1.

Auber, Rise and Progress of British Power in .31

India, P. 104.

یہ حقیقت ہے کہ مدراس اور کلکتہ دونوں جگہوں کے حکام نے ان قلعوں کی خریداری کی مخالفت کی تھی، لیکن راجا کو یقین تھا کہ ہندوستان و انگلستان میں جو ٹیپو زدگی کی فضا تھی، اس سے مجبور ہو کر کمپنی بالآخر اس کی مدد کرے گی۔

.32 Memoirs of Tippoo Sultan by an officer in East-India SERVICE P. 44

.33 M.R., Mly. Cons. Aug. 28, 1789, Madras to Bengal, vol. 131 A, PP. 2374 - 75.

.34 Ibid., Aug. 30, 1789, Madras to Pawney, PP. 2386--87

.35 Ibid., Sept. 29, 1789, Cornwallis's letter, Sept. 9, vol. 131.B, PP. 2659 - 61.

.36 Ibid., Pawney to Hollond, Sept. 9, P. 2663; Mly. Count. Cor., Raja to Hollond, July 2, 1789, vol. 38, No. 54, PP. 87-9.

.37 Colbetts Parliamentary History, Vol. 28, pp. 1302-03; M.R., Mly. Count. Cor., Hollond to Raja, No. 16, 1789, vol. 38, No. 106.

ہالانڈ کا یہ بھی کہنا تھا کہ قلعوں کی خریداری کے لیے کیمبل کی اجازت حاصل نہیں کی تھی۔ اگر کیمبل نے اس کی اجازت دی ہوتی تو "مقررہ قاعدے" کے مطابق اسے ضرور اطلاع دیتا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کیمبل نے راجا کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔

.38 (see Supra, P. 159 and footnote)

N.A., Sec. Pro. Jan. 27, 1790, Hollond to Cornwallis, Jan. 3, Cons. No. 1

.39 P.R.O., 30/11/51, Cornwallis to Dundas, Dec. 5, 1789, PP. 161 a-b.

.40 Ibid., Sept. 3, 1791 of 87 a.

یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ کیمبل اتنا اہم واقعہ بھول گیا۔

41. Cobbette's parl. Hist. vol. xxviii, P. 1289.

42. N.A., Sec. Pro., Sept. 9, 1789, Madras to Bengal, Aug. 16, Cons. No. 1.

43. Ross, Cornwallis, vol. ii, P. 126

44. Cobbett's Parl. Hist., xviii, P. 1292

45. Ibid., P. 1289

46. Ibid.

47. Dutch Records, No. 13, PP. 125, 228.

48. Ibid.

49. M.R., Mly. Cons., Jan. 5, 1790, Tipu to Raja, undated, P. 47.

اس جگہ ٹیپو خراج کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

M.R., Mly. Count. Cor. Tipu to Hollond, Sept. 12, 1789, vol. 38, No. 92, PP. 125-26. (یہاں لگان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔)

~~Ibid.~~, Feb. 22, 1790, vol. 39, No. 59, PP. 125-26

ٹیپو نے راجا اور ولندیزوں کے جھگڑے سے متعلق تمام کاغذات ہولانڈ کو بھیج دیئے تھے۔

50. Van Lohuizen, The Dutch E.I.C. and. Mysore, PP. 155-56.

51. پونا کی حکومت کو حیدر، اور آگے چل کر ٹیپو بھی 'خراج' دیتے تھے۔ لیکن اس سے ان لوگوں کے اقتدارِ اعلا پر کسی قسم کی بندش عائد نہیں ہوتی تھی اور ان لوگوں نے اپنے داخلی معاملات میں مداخلت کو کبھی برداشت نہیں کیا۔

52. P.R.O. 30/11/151, Cornwallis to Dundas, Jan. 2, 1790, f. 3a.

53. See P. 157, Supra

54. Pannikar, Malabar and the Dutch, P. 110

Van Lohuizen, The Dutch E.I.C. and Mysore, PP. 151 seq. .55

P.A.MS., No. 1337 .56

M.R., Mly. Count. Cor., Tipu to Hollond, Sept. 12, 1789, vol. 38, No. 92, PP. 169-71. .57

M.R. Mly. Cons. Nov. 1789, Pawney to Hollond, Oct. 20, vol. 131 C, P. 291. .58

Ibid., Jan. 1, 1790, vol. 133 A .59

اس سے قبل بھی ٹیپو نے متعدد بار راجا کو لکھا تھا۔

60۔ سودا ختم ہو جانے کے فوراً بعد راجا نے سوچا تھا کہ قلعوں کو وہ پھر ولندیزیوں کو واپس کر دے، کیونکہ کارنوالس اور ہولانڈ کے خطوط سے یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ ان کی مدافعت کرنے میں کمپنی اس کی مدد نہیں کرے گی۔ ولندیزی بھی خوفزدہ تھے، کیونکہ انھیں اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ٹیپو نے اگر قلعوں پر حملہ کر دیا تو راجا ان پر زیادہ دنوں تک قابض نہ رہ سکے گا، اور میسوری، قلعوں کو ختم کرنے کے بعد، ٹراونکور کی سرزمین پر قدم رکھے بغیر کوچین پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ ولندیزیوں نے کوچین کے دفاع کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن 29 دسمبر کی جھڑپ کے بعد ان کا یہ خوف دور ہو گیا۔

Menon, History of Travancore, PP. 219-20 .61

M.R., Mly. Cons. Jan. 1, 1790, vol. 133 A .62

Ibid .63

Sinha, Haidar Ali, P. 154 .64

M.R. Mly. Count Cor. Governor to Raja, April 17, 1788, vol. 37, No. 36. 65

آگے چل کر کارنوالس نے بھی راجا کو مشورہ دیا کہ ٹیپو اور راجا کوچین کے جھگڑے میں وہ اپنی ٹانگ نہ اڑائے۔ اس نے راجا کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا اور اس کے نتیجے میں ٹیپو سے اس کی جنگ ہوئی تو انگریز اس کی مدد نہ کریں گے۔

(I.O., Sec. and Pol. Dept. Records, Cornwallis to Sec. Committee, Nov. 5, 1789)

P.R.C., vol. ii, No. 53 .66

N.A., Pol. Pro., Feb. 10, 1790, Tipu to Hollond, Jan. .6
1, Cons. No. 9.

Ibid., Feb. 7, 1790, Pawney to Hollond, Jan 4, .68
Cons. No. 5.

Ibid.; Mackenzie, P. 16, Wilks, vol. ii, PP. 357-8. .69
ولکس کا یہ بیان غلط ہے کہ صرف بیس آدمیوں نے اس دن قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔ کام آنے والے اور مجروح ہونے والے میسوریوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ راجا کہتا ہے کہ ان کے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ میکنزی کا بیان ہے کہ کام آنے والوں کی تعداد پندرہ سو تھی۔

Wilks, vol. ii, P. 358; N.A., Pol. Pro., Feb. 10, 1790, .70
Pawney to Cornwallis, Jan. 10, Cons. No. 1.

Ibid., Tipu to Hollond, Jan. 1, 1790, Cons. No. 9 .71

Ibid., Pawney to Cornwallis, Feb. 10, 1790, .72
Cons. No. 1.

مالٹ کا بیان تھا کہ ٹیپو زخمی نہیں ہوا تھا۔

(P.R.C., vol. iii, Nos. 81 and 88)

Ibid., Feb. 3, 1790, Pawney to Hollond, Jan. 4, .73
Cons. No. 5.

Wilks, vol. ii, P. 761 .74

Raja to Medows, May 1, 1790, Cited in Mackenzie, .75
P. 17, footnote, I.H.R.C., vol. xix, P. 145.

ریکارڈ نمبر 1 کے مطابق راجا کی فوج ایک جھنڈا اور چوکی انعام کے طور پر لے گئی۔

N.A., Pol. Pro., April 2, 1790, Cons. No. 1 .76

M.R., Mly. Desp. to Court, Sept. 16, 1790, vol. .77
20, P. 69.

Pawney to Hollond, Jan 17, 1790, Cited in .78

Mackenzie, P. 28, footnote.

ٹیپو کے ساتھ جو سپاہ اس وقت تھی، اس کی تعداد کا تخمینہ لگانا دشوار ہے۔ انگریزی ذرائع تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

تاریخ ٹیپو (و 98 ب) کے مطابق ٹیپو کے پاس صرف دو کشون تھے، یعنی تقریباً دو ہزار آدمی۔

79. Mackenzie, vol. i, P. 29, footnote

80. N.A., Pol. Pro. March 3, 1790, Cons. No. 1

81. N.A. Pol. Pro., Feb. 10, 1790, Tipu to Hollond, received Jan. 21, 1790, Cons. No. 9.

82. M.R., Mly. Count. Cor. Tipu to Hollond, Feb. 22 1790, vol. 39, No. 59, PP. 125-26.

83. Mackenzie, vol. i, PP. 29-31

84. N.A., Pol. Pro. Feb. 10, 1790, Tipu to Hollond, Jan. 1, Cons. No. 9.

85. Ibid., Feb. 17, 1790, Tipu to Pawney, received on Jan. 26, Cons. No. 7.

86. Ibid., May 14, 1790, Cons. No. 11

87. Ibid., Cons. No. 15

88. Ibid., Cons. No. 8

89. Mackenzie, vol. i, P. 31

90. Ibid., P. 36

91. N.A., Pol. Pro., June 2, 1790, Pawney to Madras, May 7, Cons. No. 10.

92. Ibid., May 14, 1970, Pawney to Cornwallis, April 18, Cons. No. 8.

93. M.R., Mly. Cons., Sept. 29, 1789

Ibid., Jan. 1, 1790, President's Minute, vol. 133A, PP. 21-3. .94

M.R., Mly. Count. cor., Tipu to Madras Governor, Feb. 22, 1790, No. 59, vol. 39, Cons. No. 5 .95

N.A., Pol. Pro., March 17, 1790, Medows to Cornwallis, and Cornwallis's reply, Cons. No. 5. .96

Cobbett's Parl. Hist., vol. xxviii, P. 1338 .97

P.R.C., vol. iii, No. 111 .98

N.A., Sec. Pro., Nov. 13, 1789, Cons. No. 1 .99

N.A., Pol. Pro., April. 2, 1790, Cons. No. 1 .100

I.O., Bengal Secret Letter, vol. i (first series) Cornwallis to Secret Committee, April. 12, 1790, No. 17. .101

N.A., Pol. Pro., March 10, 1790, Cons. No. 4. .102

Ibid. .103

بارھواں باب

ٹیپو کے خلاف اتحاد

لارڈ کارنوالس 1787ء میں مرہٹوں کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ نہیں کر سکا تھا کیونکہ ٹیپو کی طرف سے کسی اشتعال دلانے والی کارروائی کی عدم موجودگی میں یہ معاہدہ انڈیا ایکٹ 1784ء کے خلاف ہوتا۔ لیکن ٹراونکور کے مورچوں پر نام نہاد حملے نے اس ایکٹ کی پیدا کی ہوئی بندش سے گورنر جنرل کو آزاد کر دیا اور وہ فوراً ٹیپو کے خلاف متحدہ محاذ کی تنظیم میں مصروف ہو گیا۔ اسے فکر یہ تھی کہ وہ ہندستانی حکمرانوں کی مدد سے خصوصاً پیشوا کی مدد سے جنگ کو نہ صرف کمپنی کی مالی حالت کے پیشِ نظر، بلکہ فرانس سے آنے والی امداد کے امکان کا سدِ باب کرنے کے لیے بھی، جلد سے جلد ختم کرائے۔[1] اپنی گفت و شنید میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس نے خوشامد اور چاپلوسی سے بھی کام لیا۔ اس نے دھمکیاں بھی دیں اور ہندو حکمرانوں کے مذہبی جذبات کو بھی ابھارا۔

مالٹ کو، جو پونا میں کمپنی کا ایجنٹ تھا، ہدایت کی گئی کہ وہ پیشوا کو مطلع کرے کہ ٹیپو نے کمپنی کے ایک حلیف کے خلاف جارحانہ کارروائی کی ہے اور اس کو "آمادہ کرے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ ان ناانصافیوں کا بدلہ لے جو ٹیپو نے اور اس کے باپ نے مرہٹوں کے ساتھ روا رکھی تھیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس جنگ میں دل و جان سے اور پوری قوت سے ہمارا ساتھ دے۔"[2] کارنوالس نے مالٹ کو مزید ہدایت کی کہ اگر نانا ساتھ دینے سے انکار کرے تو اسے متنبہ کر دیا جائے کہ "ہمیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خود اپنی قوت کے بل پر ہم اس جنگ کو جیت لیں گے۔ لیکن اگر جنگ کا سارا بار ہم ہی پر چھوڑ دیا گیا تو شاید

یہ بات ہم اپنے اوپر لازم نہیں سمجھیں گے کہ مستقبل کے مذاکرات کے دوران اپنے اُن دوستوں کے مفاد کا بھی خیال رکھیں، جنھوں نے اس وقت صرف تماشائی بنے رہنے کو بہتر سمجھا تھا۔ رگھوجی بھونسلے کو ایک خط میں کارنوالس نے لکھا: "خدا کے فضل سے (ٹیپو کے) اس غدارانہ طرزِ عمل نے مجھے موقع دیا ہے کہ میں معاہدوں کی بابت اپنی نیک نیتی ثابت کر سکوں اور اپنے دوستوں کو ایک ایسے دشمن سے محفوظ رکھ سکوں جس کے عزائم سے دنیا واقف ہے اور جس نے مرہٹوں کی ریاست کو سخت نقصانات پہنچائے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مرہٹے سردار اسے اپنا فرض اور اپنا مفاد سمجھیں گے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تاوان وصول کریں اور اپنا وہ علاقہ واپس لے لیں جو اس کے باپ نے ناجائز طور پر ہتھیا لیا تھا اور اس آدمی کو سزا دینے میں شریک ہوں جو تمام نوعِ انسان کا دشمن ہے اور جو اپنے دل میں یہ ٹھانے ہوئے ہے کہ ہر فرقے کو، خواہ وہ ہندو ہو یا کوئی اور، وہ تباہ و برباد کر دے[5]" اسی قسم کے خطوط مادھوجی سندھیا اور تکوجی ہولکر کو لکھے گئے اور اُن سے درخواست کی گئی کہ پونا میں اپنے اثرات سے کام لے کر پیشوا کو وہ اس بات پر آمادہ کریں کہ کمپنی سے وہ اتحاد کر لے۔"

کارنوالس کی تجاویز کا جو جواب ہولکر نے دیا وہ مایوس کن تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ خود انگریزوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ نظام اور پیشوا کو بھی یہی رائے دی۔ وہ ٹیپو سے اتحاد قائم کرنے کے حق میں تھا اور جب ان لوگوں نے اس کے مشورے کو نظر انداز کر کے انگریزوں کے ساتھ اتحاد کر لیا تو اس پر ہولکر نے سخت اعتراض کیا[6]

اس کے برخلاف سندھیا ٹیپو کے خلاف جنگ میں اپنی شخصی خدمات پیش کرنے کے لیے اور پونا جانے کے لیے بھی تیار تھا، تاکہ وہ تاخیر بھی رفع ہو جو پیشوا اور انگریزوں کے درمیان گفت و شنید میں ہو رہی تھی۔ لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ اس کی عدم موجودگی کے دوران میں انگریز ہندستان میں اس کی سلطنت کی حفاظت کریں اور کارنوالس جے پور اور جودھپور کے راجاؤں کو آمادہ کرے کہ مرہٹوں کی اطاعت وہ پھر قبول کر لیں لیکن کارنوالس نے اس بنا پر ان شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا کہ ان کی وجہ سے کمپنی کے لیے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی[7]

مزید برآں کارنوالس کو سندھیا کے بیچ میں ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ

اتحاد قائم کرنے کے لیے اس کی تجویز کو پونا کی گورنمنٹ نے پسند کیا تھا اور ۷ر فروری ۱۷۹۰ء کو سرکاری طور پر مالٹ کو لکھ دیا تھا کہ ٹیپو کے ساتھ کمپنی کی جنگ میں وہ کمپنی کا ساتھ دینے کو تیار تھا۔[8] بایں ہمہ معاہدے کی شرطیں آسانی سے مرتب نہیں ہو سکیں۔ مرہٹوں سے اتحاد کرنے کی انگریزوں کی خواہش کا فائدہ اٹھا کر، ٹیپو کے خلاف جنگ میں شریک ہونے سے پہلے، نانا ان سے مفیدِ مطلب شرطیں جبراً منوانا چاہتا تھا۔

مالٹ سے کئی ملاقاتوں کے بعد نانا نے ۲۳ر فروری کو پیشوا اور نظام کے نام سے بہرو پیتھ کی معرفت شرائط کا ابتدائی مسودہ بھیجا، جو دس دفعات پر مشتمل تھا۔ یہی شرطیں گفت و شنید کی بنیاد قرار پائیں۔ اور آخر میں جزوی رد و بدل کے بعد انھیں پر سمجھوتہ ہو گیا۔ خاص شرطیں یہ تھیں: پیشوا کے قدیمی مقبوضات جو اس وقت ٹیپو کے قبضے میں ہیں پیشوا کو بحال کیے جائیں گے۔ کڈاپا کی فرماں روائی نظام کے حوالے کی جائے گی۔ مختلف اضلاع کے قدیم زمینداروں اور پالی گاروں کو پھر بحال کیا جائے گا اور ان بحالیوں کا نذرانہ عہد نامے میں شریک تینوں پارٹیوں کمپنی، پیشوا اور نظام میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ پیشوا کی قدیمی پیش کش یا خراج اسی کو دیا جائے گا۔ ٹیپو کے خالصہ مقبوضات (صرف خاص) تینوں فریقوں کے درمیان برابر تقسیم کیے جائیں گے۔ پیشوا دوسرے فریقوں کی رضامندی ہی سے صلح کرے گا۔ اور اگر صلح کے بعد ٹیپو کسی فریق پر حملہ کر دے تو دوسرے فریق اس کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے بہ شرطیکہ وہ مدد طلب کرے۔[9]

گو مالٹ نے مسودے پر اظہارِ اطمینان کیا لیکن وہ اسے نامکمل سمجھتا تھا اور اس کی بعض دفعات پر اس غرض سے نکتہ چینی کی کہ کمپنی کے لیے "جہاں تک ہو سکے شرائط زیادہ سود مند" ہو جائیں۔[10] اس نے اس دفعہ کی مخالفت کی جس میں کہا گیا تھا کہ ٹیپو کے خالصہ مقبوضات معاہدہ کرنے والے فریقوں میں برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے۔ اس کے بجائے اس کی تجویز یہ تھی کہ برابر کی تقسیم اسی حالت میں ہو جب ہر فریق ایک ساتھ جنگ میں شریک ہو۔ لیکن اگر انگریز جنگ پہلے شروع کریں اور ٹیپو کی سلطنت کا کوئی حصہ فتح کر لیں تو وہ حصہ تقسیم میں شامل نہ ہو، بلکہ وہ علیحدہ رہے اور بلا شرکت غیرے انگریز کمپنی کے قبضے میں رہے۔ لیکن جس وقت سے پیشوا اور نظام کی فوجیں دشمن کے علاقے میں داخل ہوں تمام فتوحات برابر تقسیم ہوں اور پیشوا کی اس شرط کو تسلیم نہ کیا جائے کہ اس کے قدیم

مقبوضات اس کے حوالے کیے جائیں[18]

پہلے تو نانا نے اس ترمیم کو مسترد کر دیا مگر پھر اس شرط کے شامل ہونے کے بعد اسے منظور کر لیا کہ فتوحات کی عام تقسیم کے وقت سب فریقوں کی سرحدوں سے متعلق ان کی خواہش اور سہولت کا خیال رکھا جائے گا[19]

مالٹ کو ایک اور ابتدائی مسودے کی اس شرط پر بھی اعتراض تھا کہ معاہدہ کرنے والے فریقین کی فوجوں کی تعداد برابر ہوگی۔ اس کے بجائے مالٹ کی تجویز یہ تھی کہ ایمانداری سے ہر فریق حسب ضرورت، اپنی استطاعت کے مطابق فوج جنگ میں لائے۔ ایک فریق کے لیے دوسرے فریق کی فوجوں کی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہ ہوگا، اس لیے خلوص نیت ہی اصل اصول ہونا چاہیے[20]" لیکن آخر میں اس شرط پر بھی سمجھوتہ ہو گیا، جو یہ تھا کہ گو اتحادیوں کو اپنی قوت کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہیے تاہم ان میں سے ہر ایک کو پچیس ہزار سے کم فوج اپنے ساتھ نہ لانا چاہیے[21]

چونکہ بیشتر نزاعی مسائل کے متعلق فیصلہ ہو گیا تھا۔ مالٹ نے 29 مارچ کو پونا کی حکومت سے ایک ابتدائی سمجھوتہ کر لیا لیکن اس کے آخری شکل اختیار کرنے سے اور توثیق ہونے سے پہلے بہت سے مسائل حل طلب تھے اور بہت سی مشکلات پر قابو پانا تھا مثلاً پیشوا کو نظام کی طرف سے کوئی قدم اٹھانے کا کیا اختیار ہے؟ قدیم پالی گاروں اور زمینداروں کی تعریف کیا ہے؟ اور لفظ "ضلع" کی صحیح تشریح کیا ہوگی؟ اس کے علاوہ پونا میں ٹیپو کے ایجنٹ موجود تھے جو جان توڑ کوشش کر رہے تھے کہ کمپنی اور پیشوا کے درمیان اتحاد قائم نہ ہو۔

ٹیپو کے قدیم مقبوضات میں ایک تہائی حصہ کے دعویدار ہونے کے علاوہ نانا کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ میسور گورنمنٹ کے ماتحت جو زمیندار اور پالی گار ہیں وہ اسے خراج ادا کریں۔ لارڈ کارنوالس نے شروع میں اس مطالبے پر اعتراض کیا اور صاف صاف یہ کہدیا کہ مرہٹے اپنے تہائی حصے کے ساتھ جس کے وہ حقدار ہیں زمینداروں اور پالی گاروں سے خراج وصول نہیں کر سکتے، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس خراج کو اس تیسرے حصے کا جزو قرار دیا جائے جس کے وہ مستحق ہوں گے[22] بہر طور چونکہ نانا نے اپنے مطالبے کو ترک کرنے سے انکار کر دیا تو کارنوالس نے اسے مان لیا۔ گورنر جنرل جس وجہ سے اس پر راضی ہو گیا

تھا، وہ کیناوے کے نام ایک خط میں اس نے بیان کی ہے: "گو یہ بہتر ہوتا کہ مرہٹوں کے ساتھ ہمارے معاہدے کے شرائط مساوات پر مبنی ہوتے، لیکن چونکہ اس جنگ میں ان کا خلوص کے ساتھ شریک ہو جانا ہمارے مفاد کے لیے انتہائی اہم ہے اس لیے مجھے کسی ایسے کام کے انجام دینے میں عذر نہیں ہونا چاہیئے جو ان کے لیے سودمند ہو اور جس کے نہ کرنے سے جنگ میں وہ تاخیر سے شامل ہوں"[46]

ہم اوپر یہ دیکھ آئے ہیں کہ 29 مارچ والے معاہدے کے مسودے میں نانا اس پر راضی ہو گیا تھا کہ کمپنی کے فوجیوں کی ایک جماعت کو اپنی مہم میں شریک کرے گا۔ لیکن اب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ مرہٹوں کی ایک بڑی فوج چونکہ مہم میں شریک ہو رہی ہے اس لیے کمپنی کی فوج کی اُسے ضرورت نہیں ہے۔ اس کے رویہ میں تبدیلی کے متعدد اسباب تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے سوچا کہ کمپنی کی جو فوج بلائی جائے گی اس کے اخراجات تو پیشوا کو اُٹھانے پڑیں گے، لیکن اس کی خدمات سے انگریز اور پیشوا دونوں فائدہ اُٹھائیں گے۔ دوسرے اس نے سوچا کہ برسات بہت قریب ہے اور اس موسم میں فوجی کارروائیاں بند رہیں گی اس لیے انگریزوں کی امدادی فوج جو خدمات انجام دے گی اس کی مناسبت سے کہیں زیادہ پیشوا کی گورنمنٹ کو اُن پر خرچ کرنا پڑے گا۔ آخری سبب یہ تھا کہ وہ اس لیے بھی انگریزوں سے مدد لینا نہیں چاہتا تھا کہ ٹیپو پر اپنی غیر جانبداری ظاہر کر سکے اور اس طرح اس سے روپیہ وصول کرے۔ لیکن مالٹ کی دلیل یہ تھی کہ اخراجات زیادہ نہ ہوں گے اور کمپنی کا فوجی دستہ اگر نہ لیا گیا تو نہ صرف فوجی کارروائیوں پر اس کا اثر پڑے گا بلکہ یہ بھی ظاہر ہو گا کہ پیشوا معاہدے کورو کے مطابق عمل کرنے میں ناکام رہا۔ اس بحث و مباحثے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالٹ نے اپنی سفارتی حکمت عملی کی مدد سے نانا کو راضی کر لیا کہ وہ معاہدے کی شرطوں پر قائم رہے اور انگریزی فوجی دستے کو قبول کرے[47]

مئی کے وسط تک تمام نزاعی معاملات فریقین نے قابل اطمینان طور پر طے کر لیے۔ تاہم نانا نے عہد نامے کی تعمیل میں تاخیر سے کام لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پونا میں ٹیپو کے وکیل موجود تھے جو یہ کوشش کر رہے تھے کہ پیشوا عہد نامے کی توثیق نہ کرے[48] وہ لکشمن راؤ کے ساتھ 19 مئی کو پونا پہنچے تھے۔ وہ ایک بڑی رقم اور ایک بڑے علاقے کو اُن کے حوالے کر دینے کا ٹیپو کی طرف سے وعدہ بھی اپنے ساتھ لائے تھے، تاکہ انگریزوں کے خلاف جنگ میں پیشوا کی مدد حاصل ہو سکے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ غیر جانب دار رہے[49] وکیلوں کا اعلانیہ خیر مقدم کیا گیا 8 جون کو نانا نے اُن سے ملاقات کی۔ خراج کا بقایا وصول کرنے کے لیے وکیلوں سے

اس نے بہت مہربانی کا برتاؤ کیا اور انھیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انگریزوں سے وہ اتحاد نہیں کرے گا[19] دوسری طرف کارنوالس کو اگرچہ یقین تھا کہ "موجودہ صورت حال بظاہر غیر یقینی ہیں، مگر مرہٹے اپنے وعدے پورے کریں گے[20] تاہم اسے یہ بھی خیال تھا کہ پونا میں وکیلوں کی موجودگی خطرناک امکانات سے لبریز ہے۔ مزید براں جنگ کو پوری قوت کے ساتھ جاری رکھنے کے لیے کارنوالس معاہدے کی تکمیل میں قطعاً تاخیر کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس کی ہدایت پر مالٹ نے پونا میں ٹیپو کے وکیلوں کی موجودگی پر اور ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ پر شدید احتجاج کیا اور نانا پر زور دیا کہ انھیں رخصت کرے اور کمپنی سے معاہدے کی تکمیل کرے۔ بالآخر یکم جون ۱۷۹۰ کو ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدے پر مالٹ نے انگریز کمپنی کی طرف سے اور نانا نے پیشوا اور نظام کی طرف سے دستخط کیے۔

پیشوا سے عہدنامے کی توثیق کرا کر مالٹ وکیلوں سے اگرچہ بازی لے گیا؛ تاہم وہ پونا میں اس امید پر قیام پذیر رہے کہ شاید اب بھی اس معاہدے کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ نانا ان کے قیام کو اس لیے گوارا کرتا رہا کہ وہ ان سے اس رقم کو وصول کرنے کی فکر میں تھا جو سرنگاپٹم سے وہ لائے تھے۔ لیکن جب اس نے وکیلوں سے 15 لاکھ روپے، علاوہ درباری اخراجات کے، وصول کر لیے تو 4 اگست کو اس نے انھیں رخصتی باریابی عطا کی اور ۱۷ اگست کے قریب وہ پونا سے رخصت ہو گئے۔[21]

اس عہدنامے کی رو سے مرہٹوں اور نظام پر لازم تھا کہ وہ فوراً پچیس پچیس ہزار فوج کے ساتھ ٹیپو کے شمالی مقبوضات پر حملہ کریں اور برسات سے پہلے اور برسات کے دوران اس کی سلطنت کے جتنے حصے پر قبضہ کر سکیں کر لیں۔ لیکن برسات کے بعد انھیں ٹیپو کے خلاف جنگ زیادہ شدت کے ساتھ جاری رکھنی ہوگی اور اگر گورنر جنرل کو سوار فوج کی ضرورت پڑی تو انھیں ایک مہینے کے اندر اندر دس ہزار سوار مہیا کرنے ہوں گے۔ ان سواروں کو انگریزی فوج کے ساتھ مل کر لڑنا ہوگا اور اس کے اخراجات انگریزی کمپنی کے ذمے ہوں گے۔ نظام اور مرہٹے دونوں کو دو بٹالین رکھنی تھیں اور ان کے اخراجات ان دونوں کو اسی شرح سے برداشت کرنے تھے جس شرح سے کمپنی خرچ کرتی تھی۔ تمام فتوحات کی مساوی تقسیم ہونی تھی، سوائے اس صورت کے کہ کمپنی میدانِ جنگ میں اتحادیوں سے پہلے آ گئی ہو اور دشمن کے علاقے کے کسی حصے کو اس نے فتح کر لیا ہو۔ اس حالت میں کمپنی کے مفتوحہ علاقے پر

اتحادیوں کو کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ وہ پالی گار یا زمین دار جو پہلے پیشوا اور نظام کے ماتحت تھے یا جن کو حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے غیر منصفانہ طور پر ان کی زمینوں سے محروم کر دیا تھا انہیں نذرانہ ادا کرنے پر بحال کر دیا جائے گا اور یہ رقم تینوں طاقتوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ لیکن بعد میں وہ پیشوا یا نظام کے باج گزار بن جائیں گے۔ پالی گاروں اور زمینداروں کے ناموں کی تصریح کر دی گئی تھی۔ ایک شرط یہ بھی طے پائی تھی کہ صلح تینوں کی رضامندی سے ہوگی اور اگر صلح ہو جانے کے بعد ٹیپو ان میں سے کسی پارٹی پر حملہ کر دے تو دوسری دونوں پارٹیاں اس کے خلاف متحد ہو جائیں گی[23]

اس دوران میں کیناوے، جو حیدرآباد کے دربار میں کمپنی کا ایجنٹ تھا، نظام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ پونا کی گورنمنٹ سالبائی کے معاہدے کی رو سے[24] نظام کی طرف سے شرائط طے کرنے کا اپنے کو مجاز سمجھتی تھی۔ لیکن 29 مارچ کے معاہدے کا مسودہ جو مالٹ اور نانا کے درمیان طے ہوا تھا جب نظام کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ اسے تسلیم کرے تو نظام نے نانا کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اس کی طرف سے گفت وشنید کرے۔ اسے مرہٹوں کے دباؤ اور ان کی قوت سے آزاد ہونے" کی فکر تھی اور وہ انگریزوں سے ایک علیحدہ معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ مزید براں معاہدے کے مسودے کی روح سے گو نظام کو اتفاق تھا تاہم اس کی دفعات پر اسے اعتراض تھا۔ اسے تقسیم کا وہ طریقہ پسند نہیں تھا جو مسودے کی دسویں دفعہ میں شامل کیا گیا تھا جس کی رو سے پیشوا کو فتوحات کا ایک تہائی حصہ ملنے کے علاوہ پالیگاروں اور زمینداروں سے تقریباً پچاس یا ساٹھ لاکھ روپے کا خراج ملنا تھا۔[25] چونکہ جنگ کے اخراجات اور اذیتوں کا بار تینوں فریقوں پر یکساں پڑے گا اس لیے نظام نے اس دفعہ کو اپنے لیے انگریز کمپنی کے لیے نہایت غیر منصفانہ قرار دیا اور یہ تجویز کیا کہ جو" علاقے اور املاک ہاتھ آئے" اسے اتحادیوں میں برابر تقسیم کیا جائے[26]

نظام مزید یہ چاہتا تھا کہ ٹیپو کے خلاف جو مدافعانہ اتحاد ہوا ہے اسے عمومی بنا دیا جائے[27] اور صرف ٹیپو ہی کے خلاف محدود نہ رہے۔ یعنی انگریز کمپنی و حیدرآباد کی گورنمنٹ صرف اسی وقت ایک دوسرے کی مدد نہ کریں جب ٹیپو ان پر حملہ کرے، بلکہ اس وقت بھی وہ ایک دوسرے کی مدد کریں جب کوئی بھی طاقت ان میں سے کوئی کسی پر حملہ کرے

نظام نے اس دفعہ کے شامل کرنے پر اس لیے اصرار کیا تھا کہ اسے ڈر تھا کہ جب اس کی فوجیں ٹیپو سے لڑائی میں مصروف ہوں اس وقت کہیں مرہٹے اس کی سلطنت کو تاخت و تاراج نہ کر ڈالیں۔ کیونکہ تین سال پہلے ایسا ہی ہوا تھا۔ مرہٹہ میسور جنگ کے دوران تکوجی ہولکر نے دغابازی سے ٹیپو سے مل کر اس کے علاقے پر دھاوا بول دیا تھا، جب حیدر آباد کی فوجیں میسوریوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھیں۔ نظام کو ڈر تھا کہ جو حرکت ہولکر نے اس وقت کی تھی وہی ہری پنت اس وقت کر سکتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ وہ ایک علیحدہ دفعہ مسودے میں شامل کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی سلطنت کی سالمیت کی ضمانت ہو جائے۔[28]

نظام کے بعض اعتراضات کارنوالس نے تسلیم کر لیے اور 29 مارچ کو تمہیدی دفعات اس کے مطابق تبدیل کر دی گئیں۔ پیشوا کی طرح نظام کو بھی چند ضلعوں کے خراج کا حق دیا گیا، جو اتحادیوں کی فتوحات میں سے ایک تہائی حصہ کے علاوہ تھا۔[29] لیکن نظام اب بھی مطمئن نہیں تھا اسے اس پر اعتراض تھا کہ بارہ لاکھ روپے کی آمدنی والے اضلاع عام تقسیم میں پیشوا کے حوالے کیے جائیں۔ دوسری طرف مالٹ کا خیال تھا کہ اس رقم کے لیے پیشوا کا مطالبہ غیر منصفانہ نہیں ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ ٹیپو کی شکست کھانے اور میسور کی سلطنت کی تقسیم کے بعد وہ اس خراج سے محروم رکھا جائے گا جو اسے ملتا تھا۔[30] اس کے علاوہ مالٹ کا یہ استدلال بھی تھا کہ خارج کر دینے کے بعد بھی جو پیشوا کو دیا جائے گا، نظام کے لیے عام تقسیم علاحدہ قبضہ کرنے سے یقیناً کہیں زیادہ سودمند ہوگی۔ مرہٹے علاحدہ قبضہ پر اصرار کر رہے تھے اور اگر وہ منظور کر لیا جاتا تو نظام کو کڈاپا کے سوا اور کچھ نہ ملتا کیونکہ مرہٹوں کا دعویٰ تو جنوبی ہند کے تمام حصوں پر محیط تھا۔[31] لیکن پیشوا کے مطالبات اگر غیر معقول بھی تھے تب بھی کارنوالس اس کے لیے تیار تھا کہ "موجودہ جنگ میں پیشوا کی حکومت کا فوری اور موثر اتحاد حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے دی جائے۔"[32] اس لیے کیناوے کو مالٹ نے ہدایت کی کہ نظام کو اس صورتِ حال سے وہ آگاہ کر دے لیکن اگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہے تو اس سے کہا جائے کہ تقسیم کے وقت کمپنی اپنے حصّے میں سے نظام کو چار لاکھ روپے دے گی، جو پیشوا کو دی جانے والی رعایت کے ایک تہائی کے مساوی ہے۔[33]"

جہاں تک نظام کے اس مطالبے کا سوال تھا کہ معاہدے میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے، جس میں اس کے علاقے کی سالمیت کی ضمانت ہو، کارنوالس کا استدلال یہ تھا

کہ مرہٹے چونکہ اس اتحاد میں خلوص اور گرم جوشی سے شامل ہوئے ہیں، اس لیے کوئی ایسا تحریری بیان نامناسب ہوگا، جس میں ایسے مفروضات ہوں، جو پیشوا کے وزیروں کے لیے بجا طور پر ناگواری کا باعث ہوں۔ بہرکیف وہ اس نئی دفعہ کے اضافے پر تیار تھا، بشرطیکہ مرہٹوں کو اعتراض نہ ہو کہ "دو اتحادیوں میں کسی بات پر اگر اختلاف ہو تو تیسرے فریق کو لازم ہوگا کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ بیچ میں پڑ کر اختلاف کو اس طرح ختم کرانے کی امکانی کوشش کرے کہ دونوں مطمئن ہو جائیں۔" لیکن نظام کی تشویش چونکہ اس دفعہ کے داخل کرنے سے دور نہیں ہوئی تھی اس لیے کارنوالس نے اسے نجی طور پر یقین دلایا کہ مرہٹہ جارحیت کی صورت میں کمپنی اس کی مدد کرے گی۔ کیناوے کو ہدایت کی گئی کہ وہ نظام سے کہہ دے کہ مرہٹے اپنے ایک اتحادی کے علاقے پر حملہ کرنے کا جابرانہ اقدام نہیں کر سکتے۔ لیکن "تمام توقعات کے خلاف اگر مرہٹوں نے یا کسی اور قوت نے اس کے علاقے کو ایک ایسے وقت میں نقصان پہنچانے یا درہم برہم کرنے کی کوشش کی جب کہ وہ ہمارے ساتھ اس جنگ میں شریک ہے، نواب کمپنی سے توقع رکھوں گا کہ عزت و وقار کے مستحکم ترین اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے، اگر ضرورت ہوئی تو، اپنی پوری قوت سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ تاوان دلائے گی۔"

ان یقین دہانیوں نے بھی نظام کو مطمئن نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی قلمرو میں ایک پارٹی، شمس الامرا کی سرکردگی میں تھی جو ٹیپو کی حامی تھی۔ اس نے مرہٹوں کے حملے کے خوف کو زندہ رکھا تھا اور اسے تقویت بخشتی تھی۔ یہ پارٹی اس کے خلاف تھی کہ نظام انگریزوں کا حلیف بن کر ٹیپو کے خلاف جنگ میں شریک ہو۔ لیکن بالآخر کیناوے اپنی سفارتی حکمت عملی و موقع شناسی سے نظام کے خدشات کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ معاہدے میں ضمانت کی دفعہ داخل کیے جانے کے مطالبے سے وہ دست بردار ہو جائے۔

اسی طرح کیناوے نے وہ معاملہ بھی طے کر لیا، جس کا تعلق جداگانہ معاہدے سے تھا، جس کا نظام نے مطالبہ کیا تھا۔ جن اسباب کی بنا پر نظام انگریزوں سے جداگانہ معاہدہ کرنا چاہتا تھا، وہ اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ کارنوالس نے اس کی مخالفت اس بنا پر کی تھی کہ جداگانہ دفعات سے صلح کے معاہدے کے وقت پیچیدگیاں پیدا ہونے کا امکان تھا اس کے علاوہ ایسی جداگانہ دفعات کا شامل کیا جانا غیر ضروری تھا، جن کے مطالب وہی ہوں جو پیشوا کی مجوزہ دفعات کے تھے۔ خود نظام نے بھی یہی کہا تھا کہ 9 مارچ کے معاہدہ

کی دفعات پر اسے اعتراض ہے، لیکن اس کی روح سے اسے اتفاق ہے۔ اس کے اعتراضات چونکہ تسلیم کر لیے گئے تھے اور کارنوالس نے معاہدے کی دفعات میں رد و بدل کر دیا تھا اس لیے جداگانہ معاہدے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ گورنر جنرل کی رائے تھی کہ "چونکہ سمجھوتوں کی روح ایک ہی ہے، اس لیے یہ انتہائی مناسب ہوگا کہ تینوں فریقوں کے مابین اتحاد کا ایک معاہدہ ہو جائے۔"[38] لیکن نظام کو اس تجویز سے اتفاق نہیں تھا۔ چنانچہ کارنوالس نے کینادے کو لکھا کہ "میری رائے تو یہی ہے کہ سب سے اچھا یہ ہوگا کہ تینوں اتحادی ایک دستاویز کی شکل میں ایک معاہدۂ اتحاد پر دستخط کر دیں، لیکن تم ہز ہائی نس (نظام) کو یقین دلا دو کہ میری خواہش کے برعکس وہ اسی کو کار آمد سمجھتے ہیں تو میں ایک جداگانہ معاہدے پر دستخط ہی نہ کروں گا، بلکہ مالٹ نے جو معاہدہ کیا ہے، اس کی دفعات میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے انھیں معاہدے میں شامل کر دوں گا۔ ان ترمیموں سے تم پہلے ہی اتفاق کر چکے ہو۔"[38] طویل گفت و شنید کے بعد معاملات طے ہو گئے اور 4 جولائی 1790ء کو نظام نے ایک دوسرے معاہدے پر دستخط کر دیے، جس کی شرطیں قریب قریب اس عہد نامے کے مماثل تھیں جس پر پیشوا نے یکم جون کو دستخط کیے تھے۔[39]

انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی کوششوں کے دوران کارنوالس نے ٹیپو کے باج گزاروں اور اس کی باغی رعایا کی مدد حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس نے حکومت بمبئی کو لکھا کہ مالابار کے سرداروں کو سلطان سے بغاوت کرنے پر آمادہ کرے اور اس میں ان کی امداد کی جائے گی۔ ان کو یقین دلایا جائے کہ ان کے علاقے انھیں بحال کر دیے جائیں گے بہ شرطیکہ وہ کمپنی کے باج گزار بن جائیں ان سے "برائے نام خراج لیا جائے گا اور انھیں" اپنے ملک کی بیش قیمت پیداوار کی تجارت میں مفید مراعات دی جائیں گی۔[40]"

18 اگست 1790ء کو ٹیلیچری کے انگریز حاکم، رابرٹس ٹیلر نے کسی نہ کسی طرح کنانور کی بی بی سے مندرجہ ذیل شرائط پر دستخط کرا لیے جن کی بنیاد پر مستقل اتحاد کا معاہدہ ہونا تھا: پہلی شرط کے مطابق بی بی اس امر کے لیے تیار ہو گئی کہ موجودہ جنگ کے دوران قلعہ کنانور کی حفاظت کے لیے کمپنی کی فوج رکھی جائے گی، اور کمپنی کی فوج کے قلعہ میں داخل ہونے سے ایک دن پہلے اپنے داماد اور ایک وزیر کو بی بی یرغمال کے طور پر کمپنی کے سپرد کر دے گی۔ دوسری شرط کے مطابق اس نے کمپنی کے ساتھ آزادانہ تجارت کا اصول منظور کر لیا اور وعدہ کیا کہ

سیاہ مرچ اور دوسری چیزیں جو اس کے ملک میں پیدا ہوتی ہیں، سالانہ مناسب قیمت پر کمپنی کو فراہم کرے گی[41]

رابرٹس ٹیلر نے 26 اکتوبر 1790ء کو کورگ کے راجا سے بھی ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے راجا نے ٹیپو اور اس کے حلیفوں کو اپنا دشمن سمجھنے کا اقرار کیا۔ اس کے علاوہ انگریزوں کو رسد پہنچانے کا، اپنی سلطنت میں انھیں تجارتی مراعات دینے کا، انگریزی فوجوں کو کورگ سے گذرنے کی اجازت دینے کا اور کسی دوسری یورپین طاقت سے کوئی واسطہ نہ رکھنے کا وعدہ کیا۔ دوسری طرف کمپنی نے کورگ کی خود مختاری کی حمایت کرنے کا اور ٹیپو کے ساتھ جنگ ختم ہونے کے وقت راجا کے مفادات کا خیال رکھنے کا یقین دلایا[42]

پلانے نے بھی کوچین کے راجا، راما ورما سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے کمپنی نے وعدہ کیا کہ ٹیپو سے اس علاقے کو خالی کرانے میں اس کی مدد کرے گی، اس کے بعد وہ کمپنی کا باج گزار بن جائے گا اور حسبِ ذیل شرح سے سالانہ خراج ادا کرے گا۔ پہلے سال ستر ہزار روپے، دوسرے سال اسی ہزار روپے اور تیسرے سال نوے ہزار روپے اور اس کے بعد ایک لاکھ روپے سالانہ[43] اسی قسم کے معاہدے مالابار کے دوسرے راجاؤں مثلاً چیراکل، کوداتاناد اور کوٹایم سے بھی کیے گئے[44] میسور کی رانی لکشمی اماّنی سے بھی گفتگو شروع کی گئی۔ 1790ء میں جنرل میڈوز نے اسے مطلع کیا کہ اگر اتحادی جنگ میں فتحیاب ہوئے تو انگریز بڑی خوشی سے میسور کی ریاست جائز حق داروں کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن علاقے کی تقسیم کے سوال پر صرف بعد ہی میں غور کیا جاسکے گا[45]

ٹیپو اور نظام

اسی دوران میں ٹیپو سلطان بھی غافل نہیں رہا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس نے مقدور بھر اس امر کی کوشش کی کہ پونا میں مالٹ کی سازباز ناکام ہو جائے اور مرہٹے اس کے خلاف انگریزوں کے ساتھ جنگ میں شامل نہ ہوں۔ اسی طرح اس نے نظام کو انگریزوں کے بجائے خود اپنے ساتھ متحد کرنے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن جس طرح اس کی کوششیں پونا میں ناکام رہیں اسی طرح حیدرآباد میں بھی ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

بہر کیف، اگست 1787ء میں ٹیپو سے نظام نے سلسلہ جنبانی شروع کی، جو انگریزوں

کے اس طرزِ عمل سے غیر مطمئن تھا جو انھوں نے دوسری مرہٹہ میسور جنگ کے دوران اختیار کیا تھا، ور"پونا کے برہمنوں" سے اس لیے آزردہ خاطر تھا کہ اس کے مشورے کے بغیر اور اس کے نفاذ کا بلا لحاظ کیے ہوئے انھوں نے ٹیپو سے صلح کرلی تھی۔ نظام نے گفتگو اپنے بھانجے امتیاز الدولہ اور شاہی محافظ فوج کے کماندار اور ریاست کے سب سے بڑے جاگیرداروں کی معرفت شروع کی۔ چونکہ ٹیپو پر اس کا ہمت افزا ردِعمل ہوا، اس لیے نظام نے حافظ فریدالدین اور بہادر خاں کو اکتوبر 1787ء میں سلطان کے لیے خطوط اور تحائف دے کر سرنگاپٹم بھیجا۔ بہ ظاہر ان سفیروں کو امتیاز الدولہ نے بھیجا تھا۔[46]

یہ سفیر نومبر میں سرنگاپٹم پہنچے۔ ٹیپو نے معاہدے کی تجویز کو پسند کیا اور نظام کو لکھا کہ اس نے ان کے ہاتھوں جو مصیبتیں اٹھائی ہیں اور جو زیادتیاں اس کے ساتھ ہوئی ہیں، وہ ان سب کو بھول جانے کے لیے تیار ہے۔ کیونکہ "سچے مسلمانوں کی حیثیت سے ہم کو متحد رہنا چاہیے اور اس وجہ سے بھی کہ نواب نے مجھے بھی آخری نصیحت کی تھی۔" اس نے نظام سے درخواست کی کہ مقام اور وقت کا وہ تعین کردیں، تاکہ ملاقات کے بعد ایک معاہدہ کرلیا جائے۔[47] ٹیپو نے بھی لکھا کہ نظام الملک کے وقت میں جو علاقے دکن کے عمل داری میں شامل تھے، وہ سب بحال کرنے کے لیے وہ تیار ہے اور دونوں خاندانوں میں دوستانہ تعلقات زیادہ مضبوط کرنے کے لیے ٹیپو نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کے لڑکے کی شادی نظام کی لڑکی سے کردی جائے۔[48] سفیر فروری 1788ء میں یہ تجویزیں لے کر حیدرآباد واپس آئے۔[49] گو گفت و شنید کا آغاز اگرچہ خود نظام ہی نے کیا تھا تاہم ٹیپو کی تجویزوں کے جواب اس نے مبہم اور گول مول دیے۔ چنانچہ سفیروں کے جانے اور دوستانہ مراسلت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔

ستمبر 1788ء میں گنٹور سرکار انگریزوں کے حوالے کرنے کے بعد نظام پھر ٹیپو کی طرف رجوع ہوا۔ نومبر 1788ء کے آخری ہفتے میں اس نے فریدالدین اور رام چندر کو سلطان کے پاس بھیجا، جو ان دنوں کوئمبٹور میں تھا۔[50] نظام نے اسے لکھا کہ ہم دونوں چونکہ مسلمان ہیں اس لیے ہمیں اپنے اختلافات بھول جانا اور دوست بن جانا چاہیے۔ اپنے خلوص کا مظاہرہ کرنے کے لیے، اس نے قرآن کا ایک شاندار نسخہ بھی تحفے کے طور پر اسے بھیجا۔[51] ٹیپو کے مذہبی جذبات ابھارنے کے علاوہ نظام نے ٹیپو کو کچھ خوف دلانے کی بھی کوشش کی

اور لکھا کہ انگریز 1768ء کے عہد نامے کی دفعات کو بھی نافذ کرنا چاہتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ اسے اس کی سلطنت کے ایک بڑے حصے سے محروم کر دیا جائے[52]

پہلے ہی کی طرح نظام کی اس پیش قدمی کا بھی ٹیپو پر خوشگوار رد عمل ہوا۔ اس نے فریدالدین کو مطلع کیا کہ میں اس تمام علاقے سے نظام کے حق میں دست بردار ہونے کے لیے تیار ہوں جو نظام الملک کے وقت دکن میں شامل تھا، لیکن اس کے بدلے میں نظام کو چاہیے کہ وہ گنٹور سرکار اتنے ہی مالیانے پر جتنا وہ انگریزوں سے لیتا ہے میرے حوالے کرے۔ ٹیپو نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ میرے لڑکے سے نظام کی لڑکی کی شادی ہو جائے اور یہ شرط بھی صاف الفاظ میں پیش کر دی کہ اگر انگریزوں یا مرہٹوں سے اس کی جنگ ہو تو اس جنگ میں نظام اس کی مدد کرے۔ یہ تجویزیں لے کر فریدالدین ٹیپو کے وکیلوں، قطب الدین خاں اور علی رضا خاں کے ہمراہ یکم فروری 1789ء کو نظام کے لیے قیمتی تحائف کے ساتھ حیدر آباد واپس آیا[53]

جس وقت نظام نے فریدالدین کو سلطان کے پاس بھیجا تھا اسی وقت اس نے میر عالم کو کلکتہ بھیجا۔ بہت سے خدام اور کارنوالس کے لیے تحفہ تحائف کے ساتھ میر عالم 10 نومبر 1788ء کو حیدر آباد سے روانہ ہوا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ گورنر جنرل سے مطالبہ کرے کہ 1768ء کے عہد نامے کی دوسری شرائط پوری کی جائیں، کیونکہ نظام نے گنٹور سرکار سے متعلق دفعہ پر عمل درآمد کر دیا ہے۔ کچھ مشکلات پر قابو پانے کے بعد میر عالم نے کارنوالس سے گنٹور سرکار کا معقول مالیہ مقرر کرا لیا اور یہ وعدہ لے لیا کہ جب کبھی نظام کو ٹیپو کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت پڑی تو کمپنی اسے سپاہیوں کی دو پلٹنیں اور چھ توپیں دے گی، جو یورپین چلائیں گے۔ ان شرائط کو نظام نے قابلِ اطمینان سمجھا، کیونکہ نہ صرف اس کے محاصل میں فوری اضافہ ہوا، بلکہ مستقبل میں اور علاقہ ملنے کی امید بھی پیدا ہوئی[54] اس کے علاوہ ان شرائط نے اسے اپنی تمام جنوبی سرحدوں کے فکر سے بھی آزاد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کی تجاویز کا اس نے مبہم جواب دیا، میسور کے ایجنٹوں کی پیشوائی بھی، جو 2 جنوری 1790ء کو باریاب ہوئے تھے، سرد مہری کے ساتھ کی گئی۔ شادی کی تجویز بھی دونوں خاندانوں کے حسب و نسب کی نابرابری کی بنا پر منظور نہیں کی گئی۔ گنٹور کی بازیافت کی تجویز اس لیے مسترد کر دی گئی کہ نظام نے اسے خود اپنی مرضی سے انگریزوں کے حوالے

کیا تھا۔ کرناٹک کے متعلق اس نے کہا کہ وہ خود اس کو فتح کرنے کی فکر میں ہے لیکن اس مہم میں ٹیپو کی امداد کی اسے ضرورت نہیں ہے۔[55] اس کے باوجود نظام نے کارنوالس کی یقین دہانیوں کے فوراً بعد ٹیپو سے اپنی گفت و شنید منقطع نہیں کی۔ کیونکہ انگریزوں سے معاہدہ ہو جانے سے پہلے، جس کی گفتگو جنوری 1790ء میں شروع ہو گئی تھی، وہ ٹیپو کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ٹیپو کو مطلع کیا کہ اس سے اتحاد کے سوال پر مزید گفتگو ہو سکتی ہے بہ شرطیکہ وہ بقایا خراج آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے ادا کر دیا جائے جو حیدر علی نے 1766ء میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔[56] اس دوران میں اس نے ٹیپو کے وکیلوں کو سخت نگرانی میں رکھا اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھی۔ لیکن 14 اپریل کو اس نے گفتگو ختم کر دی اور وکیلوں کو واپس بھیج دیا۔ اس وقت تک اس نے انگریزوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔[57]

ولکس کا خیال یہ ہے کہ گفت و شنید اس لیے ختم ہو گئی تھی کہ نظام نے حسب نسب میں اپنے کو برتر سمجھ کر ٹیپو کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[58] لیکن یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات حقیقتاً لغو معلوم ہوتی ہے کہ ایسے نازک وقت پر ٹیپو کی دوستی کو نظام محض جذباتی بنیاد پر خیرباد کہہ دیتا۔ یہ ساری داستان لغو معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گفتگو اس لیے ناکام رہی کہ ایجنٹ جو ٹیپو نے حیدر آباد بھیجے تھے کیناوے عیاری میں ان سے بازی لے گیا۔ یہ ایجنٹ نظام کو اس امر کا یقین دلانے میں ناکام رہے کہ انگریزوں کے مقابلے میں ٹیپو سے اتحاد قائم کرنا اس کے حق میں زیادہ مفید ہے اس کے برعکس کیناوے نے نظام کو یقین دلایا کہ اس کا حقیقی فائدہ اسی میں ہے کہ وہ انگریزوں سے مضبوط اور مستقل بنیاد پر اتحاد قائم کرے۔ کیناوے نے نظام کی حریص نظروں کو علاقوں کے حصول کا جو سبز باغ دکھایا تھا اس نے نظام کو بہت مسحور کیا۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم مشیر الملک اور میر عالم کی پرجوش حمایت بھی کیناوے کو حاصل تھی، جو ساز باز کرنے میں امتیاز الدولہ اور شمس الامرا کے مقابلے میں، جو ٹیپو سے اتحاد کرنے کے حق میں تھے بہت زیادہ مشاق تھے۔ 11 جنوری 1790ء کو شمس الامرا کے انتقال[59] سے ان لوگوں کی رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں جو ٹیپو اور نظام میں اتحاد کی اب بھی آس لگائے ہوئے تھے۔

گفتگو ناکام رہنے کا ایک اور بھی سبب تھا۔ اصل میں نظام نے ٹیپو سے دوستی کرنا کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ اس سے ربط پیدا کرنے کی کوشش صرف انگریزوں میں حسد

پیدا کرنے کے لیے کرتا تھا تاکہ ان سے زیادہ بہتر شرائط منوالے۔ ایک مرتبہ اس نے یہاں تک کیا تھا کہ مرہٹوں فرانسیسیوں اور ٹیپو کو اپنے ساتھ ملا کر انگریزوں کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لیے سوریاجی پنڈت کو جو حیدر آباد میں پیشوا کا وکیل تھا، پونا بھیجا تھا[48] لیکن مخالفت کے یہ مظاہرے محض دکھاوے کے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ انگریزوں کا بھی دل دادہ نہیں تھا اور ان کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ لیکن وہ ٹیپو کو ان سے زیادہ خطرناک سمجھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرہٹوں اور نظام دونوں کے لیے ٹیپو ہوّا بنا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کارنوالس یقین کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا کہ یہ بات میرے ذہن میں بھی نہیں آسکتی کہ "مرہٹوں کو یا نظام کو ٹیپو سے مل کر ہمارے خلاف سرگرم اقدام کرنے کے لیے آمادہ کیا جاسکتا ہے[49]" کارنوالس کو یقین تھا کہ کسی وقت بھی کچھ ہڈیاں ان کے سامنے ڈال کر وہ ان کا اتحاد حاصل کر سکتا ہے۔

ٹیپو اور فرانسیسی

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ ٹیپو نے 1787ء میں اپنے سفیر پیرس اس لیے بھیجے تھے کہ انگریزوں یا کسی ہندستانی حکمراں سے جنگ ہو تو فرانسیسی فوجوں کی مدد وہ حاصل کر سکے۔ لیکن لوئی شانزدہم کا جواب ہمدردانہ، مگر غیر اطمینان بخش تھا۔ فرانس اس وقت اپنے اندرونی جھگڑوں میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کوئی مزید ذمہ داری قبول کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

اس اثنا میں ٹیپو ہندستان میں موجود فرانسیسیوں کو ملتفت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے انھیں بتایا کہ انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کا اتحاد صرف اس کے خلاف نہیں بلکہ فرانسیسیوں کے بھی خلاف ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ انھیں مغالطے میں ڈالنے کے لیے وہ جنگ میں شریک ہو جائیں[50] لیکن پانڈیچری کا گورنر، کانوے، کوسنی کے برعکس ٹیپو کا مخالف تھا۔ اس نے دی لالوزرن کو لکھا کہ ٹیپو کی کوئی مدد نہ کی جائے[51]۔ اس کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ "پچھلے معاہدہ کی دفعات پر قائم رہے"۔ اس نے لکھا کہ میں ٹیپو کو مہذب انداز میں خطوط لکھوں گا، لیکن بغیر حکم کے ایک آدمی بھی اسے نہیں دوں گا اور ایسے احکام مجھے موصول نہ ہوں گے[52]

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ٹیپو کے سفیروں کے ساتھ میکنم آرا، لوئی شانز وہم کے ایلچی کی حیثیت سے میسور بھیجا گیا تھا اس وقت وہ پانڈی چری سے منگلور نہ جا سکا تھا، موسم کی خرابی کی وجہ سے اور کچھ اس لیے کہ اسے پانڈی چری کے تخلیہ کے احکام پر عمل در آمد کرانا تھا۔ بالآخر فروری ۱۷۹۵ء میں وہ منگلور پہنچا اور وہ تحفے جو فرانس کے بادشاہ اور ملکہ نے بھیجے تھے اور جو خشکی کے راستے نہیں بھیجے جا سکتے تھے، پیش کیے۔ انگریزوں کے شکوک کا ازالہ کرنے کے لیے اس نے ان سے کہا کہ انگریز جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے وہ ٹیپو سے ملنے جا رہا ہے۔ وہ چیتونا میں اترا۔ یہ مقام اس جگہ سے نو فرسخ کے فاصلے پر تھا، جہاں ٹیپو خیمہ زن تھا۔ اس کو لانے کے لیے ٹیپو نے پالکیاں، گھوڑے اور ہاتھی بھیجے اور وہاں اس کے پہنچنے پر باعزت طریقے سے اس کا خیر مقدم کیا۔ میکنم آرا نے سلطان سے بہت صاف دلی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گفتگو کی۔ اس کی فوجوں کا معائنہ کیا اور ان سے بہت متاثر ہوا۔ میکنم آرا کو خوش کرنے کے لیے ٹیپو نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ کرنگوڈ نیسر کا علاقہ فرانسیسیوں کے حوالے کر دیں اور مسالے، صندل کی لکڑی اور چاول کی خریداری میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ گفتگو کے دوران میں اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ انگریزوں سے جنگ میں فرانسیسی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ میکنم آرا، کو ذاتی طور پر فرانسیسیوں کے ساتھ ٹیپو کے خلوص کا قطعی یقین تھا اور اس کی خواہش تھی کہ فرانسیسی اس سے اتحاد کر لیں۔ لیکن اس نے سلطان سے کہا کہ اس وقت انگریزوں کے ساتھ اس کے ملک کی صلح ہے، اس لیے معاہدہ ورسائی کو توڑ کر جنگ میں پھنسنا ممکن نہ ہوگا۔ میکنم آرا فرانس کے بادشاہ، ملکہ اور لوزیرن کے لیے تحائف اور خطوط لے کر رخصت ہوا۔[۶۴] ان خطوط میں ٹیپو نے پانڈی چری سے فرانسیسی فوجیں ہٹا لیے جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ اس نے لکھا کہ اس سے انگریزوں کے ہاتھ اور مضبوط ہوں گے، جو ان دونوں کے مشترک دشمن ہیں۔ اس نے لوئی شانز وہم سے درخواست کی کہ پانڈی چری کی فرانسیسی فوجوں کے کمانڈر کو حکم دے کہ دو ہزار فرانسیسی فوجیوں کو وہ بلا کسی تاخیر کے، اس کے پاس بھیج دے۔ اس کے تمام اخراجات میسور گورنمنٹ برداشت کرے گی اور جنگ کے اختتام پر پورے اعزاز کے ساتھ وہ واپس کر دیے جائیں گے۔[۶۵] لیکن میکنم آرا کو جزیرہ فرانس میں قتل کر دیا گیا[۶۶] اور وہ خطوط منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے، جو وہ اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا۔

میسور کی لشکر گاہ سے میکنم آرا کے رخصت ہونے کے فوراً بعد ٹیپو نے لوئی شانزدہم کو دو اور خطوط لکھے، جو پانڈی چری کے گورنر دی فرسنے کے پاس بھیجے تاکہ وہ انھیں فرانس بھیج دے۔ ٹیپو نے دی فرانسے سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ اُسے فوجی امداد مہیا کرے اور یہ وعدہ کیا کہ انگریزوں نے اگر پانڈی چری پر حملہ کیا تو وہ فرانسیسیوں کی مدد کرے گا۔ فرانسیسی فوج کے پانڈی چری سے ہٹائے جانے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ فوجیں اگر روپے کی کمی کی وجہ سے ہٹائی گئیں ہیں تو اخراجات کا بار برداشت کرنے کے لیے وہ تیار ہے[68]

لیکن ٹیپو اور انگریزوں کے درمیان جنگ شروع ہوتے ہی ڈی فرسنے نے ہندستان کی مختلف فرانسیسی فیکٹریوں کے کپتانوں کو ہدایت کر دی کہ وہ بالکل غیر جانب دار رہیں[69] یہ صرف فرانسیسی حکومت کی پالیسی کی وجہ سے نہیں، بلکہ پانڈی چری کی حالت کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ پانڈی چری میں فوج ہی نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چند برسوں سے پانڈی چری کے اخراجات انگریزوں کی مالی امداد سے پورے ہو رہے تھے۔ کیونکہ فرانس سے جو روپے بھیجے جاتے تھے، وہ نہ صرف ناکافی ہوتے تھے، بلکہ کبھی وقت پر نہیں پہنچتے تھے۔ اس لیے جب ٹیپو نے مطالبہ کیا کہ بعض تاجروں کی معرفت مالابار کے ساحل پر اسلحہ بھیجے جائیں، تو اسے فرسنے نے منظور نہیں کیا۔ تاہم ایسے شخص کو جو فرانس کو اپنا دوست سمجھتا ہو، وہ ناخوش کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے ٹیپو کو اس نے اطلاع دی کہ خط اُسے بہت تاخیر سے ملا ہے اور اس وقت کشتیاں دستیاب نہیں ہو رہی ہیں اور برسات بھی جلدی شروع ہونے والی ہے، اس کی وجہ سے کشتیاں مغربی ساحل تک نہ پہنچ سکیں گی[70]

نومبر 1790 میں جب ٹیپو نے کرناٹک پر حملہ کیا تو فرانسیسیوں کی مدد حاصل کرنے کی اس نے پھر کوشش کی۔ 20 دسمبر 1790 کو اس نے تیاگڑھ سے زین العابدین کو ڈی فرسنے کے پاس بھیجا۔ زین العابدین کے ساتھ وجبئی دستے کا ایک افسر بھی تھا، جو پہلے لَلی کے ماتحت تھا۔ 21 دسمبر کو ان کا پبلک خیر مقدم کیا گیا۔ زین العابدین نے گورنر کو ایک خط دیا اور درخواست کی کہ فوراً لوئی شانزدہم کو روانہ کر دیا جائے۔ جب اس نے لوئی شانزدہم کو دوست اور حلیف ظاہر کیا تو ڈی فرسنے نے اس اظہار خیال پر اعتراض کیا۔ کیونکہ اُسے

یقین تھا کہ اس کی اطلاع مدراس کو ہو جائے گی اور وہ انگریزوں کو مخالف بنانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے زین العابدین سے کہا کہ اس کے پاس سلطان کی مدد کے لیے فوج نہیں ہے اس کے علاوہ اس سے فرانس کی حیثیت مجروح ہو گی، جس کے انگریزوں سے دوستانہ روابط ہیں۔ ڈی فرسنے نے یہ درخواست بھی مسترد کر دی کہ وجی دستے میں اضافے کے لیے سو سپاہی مہیا کر دے۔[76]

زین العابدین جب واپس آیا تو اس کے ساتھ ایم، لیگر بھی تھا، جو فرانسیسی ہند کا سول ایڈمنسٹریٹر تھا اور فارسی سے بھی واقف تھا۔ اس نے لوئی شانزدہم کے دربار میں ٹیپو کے سفیر کی خدمات انجام دیں۔ اس کے ہاتھ ٹیپو نے شہنشاہ فرانس کو خطوط اور تحائف پیرس بھیجے۔ ان خطوط میں ٹیپو نے چھ ہزار سپاہی مانگے تھے، جن کے سفر، لباس اور دوسری ضروریات کے اخراجات کی ذمہ داری لینے کی پیش کش کی تھی۔[77] لیکن خود فرانس کے غیر یقینی حالات کی بنا پر اسے کوئی امداد نہیں مل سکی۔ چنانچہ دوسری اینگلو میسور جنگ کے برعکس ٹیپو کو یہ لڑائی، انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کی متحدہ فوجوں کے مقابلے میں یکہ و تنہا لڑنی پڑی۔

(باب 12 کے حاشیے)

1. N.A., Sec. Pro., March 3, 1790, Cons. No. 1
2. Ibid., Jan. 28, 1790, Cons. No. 1
3. P. R.C., vol. iii, No. 60
4. رگھوجی مودھوجی کا سب سے بڑا لڑکا تھا اور 1788ء میں باپ کی وفات کے بعد ناگپور کا راجا بنا۔ (Duff, vol. ii, P. 230 - 1)
5. N.A., Pol. Pro., March 10, 1790, Cons. No
6. N.A., Sec. Pro., May 21, 1790, Cons. No. 4; ~~N.A, Pol. Pro.,~~ Oct. 22, 1790, Con. No. 10.
7. N.A., Sec. Pro., March 24, 1790, Cons. Nos. 1, 2
8. P.R.C., vol. iii, No. 65
9. N.A., Sec. Pro., March 24, 1790, Malet to Cornwallis, March 12, Cons. No. 1.
10. Ibid.
11. Ibid., April 7, 1790, Malet to Cornwallis, March 12, Cons. No. 1.
12. Ibid., April 23, 1790, Cons. No. 2
13. Ibid., April 7, 1790, Cons. No. 1
14. Ibid., April 23, 1790, Cons. No. 2
15. Ibid., April 30, 1790, Cons. No. 5, Cornwallis to Malet, April 26.
16. Ibid., Cornwallis to Malet, April 26, Cons. No. 4
17. Ibid., May 12, 1790, Malet to Cornwallis, April 19, Cons. No. 12.
18. P. R.C., vol. iii, No. 108.

میڈ نے 17 ستمبر 1789ء کو گورنر مدراس کو لکھا کہ مرہٹہ وکیل، سیواجی راؤ، ٹیپو کی چھاؤنی میں تھا اور یہ خبر

گرم ہے کہ انگریزوں کے خلاف ٹیپو کی مدد کرنے کا مرہٹوں نے وعدہ کرلیا ہے۔ 4 جنوری 1790ء کو ریڈ نے
پھر لکھا کہ مرہٹوں کو میسور پر حملہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے نواب ارکاٹ نے اپنا ایجنٹ بھیجا تھا لیکن پیشوا نے
یہ جواب دیا کہ وہ ایسا نہیں کرسکتا، کیونکہ اس نے ٹیپو سے تین سال تین مہینے تک صلح رکھنے کا معاہدہ کرلیا ہے۔
(Mack. MSS., I.O., No. 46, P. 19)

یہ قرین قیاس ہے کہ ٹیپو کو انگریزوں کے خلاف مدد دینے کا نانا نے وعدہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کی پالیسی یہ تھی کہ
ٹیپو سے وہ صلح کو برقرار رکھے، کیونکہ اسے ہولکر اور سندھیا کی سازشوں کا سامنا تھا۔ پھر آگے چل کر ٹیپو سے دوستی
کا تاثر دے کر انگریزوں سے اتحاد کرنے کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتا تھا۔ بہرکیف اس کی کوئی قابل
اعتماد شہادت نہیں ملتی کہ مرہٹوں نے ٹیپو سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔

19. P.R.C., vol. iii, No. 110

20. Ibid., No. 123

21. Ibid., No. 113

22. Ibid., Nos. 145, 147

23. Aitchison, Treaties, vol. vi, PP. 48-51

24. N.A., Sec. Pro., March 31, 1790, Cons. No. 5

25. Ibid., April 30, 1790, Cons. No. 12, Kennaway to Malet, April 9.

26. Ibid., April 16, 1790, Cons. No. 4

27. Ibid., March 31, 1790, Cons. No. 5, Kennaway to Malet, March 12.

28. P.R.C., vol. iii, Nos. 194, 199

29. Aitchison, Treaties, vol. vi, Art. 7, P. 48

30. N.A., Sec. Pro., May 12, 1970, Malet to Kennaway, April 10, Cons. No. 4.

31. Ibid.

32. Ibid., Cornwallis to Malet and Kennaway,

May 10, Cons. No. 5

Ibid., Malet to Kennaway, April 16, Cons. No. 4. .33

Ibid., April 6, 1790, Cornwallis to Kennaway, .34
April 12, Cons. No. 9.

Ibid. .35

Ibid., April 30, 1790, Cons. No. 4 .36

Ibid., April 16, 1790, Cornwallis to Kennaway, 37
April 12, Cons. No. 9.

P.R.C., vol. iii, No. 132 .38

Aitchison, Treaties, vol. ix, PP. 46-9 .39

N.A., Pol. Pro. June 2, 1790, Cons. No. 4 .40

Ibid., Oct. 20, 1790, Cons. No. 33 .41

Aitchison, Treaties, vol. ix, P. 279 .42

N.A., Pol. Pro., Oct. 22, 1790, Cons. No. 2 .43

P.R.C., vol. iii, No. 109 .44

Shama Rao, Modern Mysore (Begining to 1868). .45
P. 271.

Mack. MSS., I.O., No. 46, PP. 53, 54 .46

نظام نے کوسگنی کو لکھا تھا کہ اس کے اور ٹیپو کے اختلافات کو دور کرنے میں وہ مدد کرے۔

(N.A., Sec. Pro., Nov. 12, 1757, Cons. No. 100)

Ibid., P. 53 .47

Ibid., P. 53 .48

ریڈ نے بعض جگہ لکھا ہے کہ ٹیپو نظام کے خاندان میں خود اپنی شادی کرنا چاہتا تھا مگر یہ صحیح نہیں

.49

میر عالم ہمیشہ صحیح تاریخیں نہیں دیتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق سفارت 27 جنوری 1789ء کو واپس لوٹی تھی۔ (حدیقہ، ص 377)

.50 Mack. MSS., I.O., No. 46, P. 86

.51 Wilks, vol. ii, P. 335

.42 Aitchison, Treaties, PP. 32-3

.53 حدیقہ، ص 377، Mack. MSS., I.O., No. 46

.54 دیکھو سابقہ صفحات

.55 N.A., Pol. Pro., March 3, 1790, Cons. No. 4

.56 Ibid.

.57 Mack., I.O. MSS. No. 46, P. 144

.58 Wilks, vol. ii, P. 335

.59 حدیقہ، ص 379

.60 Mack., MSS., I.O., No. 46, P. 56

.61 P.R.C., vol. iii, No. 72

.62 A.N., C²191, Conway to de la Luzerna, June 7, 1789, No. 16

.63 Ibid., C²239, June 7, 1788, No. 1:

.64 National Library of Scotland, MS. No. 3837, Conway to Hippealey, Aug. 8, 1787, p. 219.

ٹیپو نے اس کی مخالفت سے قطع نظر، کونوے اس کی مدد کرنا بھی چاہتا تو بھی یہ اس کے لیے ممکن نہ ہوتا، کیونکہ انگریزی مالی امداد پر ہی فرانسیسیوں کا انحصار تھا۔

کارنوالس نے ڈنڈاس کو ایک خط میں مطلع کیا تھا کہ اس نے کونوے کو ایک لاکھ دس ہزار روپے قرض دیے ہیں۔

(Ibid., MS. No. 3385, Cornwallis to Dundas, Aug. 9, 1790, p. 388)

بلونوے نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ پانڈیچری کا انحصار برطانوی مالی امداد پر ہے، چندر نگر کے کمانڈر
ہو منگنی کو لکھا تھا کہ کارنوالس کا پورا پورا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اسے شکایت پیدا ہونے
کا امکان ہو
— (Ibid. March 8, 1789, P. 204.)

65- A.N., C[4] 102, Macnamara to de la Luzerne, 18 and 19 Sep., 1790

66- Ray, Some India Office letters of the Reign of Tipu Sultan, Nos. IV & V.

ٹیپو وزیر کو "وزیر شہنشاہ فرانس" کے لقب سے مخاطب کرتا ہے۔

67. P. A., MS., Nos. 1323, 1479

68. Ibid., 1236, 5300

اس وقت ٹیپو نے لوئی شانز دہم کو متعدد خطوط لکھے اور میری انٹونیٹ کو ایک خط لکھا۔ ان خطوط
میں اس نے لکھا کہ صرف دو ہزار سپاہیوں کی اسے ضرورت ہے۔ سواروں کی یا اسلحہ یا گولہ بارود کی اسے
ضرورت نہیں ہے۔

(See A. N., C[2] 295, Tipu to Louis XVI, Safar 8, Rabi ii 2; Shawal 13, 1206. Tipu to Marie Antoinette, Shawal 13, 1206 A. H.)

69. A. N., C[4] 103, Cossigny to de la Luzerne, Nov. 1, 1790, No. 12.

70. Ibid., C[2] 240, de Fresne to de la Luzerne, Feb. 20, 1790, No. 5.

71. Ibid., C[2] 295, Feb. 16, 1791, No. 31

72. Ibid., C[2] 299, Leger to Bertrand de Moleville, Minister of Marine, Oct. 10, 1792; also C[2] 299, Rapport, Nov. 16, 1792.

تیرھواں باب

جنگ پہلا منظر

مدراس گورنمنٹ کی طرف سے غیر مطمئن ہونے کی وجہ سے کارنوالس نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود مدراس جائے گا اور ٹیپو کے خلاف جنگ کا انتظام و انصرام خود سنبھالے گا۔ لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میڈوز، گورنر بمبئی کو مدراس کا گورنر اور سپہ سالار مقرر کیا گیا ہے، اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک میڈوز کی مسلمہ قابلیت اور کردار کی وجہ سے جنگ کی رہنمائی اس کے سپرد کی گئی ہے۔[1]

انگریزوں نے جنگ کا یہ منصوبہ بنایا تھا کہ جنرل میڈوز مرکزی فوج کے ساتھ پہلے کوئمبٹور صوبے کے مقبوضات اور اس کے آس پاس کے ضلعوں پر قبضہ کرے جو گھاٹوں کا زیریں حصہ ہے اور اس زرخیز علاقے کو رسد رسانی کا مرکز بنا کر گجل ہٹی درے کے راستے سے میسور میں داخل ہونا تھا۔ دوسری طرف جنرل ایبر کرومبی، گورنر بمبئی کو مالابار ساحل پر ٹیپو کے مقبوضات کو زیر کرنا اور اگر حالات مساعد ہوں تو میڈوز سے جا ملنا تھا۔ تیسری طرف ٹیپو کے حملے سے کرناٹک کو بچانے کے لیے کرنل کلے کو کار منڈل کے بیچ سے گھس کر بارہ محال میں داخل ہونا تھا۔

24 مئی 1790ء کو میڈوز نے مرکزی فوج کی کمان سنبھالی، جو ترچناپلی میں جمع ہوئی تھی۔ 26 کو پندرہ سو فوج کے ساتھ اس نے مارچ شروع کی، لیکن رسد رسانی کے محکمے منظم کرنے میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ 15 جون سے پہلے کرور کی سرحدی چوکی تک نہ پہنچ سکا جو ترچناپلی سے صرف پچاس میل کے فاصلے پر تھی۔ کرور کو میسوری چھوڑ کر جا چکے

تھے، اس لیے اسی روز اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد میڈوز 3 جولائی کو اروا کورچی کی طرف بڑھا جو ایک کمزور قلعہ تھا اور بغیر کسی مزاحمت کے ہاتھ آ گیا۔ اس کو اس کے قدیم راجا کے حوالے کر کے وہ دہرا پورم کی طرف بڑھا یہ قلعہ بھی کمزور تھا اور بلا کسی مقابلے کے قابو میں آ گیا۔ وہاں ایک بڑی حفاظتی فوج چھوڑ کر وہ شہر کومبٹور کی طرف بڑھا جس کو اس نے خالی پایا اور 21 جولائی کو وہاں داخل ہو گیا۔

اب تک انگریزوں کی کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ البتہ چند بے قاعدہ سواران کے پیچھے لگے تھے، جو انھیں پریشان کر رہے تھے، ان کے بہت سے مویشی لے جاتے تھے اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو زخمی کر دیتے تھے۔ لیکن کومبٹور پر قبضہ کرنے کے اگلے دن میڈوز کو اطلاع ملی کہ سید صاحب دھنیاک کن کوٹائی پہنچ گئے ہیں، جو کومبٹور سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کے ساتھ چار ہزار سواروں کا ایک معمولی سا دستہ ہے[8] سید صاحب کو ٹیپو نے اس لیے بھیجا تھا کہ انگریزی فوج کے پیچھے لگے رہیں اور ان کے رسل و رسائل کے ذرائع کو درہم برہم کرتے رہیں۔ اس لیے میڈوز نے کرنل فلائڈ کے زیر کمان ایک بڑی فوج میسوریوں پر ناگہانی حملے کے لیے بھیجی فلائڈ نے بار بار تیزی سے حملے کر کے سید صاحب کو نہ صرف بھوانی کے اس پار ڈھکیل دیا، جو دریائے کاویری کی ایک شاخ ہے۔ بلکہ درۂ گجل ہٹی کی طرف کوچ کر جانے پر مجبور کر دیا۔ سید صاحب کا پیچھے ہٹنا بہت غیر دانش مندانہ تھا کیونکہ اس طرح سے جنوب کی طرف کا تمام علاقہ انگریزوں کے لیے خالی چھوڑ دیا گیا چنانچہ انھوں نے ڈنڈی گل اور دوسرے مقامات پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔[9] ان کی ان غلطیوں پر ٹیپو سلطان نے سختی کے ساتھ انھیں سرزنش کی۔[10]

5 اگست کو ایک مضبوط فوج کے ساتھ کرنل اسٹورٹ کو ڈنڈیگل کو زیر کرنے کے لیے بھیجا گیا جو 112 میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ وہاں 16 اگست کو پہنچ گیا۔ ڈنڈیگل کا قلعہ ایک پہاڑی کی ہموار سطح پر بنایا گیا تھا اس کی شکل تین طرف سے عمودی تھی اور صرف مشرق کی جانب سیڑھیوں کا ایک سلسلہ تھا جس کے ذریعہ اس کے اندر پہنچا جا سکتا تھا۔ پچھلے چھ برس کے اندر اس میں کافی ترقی پذیر تبدیلیاں ہوئی تھیں اور اس میں کافی مقدار میں گولہ بارود اور سامانِ رسد موجود تھا۔ قلعہ کی حفاظتی فوج کو، جو تقریباً آٹھ سو آدمیوں پر مشتمل تھی، ایک اعلان کے ذریعہ آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں تو انھیں اپنے

ذاتی سامان کے ساتھ میسور کے کسی بھی حصّے میں جانے کی اجازت ہوگی۔ لیکن اگر انھوں نے مقابلہ کیا تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کیدان حیدر عباس نے یہ پیغام لانے والے کو جواب دیا "اپنے کمانداروں سے کہہ دو کہ میں اپنے سلطان کو اس بات کا کیا جواب دوں گا کہ ڈنڈی گل جیسے مستحکم قلعہ میں نے کیوں دشمن کے حوالے کر دیا! اس لیے دوسری بار کوئی آدمی اس قسم کا پیام لے کر آیا تو اسے توپ سے اڑا دیا جائے گا۔" یہ جواب پا کر اسٹورٹ نے گولہ باری شروع کر دی اور دو دن تک گولے برسانے کے بعد وہ ایک چھوٹا سا رخنہ ہی ڈال سکا لیکن گولہ بارود چونکہ قریب قریب ختم ہو چکا تھا اور ایک ہفتہ سے پہلے رسد پہنچنے کی امید نہیں تھی اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور میجر اسکیلے کو حکم دیا کہ وہ اس حملے کی قیادت کرے۔ برطانوی فوجوں نے بڑی بہادری اور مستقل مزاجی کے ساتھ حملہ کیا اور 21 اگست کی شام قلعہ میں گھسنے کی بار بار کوشش کی۔ لیکن استحکامات بہت مضبوط تھے اور کیدان نے اپنی بہترین فوج کے ساتھ رخنے پر پوری قوت سے مقابلہ کر کے دشمن کو پسپا کر دیا۔ لیکن دوسرے دن انگریزوں کو یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ رخنے پر ایک سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہوا یہ کہ حفاظتی فوج کو دشمن کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں تھا اور انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں دوسرا حملہ نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے رات میں کیدان کے خلاف بغاوت کر دی۔ اسی وجہ سے حیدر عباس کو اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس نے 22 اگست کو باعزت شرائط پر قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ کرنل اسٹورٹ اس کے بعد پال گھاٹ چلا گیا جو 22 ستمبر کی صبح کو فتح کر لیا گیا۔[5]

اسی دوران میں کرنل اوڈھم نے 7 اگست کو ایرود فتح کر لیا اور کرنل فلائڈ نے 26 اگست کو سیتا منگلم پر قبضہ کر لیا۔ موخر الذکر مقام دریائے بھوانی کے شمالی کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ گجل ہٹی درّے کے قریب تھا جس سے گزر کر انگریزی فوجیں ٹیپو کی سلطنت کے قلب میں داخل ہو سکتی تھیں۔ اس طرح سے فوجی کارروائی کا پہلا جز کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔ کوئمبٹور کے صوبے پر قبضہ فوجی ضروریات کی بہم رسانی کے لیے کیا گیا تھا۔ اب کرور سے گجل ہٹی درّے تک مراسلات کی چوکیوں کا سلسلہ قائم کر دیا گیا لیکن ٹھیک اس وقت جب میسور پر حملے کے لیے تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ٹیپو اچانک فلائڈ کی فوجوں کے قرب میں نمودار ہو گیا جو بھوانی کے جنوب

میں سیتا منگلم کی اگلی چوکی کے بالمقابل خیمہ زن تھی۔

اپنی مملکت پر انگریزوں کے حملوں کی تیاریوں کا حال سن کر ٹیپو ٹراونکور سے لوٹ آیا تھا۔ 24 مئی کو وہ کوئمبٹور پہنچا اور جون کے آخر تک وہاں قیام پذیر رہ کر میڈوز کی نقل و حرکت کا مطالعہ کرنے کے علاوہ اس پر دھاوا بولنے کا ارادہ کرتا رہا۔ لیکن انگریزی فوج کی نقل و حرکت چونکہ بہت سست تھی اس لیے وہاں اس نے اپنا مزید وقت صرف کرنا فضول سمجھا چنانچہ وہ یکم جولائی کو سرنگا پٹم کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں اس نے سید صاحب کو چند سواروں کے ساتھ میڈوز کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے چھوڑا جس نے ابھی تک صرف کرور کی سرحدی چوکی ہی کو مغلوب کیا تھا۔ ٹیپو سرنگا پٹم 12 جولائی کو پہنچا اور تقریباً دو مہینے تک تیاریوں میں مصروف رہا۔[6] اس کے بعد 2 ستمبر کو سرنگا پٹم سے چار ہزار فوج اور بہت بڑا توپ خانہ لے کر روانہ ہوا۔ 9 ستمبر کو گجل ہٹی درے کے سرے پر پہنچا۔ اپنا فاضل فوجی ذخیرہ اور سامان پورنیا کی حفاظت میں چھوڑ کر خود درے کے اندر اترنا شروع کر دیا جو تمام مشرقی پہاڑی سلسلوں میں سب سے زیادہ دشوار گزار درہ تھا۔[7]

ولکس کا بیان ہے کہ فلائڈ کو ٹیپو کی ابتدائی نقل و حرکت کا علم تھا اور اس نے جنرل میڈوز کو اس کی اطلاع اس تجویز کے ساتھ پہنچا دی تھی کہ انگریزی فوجیں چونکہ اس وقت منتشر ہیں اس لیے اسے اجازت دی جائے کہ وہ فوجی ہیڈ کوارٹر پر واپس آجائے۔ لیکن اطلاعات کو صحیح تسلیم نہیں کیا گیا اور فلائڈ کو حکم دیا گیا کہ وہ اگلے مورچے پر ڈٹا رہے۔[8] بہرکیف میڈوز کا بیان ہے کہ "ہماری چوکسی کے باوجود ہمیں خبر ملنے سے پہلے ہی دشمن سر پر آگیا۔[9]" منرو اور میکنزی کے بیان کے مطابق بھی گجل ہٹی درے سے ہو کر کوئمبٹور میں سلطان کا اتنا اچانک، اتنی خاموشی اور اس درجہ ہوشیاری سے اتر آنا سب کے لیے انتہائی حیرت ناک تھا۔[10] اس بیان کے بعد ولکس کا یہ کہنا غلط ہے کہ فلائڈ کو ٹیپو کے قریب پہنچ جانے کی اطلاع اس وقت ملی جب میڈوز کو اطلاع دینا اور اس کی ہدایتیں حاصل کرنا بیکار تھا۔ فلائڈ کے گشتی سپاہیوں نے ٹیپو کے سواروں کو 10 ستمبر کو دیکھا اور فلائڈ نے میڈوز کو یہ اطلاع 12 ستمبر کو بھیجی کہ سلطان خود وہاں پہنچ گیا ہے۔[11]

ٹیپو نے 12 ستمبر کو دریائے بھوانی کو پون گھر کے گھاٹ پر پار کیا اور جنوب میں چند میل کے فاصلے پر اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کے ساتھ پڑاؤ ڈالا اور باقی فوج کو

شمالی کنارے پر مارچ کرنے اور ستیامنگلم پر قبضہ کرنے کے ساتھ دریا پار کرنے کا حکم دیا۔[12]

13 ستمبر کی صبح کو میسور کی سوار فوج نے میجر ڈاربی کے زیر کمان انگریزی سوار فوج پر حملہ کر دیا۔ جو پون گھاٹ قراولی کے لیے بھیجی گئی تھی۔ انگریزی فوجیں ہر طرف سے گھیر لی گئی تھیں اور ان پر چاروں طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا۔ لیکن ایک مناسب جگہ اُن کے ہاتھ آگئی اور اس وقت تک وہ جنگ جاری رکھ سکیں جب تک کہ فلاائڈ تازہ دم توپیں لے کر ان کی امداد کے لیے وہاں نہیں پہنچ گیا۔ اس بر وقت امداد نے انھیں تباہی سے ہی نہیں بچا لیا اور باضابطہ پسپا ہونے کا موقع ہی نہیں دیا، بلکہ دشمن کو بھی نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹا دیا۔ میسوریوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن انھیں زمین کی ساخت کی وجہ سے ناکامی ہوئی، جو جگہ جگہ اونچی اور ناقابل گزر خاردار جھاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے ٹیپو کی سوار فوج کی راہ میں بڑی رکاوٹ پڑ رہی تھی، لیکن انگریزوں کے لیے کارآمد تھیں، کیونکہ وہ دفاعی لڑائی لڑ رہے تھے۔[13]

اس جھڑپ کے فوراً بعد ٹیپو خود کرنل فلائڈ پر حملہ کرنے کے لیے مغرب کی طرف سے بڑھا، جو بھوانی کے جنوب میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ انگریزوں کی توجہ ہٹانے اور انھیں الجھن میں ڈالنے کے لیے ٹیپو نے تین توپچیوں کو حکم دیا کہ شمالی کنارے سے ان پر گولہ باری کریں لیکن انگریز کمانڈر نے چونکہ ایک مستحکم مقام پر قبضہ کر لیا تھا، ٹیپو وہاں تک پہنچ نہ سکا۔ بس دور ہی سے گولے برساتا رہا۔ یہ گولہ باری دن بھر جاری رہی اور انگریزوں کے بہت سے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی تین توپیں بیکار کر دیں۔ لیکن رات کو وہ اپنے کیمپ میں واپس چلا گیا۔[14]

گولہ باری سے سخت نقصان اٹھانے کے بعد انگریزوں نے میسوریوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پاکر رات کو ایک جنگی کونسل منعقد کی اور یہ فیصلہ کیا کہ ستیامنگلم کو چھوڑ کر کوئمبتور چلا جانا چاہیے۔ چنانچہ اگلے روز صبح کو فوجوں نے مارچ شروع کر دی۔ ستیامنگلم کے قلعہ میں وہ تین توپیں اور سامان رسد چھوڑ گئے۔ ٹیپو کو جوں ہی یہ بات معلوم ہوئی اس نے فوراً ان کا پیچھا کرنے کی تیاری شروع کر دی لیکن گذشتہ رات کو موسلادھار بارش ہونے کی وجہ سے فوجیں سارے علاقے میں ادھر ادھر منتشر تھیں۔ جب مارچ کا حکم دیا

گیا تو سپاہی اپنا کھانا پکا رہے تھے وہ ایک دن اور ایک رات فاقے سے گزار چکے تھے۔ اس لیے اسے اپنی فوج کو پیچھا کرنے کے لیے تیار کرنے میں بہت دقت ہوئی۔ بالآخر اسے اپنی تھوڑی سی فوج لے کر مارچ کرنا پڑا۔ باقی فوج کو بھی جلد سے جلد پیچھے آنے کا حکم دیا۔[15] صبح دس بجے کے قریب اس کی سوار فوج اور ہلکے توپ خانے نے فلائڈ کے فوج کے عقبی حصے کو پکڑا اور قریب قریب اس کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔[16] اسی دوران میں ٹیپو کی مرکزی فوج بھی بڑھتی رہی اور دو بجے کے قریب انگریزوں کی پسپا ہونے والی فوج کے عقب اور میمنہ و میسرہ پر گولہ باری کی اور 5 بجے تک چیٹور کے گاؤں میں اسے جا لیا جو ستیا منگلم کے جنوب میں انیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب فلائڈ رکنے اور میسوریوں کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔[17] ٹیپو نے بڑے جوش کے ساتھ حملہ کیا اور مضبوط خاردار جھاڑیوں کے باوجود، جو راستے میں حائل تھیں، اسے فتح حاصل ہونے ہی والی تھی کہ برہان الدین مارا گیا۔ اس سے میسوریوں کے دل ٹوٹ گئے۔ اس پر مستزاد یہ ہوا کہ فلائڈ کی مدد کے لیے میڈوز کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس لیے ٹیپو رات ہوتے ہی پیچھے لوٹ گیا۔[18] 13 اور 14 ستمبر کو فلائڈ نے بہت زیادہ نقصان اٹھایا تھا۔ مجروحین اور مقتولین کی تعداد 556 تھی۔ اس کے علاوہ قریب قریب تمام سامانِ جنگ اور باربرداری کے جانوروں سے بھی محروم ہو گیا تھا۔[19]

جنگ کے دوران میں فلائڈ کو ایک مراسلہ ملا، جس میں اطلاع دی گئی کہ میڈوز 14 مارچ کو ولادی کے لیے مارچ کرے گا۔ یہ سوچ کر کہ فوج کو محفوظ رکھنے کا صرف ایک یہی طریقہ ہے کہ وہ میڈوز سے جا کر مل جائے۔ صبح کے 2 بجے وہ روانہ ہوا اور رات کے آٹھ بجے ولادی پہنچا۔ لیکن جنرل کو وہاں نہ پا کر اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ میڈوز فلائڈ کی امداد کے لیے کوئمبٹور سے نکلا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ فلائڈ ابھی ستیا منگلم سے روانہ نہیں ہوا ہے وہ ولادی سے دس میل آگے بڑھ گیا۔ شمال کی جانب میڈوز کی نقل و حرکت سے ٹیپو کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ جنرل اس کے اور سرنگا پٹم کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے وہ پیچھے ہٹا اور بھوانی کو پھر پار کیا اور دریا کے دوسرے کنارے پر ایک نہایت مناسب مقام پر قیام کر کے میڈوز کا انتظار کرنے لگا۔ ٹیپو کے سامنے کے حصے کی حفاظت دریا کر رہا تھا اور دائیں اور بائیں بازو کی حفاظت دریناک کن

کوٹاٹی اور ستیا منگلم کے قلعے کر رہے تھے۔ سلطان نے ستیا منگلم اور پونگار کے گھاٹوں کی حفاظت کی طرف بھی پوری توجہ دی تھی کیونکہ خیال تھا کہ میڈوز ان ہی گھاٹوں سے دریا کو پار کرنے کی کوشش کرے گا۔[25] لیکن انگریز جنرل کو یہ اطلاع مل گئی تھی کہ فلائڈ کہاں ہے اور اس امر کا بھی اندازہ ہوا کہ اس وقت میسور پر حملہ کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے اس لیے اس نے ٹیپو سے جنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور و لادی کی طرف لوٹ گیا' جہاں وہ فلائڈ سے جاملا۔ و لادی سے دونوں فوجیں کوئمبٹور گئیں جہاں 25 ستمبر کو پال گھاٹ سے آئی ہوئی کرنل اسٹورٹ کی فوج ان سے مل گئی۔[26]

ٹیپو فلائڈ کی فوج کی راہیں نہ روک سکا اس کا کچھ سبب تو فلائڈ کی ہمت اور ثابت قدمی تھی' لیکن اس کا خاص سبب وہاں کی زمین کی ساخت تھی جس نے میسوریوں کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس کے باوجود ٹیپو نے "15 تاریخ کو بھی فلائڈ کی فوج کا اگر پیچھا کیا ہوتا اور تیسرے دن بھی لڑکر اسے تھکا دیتا' تو وہ نیست و نابود ہو جاتی' کیونکہ دو دن سے نہ تو کھانا اسے نصیب ہوا تھا اور نہ آرام۔"[27] بہرکیف ٹیپو فلائڈ کی فوج کو تباہ تو نہ کر سکا تاہم اپنی مہم کا اصل مقصد حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو گیا۔ اس نے انگریزوں کو گجل ہٹی درے سے گذر کر میسور پر چڑھائی کرنے سے روک دیا اور ایک مدافعانہ جنگ کو جارحانہ جنگ میں تبدیل کر دیا۔

ٹیپو نے اب کوئمبٹور کے ان مقامات کو دوبارہ فتح کرنے کا فیصلہ کیا جن پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے دس دن کے بعد' جن میں اس نے محرم کی رسمیں ادا کی تھیں' ایروڈ کی جانب کوچ کیا۔ 25 ستمبر کو سواروں کی ایک چھوٹی سی ٹولی کے ہاتھوں' جسے ٹیپو نے بھیجا تھا۔ اس مقام نے "شرمناک اطاعت" قبول کر لی۔[28] معاہدۂ اطاعت کی پابندی کرتے ہوئے کمپنی کی فوجوں کو کرور جانے کی اجازت دے دی گئی۔[29] ٹیپو ایروڈ سے' جہاں سے بہت سا قیمتی سامان اس کے ہاتھ آیا تھا' جنوب کی سمت روانہ ہوا' اور ایک ایسے مقام پر قیام کیا جو اس جگہ سے تقریباً سولہ میل کے فاصلے پر تھا جہاں سے وہ کرور سے آگے بڑھنے والے دستوں پر حملہ بھی کر سکتا تھا اور دھاراپورم یا کوئمبٹور کی طرف روانہ ہو سکتا تھا۔ 29 ستمبر کو جوں ہی میڈوز کرور سے آنے والے فوجی دستے کی حفاظت کے لیے بڑھا' ٹیپو اس کی مشغولیت سے فائدہ اٹھا کر کوئمبٹور پر قبضہ کرنے کے ارادے سے جنوب کی طرف

روانہ ہوگیا جہاں انگریزوں کا ایک فوجی اسپتال، سامانِ رسد اور گولہ بارود تھا۔ اس نے بہت تیزی سے کوچ کیا اگرچہ رات بھر تیز بارش ہوتی رہی تاہم وہ آگے بڑھتا ہی رہا لیکن یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اس فوج نے کوئمبٹور کو زیادہ مستحکم بنا دیا ہے جسے جنرل ہارٹلے نے بھیجا تھا، جو مالابار ساحل سے پالی گھاٹ آگیا تھا، ٹیپو تیزی سے دھاراپورم کی طرف کوچ کر گیا اور ۶ اکتوبر کو اس کا محاصرہ کر لیا۔ 8 اکتوبر کو قلعہ نے مشروط اطاعت قبول کر لی اور حفاظتی فوج کو اس شرط پر جانے کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اس جنگ میں، جو ابھی جاری ہے، پھر شریک نہ ہوگی۔[۲۵] لیکن ان کامیابیوں کے باوجود وہ کوئمبٹور کے صوبے میں اپنی فوجی کارروائیاں جاری نہ رکھ سکا۔ اسے بارہ محال کی مدافعت کے لیے جانا پڑا جس پر انگریزوں نے حملہ کر دیا تھا۔

حملے کے اصلی منصوبے کے مطابق کرنل کیلی کو بنگال سے کمک آنے پر بارہ محال پر حملہ کرنا تھا فوجیں جو کلکتہ سے بھیجی گئی تھیں یکم اگست 1790 کو کنجیورم پہنچیں لیکن کیلی اس مہم کا انتظام کرنے سے پہلے 24 ستمبر کو انتقال کر گیا اس کا جانشین کرنل میکسول ہوا۔ وہ میڈوز کی ہدایت کے مطابق ساڑھے نو ہزار آدمیوں کے ساتھ بارہ محال میں داخل ہوا۔ ان میں ضلع کے پالیگاروں کی فوج شامل نہیں تھی، جو اس سے مل گئے تھے[۲۶] اس نے دینم باڑی کے قلعہ کے قریب پڑاؤ کیا اور جلد ہی اس پر قبضہ کر لیا۔ کیونکہ میسوریوں نے اسے خالی کر دیا تھا۔[۲۷] یکم نومبر کو میکسول کرشناگری کے پاس پہنچا جہاں ضلع کا صدر مقام اور ضلع کا سب سے مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ایک باقاعدہ محاصرے کے بغیر اس مقام پر وہ قبضہ نہ کر سکے گا، اس نے اپنا صدر مقام کاویری پٹم کے قریب قائم کیا، جو ایک مرکزی مقام تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ناگہانی حملہ کر کے کرشناگری پر وہ قبضہ کرے۔ لیکن ٹیپو نے اچانک اس کے قریب نمودار ہو کر اس نقل و حرکت کو مفلوج کر دیا۔[۲۸] اپنی فوج کا ایک حصہ ٹیپو نے قمرالدین خاں کی ماتحتی میں کوئمبٹور میں چھوڑا تاکہ وہ میڈوز کی نقل و حرکت پر نظر رکھے اور باقی فوج لے کر اس نے بڑی تیزی اور بے مدرازداری کے ساتھ بارہ محال کی طرف کوچ کیا" پہلی اور دوسری نومبر کو اس نے کاویری کو پار کیا اور 9 کو میکسول کی فوج کے نواح میں پہنچ گیا۔

11 تاریخ کو ایک انگریزی سوار رجمنٹ پر، جو ایک تنگ درے میں سواروں کا پیچھا کر رہی تھی، میسور فوج کے دو ہزار سواروں نے حملہ کر دیا اس حملے میں ستر آدمی اور

پچاس گھوڑے مارے گئے اور انگریزی فوج پسپا ہو گئی۔ اگلے دن ٹیپو خود میکسول پر حملہ کرنے کے ارادے سے وہاں پہنچا، لیکن میکسول نے چونکہ دریائے پنار کو پار کرکے ایک نہایت مستحکم مقام پر قدم جما لیے تھے، اس لیے ٹیپو نے حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے میکسول کو ورغلانے کی انتہائی کوشش کی تاکہ وہ اس مقام سے ہٹ جائے، لیکن اس نے مدافعانہ پہلو اختیار کیا اور میڈوز کا انتظار کرتا رہا۔ ٹیپو غروب آفتاب کے بعد واپس چلا گیا۔ ۱۴ نومبر کو وہ پھر نمودار ہوا، مگر میکسول نے اب بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ ٹیپو کو اسی دوران خبر ملی کہ میڈوز قریب پہنچ گیا ہے اور وہ واپس چلا گیا۔

جنرل میڈوز جس سے کرور کا فوجی دستہ آکر مل گیا تھا کوئمبٹور واپس آگیا اور اس مقام کے دفاع کو مستحکم بنا کر ٹیپو کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن سلطان کا کوچ اس قدر تیز رفتار اور رازدارانہ تھا کہ انگریز اس کا پیچھا کرنے میں ناکام رہے۔ چند روز بعد جب ٹیپو نے کاویری کو عبور کیا تو میڈوز کو اس کی نقل و حرکت کا علم ہوا۔ اسے میکسول کی حفاظت کی تشویش تھی، کیونکہ ٹیپو کے مقابلے میں اس کی سوار فوج کمزور تھی۔ میڈوز نے بارہ محال جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ۱۴ نومبر کو کاویری کو پار کیا اور تھوپور درّے کے جنوبی کنارے پر پہنچ گیا۔ ٹیپو یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ دو انگریزی فوجوں کے درمیان میں پھنس جائے اس لیے میڈوز کی فوج کی آمد کی اطلاع پا کر وہ ۱۴ نومبر کی رات کو وہاں سے ہٹ گیا، جہاں اس کا قیام تھا۔ اس نے اگلے دن دوپہر کے وقت کاویری پٹنم کے مقام پر میکسول کی فوج سے ۲۹ میل کے فاصلے پر، میڈوز کا مقابلہ کیا۔ لیکن وہ اصل میں جنگ سے دامن بچانا چاہتا تھا۔ اس لیے مغرب کی جانب پالاکوٹے کے درّے کی طرف اس نے مارچ کیا اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ چوبیس گھنٹوں میں اس نے پینتالیس میل کی مسافت طے کر لی تھی، اگرچہ سامانِ رسد، توپیں اور دوسرا ساز و سامان بھی اس کے ساتھ تھا۔ پالاکاڈ میں جس مقام پر اس نے پڑاؤ کیا تھا وہ ایک ایسی محفوظ جگہ تھی کہ ضرورت پڑ جانے پر وہ ایک درّے کے ذریعے سے، جسے پار کرنا بہت آسان تھا، بحفاظت بارہ محال ہوتا ہوا میسور پہنچ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے بھی یہ مقام بہت مناسب تھا۔

دریں اثنا میڈوز کاویری پٹنم کے قریب میکسول سے آکر مل گیا۔ ٹیپو نے یہ دیکھ کر کہ انگریزی متحدہ فوجوں پر کامیابی کے ساتھ وہ حملہ نہ کر سکے گا، اپنے منصوبوں کو بدل دیا۔

اس نے کرناٹک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ انگریز میسور سے ہٹ کر خود اپنے مقبوضات کے دفاع کی طرف متوجہ ہوں[36] چنانچہ 18 نومبر کو وہ تھوپور درے کی طرف روانہ ہوا دوسری طرف میڈوز نے میسور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس وقت اس کے پاس جو فوج تھی وہ تعداد اور ساز و سامان کے اعتبار سے ان تمام فوجوں سے ارفع و اعلیٰ تھی جو اب تک برطانیہ عظمیٰ نے ہندستان میں آراستہ کی تھیں[37] جس دن ٹیپو تھوپور درے کی طرف روانہ ہوا اسی دن اس نے بھی جنوب کی طرف کوچ کیا اور دونوں تقریباً ایک ہی وقت میں درے کے سرے پر پہنچے۔ انگریزی فوج نے پوری قوت سے ٹیپو پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اس حملے سے کوئی فائدہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ٹیپو ان سے پہلے ہی درے سے گزرنے میں، بغیر نقصان اٹھائے ہوئے کامیاب ہو گیا۔ ٹیپو کی سوار فوج نے بڑی بہادری اور ہنرمندی سے اس کی پیادہ فوج کو راستہ طے کرا دیا[38] اپنی سوار فوج کے ساتھ ٹیپو خود آخر تک موجود رہا۔ اور جب اس کی ساری فوج درے سے گزر گئی تو ایک چھوٹے حفاظتی دستے کی معیت میں وہ واپس ہوا[39]

درے سے نکلنے کے بعد ٹیپو جنوب کی سمت ترچناپلی کے لیے روانہ ہوا اور 20 نومبر تک کیلیروں کے کناروں تک پہنچنے سے پہلے اس نے دم نہ لیا، جو جزیرۂ سری رنگم کے بالمقابل ہے۔ لیکن اس نے دریا کو بہت زیادہ چڑھا ہوا پایا اور اس کو پار نہ کرسکا۔ دوسری طرف کرناٹک کے اندر پہنچنے کے لیے بھی وہ مضطرب تھا۔ لیکن اس نے سری رنگم کے جزیرے کو لوٹنے پر ہی اکتفا کیا اور میڈوز کے قریب آجانے پر وہ 6 دسمبر کو تیاگڑھ چلا گیا۔ جو ترچناپلی کے شمال میں اسّی میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ تیاگڑھ کے سامنے 11 دسمبر سے 20 دسمبر تک رہا۔ اس مقام کی مدافعت کپتان فلنٹ کر رہا تھا، جس نے دوسری اینگلو میسور جنگ میں وانڈی واش کی مدافعت میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ ٹیپو نے دو مرتبہ قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ چونکہ تھکا دینے والے محاصرے پر وقت ضائع کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا، اس لیے فوجیں وہاں سے ہٹالیں اور تیرووانمالی کی طرف روانہ ہو گیا جو وہاں سے شمال میں 35 میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس مقام پر اس نے بغیر کسی دقت کے قبضہ کرلیا اس کے بعد اس نے پیرمکل پر صرف دو دن کے محاصرے کے بعد، 22 جنوری کو قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد فرانسیسیوں سے امداد حاصل کرنے کی، توقع

پر اس نے پانڈی چری کی طرف کوچ کیا[37] یہاں اس کا قیمتی وقت ضائع ہوا۔ اسے چاہیے تھا کہ میڈوز کے کارنوالس سے آملنے سے پہلے وہ مدراس پر حملہ کر دیتا۔ اور اس طرح موخرالذکر کی فوجی تیاریوں کو درہم برہم کر دیتا۔ اسے کنیورم کے انگریزی فوجی استحکامات کو بھی برباد کرنا چاہیے تھا[38]

جنرل میڈوز نے بھی ٹیپو کی طرح پالاکھڈ درے سے جنوب کی طرف کوچ کیا تھا اور ۲۷ نومبر کو کاویری کے کنارے کرور کے بالمقابل پہنچ گیا تھا۔ لیکن جب وہ میسور پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا، اسے ترچناپلی کی مدافعت کے لیے طلب کر لیا گیا۔ اس لیے اپنا منصوبہ اسے منسوخ کرنا پڑا۔ ۱۴ دسمبر کو وہ ترچناپلی پہنچا اور سلطان کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا جو ہمیشہ اس سے چند منزل آگے ہی رہتا تھا۔ اس نے تیروا نا ملائی تک ٹیپو کا پیچھا کیا ہی تھا کہ اسے کارنوالس کا حکم ملا، جو ۱۲ دسمبر کو مدراس پہنچ گیا تھا، کہ وہ پریڈنسی واپس آجائے۔ چنانچہ میڈوز نے مدراس کی طرف کوچ کیا۔ وہ 27 جنوری کو ویلاٹ پہنچا، جہاں کارنوالس نے کمان سنبھال لی اس کے ساتھ ہی ٹیپو سلطان کے خلاف فوجی کارروائیوں کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا۔

ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف جنوب اور مشرق میں بڑی کامیابی حاصل کی لیکن اس کی فوجیں مغرب میں بہتر کارنامے نہ دکھا سکیں۔ ۱۰ دسمبر ۱۷۹۰ء کو اس کے کمانڈر حسین علی خان نے کالی کٹ کے نواح میں ترن گدی کے مقام پر کرنل ہارٹلے کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی، جس میں اس کے ایک ہزار آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے اور نو سو آدمی گرفتار ہوئے۔ انگریزوں کے صرف 50 آدمی کام آئے۔ فرار ہونے والوں کا فرخ کے غیر مکمل قلعے تک تعاقب کیا گیا جہاں دو روز بعد تقریباً پندرہ سو آدمیوں نے ہتھیار ڈال دیے لیکن قلعہ کا کمانڈر ودرہ تماس شیری کے راستے سے سرکاری خزانہ لے کر پسپا ہونے میں کامیاب ہو گیا[39]

دریں اثنا جنرل ابرکرومی، گورنر بمبئی، اس واقعہ سے چند روز پہلے ایک بڑی فوج کے ساتھ تل چری پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے اس نے کنانور کی طرف کوچ کیا۔ انگریزوں نے بی بی سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انہیں کنانور کے قلعے میں فوجیں بھیجنے کا حق تھا۔ لیکن یہ معاہدہ چونکہ شدید دباؤ سے مجبور ہو کر کیا گیا تھا، اس لیے بی بی نے انگریزی فوج کے بدلے

ٹیپو کی فوجوں کو قلعے میں داخل کر لیا جب وہ کنانور پہنچیں۔ انگریزوں نے بی بی کے اس اقدام کو معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا۔[40] چنانچہ ابرکرومبی نے کنانور زیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۴ دسمبر کو وہ آگے بڑھا اور ۱۷ کو اس پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ میں جو پانچ ہزار آدمی تھے انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔ میسوری فوجوں اور اس کے حلیفوں کی ان شکستوں کی وجہ سے برطانیہ کو مالابار میں بالادستی حاصل ہو گئی۔[41]

جہاں تک مرکزی محاذِ جنگ کا تعلق ہے، مالابار میں میسوریوں کی شکست کے باوجود جنگ کی پہلی منزل میں کامیابی کا پلہ ٹیپو کے حق میں رہا تھا۔ اس کے مختلف اسباب تھے پہلے بات تو یہ تھی کہ ٹیپو کی سوار فوج انگریزی سوار فوج سے بہتر و برتر تھی اور گو اس کے توپ خانوں نے دشمن کے توپ خانوں کے مقابلے میں زیادہ کارکردگی نہیں دکھائی، لیکن وہ تعداد میں ان سے زیادہ تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نقل و حمل کے ذرائع میں ٹیپو کو انگریزوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس کے پاس ایک لاکھ چالیس ہزار بیل تھے اور بارہ سو خچر تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی پیادہ فوج انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی مضبوط نہیں تھی لیکن اس نے کسی جگہ جم کر لڑنے سے گریز نہیں کیا۔[42] اس کے تیز مارچوں اور جوابی مارچوں نے انگریز کمان داروں کو پریشان کر دیا تھا جنھوں نے اس پر جھپٹنے کی کوششیں کی تھیں اس نے انگریزی فوج کو بے حد جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ اس نے میڈوز کے میسور پر حملہ کرنے کے منصوبے ہی کو ناکام نہیں بنایا تھا، بلکہ کرناٹک پر حملہ کر کے مدافعانہ جنگ کو ایک جارحانہ جنگ میں بدل دیا۔ اس نے ایک ماہر جنرل اور فوجی شاطر کی حیثیت سے یقیناً اپنا تفوق ثابت کر دیا تھا۔ کارنوالس نے بھی جو ٹیپو کے ہاتھوں انگریزوں کی شکست کو تسلیم کرنا پسند نہیں کرتا تھا، یہ مانا ہے کہ "ہم نے قیمتی وقت ضائع کیا اور ہمارے حریف نے شہرت حاصل کی۔ یہی دونوں باتیں جنگ میں سب سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔"[43]

(باب 13 کے حاشیے)

1. Beveridge, History of India, vol. ii, P. 587
2. Mackenzie, vol. i, P. 116 footnote, Floyd to Stuart, Sept. 21, 1790.
3. Wilks, vol. ii, PP. 385-86; Fortescue, vol. iii, P. 560.
4. Wilks, vol. ii, P. 386
5. Mackenzie, vol. i, PP. 74-8
6. Mack. MSS., I.O., No. 46, P. 146
7. Fortescue, vol. iii, P. 561; Wilson, vol. ii, P. 194
8. Wilks, vol. ii, PP. 391-2.
9. N.A., Pol. Pro., Oct. 13, 1790, Cons. No. 9
10. Mackenzie, vol. i, P. 103; Gleig, Munro, vol. i, P. 95
11. Fortescue, vol. iii, P. 561
12. Wilson, vol. ii, P. 194
13. Ibid., PP. 194-5; Wilks, vol. ii, PP. 392-3; A.N., C[2] 240, de fresne to de Vaivre, 27 July, 1790, No. 15
14. Wilson, vol. ii, P. 195; Fortescue, vol. iii, P. 562
15. Wilks, vol. ii, PP. 394-6
16. Fortescue, vol. iii, P. 563; Gleig, Munro, vol. i, P. 98
17. Wilks, vol. ii, PP. 396-7.
18. تاریخ ٹیپو، 100ب، 101 الف۔ مآثر خانی، و 68ب۔
19. Mackenzie, vol. i, P. 119, Footnote; Wilson, vol. ii, P. 196.
20. Ibid., PP. 120-21
21. Wilks, vol. ii, PP. 394-6

Fortescue, vol. iii, P. 564; Gleig, Munro, .22
vol. i, P. 999.

Mackenzie, vol. i, P. 124 .23

Wilks, vol. ii, P. 402 .24

Wilks, vol. ii, PP. 402–3; Wilson, vol. ii, PP. 197–8 .25

Ibid., PP. 199–200 .26

P.R.C., vol. iii, No. 164 .27

Wilks, vol. ii, P. 407 .28

Gleig, Munro, vol. i, P. 103 .29

Wilks, vol. ii, PP. 407–8 .30

Ibid., PP. 404, 408 .31

Mackenzie, vol. i, PP. 173–4 .32

Ibid., P. 175 .33

Ibid., P. 174 .34

Ibid., PP. 176–8 .35

Wilks, vol. ii, P. 411 .36

Ibid., P. 411, 414–15; Fortescue, vol. iii, PP. 567–8 .37

A.N., C[2] 295, de Fresne to Minister, Feb. 16, 1791, .78
No. 31.

Ibid., P. 418; Cadell, History of the Bombay Army, .39
P. 119.

Pol. Pro., Dec. 24, 1790, Cons. Nos. 22, 23. .40

Cadell, History of the Bombay Army, P. 120 .41

A.N., C[2] 240, de Fresne to Minister, July 27, 1790 .42

Ross, Cornwallis, vol. ii, P. 51. .43

چودھواں باب

جنگ ــــ دوسرا منظر

میسور پر حملہ:

کمپنی کی جنگی مہم کے منصوبے کی ناکامی نے اور ان نقصانات نے جو اس انگریزی فوج کو اٹھانے پڑے تھے ـــ جو "اعلا ترین تھی، بہترین ساز و سامان سے لیس تھی اور جس سے بہتر کوئی فوج ہندوستان کے کسی میدان میں نہیں اتری تھی[1]" ـــ لارڈ کارنوالس کو بوکھلا دیا۔ میڈوز نے شکست کھائی اور کرناٹک ٹیپو کے رحم و کرم پر تھا۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی تھا کہ مرہٹے اور نظام اتحاد کے معاہدے سے علاحدہ ہو کر کہیں میسوریوں سے نہ مل جائیں کیوں کہ کمپنی کی فوجی کارروائیوں کی ناکامی سے انھیں مایوسی ہوئی تھی۔ کارنوالس نے دیکھا کہ "پچھلے دنوں ہماری فوج کے خلاف ٹیپو کی کوششیں اس قدر جاندار اور کچھ حد تک کامیاب رہی ہیں۔۔۔ کہ اس خطرناک پڑوسی کو زیر کرنے کے لیے ہمیں اپنی پوری قوت کو حرکت میں لانے کی ضرورت ہے[2]" اس لیے اس نے جنگ کی خود رہنمائی کرنے کی اپنی پہلی تجویز پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ میدانِ جنگ میں اس کی موجودگی نہ صرف انگریزی فوج کا دل بڑھائے گی بلکہ نظام اور مرہٹوں میں بھی سرگرم عمل ہونے کا جوش پیدا ہوگا۔

کارنوالس میڈوز کے میسور پر حملہ کرنے کے منصوبے کے خلاف تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ مدراس کو فوجی کارروائیوں کی رہنمائی کا بنیادی مرکز بننا چاہیے اور یہ کہ میسور پر حملہ شمال مشرق کی طرف سے نہیں بلکہ جنوب کی طرف سے ہونا چاہیے[3]۔ اس نے ولاوٹ سے 5 فروری کو مارچ کیا اور ۱۱ فروری کو ویلور پہنچا۔ وہاں سے یکایک داہنی جانب مڑا اور چتوڑ پہنچ کر 19 تاریخ کو مغرب کی طرف سے میسور میں داخل ہوگیا۔ اس دوران اس نے ایک گولی بھی نہیں چلائی۔ اگلے دن اس نے پلمانیر پر پڑاؤ ڈالا[4]۔

اس مہم کی کامیابی کا سبب نقل و حرکت کی وہ رازداری تھی جو کارنوالس نے برتی تھی۔ اس کے علاوہ پانڈی چری میں ٹیپو کی طویل بے عملی نے اور اس کے اس یقین نے کہ وہ جب تک کرناٹک میں ہے اس وقت تک انگریز میسور پر

حملہ نہیں کریں گے کارنوالس کو اس پر سبقت لے جانے کا موقع دے دیا[5]۔ بہر طور جب ٹیپو کو یقین تھا کہ کارنوالس کا میسور پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے تو اس نے سوچا کہ یہ حملہ امبور یا بارہ محال کے آسان گزار درّے کے راستے سے کیا جائے گا۔ یہی گمان ان مظاہروں سے بھی ہوتا تھا جو کمپنی نے اپنی کچھ فوجوں کو درّوں کی طرف بھیج کر کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ٹیپو نے سنا کہ کارنوالس ویلور کی جانب مارچ کر رہا ہے تو وہ پانڈی چری سے روانہ ہوا اور انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے، چنگاما اور پالکاڈ کے درّوں سے گزرتا ہوا، بہ سرعت تمام میسور پہنچ گیا۔ لیکن کارنوالس یہ تاثر دے کر کہ وہ امبور کی جانب جا رہا ہے، ٹیپو کو مغالطے میں ڈالنے میں کامیاب ہو گیا اور درّہ موگالی کے دور دراز راستے سے میسور میں داخل ہو گیا۔ ٹیپو کو اس فریب کا علم اس وقت ہوا، جب انگریز میسور کی سرزمین پر قدم جما چکے تھے[6]۔ اس خیال سے کہ کارنوالس بنگلور پر چڑھائی کرے گا، ٹیپو اس طرف روانہ ہوا تاکہ اس کی مدافعت کا انتظام، انگریزوں کے پہنچنے سے پہلے کر لے۔ 3 رمارچ کو بنگلور پہنچ کر اس نے وہاں کے کمان دار سید پیر کو اور ایک دوسرے افسر راجا رام چندر کو سازش کے الزام میں قید کر دیا اور کرشن گری کے فوج دار کو قلعہ کا کمان دار اور محمد خان بخشی اور سید حامد کو وہاں کے دفاعی امور میں اس کا معاون مقرر کیا۔ یہ انتظامات کرنے کے بعد دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے وہ بڑھا[7]۔

دریں اثنا کارنوالس بنگلور کی طرف بڑھتا رہا۔ 28 رفروری کو اس نے کولار پر اور 2 رمارچ کو ہوسکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ ان مقامات پر سوائے چند توڑے دار بندوقچیوں کے کوئی حفاظتی فوج موجود نہیں تھی۔ ان بندوقچیوں نے پہلے ہی حکم پر اطاعت قبول کر لی۔

اب تک انگریزوں کو کسی مزاحمت کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا، سوائے اس کے کہ بے قاعدہ سوار فوج ان کے میمنہ و میسرہ اور عقب کو پریشان کرتے رہے۔ وہ ان کے بیل اٹھا لے جاتے اور سامان اور پیچھے رہ جانے والوں پر حملہ کرتے تھے اور جس راستے سے انگریزی فوج گزرتی وہاں کی کھیتی باڑی کو برباد کر دیتے تھے تاکہ فوجی ضروریات کے فراہم کرنے میں انھیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے[8]۔ تاہم جب کارنوالس بنگلور سے دس میل دور رہ گیا، تو ٹیپو کی سوار فوج کے کچھ آدمی نمودار ہوئے، جنھوں نے 5 رمارچ کی صبح کو انگریزی فوج کے سامان پر حملہ کر کے اور گولہ باری کر کے کچھ مزاحمت کی، لیکن آگے بڑھنے سے انھیں روک نہیں سکے۔ شام تک انگریزی فوج بنگلور پہنچنے میں کامیاب ہو گئی اور اس کے صرف دس آدمی مارے گئے[9]۔

6 رمارچ کی شام کو فلائڈ اپنی پوری سوار فوج کے ساتھ قلعہ کے مشرقی حصے کی قراولی کرتے ہوئے[10] ایک ہزار میسوری سواروں کے دستے سے دوچار ہوا، جو بالاجی راؤ کے زیر کمان تھا اور جسے ٹیپو نے فلائڈ کے مقابلے ہی کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے تو میسوری جمے رہے، لیکن انگریزی فوج چوں کہ تعداد میں زیادہ تھی اس لیے میسوریوں کو بالآخر پسپا ہونا

پڑا۔ ان کا تعاقب کرتے ہوئے فلائڈ کو ایک مرتفع مقام سے ٹیپو کی اس فوج کا پچھلا حصہ نظر آیا جو اسی وقت آئی تھی اور قلعہ کے جنوب مغرب میں پڑاؤ ڈال رہی تھی۔ کارنوالس نے اگرچہ اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ کوئی معرکہ شروع نہ کرے، لیکن حریف پر بہ آسانی حملہ کر کے اسے نقصان پہنچانے کی توقع نے اسے اکسایا[11] پہلے تو وہ کامیاب بھی ہوا میسوری جو یا تو کھانا پکا رہے تھے یا آرام کر رہے تھے، اس حملے سے درہم برہم ہو گئے۔ لیکن بہت جلد مجتمع ہو کر انھوں نے انگریزوں پر جوابی حملہ کر دیا۔ فلائڈ کے چہرے پر بھی ایک زخم آیا اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ لیکن اس کے آدمی، جو چار سو آدمیوں کے قتل ہونے کے بعد تیزی سے بھاگ رہے تھے، اسے اٹھا کر لے گئے[12] تقریباً ایک سو آدمی قید کر لیے گئے، لیکن ٹیپو نے ان کی مرہم پٹی کرا کے اور ان میں سے ہر شخص کو کپڑے کا ایک ایک ٹکڑا اور ایک ایک روپیہ دے کر واپس کر دیا[13] انگریزی فوجوں کا بڑا نقصان ہوتا اگر رات کے اندھیرے نے انھیں چھپائے نہ رکھا ہوتا اور انھیں بھاگنے کا موقع نہ دے دیا ہوتا[14] فلائڈ نے جو زخم کھایا تھا وہ بھی زحمت کے پردے میں رحمت ثابت ہوا، جیسا کہ منرو نے لکھا ہے: "اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ اتنا آگے بڑھ گیا ہوتا کہ وہ اپنے کو پھر نکال نہ سکتا، کیوں کہ اس جگہ دشمن بڑی مضبوطی سے جما ہوا تھا اور بہترین سوار فوج، جو تھوڑے ہی فاصلے پر تھی، ٹیپو کے زیر کمان بڑھی چلی آ رہی تھی[15]"

ٹیپو نے فلائڈ کے خلاف جنگ میں اگرچہ کامیابی حاصل کر لی تھی، تاہم اس جگہ قیام کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا، کیوں کہ اُسے شب خون کا اندیشہ تھا۔ اس لیے شہر کی حفاظت کے لیے دو ہزار فوج کو چھوڑ کر وہ کنگیری چلا گیا جو بنگلور کے جنوب مغرب میں نو میل کے فاصلے پر واقع ہے[16] دوسری طرف کارنوالس نے، جس کی فوجیں بڑا نقصان اٹھا چکی تھیں اور غلّے اور چارے کی کمیابی کی وجہ سے انھیں جو مشکل برداشت کرنی پڑ رہی تھی، اس کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا کہ اب وقت برباد نہ کرنا چاہیے بلکہ بنگلور پر حملہ کر دینا چاہیے، جس پر قبضہ ہو جانے کے بعد انگریزی فوج کو نہ صرف سامان رسد فراہم ہو سکے گا بلکہ اس کو قلعہ کے محاصرے کا ایک بہت اچھا موقع ہاتھ آ جائے گا[17]

بنگلور کا شہر قلعہ کے شمال میں واقع تھا۔ اس کی ساخت گول تھی اور اس کا دَور تین میل کا تھا۔ اس کی سڑکیں چوڑی اور بہت اچھی بنی ہوئی تھیں۔ ہندوستان میں کم شہر ایسے تھے جن کے مکانات اتنے خوب صورت اور جن کے باشندے اتنے خوش حال اور مال دار ہوں۔ شہر کے چاروں طرف سوا اس جانب کے، جدھر قلعہ اس کی حفاظت کر رہا تھا، ایک پچیس فٹ گہری خشک خندق تھی۔ خندق کے کنارے کنارے درختوں، بانسوں اور خاردار جھاڑیوں کا ایک گھنا جنگل تھا۔ شہر میں داخل ہونے کے لیے چار پھاٹک تھے اور چاروں طرف دفاع کا عمدہ انتظام تھا[18]

بنگلور کا قلعہ سولھویں صدی میں 'سُرخ سردار' کیپے گورے نے بنوایا تھا۔ یہ قلعہ ابتداءً مٹی کا تھا۔ لیکن اس کو حیدر اور ٹیپو نے ازسرِنو پتھر کا بنوایا تھا۔ اس کی شکل بیضوی تھی اور دَور ایک میل سے زیادہ کا تھا۔ اس

میں ایک بلند اور مضبوط دُمدمہ تھا۔ چھبیس برج تھے، اور ہر برج پر تین توپیں تھیں، پلنچ سوار۔ ایک گہری کھائی تھی، جس میں محاصرے کے وقت بہت کم پانی تھا۔ اس کے دو پھاٹک تھے، ایک کا نام میسور دروازہ تھا اور دوسرے کا دہلی دروازہ تھا، جو شہر کے بالمقابل تھا۔[19]

کارنوالس نے بنگلور کے شمال مشرق میں پڑاؤ کیا اور 7 مارچ کی صبح کو شہر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے شمال کی جانب کا پھاٹک حملے کا نشانہ بنا، جو بہت آسانی سے قابو میں آگیا اور برطانوی فوجیں آگے بڑھ گئیں۔ لیکن اندر کے پھاٹک پر انھیں زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جس کی مورچہ بندی پتھروں سے کی گئی تھی۔ اس لیے بھاری توپیں لائی گئیں اور پھاٹک پر بالآخر قابو حاصل کر لیا گیا۔ حملہ آور دمدمے پر بھی چڑھ گئے۔ محافظ فوج نے جم کر مزاحمت کی، لیکن انھیں بھی منتشر ہونا پڑا اور جس قدر بھی جلد ممکن تھا، وہ قلعے میں چلے گئے۔[20]

جب میسوری قلعے میں چلے گئے تو انگریزی فوجوں نے شہر کو لوٹا اور فوجوں نے عورتوں کی بے حرمتی کی اور بہت مال واسباب ان کے ہاتھ آیا۔ اگرچہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد محاصرے کے دوران اپنا سامان لے کر بھاگ گئی تھی تاہم انگریزی فوج کا شاید ہی کوئی سپاہی ایسا ہو جس کے ہاتھ سونے یا چاندی کا کوئی زیور اور نئے کپڑے نہ لگے ہوں۔[21] انگریزوں کے ہاتھ بڑی مقدار میں غلہ اور فوجی سامان بھی آیا، 125 توپیں بھی ملیں جن میں 25 ایسی تھیں جو فوراً کام میں لائی جاسکتی تھیں۔ شہر میں گولہ بارود کی ایک بڑی فیکٹری بھی تھی اور توپیں ڈھالنے کا کارخانہ بھی۔ فوجیوں کی ضروریات کا سامان تیار کرنے کا ایک کارخانہ بھی تھا۔ مختلف قسم کی قرابینیں تیار کرنے والی ایک مشین بھی ملی جس کا نقشہ فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا سے نقل کیا گیا تھا۔ یہ سب چیزیں انگریزوں کے ہاتھ آئیں[22] لیکن انھیں چارہ بہت تھوڑا ملا کیوں کہ میسوریوں نے چارے کے گودام کو آگ لگا دی تھی۔[23]

ٹیپو کو شہر کے ہاتھ سے نکل جانے کا رنج بھی ہوا اور تعجب بھی۔ وہ کنگیری سے بڑھا تاکہ اس کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کرے۔ 7 مارچ کی سہ پہر کو اس کی فوج کے ایک حصّے نے انگریزی فوج کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لیے فوجی مظاہرہ کیا اور اسی دوران میں چھ ہزار پیدل فوج، قمرالدین خاں کے زیر کمان، خفیہ طور پر شہر میں داخل ہوگئیں۔ لیکن کارنوالس اس چال کو سمجھ گیا اور اس نے شہر کو اور زیادہ مستحکم بنالیا۔ اس کے باوجود ٹیپو کی فوجیں بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑیں لیکن آخر میں وہ پیچھے ہٹ کر اپنے کیمپ میں چلی گئیں۔ ان کے تین سو سے پانچ سو تک آدمی ہلاک ہوئے۔ انگریزوں کے صرف 131 آدمی کام آئے۔[24]

شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد قلعہ کا محاصرہ شروع ہوا اور دیواروں میں رخنے ڈالنے کے لیے گولہ باری کی جانے

گی۔ 18 مارچ کو ایک رخنہ پڑ گیا اور 20 مارچ کو گولہ باری نے اسے چوڑا کر دیا۔ لیکن اس دوران میں انگریزی فوج کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ سامانِ رسد کی انتہائی کمی تھی۔ چارہ جو شہر میں دستیاب ہوا تھا، وہ مہینے کے وسط تک ختم ہو چکا تھا اور بیل سینکڑوں کی تعداد میں روزانہ مر رہے تھے۔ اس کے علاوہ دو توپیں بالکل بے کار ہو گئی تھیں اور گولہ بارود بہت کم ہوتا جا رہا تھا۔ اسی لیے کارنوالس نے قلعہ پر ہلہ بول دینے کا فیصلہ کیا، کیوں کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ مہلک ثابت ہوگا۔[25] ایک اور سبب بھی تھا، جس نے فوری حملے پر مجبور کر دیا۔ انگریزی فوجوں نے گو محاصرہ کیا تھا، مگر حقیقتاً وہ خود محصور ہو گئی تھیں اور وہ قلعہ کی محافظ فوج اور ٹیپو کی فوج کی زد میں تھی، جس کی نقل و حرکت روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ 21 مارچ کو صبح سویرے ٹیپو نے اپنی فوجیں قلعہ کے جنوب مغرب میں ایک بلند مقام پر کھڑی کر دیں تاکہ وہ ان توپوں کی حفاظت کریں جو انگریزی فوج پر گولہ باری کے لیے لائی گئی تھیں۔ اس لیے کارنوالس اس طرح بڑھا جیسے وہ ٹیپو پر حملہ کرے گا۔ اس پر ٹیپو نے اپنی توپیں پیچھے ہٹا لیں، مگر شام کو وہ پھر واپس لے آئی گئیں۔ اس سے کارنوالس گھبرا گیا کیوں کہ سلطان جس مقام پر مسلط تھا وہاں سے رخنے کی حفاظت کی جا سکتی تھی۔[26] اس کے علاوہ کرشنا راؤ نے جو ٹیپو کا ہمراز تھا، کارنوالس کو بتایا تھا کہ میسوری انگریزوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اسی بات نے اسے 21 مارچ کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا کہ قلعہ پر ٹیپو کے منصوبے کے عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے حملہ کر دینا چاہیے۔ حملے کی تیاریاں اس قدر خفیہ طور پر کی گئیں کہ انگریزی فوجوں تک کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ حملہ کا ٹھیک وقت کرشنا راؤ کی رائے کے مطابق مقرر کیا گیا، جس نے حملے کے وقت شگاف پر پہرہ دینے والوں کی تعداد کم کرا دی۔[27] نتیجہ یہ ہوا کہ جب حملہ کیا گیا تو میسوری اس اچانک حملے سے گھبرا گئے۔[28] اسی دوران میں انگریزوں نے ایک ہیر پھیر کا راستہ معلوم کر لیا جہاں سے چند آدمی اس دمدمے پر چڑھ گئے جہاں کسی بھی مزاحمت کی توقع نہیں تھی۔ پھر ان سے اور آدمی جا کر مل گئے اور سب نے مل کر حفاظتی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس کے باوجود حفاظتی فوج نے بڑی بہادری کے ساتھ مدافعت کی۔ کمیدان نے خود بھی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن جب وہ مارا گیا تو مدافعت ختم ہو گئی۔ ٹیپو نے حفاظتی فوج کی مدد کے لیے دو ہزار منتخب فوج بھیجی تھی، لیکن یہ فوج بہت دیر میں پہنچی اور نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گئی۔[29] انگریزوں کے مجروحین اور مقتولین کی تعداد اس روز 131 تھی لیکن میسوریوں کے ایک ہزار سے زیادہ آدمی کام آئے۔[30] شیخ انصار اور سیواجی تقریباً 300 آدمیوں کے ساتھ، جو قریب قریب سب زخمی تھے، گرفتار کر لیے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔[31]

بنگلور کے ہاتھ سے نکل جانے سے ٹیپو کو بڑا دھچکا لگا۔ کیوں کہ وہ اس کی سلطنت کا دوسرا سب سے بڑا شہر اور اس کے نزدیک ناقابلِ تسخیر تھا۔ اس کے ہاتھ سے نکل جانے سے اور بہادر خاں کے مارے جانے سے جو اس کے نہایت وفادار افسروں میں تھا، ٹیپو اس قدر متاثر ہوا کہ وہ رو پڑا۔[32] بہادر خاں "ایک طویل قامت، تقریباً

ستر سال کی عمر کا تھا۔ اس کی سفید داڑھی اس کی ناف تک لٹکی رہتی تھی اور مجموعی طور پر وہ ان شاندار ہستیوں میں تھا جن کو دیکھ کر پیراور پیغمبروں کا تصور ذہن میں آجاتا ہے[33] کارنوالس اس کے چہرے کے نور اور اس کی بہادری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی لاش کو کفنانے دفنانے کے لیے سلطان کو بھیجنے کی پیش کش کی، لیکن سلطان نے گورنر جنرل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ بہادر خاں کی لاش بنگلور کے مسلمانوں کے سپرد کر دینی چاہیے جو اس کو مسلمانوں کے رسم و رواج کے مطابق کسی بزرگ کے مزار مبارک کے سایے میں دفن کر دیں گے[34]

بنگلور کے محاصرے کے دوران ٹیپو کی حکمت عملی یہ رہی تھی کہ عام مقابلے سے گریز کیا جائے اور انگریزوں پر صرف اس وقت حملہ کیا جائے جب ان کی قوت مدافعت کمزور ہو جائے۔ یہ اس طرح کیا جاتا تھا کہ ان کے اتحادیوں کے ساتھ اور کرناٹک سے ان کا مواصلات کا سلسلہ توڑ دیا جاتا تھا اور قرب و جوار کے دیہات تباہ کر دیے جاتے تاکہ ان کو ضرورت کا سامان نہ مل سکے۔ یہ کام متواتر گولہ باری کر کے اور ہوائیاں چھوڑ کر انجام دیا جاتا تھا اور ان کا سامان و اسباب لوٹ لیا جاتا تھا تاکہ وہ پریشان ہوں اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو۔ اس جوڑ توڑ اور داؤ پیچ سے بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ انگریزی فوج کرناٹک سے اور اپنے اتحادیوں سے بالکل کٹ گئی۔ چارے کی غلے کی اور گولہ بارود کی بہت کمی تھی اور سینکڑوں مویشی روز مر رہے تھے۔ انگریزی سوار فوج اپنے حلقے سے نکل کر میسوری سواروں کے امنڈتے ہوئے ہجوم کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ بنگلور کی شکست کے بعد کارنوالس نے لکھا کہ "ایک مستعد اور قوی دشمن کے مقابلے میں محاصرے کو جاری رکھ کر فوج بہت تھک گئی ہے اور اس نے بڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں اور چارے کی مصیبت نے تو قریب قریب مہم کو ناکام بنا دیا تھا۔ یہ مصیبت اس پر قبضہ ہونے کے بعد دور ہوئی[35] اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ انگریزی فوج کی حالت اتنی خطرناک تھی کہ اگر کرشنا راؤ ان کی مدد کے لیے نہ آجاتا تو جلد یا بدیر میسوری ان پر غالب آجاتے۔

معاصر بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کرشنا راؤ کچھ عرصے سے سلطان کے خلاف سازباز کر رہا تھا اور ترمولا راؤ کی پارٹی سے اس کا قریبی تعلق پیدا ہو گیا تھا، جو میسور کے قدیم حکمراں خانوادے کے اقتدار کو بحال کرانے کا خواہش مند تھا۔ بنگلور کی شکست کے بعد ایک خط راستے میں پکڑا گیا جس سے ثابت ہوا کہ کرشنا راؤ انگریزوں اور مرہٹوں سے ٹیپو کے خلاف، ملا ہوا تھا۔ چناں چہ کرشنا راؤ کو سزا دینے کے لیے سید صاحب کو بنگلور بھیجا گیا، جہاں وہ موجود تھا۔ دارالحکومت پہنچ کر سید صاحب نے کرشنا راؤ اور اس کے تین بھائیوں کو قتل کر دیا۔ یہ بھائی بھی سازش میں شریک تھے[36]

رخنوں کی مرمت کرانے اور ردِ انقلاب کے امکانات کے سدِ باب کا انتظام کرنے کے بعد کارنوالس 28 مارچ

کو شمال کی جانب بڑھا تاکہ نظام کی اس سوار فوج سے جا ملے جو آدمی، روپے اور اس کی فوج کے لیے رسد لا رہی تھی۔
اسی دن ٹیپو نے مغرب کی سمت دودبالاپور کی جانب کوچ کیا۔ بنگلور سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ ٹیپو کی فوج کا دنبالہ یا پچھلا حصہ انگریزی فوج کے اگلے حصے کے مقابل تھا۔ لیکن انگریز اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے اور سلطان کامیابی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنی ایک بیتل کی توپ چھوڑ گیا' جس کی گاڑی ٹوٹ گئی تھی، اس لیے وہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔ ٹیپو نے دودبالاپور کے قریب اپنی فوج کو منظم کیا اور نظام کی فوج کو روکنے کے لیے سیوگنگا کی طرف بڑھا جو کارنوالس سے جا ملنا چاہتی تھی۔[37]

دریں اثنا کارنوالس نے کوچ جاری رکھی اور راستے میں دیوان ہلی اور چک بالاپور کے چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرتا گیا۔ ان قلعوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کرلی۔ بعد میں چک بالاپور کو اس کے پرانے پالیگار کے حوالے کردیا گیا، لیکن ٹیپو کی بھیجی ہوئی فوجوں نے ناگہانی حملہ کرکے اور سیڑھیوں سے چڑھ کر اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور بہت سے پالیگاروں کو بغاوت کے الزام میں قتل کردیا گیا۔[38]

15 اپریل تک کارنوالس اگرچہ بنگلور کے شمال میں تقریباً ستر میل تک پہنچ گیا تھا، لیکن نظام کی فوج کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی بڑی وجہ ٹیپو کا مؤثر جاسوسی نظام تھا، جس نے غلط خبریں پھیلا کر اتحادی فوجوں کے مابین رابطہ توڑ دیا تھا۔ کارنوالس پانچ دن تک بے حرکت پڑا رہا۔ اس کے بعد نظام کی فوج سے ملنے کی اُمید ترک کرکے وہ اس انگریز فوجی دستے سے مل جانے کی توقع پر جنوب کی طرف بڑھا، جو کرناٹک سے اولڈہم کی ماتحتی میں درۂ انبور کے راستے سے آرہا تھا۔ لیکن ایک دن تک پیچھے کی طرف کوچ کرنے کے بعد اسے تازہ اطلاعات موصول ہوئیں، جن کی روشنی میں اس نے پھر شمال کی طرف حرکت کی۔ دو روز تک مارچ کرنے کے بعد 13 اپریل کو وہ کوٹاپلی کے مقام پر، جو بنگلور کے شمال میں 84 میل کے فاصلے پر تھا، نظام کی فوج سے مل گیا۔ نظام کی فوج میں نام کو تو پندرہ ہزار آدمی تھے، لیکن حقیقتاً اس میں صرف دس ہزار عمدہ سوار تھے۔ 14 اپریل متحدہ فوجیں کوٹاپلی سے انگریزی دستے کی طرف بڑھیں، جس سے وہ 19 تاریخ کو وینکٹا گری میں مل گئیں۔ یہ دستہ بڑی مقدار میں رسد اور سامانِ جنگ کے علاوہ سات سو یورپین اور ساڑھے چار ہزار ہندوستانی فوج اپنے ساتھ لایا تھا، جس میں ساڑھے چار سو سوار فوج بھی شامل تھی۔ ٹیپو نے اس انگریزی دستے پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے بعد متحدہ فوجیں بنگلور واپس آگئیں تاکہ وہ سرنگاپٹم پر حملے کی تیاریاں شروع کریں۔[39]

نظام اور مرہٹوں کی نقل و حرکت :

جس وقت انگریزی فوجیں کوئمبٹور اور بارہ محال میں برسرِ پیکار تھیں، نظام اور مرہٹوں کی فوجیں سلطنتِ میسور کے دوسرے حصوں میں جنگ آزما ہو رہی تھیں۔ ان کی فوجی نقل و حرکت پہلے سست تھی، کیوں کہ نظام کی جنگی تیاریاں ابھی نامکمل تھیں[40] مرہٹے پونہ میں ٹیپو کے وکیلوں سے روپیہ وصول کرنے میں مصروف تھے۔ اس کے علاوہ جنرل میڈوز کی ماتحتی میں انگریزی مہم نے نظام اور مرہٹوں پر ناساز گار اثر ڈالا تھا۔ اصل میں انگریزوں کو جو زک اٹھانی پڑی تھیں انھوں نے مرہٹوں اور نظام کو متوحش کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ تاخیر اور تعویق اور لیت و لعل سے کام لے رہے تھے کیوں کہ، بہ قول کیناوے وہ چاہتے تھے کہ " ہماری کامیابی سے فائدہ اٹھائیں اور اسی کے ساتھ ٹیپو کے ساتھ جنگ کرنے سے اس حد تک دامن بچائیں کہ اس سے صلح کی گفتگو کا راستہ کھلا رہے[41]" ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اس جنگ میں دل و جان سے کودنے سے پہلے وہ یہ دیکھ لیں کہ بنگلور پر لارڈ کارنوالس کی مہم کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ مزید براں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ٹیپو اور انگریز تو جنگ میں اپنی ساری طاقت کھپا دیں اور وہ خود اپنی قوت کو محفوظ رکھیں۔ اس طرح سے توازن کا پلہ ان کے ہاتھ میں رہے گا، کیونکہ وہ آخر میں میدان میں آئیں گے[42] بہر کیف، کارنوالس کی متواتر اپیلوں اور احتجاجوں کے بعد انھوں نے جنگ میں زیادہ مستعدی سے حصہ لینا شروع کیا۔ ان کے سرگرم عمل ہونے کی پشت پر یہ خوف بھی کار فرما تھا کہ انگریز اُن سے مشورہ کیے بغیر اس خیال سے کہیں دشمن سے مصالحت نہ کر لیں کہ ان کے حلیف مستعدی و سرگرمی سے جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہیں[43] اس طرح کی صورتِ حال ان کے لیے شدید خطرات کی حامل ہو سکتی تھی، کیوں کہ اس صورت میں وہ ٹیپو کے رحم و کرم پر رہ جاتے۔ اب انھیں یہ خطرہ بھی محسوس ہونے لگا تھا، جیسا کہ نظام نے پیشوا کو لکھا تھا، کہ انگریزوں سے اتحاد کے جس رشتہ میں "حالات نے، خوش قسمتی سے، ہمیں منسلک کر دیا ہے، اس سے متمتع ہونے سے پہلے، ہی وہ اتحاد کہیں تحلیل نہ ہو جائے۔" چناں چہ نظام نے نانا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ انھیں پوری مستعدی سے جنگ میں حصہ لینا چاہیے اور رشتہ و اتحاد کو مضبوط تر کرنے کے لیے، نیز انگریزوں کے شکوک کو رفع کرنے کے لیے، خود نانا کو پونا سے نکل کر بنفس نفیس مہموں کی کمان سنبھالنی چاہیے[44] ان معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے ہری پت نے پیشوا کے نمائندے کی حیثیت سے، وسط مارچ 1791 میں، نظام سے پنگل میں ملاقات کی اور یہ طے پایا کہ " نظام اور پیشوا دونوں انگریزوں سے معاہدے کی دفعات کی پابندی کریں، لیکن اسی حد تک کہ ٹیپو کو نیچا تو دکھا دیا جائے، لیکن اس کا ایک سر صفایا نہ ہو[45]" نظام اور مرہٹے اس حقیقت سے واقف تھے کہ صرف ٹیپو ہی کی طاقت ہندوستان میں انگریزوں کے عزائم کی تکمیل کی راہیں روک سکتی ہے۔ اسی کے پیش نظر وہ چاہتے تھے کہ ٹیپو کم زور تو ضرور ہو جائے مگر ختم نہ ہو۔

مئی 1790 میں نظام کی فوجیں حیدرآباد کے نواح میں جمع ہونے لگیں، اور معاہدے کی شرائط کے مطابق، اوائل جون میں انگریزی فوج کا ایک دستہ، جو میجر مانٹگمری کی کمان میں تھا، نظام کی فوج سے آملا۔ لیکن یہ انگریزی دستہ، خود کارنوالس کے اعتراف کے مطابق، "ہمارے فوجی محکمے کے لیے باعث عار تھا" اور "تعداد، ڈسپلن اور سازوسامان کے اعتبار سے نظام کو وہ مدد پہنچانے سے قاصر رہا، جس کا کمپنی سے معاہدے کی رو سے وہ مستحق تھا۔"[46] بہرکیف یہ مشترکہ فوج پنگل کی طرف بڑھی، جسے فوجی ہیڈکوارٹر قرار دیا گیا تھا۔ مہم کی نگرانی کے لیے نظام اس جگہ خیمہ زن ہوگیا۔ اس کی فوج 13 جولائی کو مہابت جنگ کی سرکردگی میں دریائے کرشنا کو عبور کرکے رائچور کی طرف بڑھی۔ وہاں چھ ہفتے تک وہ مقیم رہی، تاآں کہ یہ خبر نہ آگئی کہ ٹیپو اوائل ستمبر میں کوئمبٹور کی طرف کوچ کرچکا ہے۔ اب مزاحمت کا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا، اس لیے یہ فوج ٹیپو کی مملکت کی حدود میں داخل ہوگئی مختلف مقامات پر راستے کی چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر اس نے قبضہ کرلیا، جنھوں نے بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد مرکزی فوج تو 28 اکتوبر کو کوپل کا محاصرہ کرکے وہیں جم گئی[47] اور باقی فوج گنجی کوٹہ، سدھوٹ، کُم بُم اور دوسرے مقامات پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھ گئی۔

اس مہم کے لیے نظام کی فوج کا جو منصوبہ تھا، وہ انگریزوں اور مرہٹوں کی خواہش سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ نظام چوں کہ کُم بُم اور کڑپہ کے علاقوں پر جلد سے جلد قبضہ کرنے کے لیے بے تاب تھا، اسی لیے "کُم بُم کڑپہ" کا راستہ اس نے اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس، اس کے حلیفوں کی، خصوصاً مرہٹوں کی، خواہش تھی کہ میسور پر حملے کے لیے وہ "مرکزی راستہ" اختیار کرے، تاکہ اس کی فوج مرہٹوں سے مل جائے، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک دوسرے سے مدد حاصل کریں۔[48] ٹیپو کی فوج کی تنظیم اور سازوسامان نیز اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے یہ ضروری سمجھا گیا کہ نظام اور مرہٹے مشترکہ اقدام کریں، کیوں کہ "اگر ٹیپو پوری طاقت سے آگے بڑھا تو ان میں سے کسی کی فوج بھی اس کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے گی۔"[49] لیکن نظام "مرکزی راستہ" اختیار کرنے کے خلاف تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس راستے میں گوٹی، بلاری اور سری کے مضبوط قلعے تھے، جن کا سر کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔[50] اس کے علاوہ نظام کو یہ دھڑکا بھی لگا تھا کہ ہری پنت کہیں اس کی پیٹھ میں اسی طرح چھرا نہ گھونپ دے جس طرح ہولکر نے مرہٹہ میسور کی جنگ میں کیا تھا[51] لیکن اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی فوجوں کو براہ راست ادونی بھیجنے اور مرہٹہ فوج کے قرب وجوار میں فوجی کارروائیاں کرنے سے وہ اس خیال سے ڈر رہا تھا کہ مرہٹے کہیں مداخلت نہ کریں اور ان فتوحات میں حصہ نہ بٹائیں جو اس کی فوج نے حاصل کی تھیں۔[52] نظام کی فوج جو کوپل کا محاصرہ کیے ہوئے تھی، جلد ہی شہر پر تو قابض ہوگئی، لیکن قلعہ کو فتح کرنے سے قاصر رہی۔ اس قلعے کی کمان ایک جری افسر، ناناجی راؤ سالوں کھے[53] کے ہاتھ میں تھی اور یہ ایک بلند اور سیدھی چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس

کے استحکامات بھی نہایت مضبوط تھے۔ ابتدا میں گولہ باری اس درجہ بے اثر رہی کہ قلعہ کی دیواروں میں شگاف بھی نہ پڑسکا۔ یہ نتیجہ تھا توپوں کی خرابی کا اور گولہ بارود کی کمی کا۔[54] توپیں حقیقتاً اس درجہ خراب تھیں کہ ایک ہفتہ کی گولہ باری کے بعد وہ ناکارہ ہوگئیں۔ اور مرمّت کا سامان بھی چوں کہ ناپید تھا اس لیے وہ دوبارہ کام کرنے کے قابل نہ ہوسکیں۔[55] لیکن وسطِ جنوری میں رائچور اور پنگل سے نئی توپ گاڑیاں آگئیں اور بالآخر قلعہ کی دیوار میں ایک شگاف پڑ گیا لیکن محاصرہ کرنے والوں کے لیے وہ بھی مفید ثابت نہیں ہوسکا، کیوں کہ چٹان کے بلند اور ڈھلواں ہونے کی وجہ سے قلعہ کی دیوار تک پہنچنا بہت دشوار تھا۔ دوسری طرف محصورین کے حوصلے بہت بلند تھے۔ دشمن کو پریشان کرنے کے لیے وہ قلعہ سے نکل کر کبھی کبھی ان پر حملے بھی کردیا کرتے تھے۔ ان کی تاب مقاومت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کناوے نے 8 مارچ 1791 کو کارنوالس کو لکھا کہ "مجھے شبہ ہے کہ طاقت کے بل پر کوپل پر قبضہ کرلینا ہمارے لیے ممکن نہ ہوسکے گا۔"[56] وزیرِ اعظم مشیر الملک نے کئی بار محاصرہ اٹھالینے کا ارادہ کیا مگر نظام نے اس ارادے سے اسے باز رکھا۔[57] لیکن 18 اپریل کو، پانچ ہفتوں تک مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر ایک معاہدے کے بعد قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ محافظ فوج کو اپنا ذاتی سامان لے کر نکل جانے کی اجازت دے دی گئی۔ ایک ہفتہ بعد بہادر بندہ کے قلعہ نے بھی انھیں شرطوں پر ہتھیار ڈال دیے، جو کوپل سے کوئی تین میل جنوب میں واقع تھا۔ دونوں قلعوں میں خاصی تعداد میں حفاظتی فوجیں اور کافی مقدار میں خوراک اور ساز و سامان موجود تھا۔ وہ کچھ دنوں تک اور بھی جمی رہ سکتی تھیں لیکن بنگلور کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر نے ان کے حوصلے پست کردیے اور انھوں نے اطاعت قبول کرلی۔ نظام کی فوج کو قلعہ میں پچاس سے زیادہ توپیں اور خاصی مقدار میں سامان رسد اور گولہ بارود ملا۔[58]

دریں اثنا نظام کی فوج کے دستے چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کررہے تھے، جو معمولی مقابلے کے بعد سپر ڈال دیتے تھے۔ 16 نومبر 1790 کو فرید الدین نے کم بم کے قلعہ پر قبضہ کیا اور 28 فروری 1791 کو سدھوٹ کے قلعہ نے محمد امین عرب کے آگے ہتھیار رکھ دیے۔

یکم مئی کو اصلی فوج کوپل سے روانہ ہوئی اور کڈپہ کی طرف اس نے کوچ کیا۔ لیکن کانول پہنچنے کے بعد اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ گنجی کوٹہ نے حافظ فرید الدین کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ یہ وہی حافظ فرید الدین ہیں جنھیں ایک بار نظام نے اپنا سفیر بنا کر سرنگا پٹم بھیجا تھا۔ گنجی کوٹہ کی محافظ فوج نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا، لیکن اسے رسد کی کمی کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ اس کے بعد نظام کی اصلی فوج اپنا رُخ بدل کر گنجی کوٹہ کی طرف چل پڑی تاکہ فرید الدین کی فوج سے جاملے۔ ایک ماہ تک وہاں قیام کرنے کے بعد وہ فوج گرام کنڈہ کی طرف چل پڑی اور 19 ستمبر کو اس کا محاصرہ کرلیا۔ دریں اثنا اور دستوں کو گوٹی، کڈپہ اور دوسرے مقامات کے محاصرے کے لیے روانہ کیا گیا۔[59]

مرہٹوں نے پونا میں انگریزوں سے معاہدہ کرنے سے کئی ماہ قبل ہی جنگی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ مارچ 1790 کے اواخر میں نانا کی دعوت پر پرشورام باہو پونا گیا۔ فوج کی کمان اس کے سپرد کردی گئی[60] اور سپاہی بھرتی کرنے کے لیے اسے روپیہ دیا گیا۔[61] باہو تاس گاؤں واپس آیا، جو اس کا مستقر تھا، اور تیاریاں شروع کردیں۔ 20 جون کے لگ بھگ کوپٹا کے مقام پر، جو تاس گاؤں سے زیادہ دور نہیں ہے، باہو کی فوج سے، جو چار پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، کپتان پی ٹل کی ماتحتی میں انگریزی فوج کا ایک دستہ آن ملا۔ اس مشترک فوج نے 3 اگست کو کوپٹا سے کوچ کرکے اگست کی 15 تاریخ کو دریائے کرشنا کو عبور کیا۔[62] اس وقت باہو کی فوج کی تعداد خاصی بڑھ چکی تھی۔ اس کے پاس بارہ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے تھے۔[63] اس فوج کی مدد سے اس نے ہبلی، مشری کوٹ، ڈوڈ اور دوسرے مقامات پر قبضہ کرلیا۔ ان تمام مقامات نے تھوڑی سی مقاومت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ 18 اکتوبر 1790 کو وہ دھاروار کے سامنے پہنچ گیا۔ دریں اثنا، اس نے مختلف سمتوں میں اپنے فوجی دستے روانہ کیے، جنھوں نے اکتوبر 1790 اور فروری 1791 کی درمیانی مدت میں گجندر گڑھ، سوانور، لکشمیش پور اور دوسرے مقامات پر قبضہ کرلیا۔[64]

دھاروار اس صوبے کی راج دھانی تھی۔ جو دریائے کرشنا اور دریائے تنگ بھدرا کے مابین واقع تھا اور جسے حیدر علی نے مرہٹوں سے فتح کیا تھا۔ باہو نے اپنی فوجوں کو دھاروار پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ دھاروار کا کمانڈر ایک انتہائی بہادر افسر بدرالزماں خاں تھا، جس کے ماتحت دس ہزار محافظ فوج اور پندرہ توپیں تھیں۔ ٹیپو نے، مرہٹوں کے خطرے کی وجہ سے، شیر خاں کی ماتحتی میں چار ہزار مزید فوج کمک کے طور پر بھیج دی تھی۔[65] قلعہ اگرچہ بڑی حد تک کچی مٹی کا بنا تھا، تاہم نہایت مضبوط تھا۔ لیکن شہر کے دفاعی استحکامات ایسے مستحکم نہیں تھے کہ حملے کا مقابلہ کرسکیں۔ شہر پناہ کی دیوار نیچی تھی۔ یہی حال خندق کا بھی تھا۔

مرہٹہ فوجوں نے اپنے خیمے نرندرا نامی ایک گاؤں میں گاڑ دیے، جو دھاروار کے شمال مغرب میں پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں سے کچھ توپیں روزانہ ایک قریبی پہاڑی پر کھینچ کر لے جائی جاتی تھیں، اور شام تک گولہ باری کی جاتی تھی۔ شام کو توپیں پھر کھینچ کر کیمپ تک واپس لائی جاتی تھیں۔[66] 25 ستمبر کو محافظ فوج کی ایک ٹولی نے شہر سے نکل کر مرہٹوں کے ایک دستے پر حملہ کیا اور چار پانچ سپاہیوں کو مارنے اور تقریباً بیس سپاہیوں کو زخمی کرنے کے بعد پسپا ہوگئی۔[67]

30 اکتوبر کو مرہٹہ فوج اور انگریزی دستوں نے قلعہ سے دو میل کے فاصلے پر خیمے گاڑ دیے۔ دوسرے دن بدرالزماں دشمن کو اس جگہ سے ہٹانے کے لیے دو ہزار سپاہی اور چار توپیں لے کر شہر سے نکلا۔ لیکن انگریزی دستے نے، جس کے ساتھ تین سو مرہٹہ سپاہی بھی تھے، اُسے مار بھگایا۔ اس کی تین توپیں بھی وہیں رہ گئیں۔[68] 13 دسمبر

کو انگریزی دستے نے، جس کے ساتھ مرہٹہ سپاہی بھی تھے، شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر پر حملہ کر دیا۔ محافظ فوج نے بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن وہ پسپا ہوئی اور شہر کو چھوڑ کر اُسے قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ شہر پناہ کی دیوار پر چڑھتے وقت کیپٹن لیٹل اور لیفٹننٹ فوسٹر شدید زخمی ہوئے۔ موخر الذکر تو زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہی ہو گیا۔ مرہٹہ فوج نے شہر میں داخل ہوتے ہی لوٹ مار اور آتش زنی شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں جو افراتفری پیدا ہوئی اس سے فائدہ اٹھا کر بدرالزماں خاں نے قلعے سے نکل کر مرہٹوں پر حملہ کر دیا اور انھیں شہر سے مار بھگایا۔ تقریباً پانچ سو مرہٹہ سپاہی کام آئے۔ اس کے مقابلے میں خود بدرالزماں کے بہت کم سپاہی مارے گئے۔ چار دن کے التوائے جنگ کے دوران طرفین نے اپنے کام آنے والوں کی تجہیز و تکفین اور کریا کرم کیا۔ اس کے بعد مرہٹوں نے تنہا حملہ کر کے 18 / دسمبر کو شہر پر قبضہ کر لیا۔ ایک مرتبہ شہر ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، چناں چہ اس کلنک کے ٹیکے کو مٹانے کے لیے یہ لڑائی انھوں نے تنہا لڑی تھی اور انگریزی دستے کی مدد نہیں لی تھی۔[69]

شہر پر قابض ہو جانے کے بعد، جس کی شہر پناہ زمین کے برابر ہو چکی تھی، مرہٹوں نے قلعہ کا محاصرہ شروع کیا۔ لیکن یہ کام انتہائی پھوہڑپن سے کیا گیا۔ اس منظر کے ایک عینی شاہد لیفٹننٹ مور کا خیال تھا کہ مرہٹے "بیس توپوں کے ساتھ بھی، بیس سال تک، دھاروار کے قلعہ میں شگاف نہ ڈال سکیں گے"۔ مرہٹے جس انداز سے گولہ باری کرتے تھے اس کا واضح نقشہ پیش کرتے ہوئے اس نے بیان کیا تھا کہ "توپ بھری جاتی ہے، پھر توپ خانے کے سارے آدمی بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، آدھے گھنٹے تک حقہ پیتے ہیں، اس کے بعد توپ داغی جاتی ہے۔ اگر اس کے نتیجے میں بہت زیادہ گرد و غبار اُٹھتا ہے تو اُسی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ توپ پھر بھری جاتی ہے اور پھر لوگ حقہ پینے اور گپ شپ کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ دوپہر کو دو گھنٹے تک شاذ و نادر ہی کسی طرف سے بھی گولہ باری کی آواز سننے میں آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جانبین نے باہمی رضامندی سے کھانے کے لیے دو گھنٹے مخصوص کر لیے ہیں۔ رات کو گولہ باری کی رفتار تو دھیمی ہو جاتی ہے، لیکن فریقین کی بندوق بازی بڑھ جاتی ہے۔ قلعہ پر گولہ باری کم ہی کی جاتی ہے اور گولے کچھ ہی حد تک نشانے پر پڑتے ہیں"۔[79] اس سے قطع نظر، دیواروں میں شگاف ڈالنے کی کوشش میں مرہٹے کسی مخصوص مقام کو اپنا نشانہ نہیں بناتے تھے، بلکہ ساری دیوار پر، بے سوچے سمجھے، گولہ باری کرتے تھے۔ رات کو توپوں کو کھینچ کر واپس کیمپ لے جانے کا مہمل طریقہ بھی انھوں نے جاری رکھا تھا۔ اس سے میسوریوں کو دیوار کی مرمّت کر لینے کا موقع مل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مرہٹوں کی توپیں اتنی پُرانی اور از کار رفتہ تھیں کہ بسا اوقات اپنی ہی گولہ باری سے وہ پھٹ جاتی تھیں۔ گولہ بارود کی بھی ان کے پاس بہت کمی تھی۔ یہ سامان پونا سے اتنے بے ڈھنگے پن سے اور اتنی تاخیر سے آتا تھا کہ کئی کئی دن تک توپیں یک سر خاموش رہتی تھیں۔ انگریزی دستے کے پاس بھی توپ گاڑیوں کا

کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ کیپٹن لی بی نے حکومت بمبئی سے بھاری توپیں اور گولہ بارود مانگا تھا۔ وہاں سے اگرچہ یورپین سپاہیوں کی ایک رجمنٹ اور ہندوستانی سپاہیوں کی ایک بٹالین آگئی، لیکن ان کے ساتھ بھی توپیں اور گولہ بارود کا ذخیرہ نہ آیا۔[71]

ان تمام کمزوریوں کے باوجود کرنل فریڈرک، جس نے محاصرے کے طول کھینچنے سے گھبرا کر خود کمان سنبھال لی تھی، قلعہ کی دیواروں میں شگاف پڑنے سے پہلے ہی حملہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے اپنی کامیابی کا اس درجہ یقین تھا کہ اس نے اس سلسلے میں مرہٹوں سے مدد لینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ باہو اس حملے کے خلاف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مہم ناکام ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ قلعہ پر قبضہ کرنے میں فریڈرک اگر کامیاب ہو گیا تو اس سے انگریزی وقار میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا اور مرہٹہ وقار اسی درجہ کم ہو جائے گا۔[72] بہرکیف فریڈرک کے اصرار اور اس کے جوش و خروش سے مجبور ہو کر باہو کو بھی راضی ہونا پڑا۔ فریڈرک نے پہلے بدرالزّماں کو تہدید آمیز مراسلہ بھیجا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ قلعہ کو وہ حوالے کر دے، ورنہ پوری محافظ فوج کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔ جواب میں اس نے لکھا کہ اگلے دو دن تک وہ قلعہ خالی نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ دونوں نحس دن ہیں، اور قطعی جواب وہ تیسرے دن دے گا۔[73] فریڈرک سمجھ گیا کہ بدرالزّماں لیت و لعل سے کام لے رہا ہے۔ چنانچہ اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ 27 فروری 1791 کو صبح تڑکے ہی اس کے سپاہی حملے کے لیے بڑھے۔ لیکن خندق کو عبور کرنے سے پہلے ہی انھیں پسپا ہونا پڑا، کیوں کہ میسوریوں نے خشک لکڑیوں کے ان گٹھوں میں آگ لگا دی، جن سے انھوں نے خندق پاٹ دی تھی۔ انگریزوں نے خندق کو خشک لکڑیوں سے پاٹ کر اسے عبور کرنے کی دوبارہ کوشش کی، لیکن اس مرتبہ بھی میسوریوں نے وہی عمل کیا۔ انگریزوں کو پھر اپنی خندقوں میں واپس جانا پڑا۔ ان کے چالیس سپاہی مارے گئے اور سو زخمی ہوئے۔[74] ان معرکوں میں مرہٹے الگ تھلگ رہے۔ لیکن انگریزوں کی پسپائی کے بعد مرہٹوں کو محافظ فوج کے ایک شدید حملے کا سامنا کرنا پڑا، جنھوں نے قلعہ سے نکل کر دھاوا بول دیا تھا۔ اس معرکے میں مرہٹوں کے سو آدمی کام آئے۔[75] دھاروار پر قبضہ کرنے کی ناکامی کا فریڈرک کی صحت پر صد درجہ ناخوش گوار اثر ہوا اور 13 مارچ کو وہ مر گیا۔ اس کی جگہ میجر سارٹوریس نے لی۔ دھاروار پر قبضے کے بعد جب وہ بمبئی واپس چلا گیا تو کیپٹن لٹل نے انگریزی دستے کی کمان سنبھالی۔[76]

بالآخر یکم مارچ کو بمبئی سے گولے اور متوقع رسد آگئی۔ تقریباً اسی وقت، باہو کے پاس بھی پونا سے کچھ توپیں پہنچیں۔ اس نو آمد رسد کی مدد سے، انتیس ہفتوں کے محاصرے کے بعد، قلعہ کے پشتوں پر قبضہ تو ممکن ہو گیا، لیکن قلعہ پھر بھی ہاتھ نہ آسکا۔ محافظ فوجیں بدستور شدید مدافعت ہی نہیں، بلکہ قلعہ سے نکل کر حملے بھی کرتی رہیں، جس سے مرہٹوں کو شدید نقصان پہنچا۔[77]

دریں اثنا، خود قلعہ کے داخلی حالات بھی مایوس کن ہوتے جا رہے تھے۔ پانی کی اور سامانِ خورد نوش کی شدید قلت اور بندوق کی گولیوں کی بھی کمی تھی۔[79] ان چیزوں کے باہر سے حاصل کرنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ قلعہ میں سامان لے جانے والا اگر کوئی شخص گرفتار ہوتا تھا، تو مرہٹہ سپاہی اس کے ہاتھ پیر اور کبھی کبھی ناک بھی کاٹ لیتے تھے۔[80] ان حالات نے محافظ فوج کو بددل کر دیا اور سپاہیوں نے بھاگ نکلنا شروع کیا۔ بنگلور پر کارنوالس کے قبضے کی خبر نے ان کے حوصلوں کو اور بھی سرد کر دیا۔ محافظ فوج دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، لیکن سپاہیوں کے بھاگنے اور مارے جانے کے بعد، اب اس کی تعداد صرف تین ہزار رہ گئی تھی۔ بدرالزّماں کو مزید کمک ملنے کی چونکہ کوئی امید نہیں رہ گئی تھی، اور قلعہ کے داخلی حالات بھی مایوس کن تھے، اس لیے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اب قلعہ کی مدافعت کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ چنانچہ 30 مارچ کو قلعہ خالی کر دینے پر وہ رضا مند ہو گیا۔ محافظ فوج کا آخری دستہ چوتھی اپریل کی شام کے پانچ بجے قلعہ سے نکل گیا۔[82] جن شرطوں پر قلعہ خالی کیا گیا تھا، وہ بدرالزّماں کے لیے انتہائی باعزّت تھیں۔ محافظ دستے کو ذاتی سامان لے جانے کی اجازت تھی اور انھیں پروانۂ راہداری دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسلحہ اور سرکاری خزانے کو بھی شموگا لے جانے کی اجازت دی گئی، جو اس وقت تک سلطان کے قبضے میں تھا۔ یہ بھی طے پایا تھا کہ قلعہ کے انخلا کے بعد مرہٹہ فوجیں قلعہ میں داخل نہیں ہوں گی، اور اس عرصے میں ٹیپو ہی کا جھنڈا قلعہ پر لہراتا رہے گا۔[81]

بدرالزّماں خاں نے تقریباً اُنتیس ہفتوں تک انگریزوں اور مرہٹوں کی متحدہ کوششوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ اس نے قلعہ کو صرف اس وقت دشمن کے حوالے کیا جب اس کی مدافعت ناممکن ہو گئی اور اس نے انخلا کی باعزّت شرطیں منوالیں۔ دھارواڑ کے دفاع کے سلسلے کو طویل مدّت تک جاری رکھ کر اس نے مرہٹوں کی خصوصی فوج کو ساڑھے چھ مہینے تک پھنسائے رکھا۔ اس عرصے میں سلطنت میسور کے باقی حصّے ان کی تاراجی سے محفوظ رہے اور ٹیپو کو سرنگا پٹم کے شمالی حصّے سے رسد ملنے کا نظام برقرار رہا۔[82]

قلعہ سے نکلنے کے بعد جب بدرالزّماں اپنے کیمپ کی طرف جا رہا تھا تو مرہٹوں نے اس کا مذاق اُڑایا اور اس کی پالکی میں مٹّی جھونکی۔[83] پرشورام باہو نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کے کیمپ ہی کے قریب اپنا کیمپ لگائے تاکہ مرہٹوں کی لوٹ سے محفوظ رہے۔[84] لیکن باہو کی گستاخانہ اور اشتعال انگیز روش کی وجہ سے اس نے اپنا کیمپ اس کے کیمپ سے دو میل دور شموگا جانے والی سڑک کے کنارے لگایا۔ حفاظت کے لیے دو ہزار مرہٹہ سوار اس کے ساتھ کیے گئے تھے، تاہم 8 اپریل کو مرہٹوں کی پارٹی نے حملہ کر کے لوٹ مار کی، جو معاہدے کے شرائط کی صریح خلاف ورزی تھی۔ بدرالزّمان خاں زخمی ہوا اور اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے یا مجروح ہوئے۔ ان کا سارا سامان لوٹ لیا گیا، جس میں وہ سات توپیں بھی تھیں جو وہ اپنے ساتھ دھارواڑ سے لائے تھے۔[85]

بدرالزّماں پر حملہ کرنے کا مقصد اس کو اور سلطان کے خزانے کو لوٹنا تھا، جو وہ اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا۔

بہرکیف، گرانٹ ڈف کا بیان ہے کہ مرہٹوں نے کہا کہ حیدر علی، ٹیپو اور بدرالزّماں معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کے عادی رہے ہیں۔ یہ سن کر بدرالزّماں آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے تلوار میان سے نکال لی۔ اس کے سپاہیوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ یہی بات حفاظتی فوج پر مرہٹوں کے حملے کا سبب بنی[86] لیکن یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بات قرینِ عقل معلوم نہیں ہوتی کہ بدرالزّماں جیسا سمجھ دار اور ٹھنڈے مزاج کا انسان اس طرح آمادۂ پیکار ہو جائے، اور وہ بھی اس حالت میں کہ جب اسے معلوم ہو کہ وہ بڑی حد تک ایک قیدی ہے اور حریف، بہ اعتبارِ تعداد، اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پر حملہ اس قدر اچانک کیا گیا تھا کہ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اگرچہ مُور نے اس شرمناک معاملے[87] کے حقیقی اسباب بیان نہیں کیے ہیں، تاہم اس کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خان نہیں بلکہ مرہٹے اس "پاجی پن کی حرکت"[88] کے ذمہ دار تھے۔ میکنزی نے بھی لکھا ہے کہ "خبریں جو عام طور پر قابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ باہو کی سپاہ نے بڑے شرمناک طریقے پر معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی[89]"۔

باہو نے جب یہ خبر سُنی، تو اسے بھی افسوس ہوا۔ بدرالزّماں خاں سے وہ بہت اچھی طرح پیش آیا اور اس کی مرہم پٹی کے لیے ایک انگریز ڈاکٹر متعین کیا۔ اس نے ان میں سے بہت لوگوں کو سزا بھی دی جو اس قضیے میں ملوث تھے اور جو چیزیں بازیاب ہو سکیں، وہ میسوریوں کو واپس بھی کر دی گئیں[90]۔ بہرکیف، اس کے فوراً ہی بعد باہو نے خان اور اس کے کچھ دوسرے ساتھیوں کو، اس الزام میں کہ انھوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، گرفتار کر لیا اور انھیں پا بہ زنجیر کر کے نارگنڈ کے قلعہ میں بھیج دیا گیا[91]۔ مرہٹے کہتے تھے کہ قلعہ کو حوالے کرنے کے سلسلے میں بدرالزّماں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ توپوں کو اور گولہ بارود کو وہ جوں کا توں وہیں چھوڑ دے گا، لیکن اس کے بجائے میگزین میں پانی ڈال کر بارود کو اس نے بیکار کر دیا[92]۔ اس کے علاوہ قلعہ میں جو دو ہزار رائفلیں تھیں وہ یا تو توڑ تاڑ دی گئیں یا انھیں وہیں دفن کر دیا گیا[93]۔ لیکن بدرالزّماں نے ان الزامات کی تردید کی ہے اور مور کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اطاعت کے معاہدے کی کسی بھی دفعہ کی اس نے خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ مور کا بیان ہے کہ مرہٹے جب قلعہ میں داخل ہوئے تو میگزین میں انھیں خاصی مقدار میں بارود ملی۔ وہ اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا کہ پانی ڈال کر بارود کو برباد کر دیا گیا تھا[94]۔ جہاں تک بندوقوں کے توڑے جانے کا تعلق ہے، مور کی روایت کے مطابق، اطاعت قبول کرنے کے معاہدے[95] سے پہلے ہی بدرالزّماں نے انھیں اس لیے توڑا تھا کہ ان سے گولیاں ڈھالی جا سکیں، جن کی اس کے پاس بڑی کمی تھی۔ غالباً ان ہی ٹوٹی ہوئی بندوقوں کو دیکھ کر باہو نے بدرالزّماں پر معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام لگایا ہوگا۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس پر حملے میں اور لوٹے جانے میں باہو کا ہاتھ نہ رہا ہو، تاہم، جیسا کہ ڈف کہتا ہے "بدرالزّماں خاں اور متعدد دوسرے لوگوں کا قید میں ڈالا جانا پرشورام باہو کے طرزِ عمل کی نازیبائی کا آئینہ دار ہے[96]"، جس سے معاہدے

کی انتہائی خلاف ورزی ہوئی تھی۔

دھاروار کے قبضے نے اس تمام علاقے کی فتح کے لیے میدان صاف کر دیا جو دریائے تنگ بھدرا کے شمال میں واقع تھا۔ اب یہ علاقہ میسور کی فوجوں سے خالی ہو گیا تھا۔ اپریل 1791 کے اواخر میں دریا کو عبور کر کے باہو نے جنوب کی سمت کوچ شروع کیا۔ اس کا ارادہ سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے کا تھا، اس لیے وہ راستے کی تمام چوکیوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تاکہ شمال کی سمت سے رسد اسے برابر ملتی رہے[97] چنانچہ وہ خود تو رام گرہی کی طرف بڑھا اور اپنے دستے دوسری سمتوں میں روانہ کیے۔ رام گرہی، اور دوسرے قلعے بھی، بے لڑے بھڑے اس کے ہاتھ آ گئے[98]۔ اسی طرح سانت، بدنور، مایا کنڈا اور چنگیری پر قبضہ کرنے میں راؤ کورندوارکر کو کامیابی ہوئی[99]۔ لیکن گنپت راؤ مہنڈال کو میسوریوں کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جسے بدنور کی سمت بھیجا گیا تھا۔ اگرچہ ابتدا میں اسے کچھ کامیابی ہوئی تھی، تاہم ٹیپو کی اُس فوج نے اس سے تمام چوکیاں واپس لے لیں، جو شموگا میں تعینات تھی۔ لیکن باہو نے جو مزید کمک بھیجی اس نے صورت حال تبدیل کر دی اور گنپت راؤ نے میسوریوں کو بھگا دیا اور وہ علاقہ پھر واپس لے لیا جو اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا[100]۔ مرہٹہ بحریہ نے کاروار کے ضلع کی بہت سی بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا، جو سلطان کی ملکیت تھیں۔ لیکن برسات کا موسم شروع ہو جانے کی وجہ سے وہ واپس چلی گئی اور وہاں صرف چھوٹے جہاز اور بابو راؤ سالون کھرے کی ماتحتی میں کچھ پیدل فوج رہ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کی فوج نے سب بندرگاہیں واپس لے لیں اور سالون کھرے کو اس علاقے سے خارج کر دیا[101]۔

فتح دھاروار کے بعد باہو کی نقل و حرکت تیز ہو گئی تھی، مگر رام گرہی پر قبضے کے بعد اس کی رفتار میں کمی آ گئی۔ انگریز اس پر زور دے رہے تھے کہ وہ بڑھ کر میجر ابرکرومبی کی فوج سے جا ملے، جو مالابار سے کُرگ ہوتی ہوئی، بڑھ رہی تھی، اور پھر دونوں ایک ساتھ سرنگاپٹم جائیں۔ لیکن باہو نے اس راستے کو غیر محفوظ سمجھ کر انگریزوں کے مشورے کو نظر انداز کیا۔ وہ بیدر اور چیتل درگ کے اضلاع میں اپنی فتح مندیوں کو مکمّل کرنے اور نومقبوضہ علاقوں سے مالیانہ وصول کرنے میں اس وقت تک مصروف رہا، جب تک کہ ہری پت نے اپنے ساتھ سرنگاپٹم چلنے کے لیے اسے طلب نہیں کر لیا[102]۔

یکم جنوری 1790 کو ہری پت پونا سے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ دس ہزار سے کم سوار تھے۔ دریائے کرشنا کو پایاب کرنے کے بعد وہ گدوال کی طرف بڑھا[103]۔ وہیں سے اس نے اپنی فوج کے بڑے حصے کو کرنول جانے کا حکم دیا اور نظام سے جنگ کی اسکیم پر گفتگو کرنے کے لیے وہ خود پنگل چلا گیا۔ وہاں دو ہفتے گزارنے کے بعد وہ کرنول کی طرف روانہ ہو کر اپنی فوج سے جا ملا۔ گانجی کوٹا کی طرف بڑھنے کی جگہ پر، جیسا کہ انگریزوں سے طے پایا تھا[104]، فوج کی کمی کی وجہ سے، وہ پنگل ہی میں مُقیم رہا۔ وسط اپریل کے قریب اپنے داماد لکشمن راؤ کی ماتحتی

میں اس نے گانجی کوٹا کے راستے سے، دس ہزار سوار کارنوالس کے پاس روانہ کیے۔ لیکن مرہٹوں کی رفتار اتنی سست تھی کہ وہ کارنوالس سے مل ہی نہیں سکے، جو سرنگاپٹم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مرہٹہ سرداروں کے مزید کمک بھیجنے کی وجہ سے ہری پت کی فوج کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ اب وہ فوراً کرنول کے لیے روانہ ہوا اور لکشمن راؤ کو آکر مل جانے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد پوری فوج سیرا کی طرف بڑھی۔ یہ جگہ خاصی مستحکم تھی اور رسد کا سامان بھی وہاں وافر تھا، تاہم بلا کسی مدافعت کے ہتھیار ڈال دیے گئے۔ اس کے بعد بلونت سبا راؤ کو ایک فوج کے ساتھ مداگیری کے محاصرے کے لیے بھیجا گیا، جو سیرا سے بیس میل مشرق میں تھا۔ خود ہری پت، ایک مضبوط گیریزن کو سیرا میں چھوڑ کر، سرنگاپٹم میں انگریزی فوج سے ملنے کے لیے جنوب مغرب کی سمت چل پڑا۔ باہو کو جنوب مشرق کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ 24 مئی کو دونوں مرہٹہ فوجیں ناگ منگلا کے مقام پر یک جا ہوگئیں۔ دوسرے دن وہ ملوکوٹے کی سمت بڑھیں اور 28 مئی 1791 کو کارنوالس سے جا ملیں۔[105]

سرنگاپٹم کی طرف کارنوالس کا کوچ

نظام کے سواروں اور کرناٹک کے فوجی دستوں کے ساتھ مل جانے کے بعد کارنوالس بنگلور واپس آیا اور سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ اس جنگ کو، صرف کفایت شعاری ہی کے نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ یورپی و ہندوستانی سیاسی مصالح کے پیش نظر بھی، جلد سے جلد ختم کر دینے کے لیے مضطرب تھا۔[106] اس وقت تک فرانسیسی ٹیپو کو مدد دینے سے محترز رہے تھے، جبکہ مرہٹوں اور نظام نے جنگ میں انگریزوں کا دل و جان سے ساتھ دینے کا عہد و پیمان کیا تھا، لیکن اس امر کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ یہ موافق صورت حال غیر متعینہ مدت تک باقی ہی رہے گی۔

4 مئی 1791 کو کارنوالس بنگلور سے روانہ ہوا۔ ٹیپو نے یہ سمجھا تھا کہ سرنگاپٹم پر چڑھائی کے لیے گورنر جنرل وہ شاہراہ استعمال کرے گا، جسے چنّاپٹن کہتے تھے۔ چنانچہ اس نے راستے کے تمام غلّے اور چارے کے تمام ذخیرے تباہ کر دیے اور جم کر مقابلہ کرنے کے عزم کے ساتھ رام گرھی اور سیوانگری کے پہاڑی قلعوں میں مورچے سنبھال لیے۔ مگر کارنوالس نے کان کنہالی اور سلطان پیٹ والی سڑک اختیار کی جو دشوار گزار اور پھیر سے جانے والی تھی۔ لیکن جب وہ آگے بڑھا تو اُسے پتہ چلا کہ اس راستے کے نواحی مواضعات بھی جلا کر خاکستر کر دیے گئے ہیں اور غلّہ و چارہ دستیاب ہونا ممکن نہیں ہے، اور ایک آدمی بھی ایسا نہیں مل سکتا جو دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر دے یا رہنمائی کرے یا یہ بتائے کہ غلّہ کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس پر مستزاد شدید بارش تھی، جس نے ان سڑکوں کی ناہمواری میں اضافہ کر دیا تھا، جو ندی نالوں سے بھری پڑی تھیں۔[107] میسوریوں نے سڑکوں پر خندقیں کھود کر انھیں اوپر سے

بھر دیا تھا، جن پر قدم رکھتے ہی سپاہی زمین میں دھنس جاتے تھے۔ ان حالات نے انگریزی فوج کے مصائب میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ان سب پر بالا میسوریوں کی چھیڑ چھاڑ تھی، جس کا انگریزی فوج کو مسلسل سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔[108] دوسری طرف چارے کی کم یابی سے سینکڑوں مویشی مر رہے تھے۔ اس نے حمل و نقل کے انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے جنگی ذخائر کو برباد کرنا پڑا۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ 10 مئی کو جب مالولی کا قلعہ فتح ہو گیا اور وہاں سے غلے کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ آ گیا تو بھی انگریزی فوج کی پریشانی کم نہیں ہوئی۔ اس مہم کے سلسلے میں جو عظیم نقصان ہوا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سپاہیوں کو عام طور پر چاول کا جو یومیہ راشن ملتا تھا، اسے کاٹ کر نصف کر دیا گیا۔[109]

ان تمام دشواریوں کے باوجود کارنوالس نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور 13 مئی کو وہ اریکیری پہنچ گیا جو سرنگا پٹم کے مشرق میں نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہیں سے دریائے کاویری کو عبور کر کے وہ ٹیپو کی راجدھانی پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا۔ مگر دریا میں چونکہ طغیانی تھی، اس لیے اس نے قلعہ کنام باڑی کی طرف پیش قدمی کی جو سرنگا پٹم سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔[110]

اس عرصے میں ٹیپو سلطان بھی بیکار نہیں بیٹھا۔ اگرچہ اس نے کوئی حملہ تو نہیں کیا، تاہم انگریزی فوج کو اس نے شدید نقصان پہنچایا۔ وہ انگریزی فوج کے عقب سے چپکا رہا۔ سڑکوں پر خندقیں کھودیں اور سارے راستے کا غلہ اور چارہ تباہ کر دیا۔ لیکن یہ اقدامات کارنوالس کی پیش قدمی کو روکنے میں چونکہ ناکام رہے، اس لیے 9 مئی کو وہ اپنی راجدھانی کی طرف لوٹ گیا، تاکہ وہاں کے دفاعی انتظامات کو مکمل کرے۔ اس عزم کے ساتھ کہ کارنوالس نے سرنگا پٹم پر حملہ کیا تو وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا، 13 مئی کو تین ہزار سوار[111] اور کچھ پیدل فوج، کو لے کر وہ آگے بڑھا اور انگریزی فوج سے چھ میل کے فاصلے پر مورچے قائم کر لیے۔ اس کے داہنی جانب دریا تھا اور بائیں جانب تقریباً ناقابل عبور پہاڑی بلندی تھی۔ اس مورچے کو مزید تقویت اس سے ملتی تھی کہ پہاڑی پر توپ خانے تھے اور نیچے دلدلی نالہ تھا۔ یہ دیکھ کر کہ ٹیپو نے جہاں اپنا مورچہ جمایا ہے وہاں تک پہنچنا دشوار ہے، کارنوالس 14 مئی کی رات کو اپنی فوج لے کر ایک پھیر دار راستے سے بڑھا، جو دشمن کے داہنی جانب ایک پہاڑی چٹان سے گزرتا تھا اور بہ آسانی عبور کیا جا سکتا تھا۔ اسے توقع تھی کہ اس طرح سے وہ ٹیپو کی فوج کے عقب میں پہنچ کر، اس کے سرنگا پٹم کی طرف جانے کے راستے کو کاٹ دے گا۔ کارنوالس نے اپنے اس منصوبے کو انتہائی راز میں رکھا۔ گیارہ بجے رات کو اس نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ لیکن بادوباراں کے ایک شدید طوفان نے اس کے منصوبے کو درہم برہم کر دیا۔ فوج چار میل بھی بڑھنے نہ پائی تھی کہ دن نکل آیا۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس کی ٹیپو کو بھی خبر ہو گئی ہے، کارنوالس نے کوشش کی کہ اس سے کم از کم یہی فائدہ اٹھایا جائے کہ اس جگہ کے علاوہ

جہاں انگریزی مورچہ تھا، کسی اور مقام پر ٹیپو کو اقدام کرنے پر مجبور کیا جائے[112] سلطان کو بھی اس سے گریز نہیں تھا، اور منرو کے الفاظ میں "مورچہ جانے کے سلسلے میں موقع و محل کے انتخاب میں اس نے حد درجہ بصیرت اور فہم و ادراک کا مظاہرہ کیا[113]" اس موقع پر اس نے نقل و حرکت میں جس چابک دستی کا ثبوت دیا اس نے ولکس سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ٹیپو نے "محل و مقام کے انتخاب میں جو سوجھ بوجھ اور نقل و حرکت میں جو چستی دکھلائی، اس کی تعریف نہ کرنا ممکن نہیں ہے، اور وہ ایک افسر کے لیے باعث فخر ہو سکتی ہے[114]"

انگریز اس سنگلاخ اور مضبوط پہاڑی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، جو کاری گھاٹ کی پہاڑی کا حصہ تھی اور ٹیپو کے مورچوں کے بائیں جانب دو تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ لیکن سلطان انگریزوں کی اس چال کو سمجھ گیا اور اُن کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قمر الدین خاں کی ماتحتی میں ایک فوجی دستہ روانہ کر دیا، جس نے اس پہاڑی پر قبضہ کر لیا اور وہیں سے انگریزوں پر شدید گولہ باری کر دی، جس نے انھیں منتشر کر دیا اور ان کا خاصا جانی نقصان بھی ہوا[115]۔ بہرکیف چٹانوں اور ناہموار زمین کی آڑ میں، جس نے انھیں کچھ پناہ دی تھی، انگریزی فوج پھر مجتمع ہوئی اور کرنل میکسول کو میسوریوں کو پہاڑی سے ہٹانے کا حکم دیا گیا۔ وہ بڑی پھرتی اور ہمت سے آگے بڑھا اور پہاڑی پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس اچانک حملے سے ٹیپو کا پیدل دستہ تین توپوں کو چھوڑ کر پسپا ہو گیا۔ یہ کامیابی باقی انگریزی فوج کے لیے پیش قدمی کرنے کا اشارہ ثابت ہوئی۔ بالآخر یہ اقدام عمومی ہو گیا[116]۔ میسوری پیدل فوج بڑی بہادری سے لڑی۔ ایک ایک چوکی کی مدافعت کرنے کی اس نے کوشش کی اور جب تک اس میں اور انگریزی فوج میں چند گز کا فاصلہ باقی رہا، وہ ان کی دستی بندوقوں کی گولیوں کے سامنے ڈٹے رہے[117] لیکن جب میسوریوں اور انگریزوں میں گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو نظام کی سوار فوج جو اس وقت تک اسد علی خاں کی ماتحتی میں بے حس و حرکت رہی تھی، اپنے حلیف کی مدد کے لیے یکایک آگے بڑھی۔ یہ فیصلہ کن اقدام ثابت ہوا، اور میسوری فوج پسپا ہو کر اپنی راجدھانی کی طرف چلی گئی۔ دشمن نے اس کا تعاقب کیا جو کاری گھاٹ کی پہاڑی پر قبضہ کرنے کے درپے تھے[118]۔ مگر میسوری توپ خانے نے حامد خاں کی سرکردگی میں جزیرے سے اتنی شدید گولہ باری کی کہ انگریزی فوج کو پسپا ہونا اور میسوری فوج کے تعاقب کے خیال کو ترک کرنا پڑا[119]۔ اس طرح سے وہ دن ٹیپو کی قطعی فتح مندی پر ختم ہوا۔ یہ سچ ہے کہ ٹیپو کو پسپا ہو کر اپنی راجدھانی میں واپس جانا پڑا، لیکن یہ اس نے اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ انگریزوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا نہیں دیا، جنھیں منرو کے الفاظ میں "جزیرے کی سمت آزادی سے دیکھنے کے سوا" کچھ حاصل نہ ہوا[120]۔ اس دن انگریزوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے چھ سو آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ میسوریوں کا بھی تقریباً اتنا ہی نقصان ہوا[121]۔

اس کے بعد کارنوالس نے 18 مئی سے پہلے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بعد ازاں وہ کاویری کے پایاب گھاٹ کی طرف بڑھا، تاکہ دریا کو عبور کر کے سرنگاپٹم میں داخل ہو جائے۔ مگر 20 مئی کو گھاٹ پر پہنچنے کے بعد اسے اندازہ

ہوا کہ اپنے منصوبے پر عمل کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ اسے توقع تھی کہ اس مقام پر ابر کرومبی، خصوصاً مرہٹے، اس سے مل جائیں گے، کیوں کہ ان کی امداد کے بغیر سرنگاپٹم میں کامیابی کی اُمید کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ مگر ٹیپو کے گرداوری کرنے والے دستوں کی قابلِ تعریف نگہبانی کی وجہ سے کارنوالس کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آنے والی کمک کہاں اور کدھر ہے۔ دوسری طرف خود انگریزی فوج کی حالت تباہ تھی۔ اسے "موسم کی سختیوں کا، زخموں کا اور انتہائی تھکن کا شدید سامنا کرنا پڑتا تھا، توپ خانے کی گاڑیوں کو ہاتھ سے کھینچ کر انھیں سرنگاپٹم سے کنام باڑی لانا اور لے جانا پڑتا تھا۔ موسم مویشیوں کے لیے بھی حد درجہ ناموافق تھا، جن میں وبائی امراض پھیل رہے تھے اور وہ بے طرح مر رہے تھے۔ اور جو بچے بھی وہ بہت کم کارآمد رہے تھے۔ غلّے کی نایابی کا یہ عالم تھا کہ شاگرد پیشہ سپاہی مُردہ بیلوں کے سڑے ہوئے گوشت ہی پر گزارا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس پر مستزاد چیچک کی وبا تھی جو کیمپ میں پھیل رہی تھی[122] ان حالات کے پیشِ نظر فوج کو تباہی سے بچانے کے لیے کارنوالس نے پسپا ہونے کا فیصلہ کیا۔ گھوڑوں کی بڑی تعداد کو گولی ماردی گئی، محاصرہ کرنے والی تمام توپ گاڑیوں کو اور بھاری اسبابِ جنگ کو تباہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد کارنوالس نے 20 مئی کو سرنگاپٹم سے حسرتناک اور ذلت آمیز کوچ شروع کی۔ میجر ڈائرم کا بیان ہے کہ "کنام باڑی کے جس میدان میں فوج صرف چھ یوم کے لیے خیمہ زن ہوئی تھی اور جس کا کئی میل کا گھیرا تھا، وہ مویشیوں اور گھوڑوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا، اور آخری توپ گاڑیاں، چھکڑے اور قلعہ شکن توپوں کے سامان کا ذخیرہ آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا گیا تھا۔ یہ بڑا حسرتناک منظر تھا، جس کے قریب سے سپاہی، کیمپ کو چھوڑتے وقت، گزر رہے تھے"[123] انگریزی فوج کی یہ کیفیت دیکھ کر ٹیپو کے افسروں نے اسے حملہ کرنے کا مشورہ دیا، جسے قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا۔

پسپائی کا فیصلہ کرنے کے بعد کارنوالس نے 21 مئی کو جنرل ابر کرومبی کو بھی مالابار لوٹنے کی ہدایت کی، جو اس مقصد سے ریاست میسور میں داخل ہوا تھا کہ اس فوج سے وہ مل جائے جو کارنوالس کی ماتحتی میں سرنگاپٹم پر چڑھائی کرنے والی تھی۔ گورنر جنرل ہی کی ہدایت کے مطابق وہ پیریا پٹنم تک پہنچ چکا تھا، جہاں سے سرنگاپٹم کا تقریباً 53 میل کا فاصلہ تھا۔ لیکن ٹیپو کی فوجی دستوں کی کارکردگی کے باعث کارنوالس کو ابر کرومبی کی نقل و حرکت کا پتہ ہی نہ چل سکا، اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، یہی کارنوالس کی پسپائی کا سبب بن گیا۔ اسی بنا پر ابر کرومبی کو مالابار واپسی کا حکم دیا گیا تھا۔

دریں اثنا قمر الدین خاں اور سید صاحب نے ابر کرومبی کی فوج پر حملہ کر کے اس کے اسباب پر قبضہ کر لیا۔[124] اس نے کوئی مزاحمت بھی نہیں کی، بلکہ منرو کے بیان کے مطابق "ٹیپو کی فوج کا ایک دستہ جب اس کی طرف بڑھا، تو بغیر اسے دیکھے ہوئے، اپنے کیمپ اور اپنے اسپتال کو شرمناک طریقے پر چھوڑ کر وہ بھاگ کھڑا ہوا، اگرچہ

اس کے پاس اس سے کہیں برتر فوج تھی، جو پورٹونوو میں سر آئر کوٹے کے پاس تھی۔[125] کارنوالس سے واپسی کی ہدایت موصول ہونے کے بعد ابرکرومبی نے بھی، گورنر جنرل ہی کی طرح اپنی بھاری توپوں کو برباد کردیا، کیوں کہ باربرداری کی دشواریوں کی وجہ سے انھیں وہ ساتھ نہیں لے جاسکتا تھا۔ پسپائی کے دوران اس کے تقریباً تمام مویشی بھی مرگئے۔ دوسری طرف سپاہی بیماری اور تھکن سے چور اور مغربی ساحل کی بارش کا شکار ہو رہے تھے۔[126]

کارنوالس کی سرکردگی میں انگریزی فوج نے ابھی چھ میل ہی مسافت طے کی تھی کہ سواروں کا ایک دستہ بڑھتا ہوا نظر آیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ میسوری سوار ہوں اور فوجی ذخیرے اور اسباب پر حملہ کرنے والے ہوں۔ کرنل اسٹیووٹ، جو عقب میں تھے، انھیں حملے کو روکنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ وہ اس مرہٹہ فوج کا ہراول دستہ ہے جو ہری پت اور پرشورام باہو کی ماتحتی میں کارنوالس کو کمک پہنچانے کے لیے سرنگاپٹم جارہا تھا۔[127] مرہٹوں نے اپنی نقل وحرکت کے بارے میں دوبار کارنوالس کو پیغام بھیجے تھے جو ٹیپو کی نگراں فوج کی چوکسی کی وجہ سے پہنچ نہیں سکے تھے۔ چنانچہ باہو کے بیٹے رام چندر کے ساتھ پانچ ہزار سپاہ کو انگریزی فوج کے متعلق خبر لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اسی دستے نے انگریزی فوج سے مل کر یہ خوش خبری سنائی کہ مرہٹہ فوج بہت قریب پہنچ چکی ہے۔[128]

مرہٹہ فوج کی آمد کی خبر انگریزی فوج کے لیے بے حد خوشگوار واقعہ تھا اور اس پر بڑی خوشی منائی گئی۔ مرہٹہ فوج کے پہنچنے میں اگر کچھ اور تاخیر ہوتی تو انگریزی فوج ضروریات زندگی کے فقدان اور ٹیپو کی فوج کے حملوں کی تاب نہ لاکر تباہ ہوجاتی۔ کیوں کہ ٹیپو اب اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔[129] مرہٹے اپنے ساتھ بہت زیادہ رسد اور دوسری چیزیں لائے تھے، جو انھوں نے انگریزی فوج کے حوالے کردیں، اگرچہ اس سے خود مرہٹہ کیمپ میں سامان کی کمی ہوگئی۔[130] لیکن مرہٹوں نے اپنے حلیفوں کی اس تشویشناک حالت کا پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا اور جو جو سامان انھوں نے دیا اس کی بھاری قیمت بھی وصول کرلی۔[131]

مرہٹہ سردار سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے کے لیے مضطرب تھے اور کارنوالس پر زور دے رہے تھے کہ وہ واپس لوٹنے کا ارادہ ترک کردے۔ غلّہ اور بیل فراہم کرنے کا بھی وہ یقین دلا رہے تھے، جن کی شدید قلت تھی لیکن کارنوالس ان کی تجویز کو قبول کرنے سے اس لیے انکار کررہا تھا کہ اسے قبول کرنے کے بعد ایک طویل مدت تک انگریزوں کو مرہٹہ بازار کے تکلیف دہ "رحم وکرم" پر انحصار کرنا پڑتا، جہاں انھیں قلیل ضروریات کے لیے بھاری قیمت ہی ادا نہ کرنا پڑتی، بلکہ کبھی کبھی رسد کے قطعی فقدان کا بھی سامنا کرنا پڑتا۔[132] دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ سپاہی تھک کر چور ہوچکے تھے، توپ خانے اور سامان حرب ضائع کیا جاچکا تھا، ابرکرومبی بھی واپس ہوچکا تھا اور موسمی حالت بھی خراب ہوچکی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر کارنوالس نے مرہٹوں کی پیش کش کو قبول کرنا خلاف دانش سمجھا اور بنگلور واپس لوٹنے کا

فیصلہ کیا۔ لیکن مُہم کی ناکامی کا اس پر بے حد اثر تھا۔ رچ فیلڈ اور کونٹری کے بشپ کو اس نے لکھا کہ "میری ہمت تقریباً جواب دے چکی ہے، اور اگر جلد ہی ٹیپو پر میں قابو حاصل نہ کر سکا، تو اس انتہائی دشوار جنگ کا عذاب اور اس کی شرمناکی میرا خاتمہ ہی کر دے گی"۔[133]

بالآخر مرہٹوں نے بھی کارنوالس کی اس رائے سے اتفاق کر لیا کہ سرنگاپٹم کی مُہم کو اگلے موسم تک ملتوی رکھا جائے۔ چنانچہ اتحادی فوجوں نے 6 جون 1791 کو میلوکوٹہ کے مضافات سے کوچ کیا، جہاں وہ خیمہ زن رہی تھیں اور آہستہ آہستہ بنگلور کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ کبھی کبھی حالات کے مطابق، سیدھے راستے کو انھیں ترک بھی کرنا پڑتا تھا۔ جنوب مشرق کی سمت بڑھتے ہوئے 19 جون کو انگریزی فوجیں ہولیور درگا کے قریب پہنچیں۔ یہ مقام فوجی اعتبار سے خاصا مستحکم تھا۔ چنانچہ وہاں کے کمانڈر نے ابتدا میں انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اس پر ہیبت چھا گئی اور اس شرط پر اس نے اطاعت قبول کر لی کہ محافظ فوج کا نجی مال و اسباب محفوظ رہے گا اور فوجی حفاظت میں اسے بھیجا جائے گا۔ شروع میں شرائطِ اطاعت کی پابندی کی گئی، لیکن جب حفاظتی دستہ رخصت ہو گیا تو مدور جاتے ہوئے اس محافظ فوج کو مرہٹوں نے لوٹ لیا اور "ان کے کپڑے تک اُتروا لیے"۔ ہولیور درگا کے قلعہ میں کثیر تعداد میں بھیڑیں، بڑی مقدار میں چارہ اور غلّہ موجود تھا۔ اس سے انگریزی فوج کو بڑی راحت نصیب ہوئی۔ قلعہ کو انگریزوں اور مرہٹہ دونوں نے غیر ضروری سمجھ کر ڈھا دیا۔[134]

انگریزی فوج نے شمال کی جانب کوچ جاری رکھا اور ہوتری درگا کے قریب پہنچنے کے بعد وہاں کے قلعہ سے اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کا جواب کمانڈر نے یہ دیا کہ "بیس سال تک میں نے ٹیپو کا نمک کھایا ہے" اور جب تک سرنگاپٹم پر انگریزوں کا قبضہ نہیں ہو جاتا، وہ اطاعت قبول نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ساون درگا کے قلعہ سے بھی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس وقت کارنوالس کے لیے چونکہ محاصرہ کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے وہ دونوں قلعوں کے قریب سے گزر گیا۔[135] 11 جولائی 1791 کو اتحادی فوجیں بنگلور کے نواح میں پہنچ گئیں۔

میلوکوٹہ کے مقام پر انگریز اور مرہٹہ فوجوں کے مل جانے کے بعد مستقبل کی کارروائی کا نقشہ بنانے کے لیے دونوں فوجوں کے کمانڈروں میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ پرشورام باہو اور ہری پت کی تجویز تھی کہ سیرا کی طرف کوچ کر کے اُس علاقے پر قبضہ کر لینا چاہیے جو سیرا اور دریائے کرشنا کے مابین واقع ہے، تاکہ مرہٹہ علاقے سے براہِ راست رابطہ قائم ہو سکے۔ نظام کی فوج کے کمانڈر نے بھی مرہٹہ تجویز کی تائید کی لیکن کارنوالس اس تجویز سے متفق نہیں تھا۔ کرناٹک کے ساتھ آزادانہ رابطے کے قیام کو بھی وہ اسی قدر اہم سمجھتا تھا۔ اس سے

قطع نظر اس کی فوج بھی مرہٹوں کے ساتھ جانے کی اہل نہیں تھی۔ یورپین سپاہیوں کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے، سامانِ جنگ کی بھی ان کے پاس حد سے زیادہ کمی تھی، مرہٹہ بازاروں میں چاول اور گیہوں کی بڑی قلت تھی، گھاس پھوس کی جس غذا پر سپاہی جی رہے تھے اس سے شدید بیماریاں پھیل رہی تھیں اور ان میں بڑی بے اطمینانی تھی۔ ان اسباب کی بنا پر کارنوالس نے بنگلور جانا ضروری سمجھا، تاکہ اگلے موسم میں سرنگاپٹم کی مُہم کے لیے اپنی فوج کو دوبارہ لیس کر سکے۔ اتحادی کمانڈروں کی متعدد ملاقاتوں کے بعد طے پایا کہ طویل مدت تک اسی مقام پر متحدہ فوجوں کا قیام چونکہ ممکن نہ ہو سکے گا، اس لیے انگریز فوجیں کرناٹک کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی راہ ہموار کریں اور مرہٹہ فوجیں کوشش کریں کہ براہِ سیرا مرہٹہ علاقے سے ان کے رسل و رسائل کی راہیں کھُل جائیں[136]۔ چنانچہ بمبئی کے دستے کی معیت میں باہو سیرا کی طرف بڑھا اور ہری پت، پیشوا کے نمائندے کی حیثیت سے کارنوالس کے ساتھ رہا۔ چونکہ اسد علی خاں نظام کے بیشتر سواروں کو لے کر پہلے ہی شمال مشرق کی سمت کوچ کر چکا تھا، اس لیے راجا تیج ونت کو کمانڈر بنایا گیا۔ مگر اگست کی ۱۶ تاریخ جب میر عالم ہسور کے قریب انگریزی کیمپ میں پہنچ گیا تو راجا کو اس کے سفارتی عہدے سے برطرف کر دیا گیا[137]۔

باب 14 کے حاشیے)

1. Ross, Cornwallis, vol. ii, p. 52.

2. Fortescue, vol. iii, p. 570.

3. حامد خاں، 71 ب تا 73 ب۔

حامد خاں نے انگریزی فوج کے مدراس سے بنگلور تک کوچ کرنے کا بڑا تفصیلی نقشہ پیش کیا ہے۔

4. Fortescue, vol. iii, p. 572.

5. P.R.O., 30/11/152, Cornwallis to Grenville, Nov. 15, 1790, ff 12a-b.

6. حامد خاں، و 72 الف و ب۔

7. تاریخ ٹیپو، و 101 ب تا 102 الف۔ کرمانی، ص 345۔ تاریخ میسور کا ایک فارسی مخطوطہ،
(Journal of Mysore University, Sept. 1944, Chap. XX).

ولکس کہتا ہے کہ سید پیر کو اس لیے برطرف کیا گیا تھا کہ اس نے "محاصرے کے آخری نتائج کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا تھا
(Wilks, vol. ii, p. 430).

لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس کے ہٹائے جانے کا اصل سبب یہ تھا کہ ٹیپو کو اس کی وفاداری پر شبہ تھا۔
اس کے علاوہ اس وقت ضرورت تھی کہ بنگلور میں ایک قابل اور باہمت کماندار ہو۔ اور اس کام کے لیے بہادر خاں سے زیادہ اور کون موزوں ہو سکتا تھا۔ ولکس کا یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کہ بنگلور کی طرف ٹیپو کے کوچ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے حرم کے لیے پریشانی لاحق تھی۔ (Ibid., p. 424).

حقیقت یہ ہے کہ سلطان بنگلور اس لیے گیا تھا کہ وہاں کے دفاعی انتظامات اسے کرنے تھے، جو غیر اطمینان بخش تھے۔ اس سے قطع نظر، بنگلور کا قلعہ اتنا مستحکم تھا کہ ٹیپو کو اس کا خیال بھی نہیں تھا کہ انگریز اس پر قابض ہو سکیں گے۔

8. حامد خاں، و 73 الف و ب۔

9. Gleig, Munro, vol. i, p. 108.

10. Ibid.; Rennel, Marches of British Armies, p. 60; Wilks, vol. ii, p. 427.

ولکس کا یہ بیان غلط ہے کہ فلائنڈ قلعہ کے جنوبی مغربی حصے کی قراولی کے لیے گیا تھا۔

11. Wilks, vol. ii pp. 427-8.

12. حامد خان، و 74 الف۔
13. Gleig, Munro, p. 109

مشرو کا بیان ہے کہ اس معرکے میں ڈھائی سو گھوڑے اور سو آدمی گرفتار ہوئے۔ دو سو کے قریب زخمی ہوئے اور پندرہ یا بیس آدمی کام آئے۔ لیکن اس نے یہ کم کرکے بتایا ہے۔

14. حامد خاں، و 74 ب۔
15. Gleig, Munro, vol. i, p. 109.
16. Ibid., p. 110
17. حامد خاں، و 76 الف؛ Fortescue, vol. iii, p. 575
18. Mackenzie, vol ii, p. 31
19. Wilks, vol. ii, pp. 430-31
20. Mackenzie, vol. ii, pp. 29-30
21. حامد خاں، و 77 الف۔
22. Mackenzie, vol. ii, p. 46
23. Gleig, Munro, vol. i, p. 110
24. Mackenzie, vol. ii, pp. 32-3; Wilks, vol. ii, p. 433.

ولکس کا یہ بیان غلط ہے کہ میسوریوں کے مجروحین و مقتولین کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔

25. Mackenzie, vol. ii pp. 34, 49; Gleig, Munro, vol. i, p. 115
26. Mackenzie, vol. ii, pp. 37-8; Fortescue, vol. ii, p. 577.
27. کرمانی، ص 347۔
28. Gleig, Munro, vol. i, p. 115; Rennel, Marches of the British Armies, p. 64; Mackenzie, vol. ii pp. 38-9; Wilks, vol. ii 437.

ولکس کا یہ بیان غلط ہے کہ ٹیپو اور حفاظتی فوج کو اس بات کا علم تھا کہ اس رات کو حملہ ہونے والا ہے۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا تو وہ حفاظتی انتظام کرتے۔ بقول میکنزی "اگر صحیح طریقے پر انتظام کیا گیا ہوتا تو کامیابی مشکوک ہو جاتی۔" (Mackenzie, vol. ii, p. 40)۔

29. Ibid., pp. 40–42; Wilks, vol. ii, pp. 435–36.

30. Wilson, vol. ii, p. 206.

31. حامد خاں، و 78 الف؛ کرمانی، ص 347. Rennell, Marches of British Armies, p. 65.

حامد خاں کا بیان ہے کہ سیواجی کی کمان میں تین ہزار سوار و پیادے تھے۔ لیکن اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سیواجی کے ساتھ کرشنا راؤ بھی گرفتار ہوا تھا۔ دی فرانسے اور دوسروں کے بیان کے مطابق، جو غلط معلوم ہوتے ہیں، بہادر خاں انگریزوں سے ملا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس قلعہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ وہ کیوں کرتا جس میں چار ہزار دو سو حفاظتی فوج موجود تھی، جس کی دیوار در میں رخنے نہیں پڑ سکے تھے اور جس کی خندقیں خشک اور گہری تھیں۔
(A.N., C²295, de fense to Minister, Aug. 1, 1791, No. 34).

32. Mackenzie, vol. ii, p. 45.

33. Gleig, Munro, vol. i, p. 114.

34. N.A., O.R., 78, Rajab 16, 1206 A.H./March 21, 1791

35. M.R. Mly. Cons., April 23, 1791, vol. 147 B, p. 1898

36. تاریخ ٹیپو، و 102 الف؛ تاریخ میسور (فارسی مخطوطہ)، باب 20؛ کرمانی، ص 2-351.
Wilks, vol. ii, p. 450; Punganuri, p. 45.

مندرجہ بالا مآخذ میں سازش کے واقعے کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کرشنا راؤ ٹیپو کے دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔

37. Mackenzie, vol. ii, pp. 54–5.

38. Rennel, Marches of British Armies, p. 73

39. Mackenzie, vol. ii, pp. 56–58; Wilks, vol. ii, pp. 443–4.

40. N.A., Pol. Pro., Dec. 17, 1790, Cons. No. 3, Nizam to Nana.

41. Ibid., Nov. 24, 1790, Cons. No. 24 Lankhul to kennaway

42. Ibid., P.R.C., iii, No. 168.

43. N.A., Pol. Pro., Dec. 17, 1790, Cons. No. 3, Nizam to Nana.

44. Ibid

45. Duff, ii, p. 202; P.R.C., iii, No. 254.

46. Ibid., No. 132

47. Wilks, ii pp. 481-2.

48. N.A., Pol. Pro., Nov. 3, 1790, Cons. No. 18.

49. P.R.C., iii, No. 199.

50. N.A., Pol. Pro., Nov. 10, 1790, Cons. No. 21.

51. P.R.C., iii, No. 199.

52. N.A., Pol. Pro., Nov. 3, 1790, Cons. No. 18.

53. P.R.C., iii, No. 251.

54. N.A., Pol. Pro., Dec. 9, 1790, Cons. No. 9.

55. P.R.C., iii, No. 203.

56. Ibid., No. 241.

57. Ibid., No. 218, 220; N.A., Pol. Pro., Jan. 13, 1791, Cons. No. 13.

58. Mackenzie, ii, p. 63; Wilks, ii, p. 482.

59. Ibid., P.R.C., iii, Nos. 309, 331.

60. Khare, viii, p. 4238.

61. Ibid., Nos. 3188, 3191.

62. P.R.C., iii, Nos. 128, 129, 147; Khare, viii, p. 4289.
کھرے کا بیان ہے کہ جون و جولائی کے مہینوں میں انتہائی کوشش کے باوجود باہو پانچ ہزار سوار اور دو ہزار پیادوں سے زیادہ فراہم نہیں کر سکا تھا۔

63. Khare, viii, p. 4291; Parasnis, The Sangli State, p. 18.
پارسنیز کے بیان کے مطابق باہو جب دھارواڑ پہنچا تو اس کے ساتھ پندرہ ہزار سوار اور تین ہزار پیادے تھے۔ لیکن کھرے کا بیان ہے کہ باہو کا لشکر پچیس ہزار سوار اور دس ہزار پیدل کا تھا۔
(Khare, viii, No. 3197)

64. Khare, viii, ص. 4292.

65. Ibid., No. 3218, Bahu to Bara Saheb, Aug. 31, 1790; Moor, p. 38;

لیکن میکنزی کا بیان ہے کہ باہو کے پاس سات ہزار سپاہی تھے۔

P.R.C., iii, No. 149; Mackenzie, ii p.68.

66. Moor, p.3.

67. P.R.C., iii, No.158.

68. Moor, pp.4-5; Khare, viii, No.3237.

69. Moor, pp.6-7; Duff, ii, pp. 199-200.

70. Moor, p.30.

71. Duff, ii, p.200.

72. Khare, viii, No.3277.

73. Ibid., No. 3279.

74. Ibid., Nos. 3284, 3285.

75. Moor, p.26.

76. Duff, ii, pp. 201, 203.

کیپٹن لیٹل کی حربی صلاحیتوں کے بارے میں فریڈرک کی رائے خراب تھی۔ چنانچہ باہو سے مذاکرات کے لیے وہ اسے اپنے ساتھ کبھی نہیں لاتا تھا۔ (Khare, viii, No.3279)

77. Moor, pp.32f; Duff, ii, p. 201.

78. Khare, viii, Nos. 3291, 3294, Nilka nath to Bara Saheb, March — 4 and 8 respectively; Moor, p.42.

مور کا بیان ہے کہ محافظ دستے کو رسد کی اور اسلحہ کی تو تنگی تھی، لیکن پانی اور گولیوں کی کمی نہیں تھی۔

باہو نے لکھا تھا کہ محافظ دستے کے پاس پانی اور رسد کی کافی مقدار تھی۔ اس طرح کے بیانات سے باہو دھارواڑ پر اپنے قبضہ کرنے کی اہمیت بڑھانا چاہتا تھا۔ (Khare, ix, No.3330)

79. Khare, viii, Nos. 3233, 3234.

80. Moor, pp.37-38

81. Ibid., Mackenzie, ii, p.70.

82. Moor, p.38.

83. Khare, ix, No. 3323.

84. Ibid., No. 3327.

85. Ibid., Nos. 3327, 3330; Moor, p. 43, Mackenzie, ii, p. 70.

86. Duff, ii, p. 201.

87. Moor, p. 43.

88. Ibid.

89. Mackenzie, ii, p. 70.

90. P.R.C., iii, No. 297.

91. کرمانی، ص 354.

92. Wilks, ii, p. 487.

93. Khare, ix, No. 330.

94. Moor, p. 42.

95. Ibid., p. 40.

96. Duff, ii, p. 201

97. Khare, ix, No. 4476.

98. Moor, p. 72.

99. Khare, ix, No. 3341.

100. Ibid., No. 3354, p. 4478.

101. Ibid., No. 3342.

102. Duff, vol. ii, p. 203.

103. گنڈوال آندھرا پردیش کے ضلع رائچور کا ایک قصبہ ہے۔

104. P.R.C., iii, 234, 304; Duff, vol. ii, p. 202.

ڈف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ہری پت تیس ہزار سپاہ لے کر پونہ سے روانہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ تیرہ ہزار آدمی تھے۔ اگرچہ معاہدۂ اتحاد کے مطابق اس کے ساتھ پچیس ہزار آدمی ہونے چاہیے تھے۔

105. P.R.C., ii, No. 353; Duff, vol. ii, pp. 202-3.

106. Forest, Selections, Cornwallis, i, pp. 81-2.

107. Mackenzie, vol. ii, pp. 90-1; Wilks, vol. ii, pp. 451-2.

108. حامد خاں، و 733 الف و ب

109. Mackenzie, vol. ii, p. 92.

110. Wilks, vol. ii, p. 453.

111. Gleig, Munro, vol. i, p. 118.

112. Wilks, vol. ii, pp. 454-56.

113. Gleig, Munro, vol. i, p. 118.

114. Wilks, vol. ii, p. 456.

115. Gleig, Munro, vol. i, p. 118.

116. Wilks, vol. ii, pp. 457-58.

117. Gleig, Munro, vol. i, p. 118.

118. حامد خاں، و 84 ب، 85 الف۔

119. تاریخ ٹیپو، و 103۔

120. Gleig, Munro, vol. i, p. 119.

121. Ibid.

122. urom, p. 2.

123. Ibid., pp. 3-4.

حامد خاں، (و 85 الف) نے انگریزی فوج کی اس وقت کی حالت کا نہایت تفصیلی نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ چاول چھ روپے سیر، دال چار روپے سیر، گھی سولہ روپے سیر اور آٹا تین روپے سیر تھا۔

124. تاریخ ٹیپو، و 103 الف و ب۔

125. Gleig, Munro, vol. i, p. 132.

126. Dirom, p. 2.

127. Wilks, vol. ii, pp. 464-65.

128. Khare, ix, No. 3346.

129. Gleig, Munro, vol. i, p. 120.

130. Khare, ix, No. 3346.

کھرے کے مطابق مرہٹہ کیمپ میں چاول کی قیمت بیس آنے سیر، چنا روپے کا دو سیر، آٹا روپے کا دو سیر اور گھی چار روپے سیر تھا۔ لیکن حامد خاں (و 86 الف و ب) کے مطابق چاول دو روپے سیر اور آٹا ڈھائی روپے سیر تھا۔ دال چار روپے سیر تھی۔ راگی یا چنا، روپے کا پانچ سیر اور گھی ڈیڑھ روپے سیر تھا۔ ڈائرم کا کہنا ہے کہ فی روپیہ تین سیر چاول اور چھ سیر راگی یا چنا، عام طور پر، کم سے کم قیمت ہوا کرتی تھی۔ ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیمتیں مقرر نہیں تھیں، بلکہ سپاہیوں کی ضرورت کی کمی بیشی کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔

131. Diram, pp. 9-10; Mackenzie, vol. ii, p. 108.

132. M.R., Mly. Cons., June 17, 1791, vol. 149 B, p. 2986.

133. Ross, Cornwallis, vol. ii, p. 98.

134. Wilks, part ii, pp. 468-69.

135. Diram, pp. 21 seq.

136. P.R.C., iii, Nos. 328, 332, 348.

137. کارنوالس کا خط مورخہ 7 ستمبر 1791 بنام کورٹ آف ڈائرکٹرس، نیز Duff, ii, p. 205.

پندرھواں باب

جنگ ـ آخری رُخ

بنگلور پہنچنے کے ساتھ ہی کارنوالس نے اگلے موسم میں سرنگاپٹم پر چڑھائی کے انتظامات شروع کر دیے۔ بہرحالت بھی اس نے کوشش کی کہ کرناٹک کے ساتھ اور نظام کے مقبوضات کے ساتھ مسلسل رابطے کی براہ راست راہیں کھل جائیں تاکہ سلطان کی راجدھانی پر جب چڑھائی کی جائے تو اتحادی فوجوں کو آسانی کے ساتھ سامان رسد ملتا رہے۔

کرناٹک سے میسور کے میدانی علاقوں تک جانے والے تمام دروں میں پلاکد کے درّے سے ہو کر گزرنا سب سے آسان تھا۔ یہ بنگلور سے نسبتاً قریب بھی تھا اور میسور کی فوجوں نے ہمیشہ اسی درّے سے گزر کر کرناٹک پر حملے کیے تھے لہٰذا متعدد قلعے اس کی نگہبانی کرتے تھے، جن میں ہسور اور رایاکوٹائی کے قلعے سب سے زیادہ اہم تھے۔ کارنوالس نے سب سے پہلے ان ہی پر قبضہ کرنے کی طرف توجہ مبذول کی، کیوں کہ اس کے بعد کرناٹک کے ساتھ آزادانہ رسل و رسائل ہی کا راستہ نہیں کھل سکتا تھا، بلکہ ٹیپو کے سواروں کے حملوں سے بھی محفوظ رہنے کا امکان تھا

15 جولائی کو کارنوالس نے ہسور کی طرف کوچ کیا، جو بنگلور سے اٹھائیس میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ سلطان نے اس قلعے کے دفاعی انتظامات کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ مکمل نہیں ہو سکے تھے۔ چنانچہ جب میجر گودائی وہاں پہنچا، جسے ہراول فوج کے ساتھ بھیجا گیا تھا، تو قلعہ خالی کر دیا گیا۔ محافظ فوج نے قلعے کو اُڑا دینے کا ارادہ کیا، لیکن میجر گودائی کی پیش قدمی اتنی اچانک تھی کہ قلعہ کو اُڑانے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ 15 جولائی ہی کو قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ چند روز کے بعد انچیتی درگا، نلگری اور رتناگری کے قلعوں نے بھی اطاعت قبول کر لی ہے[2]

اس کے بعد میجر گودائی کو رایاکوٹائی بھیجا گیا، جہاں آٹھ سو محافظ سپاہی تعینات تھے۔ وہاں دو قلعے تھے، ایک پہاڑی کے اوپر اور دوسرا اس کے نیچے تھا۔ 20 جولائی کو گودائی نے دھاوا کرکے نچلے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر اس نے بالائی اور بڑے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ محافظ فوج نے جم کر مقابلہ کیا، لیکن جب کارنوالس اصلی فوج لے کر پہنچا، تو قلعدار کی ہمت نے جواب دے دیا۔ اس نے انگریزوں سے ایک رشوت قبول کرلی۔ 22 جولائی کو اس نے اس شرط پر کہ اس کی ذاتی املاک محفوظ رہے گی اور اسے اپنے خاندان کے ساتھ کرناٹک میں رہنے کی اجازت ہوگی، اس کی اطاعت قبول کرکے قلعہ خالی کردیا جو "اتنا بلند، اتنا وسیع اور ہر اعتبار سے اتنا مستحکم و مکمل تھا کہ قحط اور شدید محاصرے ہی کی صورت میں وہ زیر ہو سکتا تھا"[3]۔ اس کے ساتھ ہی نچلی درگ، اودیادرگ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قلعوں نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ رایاکوٹائی، انچیتی درگ اور اودیادرگ کے قلعوں میں محافظ فوج رکھی گئی اور باقی دوسرے قلعوں کو ڈھا دیا گیا۔ اس طرح سے بارامحال کی راجدھانی کرشناگری کے علاوہ ان تمام چوکیوں پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا جو کرناٹک سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے ضروری تھیں۔

کچھ عرصے تک کارنوالس ہسور میں سامان رسد کے اس قافلے کی نگہبانی کے خیال سے مقیم رہا جو کرناٹک سے آنے والا تھا۔ اگست کی 10 تاریخ وہ بہ حفاظت پہنچ گیا۔ اس میں خزانے سے لدے ہوئے سو ہاتھی، چاول سے لدے ہوئے چھ سو بیل، عرق (شراب) سے لدے ہوئے سو چھکڑے اور سینکڑوں تُلیوں پر مختلف قسم کی دوسری چیزیں لدی تھیں۔ مِل کے الفاظ میں یہ "سامانِ رسد سے لدا ہوا ایک ایسا قافلہ تھا کہ آج تک ہندوستان کے کسی بھی میدانِ جنگ میں اس نوع کا کوئی قافلہ کسی برطانوی فوج سے نہیں آن ملا تھا"[4]۔

اس کے بعد لارڈ کارنوالس نے ان قلعوں کی طرف توجہ کی جو بنگلور کے مشرق میں تھے اور جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ انگریزوں کو گرد و پیش کے وسائل ہی پر کلّی قابو حاصل نہیں تھا بلکہ نظام کی اس فوج کے نام و پیام کو بھی وہ درمیان ہی میں روک لیتے تھے، جو گورام کنڈ کے قریب مقیم تھی۔ اس لیے کارنوالس نے ان قلعوں پر قبضہ کرنے کے لیے میجر گاوڈی کو روانہ کیا۔ اس نے کم اہمیت والے بہت سے قلعوں پر بہ آسانی قبضہ کرلیا، لیکن نندی درگ کے مستحکم قلعہ نے خاصا مقابلہ کیا، جو تقریباً سترہ سو فٹ بلند پہاڑی کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ کسی سمت سے اس میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا، سوا ایک کے، اور وہ راستہ بھی انتہائی ناہموار اور ڈھلوا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف بھی مضبوط دیواروں سے قلعہ بندی کی گئی تھی، اور پھاٹک پر بھی فصیل بنائی گئی تھی۔ راستے کی مزید حفاظت کے لیے ٹیپو تیسری طرف بھی دیوار کھڑی کرنا چاہتا تھا اور اس کی بنیادیں کھودی جا چکی تھیں، مگر جنگ شروع ہوجانے کی وجہ سے یہ تعمیر مکمل نہیں ہوسکی تھی۔ تاہم جہاں تک قلعہ کی مضبوطی کا تعلق ہے ساون درگ، چیتل درگ اور کرشناگری کے بعد یہی سلطنت میسور کا سب سے مستحکم قلعہ تھا[5]۔

میجر گاؤڈی نے سب سے پہلے 'پےتھہ' پر حملہ کیا اور 22 ستمبر کو پو پھوٹتے ہی اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 27 ستمبر کو قلعہ کا محاصرہ شروع کیا۔ اکیس دن کے بعد اس میں صرف دو شگاف ڈالے جا سکے حفاظتی فوج کو خوف زدہ کرنے کے لیے خود کارنوالس نے ساری فوج کو لے کر اکتوبر کی 18 تاریخ قلعہ سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا اور شگافوں کا جائزہ لینے کے بعد حکم دیا کہ رات کو چاند کے بلند ہونے کے بعد قلعہ پر دھاوا بولا جائے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد جنرل میڈوز نے حملہ شروع کیا۔ حفاظتی فوج نے بھاری توپوں اور بندوقوں سے، نیز بھاری بھاری پتھر پہاڑی سے لڑھکا کر، شدید اور موثر مزاحمت کی۔ لیکن حملہ آور پارٹی شگافوں میں گھسنے میں اور اندرونی دیوار کا پھاٹک کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور بالآخر قلعہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔[6] اس کے بعد قلعہ انگریزی فوج کی لوٹ اور غارت گری کا شکار رہا۔ عورتوں کی بے عزتی اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کی گئی۔ قلعہ میں جو مندر تھا اس کی لوٹ سے بڑی مقدار میں قیمتی سامان انگریزی فوج کے ہاتھ آیا۔ مندر میں پتھر کا تراشا ہوا ایک بُت بھی تھا، جس پر بھینٹ چڑھانے کے لیے ہندوستان کے تمام حصّوں سے لوگ وہاں آتے تھے۔ حفاظتی فوج کے بہت سے لوگوں کو پابہ زنجیر کر کے ان کی عورتوں کے ساتھ کارنوالس کے سامنے پیش کیا گیا۔[7] لطیف علی بیگ کو، جو بخشی تھا، سُلطان خاں کو، جو قلعہ دار تھا، اور بہت سے سپاہیوں کو قیدی بنا کر ویلور بھیج دیا گیا۔ عورتوں کو اور برہمنوں کو ایک قلعہ میں رکھا گیا، جو وہاں سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔[8]

نند درگ کے قلعہ پر قبضے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کولار درگ کے نواحی قلعہ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور گرومل کنڈ کے قلعہ کی حفاظتی فوج کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ دوسری طرف محاصرہ کرنے والوں کی ہمتیں بہت بڑھ گئیں۔ اس سے قطع نظر ان کامیابیوں نے نظام کے مقبوضات کے ساتھ انگریزی فوج کے براہِ راست رابطے کی راہیں کھول دیں۔

انگریزی فوج کی ان مُہم جوئیوں کے دوران ٹیپو سلطان بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہا۔ قلعدار جب سلطنت کے مختلف قلعوں کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، تو اس نے سلطنت کے ان حصّوں کو واپس لینے کی کوشش کی جن پر دشمن نے قبضہ کر لیا تھا۔ بدنور کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں بچی تھی جہاں سے وہ سامانِ رسد حاصل کر سکے۔ اوائل جون میں کوئمبٹور پر قبضہ کرنے کے لیے بدرالزماں خاں کے بیٹے باقر کی سرکردگی میں ٹیپو نے دو ہزار مستقل پیدل فوج بھیجی۔[9] وہاں کا کمانڈر لیفٹننٹ شالمرس تھا، جس کے تحت ہندوستانی عیسائی سپاہیوں کی ایک کمپنی اور راجا ٹراونکور کے سپاہیوں کی ایک رجمنٹ، راجا ہی کے ایک فرانسیسی افسر میگلٹ ڈی لاکومبے کی ماتحتی میں تھی، جس میں معمولی قسم کی چند بندوقیں اور تھوڑا سا سامانِ جنگ تھا۔ چونکہ اس قلعہ کے متعلق خیال تھا کہ وہ کسی طویل محاصرے میں نہ ٹھہر سکے گا، اس لیے بھاری توپیں اور فوجی ذخائر وہاں سے

ہٹا کر پال گھاٹ بھیج دیے گئے تھے، جو میجر کویگ کی کمان میں تھا[15]

13 جون 1791 کو باقر نے کوئمبٹور کا محاصرہ کیا اور 16 کو پے ٹھ پران کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد شالمرس کو یہ دھمکی دینے کے لیے طلب کیا کہ اطاعت اگر قبول نہ کی گئی تو پوری قلعہ کی محافظ فوج کو تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ لیکن شالمرس نے اسے نظر انداز کیا اور محاصرہ شروع ہو گیا۔ قلعہ شکن توپوں نے گولہ باری کی، لیکن اگست کی 7 تاریخ سے پہلے قلعہ کی دیوار میں شگاف ڈالنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ 11 تاریخ صبح کو عام ہلہ بول دیا گیا۔ دو گھنٹے تک مقابلہ ہوتا رہا۔ بالآخر میسوری فوج کو، دو سو سپاہیوں کے نقصان کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ اس شکست کے بعد ہی سبھی کسر میجر کویگ کی آمد نے پوری کر دی، جو شالمرس کی فوج کی خستہ حالی کن کراس کی کمک کے لیے آیا تھا۔ اس نے ان تمام علاقوں کو واپس لے لیا، جن پر میسوریوں نے قبضہ کر لیا تھا اور جب تک انھوں نے دریائے بھوانی کو پار نہیں کر لیا وہ ان کا پیچھا کرتا رہا۔ میجر نے لیفٹننٹ ناش کے تحت کوئمبٹور کے قلعہ کی محافظ فوج کی تعداد سات سو کر دی اور راجا ٹراونکور کے سپاہیوں کے ایک دستے کو وہاں چھوڑ کر پال گھاٹ واپس لوٹ گیا[11]

فوج کا ایک بڑا دستہ جب کوئمبٹور کے صوبہ کو خالی کرانے میں لگا تھا، تو خود ٹیپو اصل فوج کو لے کر شمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے کارنوالس حد درجہ پریشان ہوا، کیوں کہ وہ یہ سمجھا کہ سلطان چیتل درگ کے صوبے میں پرشورام باہو کے مقابلے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ کارنوالس نے کرشناگری کے محاصرہ کے خیال کو ترک کر کے، اسی طرف کا رُخ کیا۔ مگر ٹیپو اپنی راجدھانی سے زیادہ دور جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی پیش قدمی کا مقصد صرف اس فوجی دستے کا تحفظ کرنا تھا جو بدنور سے آرہا تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہو گیا اور قمرالدین خاں کی ماتحتی میں بھیجے جانے والے دستے نے بھی مرہٹوں کے اس دستے کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا، جسے بلونت راؤ کی ماتحتی میں ہری پت نے دشمن کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے مدن گری میں چھوڑا تھا اور مرہٹوں کے اس محافظ فوجی دستے کو بھی مار بھگایا جو دودبال پور میں تھا، تو سلطان اپنی راجدھانی کو واپس چلا گیا۔[12] اس کے بعد سلطان نے ایک بار پھر قمرالدین خاں کو کوئمبٹور پر قبضہ کرنے کی کوشش کے لیے روانہ کیا۔

قمرالدین خاں اکتوبر کی 5 تاریخ کو کوئمبٹور کے سامنے پہنچا۔ 8 تاریخ اس نے انگریزی سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی پر حملہ کیا جو قلعہ کی فصیل کے قریب ایک تالاب پر تعینات تھی۔ ان کی مدد کے لیے فوراً لیفٹننٹ ناش کو بھیجا گیا۔ شدید مقابلہ ہوا، لیکن انگریزوں کو پسپا ہو کر قلعہ کے اندر چلے جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد میسوریوں نے قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کے لیے قلعہ شکن توپیں نصب کر لیں اور اپنے مورچوں کو تیزی سے آگے بڑھانا شروع کر دیا[13]

میجر شالمرس نے اس مقام پر اپنا قبضہ بحال رکھا۔ اسے اُمید تھی کہ اس بار بھی میجر کویگ اس کی مدد

کے لیے آ پہنچے گا۔ اس نے کئی بار سپاہیوں کی معرفت رسد اور گولہ بارود بھیجا بھی اور سپاہی رات کے وقت کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر داخل بھی ہو گئے، لیکن خود میجر کوپگ کے لیے وہاں فوری طور پہ پہنچنا ممکن نہیں تھا چنانچہ اکتوبر کی 22 تاریخ سے پہلے وہ پال گھاٹ سے نکل نہیں سکا۔ اس کی روانگی کی خبر سن کر قمرالدین نے اپنے کچھ سپاہیوں کو تو خندق میں چھوڑا اور خود باقی فوج کو لے کر 23 تاریخ مدن گیر کی طرف اس نے کوچ کیا، جو مغرب میں تقریباً سات میل کے فاصلے پر تھا، اور جہاں میجر کوئمبٹور جاتے ہوئے ایک دن پہلے پہنچا تھا۔ قمرالدین نے جنگ سے گریز کیا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ، انگریزی فوج کے داہنی جانب چلا گیا، تاکہ پال گھاٹ سے اس کا رشتہ منقطع ہو جائے۔ اس کے اس اقدام نے میجر کوپگ کو شدید پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اسے پال گھاٹ کی اہم چوکی ہی کی فکر نہیں تھی، بلکہ ڈنڈی گل سے آنے والے اس قافلے کی پریشانی بھی اسے لاحق تھی، جسے پال گھاٹ سے گزر کر ابرکرومبی کی فوج سے جا ملنا تھا۔ چنانچہ کوئمبٹور کو بیسوریوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس نے پسپا ہونے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے روانہ ہوتے ہی قمرالدین خاں نے شدید حملہ کر کے اسے بے طرح شکست دی۔[14] اس کا نقصان بھی بے حد ہوا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح پسپا ہو کر اس نے اپنی فوج کو بچا لیا۔ قمرالدین خاں کوئمبٹور واپس آ گیا، جسے انگریزی فوج سے اب اس نے منقطع کر دیا تھا۔

قمرالدین نے کوئمبٹور کا محاصرہ بڑی ہوشیاری و قوت کے ساتھ پھر شروع کیا۔ قلعہ کی دیوار میں ایک مفید مطلب شگاف پڑ گیا، محافظ دستے کے پاس گولہ بارود کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا اور کمک پہنچنے کی اُمید بھی منقطع ہو چکی تھی، اس لیے 2 نومبر کو لیفٹننٹ شالمرس نے اطاعت قبول کر لی۔ قلعہ کے محافظ فوجی دستے کو پہلے پی ٹھ میں قید رکھا گیا، پھر ٹیپو کی ہدایت کے مطابق اُسے سرنگاپٹم بھیج دیا گیا۔ انگریزوں نے اسے شرائط اطاعت کی خلاف ورزی قرار دیا۔ ان کے بیان کے مطابق شرطیں یہ تھیں: قلعہ کے محافظ فوجی دستے کے سپاہی اپنا نجی سامان لیکر قلعہ سے نکلیں گے، ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی، انھیں فوراً پال گھاٹ پہنچا دیا جائے گا جہاں سے وہ ساحل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ٹیپو کے خلاف اس جنگ میں وہ حصّہ نہ لیں گے۔ سرکاری اسلحہ، توپیں، گولہ بارود اور دوسرے ذخیرے قمرالدین خاں کے حوالے کیے جائیں گے۔[15] شالمرس کا دعوا تھا کہ شرائط اطاعت کا مسودہ انگریزی اور ہندوستانی زبانوں میں تیار کیا گیا تھا اور اس میں محافظ فوجی دستے کی رہائی کی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ دوسرا مسودہ فارسی میں قمرالدین خاں نے تیار کیا تھا[16] جسے وہ (شالمرس) سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس مسودے میں محافظ فوجی دستے کی رہائی کو سلطان کی مرضی پر مشروط رکھا گیا تھا۔ شالمرس کا بیان ہے کہ فروری 1792 میں اس کی رہائی سے چند روز قبل انگریزی اور ہندوستانی مسودات اس سے لے لیے گئے اور صرف فارسی مسودہ ہی اسے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی گئی۔ انگریزی

اور ہندوستانی شرائطِ صلح کے حوالے سے قلعہ کے محافظ فوجی دستے کی رہائی کا سوال سلطان کے سامنے اُٹھایا گیا، لیکن اس نے اسے قبول نہیں کیا اور محافظ فوجی دستے کو سرنگا پٹم بھیج دیا گیا۔[17]

اس کے برعکس قمرالدین خاں کا دعوا تھا کہ انگریزی اور ہندوستانی میں کوئی دستاویز نہیں لکھی گئی تھی۔ شرائطِ اطاعت کا مسودہ صرف فارسی میں لکھا گیا تھا۔ علی رضا خاں کے بیان سے بھی قمرالدین خاں کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ساری کارروائی اسی کی معرفت ہوئی تھی اور ہندوستانی و انگریزی میں کوئی مسودہ تیار نہیں کیا گیا تھا، جس کا ذکر شالمرس کرتا ہے۔[18] بہرکیف شالمرس کا یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ شرائط اطاعت کا مسودہ انگریزی و ہندوستانی میں تیار کیا گیا تھا۔ رہا اس کا یہ کہنا کہ وہ فارسی سے نابلد تھا، تو اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قلعہ کی محافظ فوج میں کوئی نہ کوئی فارسی داں ضرور رہا ہوگا۔ مزید براں اگر قلعہ کی فوج سے وہی شرطیں طے پائی تھیں، جن کا شالمرس ذکر کرتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ٹیپو ان پر عمل نہ کرتا۔ اس سے قبل دھرم پورم کے قلعہ کی محافظ فوج نے سُلطان کی اطاعت قبول کی تھی، اور اسے فوراً حفاظتی دستے کے ساتھ انگریزی فوج تک پہنچا دیا گیا تھا۔[19]

قمرالدین خاں خود تو کوئمبٹور کی سمت بڑھا اور باقر کی ماتحتی میں اپنی فوج کا ایک دستہ، جو بیش تر سواروں پر مشتمل تھا، کرشناگری کے قلعہ کی فوج کو کمک پہنچانے کے لیے اور میسور میں جو انگریزی فوج تھی، کرناٹک کے ساتھ اس کے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ درّہ تھوپور کے راستے سے باقر نے بڑی تیزی اور رازداری سے منزلیں قطع کیں اور کرشناگری کے قلعہ کی فوج کو کمک پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے دستے کا ایک حصّہ وہ روپیہ بھی لایا، جو اس ضلع سے وصول ہوا تھا اور باقی سپاہی بارہ محال میں رہ گئے تاکہ آنے والے انگریزی دستے کی راہ روکیں۔ یہ دیکھ کر کارنوالس چوکنا ہوا۔ اس نے میکسول کو پناگرام روانہ کیا جہاں تھوپور کے نزدیک ایک کچّا قلعہ تھا اور جس پر باقر کے سپاہیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ وہیں سے باقر فوجی کارروائیاں کرتا تھا۔ اکتوبر کی 31 تاریخ میکسول اس مقام کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے قلعہ کے محافظ دستے کو طلب کیا، جس کے جواب میں اس نے انگریزی جھنڈے پر گولیاں برسائیں۔ اس پر قلعہ پر دھاوا بول دیا گیا اور دیواروں پر چڑھ کر قبضہ کرلیا گیا۔ مدافعت کرنے والوں نے پناہ کی درخواست کی، جو مسترد کردی گئی اور انگریزوں کا غصّہ فرو ہونے سے پہلے دو سو سپاہی تہ تیغ کر دیے گئے۔[20]

قلعہ پناگرام اور بارہ محال کے دوسرے مقامات کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد باقر نے خیال کیا کہ اس ضلع میں وہ کامیابی کے ساتھ کارروائی نہ کرسکے گا، اس لیے درّہ چھنگاما کے راستے سے نکل وہ کرناٹک میں داخل ہوگیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے وہاں فلوئڈ اپنے سواروں کے ساتھ موجود ہے،

اس نے سوچا کہ مدراس کی طرف بڑھنے کی مہم خطرناک ثابت ہوگی۔ چنانچہ درۂ اتور سے گزر کر، جو سالم سے تیس میل مشرق میں واقع ہے، وہ میسور واپس چلا گیا۔ جنوری 1791 کے اوائل میں اس کے سواروں کا ایک ڈویژن قلب کرناٹک میں گھس پڑنے میں کامیاب ہو گیا اور وہاں لوٹ مچادی۔ بلکہ بڑھتے ہوئے وہ قلعہ سینٹ جارج کے پھاٹک تک جا پہنچا۔ اس نے راستے کے بہت سے گاؤں جلا دیے اور بڑی مقدار میں مالِ غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ لیکن وہ زیادہ عرصے تک ٹھہر نہ سکا اور جس تیزی سے وہ آیا تھا، اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔

قلعہ پناگرام پر قبضہ کرنے کے بعد میکسول نے اسے ڈھا دیا اور پھر وہ کرشناگری کی طرف بڑھا۔ بارہ محال میں یہی ایک اہم مقام ٹیپو کے قبضے میں تھا۔ 7 نومبر کو اس سے چند میل کے فاصلے پر میکسول نے قیام کیا اور اسی رات کو شب خوں مار کر، زیادہ مدافعت کے بغیر نچلے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اپنی کامیابی کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے بالائی قلعہ پر بھی اس نے قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ دو گھنٹوں تک جنگ ہوتی رہی۔ میسوریوں نے اوپر سے بھاری بھاری پتھر لڑھکا کر سپاہیوں کو اور ان سیڑھیوں کو بھی کچل کر رکھ دیا، جو قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کے لیے حملہ آور ساتھ لائے تھے۔ انگریزی فوج کے شدید نقصان اٹھانے کی وجہ سے میکسول نے محاصرہ اٹھا لیا۔ نچلے قلعہ کو ڈھانے اور بہت سے قصبوں کو نذرِ آتش کرنے کے بعد اس نے ان چھوٹے چھوٹے قلعوں کو برباد کیا، جو اب تک میسوریوں کے قبضے میں تھے، اور پھر وہ اصلی انگریزی فوج سے جا ملا۔[21]

کرناٹک اور نظام کے علاقے سے رسل و رسائل کا انتظام مکمل کر لینے کے بعد کارنوالس نے ان قلعوں کی طرف توجہ کی جو بنگلور اور سرنگاپٹم کے مابین واقع تھے، تاکہ آئندہ رسد کی کمی کی وجہ سے پھر پسپا نہ ہونا پڑے۔ سب سے پہلے اس نے ساون درگ کے قلعہ کو اپنی کوششوں کا مرکز بنایا، جو سلطان کے لیے اس اعتبار سے بے حد اہم تھا کہ وہاں بیٹھ کر بنگلور اور کارنوالس کی راجدھانی کے درمیانی مواصلاتی نظام میں خلل اندازی کی جا سکتی تھی۔

ساون درگ بنگلور سے بیس میل مغرب میں ایک مضبوط چٹان پر واقع تھا۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی چار ہزار فٹ تھی۔ یہ چٹان جس کوہستانی سلسلے سے نکلی تھی اس کا قطر تقریباً آٹھ میل تھا اور کئی میل تک گھنی بسواڑیوں اور خاردار جھاڑیوں سے گھرا تھا۔ غار کے سرے کو ایک بڑے سے غار نے دو چوٹیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک کو سفید اور دوسرے کو کالی چوٹی کہتے تھے۔ دونوں چوٹیوں پر دو گڑھیاں بنی تھیں، تاکہ ایک پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو دوسری سے بہ حفاظت پسپا ہوا جا سکے۔ قلعہ کو مزید مستحکم کرنے کے لیے بلند دیواریں اور ردیں بنائی گئی تھیں، جن سے اندر داخل ہونے کا ہر جگہ کا دفاع ہوتا تھا۔ اس کے گرد و پیش کے علاقے کا ماحول انتہائی غیر صحت مند تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام ساون درگ، یا موت کی چٹان، رکھا گیا تھا۔ خیال تھا کہ حفاظتی

فوج پندرہ سو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔[22]

ساون درگ کے خلاف کارروائی کرنے کا کام لیفٹننٹ کرنل اسٹورٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس نے ۱۵ر دسمبر کو قلعہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ ڈیرے ڈال دیے۔ یہی ایک ایسا مقام تھا، جہاں سے قلعہ میں داخل ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ کارنوالس نے بھی ان کے عقب سے پانچ میل کے فاصلے پر قیام کیا اور ان تمام اہم مقامات پر دستے تعینات کر دیے تاکہ حفاظتی فوج کو کسی طرف سے بھی کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔ 17ر دسمبر کو توپوں کے دہانے کھول دیے گئے اور تین دن کے اندر قلعہ کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی گئیں۔ 21 تاریخ کو حملہ کا حکم دیا گیا۔ اس وقت وہاں کا جنگل انگریزوں کے حق میں بے حد کارآمد ثابت ہوا، جو آگے بڑھتے وقت ان کے بچاؤ کے لیے چادر کا کام دے رہا تھا۔ دوسری طرف درخت اور کٹاؤ دار چٹانوں کی مدد سے وہ چڑھ سکتے تھے اور انھیں کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ حملہ گیارہ بجے دن کو شروع ہوا۔ میسوریوں نے دیوار کے شگافوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی مگر انھیں پسپا کر دیا گیا اور مشرقی گڑھی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب میسوریوں نے مغربی گڑھی میں جانے کی کوشش کی تاکہ وہاں سے مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن دونوں گڑھیوں کے درمیانی غار نے ان کے وہاں تک پہنچنے کی راہ میں دشواریاں پیدا کیں اور انگریزی فوجیں بھی ان کے ساتھ ہی گڑھی میں داخل ہوئیں اور بلا نقصان اٹھائے ہوئے، اس پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ میسوریوں کے دو سو آدمی مارے گئے، جن میں ان کا کمانڈر بھی شامل تھا، جو لڑتے ہوئے کام آیا۔ میسوریوں کی مدافعت بہت پھس پھسی رہی۔ انھوں نے اپنی قوت سے زیادہ قلعہ کے قدرتی دفاع پر بھروسہ کیا۔ ساون درگ پر انگریزوں کے قبضے نے ان کے حلیفوں کو، خصوصاً مرہٹوں کو بے حد متاثر کیا، جنھوں نے ایک بار اس قلعہ کا تین سال تک ناکام محاصرہ کیا تھا۔[23]

23ر دسمبر کو کرنل اسٹورٹ کو ہوتری درگ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا، جو ساون درگ سے بیس میل مغرب میں واقع تھا۔ وہاں کے قلعہ دار نے، پہلے ہی کی طرح، اسٹورٹ کی طلبی کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور دھمکی دی کہ جھنڈا اگر اتارا نہ گیا تو وہ گولا باری کر دے گا۔ لیکن دوسرے دن صبح کو جب نشیبی تعمیرات پر ایک حملے کے بعد انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو قلعدار نے ملاقات کی درخواست کی۔ لیکن گفت و شنید کے دوران انگریزوں نے، یہ تاثر دے کر کہ ان کی فوج دفاعی تیاری کر رہی ہے، یکایک ہلہ بول دیا۔ انھوں نے بعض پھاٹک توڑ ڈالے اور دوسرے وہ سیڑھیوں سے چڑھ گئے۔ جلد ہی قلعہ پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ انگریزوں کا کوئی آدمی مارا نہیں گیا، صرف چند زخمی ہوئے۔ میسوریوں کے ایک سو دس آدمی کام آئے۔ دوسروں کے ساتھ قلعدار بھی گرفتار ہوا، لیکن محافظ فوج کا بیشتر حصّہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ قلعہ میں انگریزوں کو بیس توپیں ملیں اور بڑی مقدار میں غلّہ ہاتھ آیا۔[24]

22ر دسمبر کو رام گری اور سیون گری کے قلعوں پر بھی کیپٹن ولش کا قبضہ ہو گیا۔[25] ہولیر درگ کا قلعہ،

جس پر کارنوالس نے سرنگاپٹم سے پسپا ہوتے ہوئے قبضہ کر لیا تھا، ٹیپو نے واپس لے لیا تھا اور اس کی مرمت کرائی تھی۔ اب اس پر قبضہ کرنے کے لیے میکسول کو بھیجا گیا۔ وہاں کا قلعدار، مقابلہ کرنے سے ڈرا اور 27 دسمبر کو قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔[26]

ان کامیابیوں کے نتیجے میں سرنگاپٹم کے آئندہ محاصرے کے لیے رسل و رسائل کی راہیں محفوظ ہو گئیں۔ 2 جنوری 1792 کو آخری عظیم قافلہ بھی جب مدراس سے بنگلور پہنچ گیا، جس میں پچاس ہزار بیلوں پر غلہ لدا ہوا تھا، اور نظام کی فوج بھی، سکندر جاہ کی ماتحتی میں، ہوتری درگ کے نواح میں داخل ہو گئی تو کارنوالس سرنگاپٹم کی طرف روانہ ہوا۔

نظام کی فوج کے حربی اقدامات :

انگریزی فوج کی ان جنگی کارروائیوں کے دوران میں نظام کی اصلی فوج گورام کنڈ پر قبضہ کرنے کی بے سود کوشش میں لگی رہی تھی۔ یہ جگہ بہت مستحکم تھی۔ یہاں ایک پہاڑی قلعہ تھا، جہاں تک پہنچنا تقریباً ناممکن تھا۔ پہاڑی کا دامن دو مستحکم قلعہ بند فصیلوں سے گھرا تھا، جنھیں اندرونی و بیرونی قلعہ کہا جاتا تھا۔[27] قلعے میں سات سو سے زیادہ سپاہی نہیں تھے[28] اور قلعدار، محمد مہدی، ایک بہادر افسر تھا۔[29]

گورام کنڈ کا محاصرہ 15 ستمبر 1791 کو حافظ فرید الدین کی سرکردگی میں شروع ہوا۔ نظام کا توپ خانہ قلعہ کی دیواروں میں دراڑیں ڈالنے میں چونکہ ناکام رہا تھا، اس لیے کارنوالس نے اوائل نومبر میں گولا بارود کا ذخیرہ، سپاہیوں کا ایک دستہ اور قلعہ شکن توپیں بھیجیں جن سے اب تک نندی درگ میں کام لیا جا رہا تھا۔ اب قلعہ کے خلاف کارروائی کا سارا کام کیپٹن انڈریو ریڈ کے سپرد کیا گیا، جسے قلعہ کی دیواروں میں موثر شگاف ڈالنے میں کامیابی ہوئی اور 6 نومبر کی رات کو حملہ کر کے اس نے نچلے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ حفاظتی فوج کے بہت سے سپاہی گرفتار ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔ مارے جانے والوں میں قلعدار محمد مہدی بھی تھا۔ باقی سپاہی بالائی قلعہ میں بھاگ گئے، جسے بہت مستحکم سمجھ کر اس پر حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا اور سپاہیوں کا پیچھا بھی نہیں کیا گیا۔ نچلے قلعہ کو کیپٹن ریڈ نے فرید الدین خاں کے سپرد کر دیا۔[30]

اس کے فوراً ہی بعد نظام کے دوسرے بیٹے سکندر جاہ کی ماتحتی میں پنگل سے پچیس ہزار سپاہیوں کی کمک پہنچ گئی۔ سکندر جاہ کے ساتھ مشیر الملک اور کنناوے بھی تھے۔ شہزادے اور اس کے وزیر نے سمجھا کہ قلعہ بہت مستحکم ہے اس لیے حملہ کرنا بے سود ہوگا، اگرچہ قلعہ میں چار سے پانچ سو تک حفاظتی سپاہی تھے۔[31] چنانچہ محاصرہ کر کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے پانچ ہزار پیدل اور نو سو سوار فرید الدین خاں کی ماتحتی میں چھوڑے

اور خود کولار کی طرف کوچ کر گیا، تاکہ کارنوالس کی فوج کے ساتھ مل کر کرناٹک سے آنے والے قافلے کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد اس کا ارادہ سرنگاپٹم کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔ لیکن ابھی گورام کنڈ سے وہ تیس میل ہی آگے بڑھا تھا کہ اس تباہی کی اسے خبر ملی، جس کا حافظ فریدالدین خاں کو سامنا ہوا تھا۔ اس لیے وہ واپس لوٹا۔[32]

ٹیپو سلطان نے، جس کی خبر رسانی کا مستعد محکمہ اُسے نظام کی فوجوں کی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا، اپنے بیٹے فتح حیدر کے ساتھ دس ہزار آدمی، جن میں سے بیشتر سوار تھے، گورام کنڈ کی کمک کے لیے روانہ کیا۔[33] شہزادے کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی، اس کی اعانت کے لیے علی رضا خاں اور ٹیپو کے ابتدائی حربی معلم[34] غازی خاں بھی اس کے ساتھ تھے۔ فتح حیدر 21 دسمبر کو گورام کنڈ کے سامنے پہنچا۔ عقب اور مقابل دونوں جانب کے حملوں سے بچنے کے لیے فریدالدین خاں شہزادے کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ فریدالدین کو مشیرالملک نے میسوریوں کی آمد سے اگرچہ آگاہ کر دیا تھا، تاہم اس نے، میر عالم کے بیان کے مطابق، اپنی بڑھی ہوئی خوداعتمادی اور غرور کی بنا پر تھوڑے سے سپاہی لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے بڑھنے کی غلطی کی۔[35] نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بیشتر سپاہی کاٹ کر رکھ دیے گئے اور وہ خود بھی مارا گیا۔ کرنول کے نوجوان شہزادے نے، راجا جوتھ سنگھ کی مدد سے کچھ عرصے تک غیر مساوی مقابلے کو جاری رکھنے کی کوشش کی، لیکن راجا کے شدید مجروح ہونے کے بعد پسپا ہو کر وہ شہزادہ سکندر جاہ سے جا ملا۔ اس کے بعد فتح حیدر نے نچلے قلعہ کی طرف توجہ کی اور اسی وقت بالائی قلعہ کے میسوریوں نے بھی نکل کر حملہ شروع کیا۔ نظام کے سپاہی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ان میں سے کچھ ہی دشمن کی تلوار سے بچ سکے۔ فتح حیدر نے نچلے قلعہ پر قبضہ کر لیا، جہاں اسے رسد اور گولا بارود کے علاوہ بہت بڑا خزانہ بھی ملا۔[36]

اب یہ بالکل متوقع تھا کہ فتح حیدر آگے بڑھ کر کرناٹک سے آنے والے قافلے کو روکے گا، تاکہ سرنگاپٹم کی طرف اتحادیوں کی پیش قدمی کا منصوبہ درہم برہم ہو جائے۔ گورام کنڈ کے حادثے کے سلسلے میں نظام کی فوج کی مراجعت نے اس قافلے کو شدید خطرات سے دوچار کرا دیا تھا، جو گھاٹوں کو پار کر کے ونکٹ گیری پہنچ چکا تھا۔ لیکن فتح حیدر کے پاس چونکہ زیادہ فوج نہیں تھی اس لیے گورام کنڈ کو کمک پہنچانے اور قمرالدین خاں کے خاندان کو بالائی قلعے سے نکالنے کے بعد، وہ سرنگاپٹم واپس لوٹ گیا۔[37]

25 دسمبر کو انگریزی دستے نے، کیپٹن ریڈ کی سرکردگی اور سکندر جاہ کی اعانت کے ساتھ، ایک بار پھر گورام کنڈ کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ صرف نچلا ہی قلعہ لینے میں کامیاب ہو سکے۔ سکندر جاہ چونکہ کارنوالس کی مدد کے لیے جانا چاہتا تھا، جو سرنگاپٹم پر دھاوا بولنے کے لیے بیتاب تھا، اس لیے اس نے پہلے کے مقابلے میں زیادہ قوی فوج اسد علی خاں کی ماتحتی میں چھوڑی اور وہ خود اپنی اصلی فوج کو لے کر، جو اٹھارہ سو سپاہیوں پر مشتمل تھی، جنوب کی سمت روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ کیپٹن ریڈ کی ماتحتی میں مدراس کی دو رجمنٹیں بھی تھیں۔

یہ ساری فوجیں ہوتری درگ کے قریب مگادی نامی گاؤں میں کارنوالس سے جا ملیں[38]

مرہٹہ فوج کے حربی اقدامات:

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پرشورام باہو کی سرکردگی میں مرہٹہ فوج بنگلور کے مضافات میں انگریزی فوج سے جدا ہو کر اس لیے سیرا کی طرف روانہ ہوئی تھی کہ مرہٹہ مملکت سے رسل و رسائل کا سلسلہ قائم کر کے اپنے لیے رسد حاصل کرے اور ٹیپو کو اس کی سلطنت کے سب سے زیادہ زرخیز علاقے کے پیداواری وسائل سے محروم کر دے[39] ہری پت بھی روپے کی تنگی کی وجہ سے اسی طرف جانا چاہتا تھا۔ لیکن جب کارنوالس نے اسے بارہ لاکھ کی رقم دے کر اس کی فوری ضرورت پوری کر دی، تو پھر پیشوا کے سیاسی نمائندے کی حیثیت سے اس نے انگریزی فوج ہی کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا[40]

سیرا کے راستے میں، نجاگل کے قلعہ نے باہو کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن دیوریا درگ[41] کے پہاڑی قلعہ پر پہنچنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ میسوریوں نے اگرچہ پے ٹھ کا انخلا کر دیا ہے، لیکن وہ قلعہ حوالے کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ مرہٹہ اور انگریزی دستوں نے دوبار قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ غیظ کے عالم میں اور ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے باہو نے پے ٹھ کو نذر آتش کر دیا اور سیرا کی طرف بڑھ گیا، جہاں سرنگاپٹم کی طرف جاتے ہوئے ہری پت نے قبضہ کر لیا تھا۔[42] باہو نے سیرا سے ایروڈ کا رُخ کیا۔ اس مقام نے، باہو کے سواروں سے محفوظ رکھے جانے کے وعدے پر، اسے بھاری رقم ادا کی۔ لیکن اس کے باوجود مرہٹے شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور شہر پر قبضہ کر کے وہاں کے خوش حال باشندوں کو لوٹ کر ننگا کر دیا[43]

باہو نے اگست کی 21 تاریخ تلکہ کے مقام پر قیام کیا، جو چیتل درگ سے پچیس میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں واقع تھا اور وہاں زیادہ فوج نہیں تھی۔ مرہٹہ پیدل فوج کی ایک پارٹی نے ہلہ بول کر اس مقام پر قبضہ کر لیا اور شہر کو آگ لگا کر لوٹ لیا۔ قلعہ سے کچھ غلہ اور مویشی بھی ان کے ہاتھ آئے۔ اسی وقت باہو کے سواروں نے میسوریوں کے سواروں اور پیدلوں کے اس دستے پر اچانک حملہ کر کے اصل فوج سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا، جس نے ان کی چارہ لے جانے والی ایک پارٹی کو پریشان کیا تھا اور اس کے بہت سے گھوڑے اور اونٹ بھی چھین لیے تھے۔ اگست کی 31 تاریخ کو فوج لنکوپی پہنچی، لیکن وہاں کے کمانڈر نے باہو کی طلبیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، مگر دوسرے دن جب ایک انگریزی دستہ بھی وہاں پہنچ گیا، تو ہتھیار ڈال دیے گئے[44]

اوائل ستمبر میں فوج چیتل درگ کے نواح میں داخل ہوئی۔ وہاں جو قلعہ تھا، وہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مستحکم سمجھا جاتا تھا۔ قلعہ میں ہر طرح کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ دس ہزار پیدل اور

ایک ہزار سوار بھی وہاں تھے۔ وہ ہر طرف سے متعدد دیواروں سے گھرا تھا اور اس کے شمال مغرب میں ایک ناقابلِ عبور خندق بھی تھی۔ شمال کی جانب دامنِ کوہ میں ایک بڑا شہر بھی آباد تھا، جس کے اطراف میں حصار تھا اور خندقیں تھیں۔ باہو نے رشوت دے کر قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن قلعدار دولت خاں سلطان کا وفادار رہا اور اس نے رشوت کی پیش کش ٹھکرا دی۔[45] یہ دیکھ کر کہ اس مستحکم قلعہ کو محاصرہ سے زیر نہیں کیا جاسکتا، 2 نومبر کو باہو چندگیری چلا گیا، جو چیتل درگ سے تیس میل شمال مشرق میں تھا۔ وہاں وہ 21 نومبر کو پہنچا، لیکن علالت کی وجہ سے 15 دسمبر تک وہاں سے ہل نہیں سکا۔ اس تاریخ کے بعد اس نے بدنور کی طرف کوچ کیا۔[46]

اس وقت تک باہو کی کارروائیوں کی رفتار بہت سست رہی تھی۔ اس نے صرف چند ہی بار کوچ کیا تھا اور یہ مُہمیں بھی چارہ حاصل کرنے کے لیے چیتل درگ کے مضافات ہی تک محدود رہی تھیں۔ اس کے اقدامات میں تعویق کا سبب پہلے تو برسات کا موسم رہا، پھر ستمبر کے بعد اس کی طویل علالت اس کا دوسرا سبب بن گئی۔[47] اس سے قطع نظر وہ چاہتا تھا کہ مُہمیں شروع کرنے سے قبل اس کے سپاہی آرام کرلیں اور اچھی طرح کھا پی لیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے دوران میں بھی مرہٹہ فوج نے جو تباہی مچائی اس کا اندازہ لیفٹننٹ مُور کے اس جملے سے ہوتا ہے کہ "اس سے زیادہ تباہ کُن انداز میں مصر پر بھی خدا کا عذاب نازل نہیں ہوسکتا تھا۔"[48]

میلکوٹ کے مقام پر کارنوالس اور مرہٹہ کمانڈر اس نقشۂ جنگ پر متفق ہوگئے تھے، جس پر انھیں عمل درآمد کرنا تھا۔ انھوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اتحادیوں کو کسی غیر مربوط اقدام کا خیال بھی نہیں لانا چاہیے۔ باہو کو سیرا اور شیوگنگا کے مابین کارروائیاں کرنی تھیں اور وہیں انگریزی فوج کے قُرب وجوار ہی میں اسے رہنا تھا تاکہ اس کے ساتھ مواصلات کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد باہو کو سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے کے لیے ابر کرومبی کی فوج سے جاکر ملنا تھا۔[49] لیکن ایک ایسے صوبہ کو لوٹنے کی طمع میں، جو اب تک جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا تھا، باہو نے متعینہ حدود سے انحراف کرکے، مغرب کی طرف کوچ کیا۔ اس نے کارنوالس کو شدید اُلجھن میں مبتلا کردیا۔ کیوں کہ اس سے انگریزی فوج کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا، اور یہ بھی یقینی نہیں تھا کہ ابر کرومبی آگے بڑھ سکے گا یا نہیں۔ بلکہ کارنوالس کو تو اپنے نقشۂ جنگ کی کامیابی بھی مُشتبہ نظر آنے لگی، اور اسے خیال ہوا کہ رسد کی کمی کی وجہ سے کہیں ایک بار پھر سرنگاپٹم کو زیر کرنے سے پہلے ہی اسے واپس لوٹنا نہ پڑے۔[50]

18 نومبر کو مرہٹہ فوج ضلع شموگا کے ایک چھوٹے سے قصبے ہُولے ہنّور پہنچی، جہاں صرف ڈھائی سو حفاظتی فوج تھی۔ دوسرے دن کیپٹن پٹل نے اس جگہ کا محاصرہ کیا اور 21 کی صبح کو دھاوا کرکے قصبے پر قبضہ کرلیا۔ مرہٹوں اور انگریزوں نے بڑی بے دردی سے قصبے کو لوٹا اور مختلف مقامات پر گھروں کو آگ

لگادیے تھے ہولے ہنور سے کوچ کر کے فوج بنکی پور پہنچی، جہاں کی حفاظتی فوج نے، ہولے ہنور کی کیفیت سے دہشت زدہ ہو کر، پہلی ہی طلبی میں اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد وہ شموگا کی طرف بڑھی، جو دریائے تنگ کے بائیں کنارے پر آباد تھا۔[53]

ہم دیکھ چکے ہیں کہ باہو نے گنپت راؤ مہنڈال کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ چند ابتدائی کامیابیوں کے بعد اسے میسوریوں نے شکست دے دی۔ لیکن باہو نے جب چار ہزار سواروں کی کمک بھیجی تو اس نے اپنے مفتوحہ علاقوں کو میسوریوں سے واپس لے لیا۔ لیکن صوبہ کے دوسرے علاقوں میں میسوریوں کی مضبوط فوج کی موجودگی نے اس کی پیش قدمی روک دی۔ وہ پسپا ہوا اور 24 دسمبر کو اصلی فوج سے جا ملا۔[54]

شموگا میں حفاظتی دستے کے علاوہ ٹیپو نے اپنے عم زاد بھائی محمد رضا کی ماتحتی میں سات ہزار پیدل، آٹھ سو سوار اور دس توپیں بھی متعین کی تھیں۔[55] مرہٹوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر رضا اپنی سپاہ کو لے کر ان خندقوں سے نکلا جو قلعہ کی دیوار سے متصل ہی تھیں اور جنوب مغرب میں چند میل کے فاصلے پر گھنے جنگل میں اپنی چوکی قائم کر لی، تاکہ جوں ہی باہو شموگا کا محاصرہ کرے اس پر حملہ کر دیا جائے۔ اس نے جگہ کا بہت صحیح انتخاب کیا تھا، جو بے حد محفوظ تھی۔ اس کے داہنی جانب دریائے تنگ تھا، بائیں جانب بانس کے ناقابل عبور جنگل تھے اور اس کے سامنے کے حصے کو جنگل اور گھاٹیاں چھپائے ہوئے تھیں۔ بایں ہمہ، وقت کی قلت کی وجہ سے، محمد رضا کا مورچہ مکمل نہیں ہو سکا تھا، جس کے بعد ان پر حملہ کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا۔[56]

20 دسمبر کی صبح کو باہو قلعہ کے قریب پہنچا، لیکن محاصرہ اس نے شروع نہیں کیا۔ کیوں کہ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس علاقے میں محمد رضا کی موجودگی میں اسے اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ایک طویل چکر لگانے کے بعد اس نے حملہ کرنے کے ارادے سے غنیم کے مورچوں کے قریب ہی خیمے گاڑے۔[57] اس نے اپنے بیٹے آپا اور رگھوناتھ راؤ کو انڈوارکر کی ماتحتی میں دس ہزار سوار میسوریوں پر حملے کے لیے بھیجا۔ لیکن مرہٹہ سواروں کا دستہ جنگل میں جب غیر موثر ثابت ہوا، تو رضا کے مقابلے کے لیے کیپٹن لٹل کو روانہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ بمبئی کی فوج کے ایک ہزار سپاہی اور چار توپیں بھی تھیں۔ ان کے علاوہ آپا کی ماتحتی میں مرہٹہ فوج کے پانچ سو پیدل اور پانچ سو سوار بھی اس کے ساتھ تھے۔ کیپٹن لٹل صبح کو دس بجے کے قریب جنگل میں داخل ہوا۔ غنیم نے بڑی بے جگری سے اس کی پیش قدمی کو روکا۔ توپوں، بندوقوں اور بانوں کی باڑھ کے سامنے انگریز اور مرہٹہ فوجوں کو شدید نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ کیپٹن لٹل نے، متعدد بار پیچھے ہٹنے کے بعد، پوری فوج کے ساتھ خود ہلہ بولنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دشمن کے داہنی جانب کی چوکی پر حملہ کیا، جس کا دفاع نسبتاً کمزور تھا۔ میسوری بڑی بہادری سے لڑے، لیکن شام ہوتے ہوتے جب ان میں کمزوری کے آثار رونما ہوئے، تو کیپٹن لٹل نے آپا کے سواروں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اس کی کمک پر رگھوناتھ راؤ

کو انڈوارکر کے سپاہی تھے۔ یہ حملہ فیصلہ کن ثابت ہوا اور محمد رضا کو پسپا ہونا پڑا۔ کیپٹن لیٹل نے پیچھا کر کے اس کی دس توپوں پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹوں نے میسوری فوج کو لوٹنا شروع کیا اور ان کے کیمپ پر اور ان کے سارے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا، جو اتنا زیادہ تھا کہ بندوقیں بازار میں دو دو روپے پر فروخت کی گئیں۔[58] محمد رضا نے چار سو سواروں اور پندرہ سو پیادوں کے ساتھ کاول درگ کے پہاڑی قلعہ میں پناہ لی۔ صرف وہی سامان محفوظ رہا جو تیرہ ہاتھیوں پر صبح ہی کو قلعہ میں بھیج دیا گیا تھا۔[59] اس لڑائی میں مرہٹوں کے پانچ سو آدمی مارے گئے۔ انگریزوں کا بھی شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔ مُور کے بیان کے مطابق میسوریوں کے دو سو سے زیادہ آدمی کام نہیں آئے۔[60]

محمد رضا نے ایک مستحکم مقام پر مورچہ جمایا تھا اور اس کے سپاہی بڑی ہمت سے لڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اسے شکست ہوئی، جس کی وجہ اس کی یہ اہم غلطی تھی کہ لڑائی کے دوران میں اس نے مرکز سے توپیں ہٹالی تھیں اور ہاتھیوں کو نیز قیمتی سامان کو وہاں سے ہٹا لیا تھا۔ یہ ایک نامناسب اقدام تھا، جس سے پیدل فوج پر عدمِ اعتماد ظاہر ہوتا تھا اور اس سے سپاہیوں میں بددلی پیدا ہوئی۔[61] میسوریوں کی شکست میں کیپٹن لیٹل کی عظیم فوجی ہنرمندی کو بھی دخل تھا، جو لارنس اور کلائیو کی ہنرمندی کے مماثل تھی۔ اگر اس کی قیادت اور اس کے دستے کی ہمت شامل نہ ہوتی تو اس لڑائی کو جیتنا مرہٹوں کے لیے ممکن نہ ہوتا۔[62]

اس کامیابی کے بعد شموگا کے محاصرے کی رہنمائی یکہ و تنہا کیپٹن لیٹل کے سپرد کی گئی۔ شموگا میں فوج بھی خاصی تعداد میں تھی اور سامانِ رسد اور فوجی ساز و سامان بھی وافر مقدار میں موجود تھا۔ لیکن محمد رضا کی شکست نے فوج کو بددل کر دیا تھا، اور اس کے نتیجے میں فوج کا بڑا حصہ بھاگ نکلا اور وہاں کا قلعدار محی الدین خاں زیادہ دنوں تک جما نہیں رہ سکا۔ چنانچہ 3 جنوری 1792 کو جب قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور غنیم نے حملہ کا ارادہ کیا تو محی الدین خاں نے قلعہ خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن قلعہ دھارروار کے ہتھیار ڈالنے کی شرائط کی خلاف ورزی اسے یاد تھی۔ اسی کے پیش نظر اس نے فوج کی جان و مال کی حفاظت کا واضح الفاظ میں کیپٹن لیٹل سے مطالبہ کیا۔ یہ شرط مان لی گئی تو اس نے قلعہ کو خالی کر دیا، اور اسے برطانوی کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن قلعدار اور دوسرے افسروں کو اپنے قبضے میں لینے میں باہو کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو گیا، اور ان کا سارا قیمتی سامان، معاہدے کے برعکس، لوٹ کر انھیں قید کر لیا گیا۔[63] ڈف کا بیان ہے کہ کیپٹن لیٹل کو "مجبور کیا گیا کہ خاص خاص افسروں کو پرسرام باہو کے سپرد کر دیا جائے، جس نے معاہدے کی شرطوں کے خلاف انھیں قید کر لیا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس نے بدرالزماں خاں کے ساتھ کیا تھا۔"[64] لیکن کیپٹن لیٹل نے اگر زور دیا ہوتا اور افسروں کو باہو کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا ہوتا، تو بالآخر اس کی بات مان لی جاتی۔ اس لیے معاہدے کی خلاف ورزی کے الزام سے کیپٹن لیٹل کو بھی بری نہیں کیا جا سکتا، جس نے اس وقت تک فوج کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا جب تک کہ وہ

ٹیپو کے علاقے میں داخل نہ ہو جائے۔

شموگا پر قبضہ کر لینے کے بعد قرب و جوار کے قلعوں کو زیر کرنے کے لیے باہو اپنے دستوں کو مختلف اطراف میں بھیجتا رہا۔ وسط جنوری کے لگ بھگ اس نے کیمپ کو توڑ دیا۔ لیکن طے شدہ اسکیم کے مطابق بمبئی کی فوج سے جا ملنے کی جگہ پر اس نے شہر بدنور کا رُخ کیا۔ 28 جنوری 1792 کو وہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر پہنچا اور حملے کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن یکایک وہ وہاں سے واپس ہوا۔ لوٹتے ہوئے اس نے کمسی، اننت پور اور دوسرے مقامات کے چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کیا۔ پھر اس نے ہولی ہنور اور شموگا میں اپنے قلعہ کے محافظوں کو چھوڑا اور خاص سپاہ ان مقامات کے مضافات میں متعین کر دی اور ۱۵ فروری کو سرنگاپٹم کے لیے روانہ ہو گیا، جہاں وہ ۱۵ مارچ کو پہنچا[65]۔

بدنور سے باہو کے یکایک واپس لوٹنے کے متعدد اسباب تھے۔ اتحادیوں کے صلاح و مشورے کے بعد اس مہم کا جو نقشہ بنایا گیا تھا، اس کے مطابق باہو کو سیوا اور شیوگنگا کے مابین ہی فوجی کارروائیاں کرنی تھیں۔ اس کے برعکس ان حدود سے تجاوز کر کے اس نے مغرب کی سمت مہم جوئی شروع کر دی تھی۔ بنگی پور، شموگا اور دوسرے مقامات پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان فتوحات سے بھی مطمئن نہ ہو کر وہ مغرب میں اور آگے بدنور کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ وہ ابر کرومبی کی فوج سے مل نہیں سکتا تھا اور سرنگاپٹم کے محاصرے میں کارنوالس کی مدد کے لیے بھی وہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ باہو کی ان پیش قدمیوں کے خلاف کارنوالس نے پونا کی حکومت سے شدید احتجاج کیا اور میلے بھی نانا پر بار بار زور دے رہا تھا کہ وہ باہو کو جلد سے جلد سرنگاپٹم پہنچنے کی ہدایت کرے۔ چنانچہ نانا اور ہری پنت دونوں نے باہو کو لکھا کہ اپنی مُہموں کو بند کر کے وہ فوراً سرنگاپٹم جائے۔ ان لوگوں نے باہو کو یہ سمجھایا کہ اگر وقت پر پہنچ کر اس نے میسور کی راجدھانی پر قبضہ کرنے میں حصّہ نہ لیا تو اس جنگ میں مساوی حصّہ نہ لینے کی وجہ سے ٹیپو کے علاقے کا اس قدر حصّہ مرہٹوں کو نہ مل سکے گا جتنا کہ انھیں ملنا چاہیے۔ چنانچہ باہو نے بدنور کی مُہم کا ارادہ اس خیال سے ترک کر دیا کہ اگر وہ اس طرف پھنس گیا تو پھر مدّت تک وہ یہاں سے فارغ نہ ہو سکے گا[66]۔

بدنور سے باہو کو ایک اور وجہ سے بھی مراجعت کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ اسے یہ خبر لگ گئی تھی کہ قمر الدین خاں وہاں پہنچنے والا ہے۔ بدنور پر مرہٹوں کے حملے کی خبر نے ٹیپو کو بے حد متوحش کر دیا تھا، کیونکہ یہی ایک صوبہ اس کے قبضے میں رہ گیا تھا، جہاں سے رسد کا بیشتر حصّہ اُسے مل سکتا تھا۔ چنانچہ فوج کی خاصی جمعیت کے ساتھ اس نے قمر الدین خاں کو روانہ کیا تھا، تاکہ وہ باہو کو جنگل ہی میں گھیر لے۔ میسوری کمانڈر کے پہنچنے کی خبر ہی نے باہو کو لوٹنے پر مجبور کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی فوج جو بیشتر سواروں ہی پر مشتمل ہے، ایک بند علاقے میں

مضبوط پیدل فوج کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے گی۔[67]

بدنور کے پورے صوبے پر بابو اگرچہ قابض نہ ہوسکا تھا، مگر جہاں بھی اس کی فوج گئی اس نے تباہی و بربادی کے سوا وہاں کچھ نہ چھوڑا۔ بدنور ایک نہایت خوش حال علاقہ تھا، مگر کھرے کے الفاظ میں "مرہٹہ ٹڈی دل" نے اسے اس بے رحمی سے اور مکمل طور پر لوٹا اور جلایا کہ وہ انتہائی مفلوک الحال ہوگیا، اور اپنی سابقہ آسودہ حالی کے حصول میں اسے نصف صدی کا عرصہ لگ گیا۔[68]

یکم فروری 1792 کو اتحادی فوجوں نے ہوتری درگ کے نواح سے سرنگا پٹم کی طرف کوچ کیا۔ اس نے زیادہ شمال کا راستہ اختیار کیا جو ہولیودرگ سے ہوکر گزرتا تھا اور زیادہ زرخیز علاقہ تھا، جہاں پانی بھی بہت مل سکتا تھا۔ یہ ہر اعتبار سے اس نزدیک ترین راستے سے بہتر تھا جو چنا پٹن اور کنکن ہلی کے انتہائی جنوبی راستے سے ہوکر سرنگا پٹم جاتا تھا۔ کارنوالس نے مئی 1791 میں یہی راستہ اختیار کیا تھا۔[69]

راستے میں اتحادی فوجوں کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سواروں نے جابجا انھیں پریشان ضرور کیا مگر اس سے ان کی پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوسکی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو اسے صحیح حکمت عملی نہیں سمجھتا تھا کہ اپنی راجدھانی کی طرف بڑھنے والی فوج کے مقابلے میں وہ خود پہلے ہی سے میدان میں آجائے یا ان کے مقابلے کے لیے کوئی مضبوط فوج روانہ کرے۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے راستے کے چارے کا سارا ذخیرہ برباد کر دیا تھا۔ سرنگا پٹم کی قلعہ بندیوں ہی سے اپنی تمام توقعات اس نے وابستہ کر لی تھیں۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ طویل محاصرے کے بعد دشمن کو ایک بار پھر برسات کے موسم اور رسد کی کمی کی وجہ سے واپس لوٹنا پڑے گا۔ یہ دفاعی حکمت عملی انگریزوں کی سابقہ مہم کے خلاف کامیاب ہی نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے باپ حیدر علی نے بھی 1767 میں مرہٹوں کے خلاف اسے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ اسی کے پیش نظر اتحادیوں کی پیش قدمی سے وہ بے پروا رہا۔ وہ دریائے کاویری کے شمال میں خیمہ زن رہا اور اپنے مورچے کی قلعہ بندی اور جزیرۂ سرنگا پٹم کے دفاع کو مستحکم کرنے میں اپنا بیشتر وقت اس نے صرف کیا۔[70]

ٹیپو کی اس غلط حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادی فوجیں، بلا ایک گولی بھی چلائے ہوئے 5 فروری کو میلوکوٹ پہنچ گئیں۔ دوسرے دن فرنچ راکس[71] کی پشت پر انھوں نے خیمے گاڑ دیے، جو سرنگا پٹم سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ انگریزی فوجیں آگے تھیں اور مرہٹہ و نظام کی فوجیں کچھ فاصلے پر ان کے عقب میں تھیں، تاکہ انگریزی کیمپ میں کسی قسم کی خلل اندازی نہ ہوسکے۔ ڈائرم نے لکھا ہے کہ "اتحادی فوجیں سرنگا پٹم سے سوچے سمجھے فاصلے پر متعین کی گئی تھیں۔ ان کے سامنے دائیں جانب فرنچ راکس تھا، جو ان کو چھپائے ہوئے تھا، اور جس کی وجہ سے دشمن کو فوری طور پر نہ تو فوج کی کثرت کا اندازہ ہوسکتا تھا اور نہ فاصلے کی وجہ سے کوئی گھبراہٹ ہی پیدا

ہو سکتی تھی [72]۔ انگریزی فوج بائیس ہزار سپاہ پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ 44 جنگی اور 42 قلعہ شکن توپیں بھی تھیں۔ نظام کی فوج میں شہزادہ سکندر جاہ کی سرکردگی میں اٹھارہ ہزار سوار اور کیپٹن انڈر لیوریڈ کے تحت دو بٹالینیں تھیں۔ مرہٹہ فوج، جو ہری پت کے تحت تھی، اس میں بارہ ہزار سوار تھے [73]۔

سرنگاپٹم کا جزیرہ دریائے کاویری کی دو شاخوں کے درمیان میں واقع ہے اور یہ دونوں شاخیں آگے چل کر مل جاتی ہیں۔ جزیرہ کا طول، مغرب سے مشرق کی سمت، ساڑھے تین میل ہے اور اس کے سب سے چوڑے حصے کی وسعت صرف ڈیڑھ میل ہے۔ جزیرہ کے مغربی کنارے پر سرنگاپٹم کا مستحکم قلعہ تھا۔ اس کے بعد، تقریباً پانچ سو گز کے فاصلے پر دولت باغ تھا۔ جزیرے کے وسط میں، قلعہ سے تقریباً ہزار گز کے فاصلے پر 'پیٹھ' تھا، جو مٹی کی بلند دیواروں سے گھرا تھا۔ جزیرے کے مشرقی حصے کی طرف نہایت شاداب لال باغ تھا، جسے دریا کی سمت برجوں سے، توپ خانے سے اور ایک خندق سے محفوظ کیا گیا تھا۔ محل کے دفاع کو مستحکم تر کرنے کے لیے جزیرے میں، دریا کے کنارے کنارے بھی توپیں جگہ جگہ نصب کی گئی تھیں۔ قلعہ میں اور جزیرے کے دوسرے مقامات پر تقریباً تین سو توپیں تھیں [74]۔ جزیرے کے اطراف میں بنسواڑیوں کی اور خاردار جھاڑیوں کی باڑھیں بھی تھیں جو راجدھانی کی سرحدوں کے اور اس کے بیرونی حصے کے دفاع کا بھی کام دیتی تھیں۔ دریا کے شمال کی جانب روک کے لیے جو باڑھ لگائی گئی تھی، اس کے حلقے میں ایک تین میل لمبا اور نصف میل چوڑا میدان بھی تھا۔ یہیں چالیس ہزار پیدل اور ایک سو توپوں کے ساتھ ٹیپو خیمہ زن ہوا تھا اور عقب میں اس نے پانچ ہزار سوار رکھے تھے۔ لشکرگاہ کے لیے جس جگہ کا اس نے انتخاب کیا تھا، وہ بڑی شاندار تھی۔ باڑھ کے علاوہ، سامنے کی جانب ایک بڑی سی نہر، دھان کے کھیت اور دریائے لوک پاونی کے پیچ و خم اس کے محافظ تھے۔ لشکرگاہ کے داہنی سمت صرف دریا ہی نہیں تھا بلکہ کرنی گھاٹ کی پہاڑیاں بھی تھیں، جن کی قلعہ بندی کو حال ہی میں مستحکم تر کر دیا گیا تھا۔ اس کی کمان ایک جری افسر، شیخ انصار، کے سپرد تھی۔ ایک گڑگج ٹیپو کی لشکرگاہ کے بائیں جانب کی محافظت کرتا تھا، جو عیدگاہ کی ایک بلندی پر تعمیر کیا گیا تھا اور باڑھ سے متصل شمال مغربی گوشے پر واقع تھا۔ اس کی کمان سید حامد کے سپرد تھی۔ دو اور گڑگج وسط میں باڑھ سے قریب ہی تھے۔ ان دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً چھ سو گز تھا۔ ان کی پشت پر لالی، محمد اور سلطان نامی گڑگجوں کی دوسری قطار تھی۔ دریا اور باڑھ سے ان کے فاصلے مساوی تھے۔ سلطان نامی گڑگج براہ راست ٹیپو کے زیر کمان تھا اور اس کے متصل ہی اس کا خیمہ نصب تھا۔ اس کا کیمپ اور گڑگج اس کی پہلی دفاعی لائن اور جزیرہ اور قلعہ دوسری دفاعی لائن میں تھے [75]۔

ٹیپو نے جو مورچہ قائم کیا تھا، وہ انتہائی مستحکم تھا اور اس کی فوج نے سابقہ موقع پر سرنگاپٹم کے سامنے جس شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے دن کے وقت حملہ

کرنے کی ہمت نہیں کی۔ اسے یقین تھا کہ اگر دن کو حملہ کیا گیا تو اس مُہم کا سر ہونا مشتبہ ہوگا اور انگریزوں کا شدید نقصان ہوگا۔ چنانچہ اس نے کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے بلا تاخیر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا۔[76] اس حملے کا ٹیپو کو گمان بھی نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ جب تک پرشورام باہو اور ابرکرومبی اپنی فوجوں کو لے کر نہیں آجاتے، اس وقت تک کارنوالس کوئی اہم مُہم شروع نہیں کرے گا۔[77] 6 فروری کی رات کے ساڑھے آٹھ بجے کارنوالس نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ دشمن پر حملہ کرنے کے فیصلے کو صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔ خاص افسروں کے علاوہ سپاہیوں کو اس کا بالکل علم نہیں تھا۔ اتحادیوں کو بھی اس کی خبر بارہ بجے رات کو اس وقت دی گئی، جب انگریزی فوج کوچ کر چکی تھی، اور انھیں کارنوالس نے مشورہ دیا کہ صبح کو بھی وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں جب تک کہ رات کی مُہم کے نتائج کا انھیں علم نہ ہو جائے۔[78] ہری پت اور سکندر جاہ کو جب اس کی خبر ملی تو انھیں یہ معلوم کر کے بے حد حیرت ہوئی کہ کارنوالس اپنے ساتھ توپیں اور سوار نہیں لے گیا ہے۔ چنانچہ انھیں اس مُہم کی کامیابی مشتبہ نظر آئی۔[79]

لارڈ کارنوالس نے اپنی فوج کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کیا۔ داہنی جانب جنرل میڈوز کے تحت نو سو یورپین اور دو ہزار چار سو ہندوستانی سپاہی تھے۔ درمیان میں خود کارنوالس اور اسٹورٹ کے تحت، جو اس کا نائب تھا، چودہ سو یورپین اور دو ہزار تین سو ہندوستانی سپاہی تھے۔ بائیں جانب میکسول کے تحت پانچ سو یورپین اور بارہ سو ہندوستانی سپاہی تھے۔ اس حساب سے اس مُہم میں کُل دو ہزار آٹھ سو یورپین اور پانچ ہزار نو سو ہندوستانی سپاہی تھے۔[80] اس علاقے کی ساخت اور رات ہونے کی وجہ سے توپوں اور سواروں کو شامل نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ ان سے کوئی مفید مطلب کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔[81]

حملے کا نقشہ یہ تھا: "داہنی جانب اور درمیان کے دستوں کی قیادت کرنے والے افسروں کو ہدایت کی گئی کہ حریف فوج کو اس کے کیمپ سے بھگا کر دریا کے راستے سے ان کا پیچھا کیا جائے اور جزیرے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ میکسول کو ہدایت کی گئی کہ دریا کو عبور کر کے وہ پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے اور ہمارے حملے کو کامیاب بنائے۔"[82]

ساڑھے آٹھ بجے رات کو، جب چاندنی چٹکی ہوئی تھی، تینوں ڈویژنوں نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ میڈوز کی زیرِ قیادت ڈویژن ساڑھے گیارہ بجے رات کو چہار دیواری سے گھری ہوئی باڑھ کے اندر داخل ہوئی اور تیزی سے داہنی جانب گھوم کر عیدگاہ کے گڑھی کی طرف بڑھی۔ کارنوالس کا مقصد گڑھی پر حملہ کرنا نہیں تھا۔ کیوں کہ یہ بے حد مستحکم سمجھا جاتا تھا اور ٹیپو کے اصل محاذ سے کافی فاصلے پر تھا۔ خیال تھا کہ حریف کے کیمپ پر قبضہ ہو گیا تو گڑھی خود بخود انگریزی فوج کے ہاتھ آجائے گا۔ بہرکیف میڈوز عیدگاہ کے گڑھی پر پہنچا اور اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، اس کا یہ فیصلہ بھی نتیجہ تھا اُن بعض ناگہانی واقعات کا، جن کے تحت اس رات کے دوسرے واقعات بھی

ظہور پذیر ہوئے تھے[83] گڑھی کی کمان سید حامد کے پاس تھی۔ وہاں گیارہ توپیں تھیں اور اس کی بہت اچھی قلعہ بندی کی گئی تھی، لیکن سلطان اس جگہ آٹھواں پل نہیں تعمیر کر سکا تھا، اس لیے آمد و رفت ایک پتلے سے راستے سے ہوتی تھی۔ گڑھی پر قبضے کے لیے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ میسوریوں نے بڑی جرأت سے مقابلہ کیا اور پہلے حملے کو پسپا کر دیا، جس میں انگریزوں کا خاصا نقصان ہوا۔ دوسرے حملے کا بھی محافظ فوج کے کچھ حصے نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا، لیکن گڑھی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سید حامد کے علاوہ تقریباً چار سو میسوری لڑتے ہوئے کام آئے۔ لیکن موسیو وگی اور اس کے تین سو ساٹھ یورپین سپاہی، جو لالی کور سے تعلق رکھتے تھے اور گڑھی کی باڑھ کے کونے پر تعینات تھے، بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزی فوج کے 80 سپاہی اور گیارہ افسر مارے گئے[84] اُن کی فتح بہت مہنگی پڑی۔

کچھ اور گڑھیوں پر قبضہ کرنا باقی تھا، جو ٹیپو کے کیمپ کے بائیں جانب تھے۔ لیکن عیدگاہ کے گڑھی پر میسوریوں نے پُرجوش شدید مقابلہ کیا تھا، اس کے پیش نظر میڈوز نے دوسرے گڑھیوں کی جانب رُخ کرنے کی ہمت نہیں کی۔ مزید براں، عین اسی وقت وسطے اور بائیں جانب سے یکایک گولیوں کا چلنا بند ہو گیا۔ اس سے میڈوز نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یا تو مکمل فتح ہو گئی، یا مکمل شکست ہوئی اور دونوں حالتوں میں اسے کارنوالس کی کمک کے لیے پہنچنا لازمی تھا۔ چنانچہ عیدگاہ کے گڑھی کے دفاع کے لیے ایک مضبوط دستہ چھوڑ کر میڈوز نے حد بندی کی ہوئی باڑھ کو پار کیا۔ دھان کے کھیتوں اور نالوں سے بچنے کے لیے اس نے ایک ٹیڑھا میڑھا راستہ اختیار کیا، لیکن اس عمل میں وہ بھٹک کر کاری گھاٹ کی پہاڑی پر جا پہنچا، جہاں کارنوالس کا کوئی نشان بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد میڈوز نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ لیکن وہ کچھ ہی آگے بڑھا تھا کہ دن نکل آیا۔ اب اس نے آگے بڑھنا غیر ضروری سمجھا۔ پہاڑی کے دامن میں اسے کارنوالس مل گیا۔[85]

وسطی ڈویژن کی کارروائیاں :

وسطی ڈویژن[86] کو تین دستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اگلا دستہ ناکس کے تحت اور وسطی دستہ اسٹورٹ کے تحت تھا۔ عقبی دستہ خود کارنوالس کے تحت، محفوظ فوج کے طور پر تھا، تاکہ جس دستے کو بھی ضرورت ہو اس کی مدد کی جا سکے اور میڈوز اور میکسول کے تعاون کا انتظار کیا جائے۔ دس اور گیارہ بجے کے درمیان، وسطی دستے کی کوچ کے دوران میں، اگلے دستے کی ٹیپو کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی جو اُن بان اندازوں کی متابعت کر رہے تھے، جو انگریزی کیمپ میں خلل اندازی کے لیے جا رہے تھے۔ انگریزی فوج کی پیش قدمی کو روکنے کا کام بان اندازوں کے سپرد کر کے سواروں نے سلطان کو انگریزی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دینے کے لیے اپنے گھوڑوں کی باگیں

موڑ دیں۔ بان اندازوں نے انگریزی فوج پر بانیں پھینکیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور انگریزی فوج بڑھتی ہی چلی آ رہی ہے، نظم و ضبط کے ساتھ وہ پسپا ہو گئے۔ انگریزوں کا اگلا دستہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا اور شدید، مگر بے ہنگم، گولاباری کے باوجود گیارہ بجے باڑھ کے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن زمین کی ناہمواری اور تاریکی کی وجہ سے، نیز اس سبب سے کہ ہر کمانڈر کو ہدایت کی گئی تھی کہ جمعیت برقرار رکھنے سے زیادہ تیز رفتاری پر توجہ دی جائے۔ اگلی کمپنیاں دو حصّوں میں بٹ گئیں۔ پہلا حصّہ جو دریا پر پہنچا کیپٹن مُونسون کے ماتحت تھا۔ اس نے بلا کسی مزاحمت کے قلعہ کی دیوار کے نیچے ہی سے دریا کو پار کر لیا۔ کیپٹن لنڈسے نے تو مفروریں میں شامل ہو کر قلعہ کے اندر گھسنے کی بھی کوشش کی، لیکن اس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ کا پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ اب اس پارٹی نے جزیرے میں مارچ کیا اور بازار سے گزر کر جنوبی حصّے میں مورچہ جما لیا۔

دریا پر پہنچنے والا دوسرا دستہ فوکس کے ماتحت تھا۔ اس نے بھی بلا کسی مزاحمت کے دریا کو عبور کر لیا لیکن کے بعد وہ ٹیپو کے محل دولت باغ کی سمت بڑھا اور وہاں سے دو گرفتار شدہ فرانسیسیوں کی رہنمائی میں شہر گنجام کی طرف پیش قدمی کی جو جزیرہ کے مشرقی حصّے میں واقع تھا۔ اس مقام پر اسے سُلطان کے پیدل اور سوار دستوں کا شدید مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ دشمن کا وہ زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے گا، پھاٹک ہی پر اس نے مورچہ جما لیا۔

دریں اثنا ان توپوں کی گولاباری کی آوازیں اس نے سُنیں جو جزیرے کے مشرقی حصّے میں دریا کے کنارے جمائی گئی تھیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انگریزی فوجیں دشمن کے کیمپ کے داہنے حصّہ تک پہنچ چکی ہیں اور غالباً جزیرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ چنانچہ فاکس نے اپنی فوج کے بیشتر حصّے کو توپوں پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ عقب سے ان تک پہنچنے کا راستہ کھلا ہوا تھا، اس لیے بلا کسی نقصان کے ان پر قبضہ ہو گیا۔ اس غیر متوقع حملے سے گھبرا کر غنیم تتر بتر ہو گیا۔ اس کے بعد فاکس نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مختلف سمتوں سے غیر متوقع حملوں نے میسوریوں کو اس درجہ متوحش کر دیا تھا کہ شہر کو واپس لینے کی انھوں نے وقتی طور پر کوئی کوشش نہیں کی۔

مُونسون اور فاکس کے بعد ایک اور فوجی دستہ کیپٹن ہنٹر کی سرکردگی میں پہنچ گیا جس نے دولت باغ پر مورچہ جمایا۔ لیکن جلد ہی اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اس نے محسوس کر لیا کہ دشمن کو اس کی نقل و حرکت کا پتہ لگ گیا ہے اور اس جگہ سے اسے مار بھگانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ اسے اس کا بھی احساس تھا کہ دن نکلنے کے بعد وہ اس جگہ جما نہ رہ سکے گا، کیونکہ وہ قلعہ کی توپوں کی زد میں ہوگا۔ اس نے کارنوالس کو اس صورت حال کی خبر کرنے کی کوشش کی، مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ دوسری انگریزی فوج جو اس کی کمک کے لیے پہنچ سکتی تھی، جزیرے میں داخل بھی ہو چکی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے جزیرے سے

نکل جانے کا فیصلہ کرلیا۔ دریا کو دوبارہ عبور کرلینے میں تو اسے کامیابی ہوگئی لیکن بندوقوں اور توپوں کی تیز باڑھ سے شدید نقصان بھی اُسے اٹھانا پڑا۔ بالآخر ایک بڑے نازک مرحلے پر وہ کارنوالس سے عین اس وقت جاملا، جبکہ میسوریوں کی برتر فوج کا اسے سامنا تھا۔

مرکزی دستہ کرنل اسٹورٹ کے تحت تھا۔ وہ سُلطان کے گنج پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھا، جو خالی کیا جاچکا تھا۔ اس کی دفاع کے لیے کچھ سپاہیوں کو اس جگہ چھوڑ کر وہ مشرقی حد بندی کی طرف بڑھا جو باڑھ سے گھری ہوئی تھی۔ وہاں اسے وہ دستہ مل گیا جس نے ابھی ابھی ٹیپو کے یمینی بازو کو شکست دی تھی۔ اس کے بعد اسٹورٹ اور میکسول جزیرے میں داخل ہوگئے۔

مرکزی ڈویژن کا عقبی دستہ کارنوالس کے زیر کمان تھا جو سلطان کے گنج کی پُشت پر اس خیال سے رک گیا تھا کہ میڈوز وہاں اس سے آملے گا۔ دن نکلنے سے دو گھنٹے قبل میسوریوں کی فوج نے، جو ٹیپو کی مرکزی و یَساری فوج کا حصہ تھی اور رات کے دہشت انگیز حملے کے بعد اب سنبھل چکی تھی، آگے بڑھ کر پورے عزم کے ساتھ عقبی دستے پر حملہ کردیا۔ لیکن یہ کارنوالس کی خوش قسمتی تھی کہ عین اسی وقت کیپٹن ہنٹر اس سے آملا جو دولت باغ سے لوٹ رہا تھا۔ اس موقع پر گھمسان کا رَن پڑا۔ میسوری بے جگری اور نظم وضبط کے ساتھ لڑے، لیکن انھیں پیچھے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد کارنوالس کاری گھاٹا کی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تاکہ قلعہ کی گولا باری سے محفوظ رہے اور دن نکلنے کے بعد میسوری اُسے گھیر نہ سکیں۔ پہاڑی کے دامن تک پہنچنے کے بعد اسے میڈوز مل گیا جو اس کی مدد کے لیے آرہا تھا۔

یَساری ڈویژن کی نقل وحرکت:

یَساری ڈویژن نے، جو میکسول کی کمان میں تھا، کاری گھاٹا پہاڑی کی سمت جانے والا راستہ اختیار کیا جہاں ٹیپو کی ایک اہم چوکی تھی، جو جزیرے کے شمالی حصّے کا دفاع اور سُلطانی کیمپ کے یمینی بازو کی محافظت کررہی تھی۔ میکسول گیارہ بجے عین اس وقت پہاڑی پر چڑھ گیا جب مرکزی ڈویژن پر راکٹ پھینکے جارہے تھے۔ اس نے زوردار حملہ کرکے گنج پر قبضہ کرلیا۔ حملہ غیر متوقع تھا، اس لیے محافظ فوج برائے نام ہی مقابلہ کرسکی۔ کاری گھاٹا کے پگوڈا پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا۔ پگوڈا کے دفاعی انتظامات کمزور تھے، کیوں کہ کچھ ہی دن پہلے ٹیپو نے کاری گھاٹا کی تنصیبات پر زیادہ بھروسہ کرکے پگوڈا کی دیواروں کو ہموار کرادیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جزیرے کی توپوں کی موجودگی میں پگوڈا کی پہاڑی پر دشمن کے قدم جمانے کی کوشش ان کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوگی۔

کاری گھاٹا پگوڈا سے میکسول نے دشمن کے کیمپ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نے لوک پوانی ندی کو عبور کیا جو حریف کے یمینی بازو کے بڑے حصّے اور باڑھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن ٹیپو کی چھاؤنی کے داہنی جانب

گھسنے کی کوشش میں میکسول کے ڈویژن کو شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا، کیوں کہ اس پر ٹیپو کے یمینی حصّے ہی سے گولا باری نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ سلطانی فوج کے کچھ سپاہی اس نہر کی پُشت پر بھی تعینات تھے جو پہاڑی کے دامن کا احاطہ کرتی تھی۔ بایں ہمہ ٹیپو کے یمینی بازو میں گھُس کر میکسول اسٹورٹ سے جاملا۔ اس کے بعد اسٹورٹ نے کمان سنبھالی اور جزیرے میں داخل ہونے کے لیے وہ کاویری کو عبور کرنے کے لیے بڑھا۔ لیکن دریا کی گہرائی نے اور اس کے نیچے کی چٹانوں نے تیز توپوں کی قطاروں نے بہ ظاہر یہ کام دشوار بنا دیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ایک پایاب مقام پر دریا کو پار کرنے کی کوشش کی، لیکن شدید نقصان اُٹھا کر اسے لوٹنا پڑا۔ پھر اس نے کسی ایسے گھاٹ کی جستجو شروع کی جہاں سے دریا کو بہ آسانی عبور کیا جاسکے۔ بالآخر کرنل بائرڈ کو ایک جگہ مل گئی اور وہ جزیرے میں اُتر گیا۔ لیکن اب وہ ایک بڑے خطرے سے دوچار تھا، کیونکہ دریا کو عبور کرنے کے سلسلے میں اس کے سپاہیوں کا گولا بارود بھیگ گیا تھا۔ لیکن اس کی خوش قسمتی سے اسی وقت فاکس کے بھیجے ہوئے دستے نے دشمن کی توپوں پر قبضہ کرلیا۔ اس کے نتیجے میں صرف بائرڈ ہی محفوظ نہیں رہا بلکہ اسٹورٹ اور فاکس بھی جزیرے میں اُتر گئے۔ لیکن اس عمل میں ان کے بہت سے سپاہی ڈوب گئے۔ اس کے بعد اسٹورٹ اور ناکس ایک دوسرے سے جاملے اور پھر ایک بڑے افسر نے اس تمام انگریزی فوج کی کمان سنبھالی جو جزیرے میں موجود تھی۔

اس طرح سے انگریزوں کا رات کا حملہ مجموعی طور پر کامیاب رہا۔ جزیرے کے مشرقی حصّے میں انھوں نے اپنا تسلّط جما لیا تھا۔ دریا کے شمال میں عیدگاہ پر اور کاری گھاٹا کی پہاڑی پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ مرکزی ڈویژن نے کارنوالس کے تحت اور یساری ڈویژن نے میکسول کے تحت ان فرائض کو خوبی کے ساتھ انجام دیا تھا جو انھیں سونپے گئے تھے۔ ناکس کے سپرد جو فرائض کیے گئے تھے، انھیں ادا کرنے میں وہ اگرچہ کامیاب نہ ہوسکا، تاہم عیدگاہ پر قبضہ کر کے اس نے کم از کم ایک اہم چوکی لے لی تھی۔

انگریزوں کی کامیابی کا راز ان کے نظم وضبط اور نقل وحرکت کی تیز رفتاری میں مضمر تھا، جس نے میسوریوں کو بالکل متوحش کردیا تھا۔ سلطان کا خیال تھا کہ پرشورام باہو اور جنرل ابرکرومبی کے پہنچنے سے پہلے حملہ شروع نہ ہوگا اور اسے توقع تھی کہ دریں اثنا وہ کاری گھاٹ کی پہاڑی اور عیدگاہ کے مورچوں کے کاموں کو پورا کرلے گا اور سرنگاپٹم کی قلعہ بندی کو بھی مکمل کرسکے گا۔ اس کا خیمہ سلطانی مورچے ہی کے قریب نصب تھا، جس کی کمان بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ رات کے کھانے سے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ اپنے کیمپ پر حملے کی خبر اس نے سُنی۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سپاہیوں کو مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ لیکن سپاہیوں کے تیار ہونے سے پہلے ہی مفرورین کے ایک جھنڈ نے خبر دی کہ غنیم کی فوجیں مرکزی دفاع کو توڑ چکی ہیں اور ان کا ایک دستہ خاص گھاٹ کی سمت بڑھ رہا ہے۔ اس خبر نے اس کی پسپائی کو بھی پُرخطر بنا دیا تھا، دوسری طرف کاویری کے شمال

میں دفاع کو فوری طور پر منظم کرنے کا بھی وقت نہ تھا۔ چنانچہ اس نے قلعہ کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا، جو اس کے نزدیک خطرے میں تھا۔ وہ تیزی سے بڑھا اور انگریزی ڈویژن کے اگلے حصّے کے پہنچنے سے پہلے ہی اس نے گھاٹ کو پار کرلیا اور قلعہ میں داخل ہوتے ہی وہ شمالی مشرقی زاویے پر جم گیا، جہاں سے وہ فوجی کارروائیوں کی نگرانی کرسکتا تھا اور اپنے کمانڈروں کو احکام بھی دے سکتا تھا۔

دن نکلنے کے بعد ٹیپو نے محسوس کیا کہ اس کی حالت مایوس کن نہیں ہے اور کھوئی ہوئی حیثیت واپس لی جاسکتی ہے۔ چہار دیواری کے بہت سے مورچے اور جزیرے کی متعدد چوکیاں اب بھی اس کے قبضے میں تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ قلعہ پر اب تک اس کا قبضہ تھا۔ اس میں شُبہ نہیں کہ ناگہانی حملے سے اس کی فوج کو نقصان پہنچا تھا، تاہم اس کے سپاہی بڑی بہادری سے لڑے تھے اور رات کے حملے سے جو بوکھلاہٹ پیدا ہوئی تھی، اس پر وہ غالب آچکے تھے اور مزید مقابلہ کرنے کے لیے مستعد تھے۔ رات کے وقت تاریکی اور افراتفری کی وجہ سے قلعہ کی توپیں بھی اس خیال سے خاموش رکھی گئی تھیں کہ مبادا میسوری فوجیں ہی ان کی زد میں نہ آجائیں۔ لیکن دن نکلتے ہی توپوں کے دہانے کھول دیے گئے اور دشمن سے مقبوضہ مقامات کو واپس لینے کے لیے میسوری فوجوں نے مجتمع ہونا شروع کر دیا۔

پہلا حملہ اسٹورٹ کے خلاف کیا گیا، جس نے ایک ایسی جگہ سنبھال لی تھی جو لال باغ کے سامنے شہر گنجام کے 'پیٹھ' کے بالمقابل تھی اور ہر طرف سے دریا سے گھری تھی۔ دن نکلنے کے کچھ ہی دیر بعد ٹیپو کی پیدل فوج نے پُرانے مکانوں اور دیواروں کے پیچھے سے انگریزوں پر گولیاں چلانا شروع کیں۔ غنیم کے میگزین (اسلحہ خانہ) کا زیادہ تر حصّہ رات ہی کو ختم ہوچکا تھا اور جو تھا بھی وہ دریا کو پار کرتے وقت بھیگ گیا تھا، اس لیے جواب میں اس نے معمولی سی گولا باری کی۔ لیکن کارنوالس کاری گھاٹا کی پہاڑی کے ایک ایسے مقام پر بیٹھا تھا جہاں سے وہ پوری فوجی کارروائی کو دیکھ سکتا تھا، چنانچہ اسٹورٹ کی کمک کے لیے اس نے فوراً فوج روانہ کی۔ کمک کے پہنچتے ہی میسوری واپس لوٹ گئے۔

دوسرا حملہ جو کیا گیا اس کا مقصد سلطانی گڑگج کو واپس لینا تھا۔ اس کی بازیافت کے لیے ٹیپو اس لیے بھی کوشاں تھا کہ اوّل تو وہ بے لڑے بھڑے ہاتھ سے نکل گیا تھا، دوسرے جزیرے اور کاویری کے شمالی حصّہ کے مابین رسل و رسائل کے راستوں کی وہاں سے نگرانی ہوسکتی تھی۔ پہلے تو میسوریوں نے گڑگج کا محاصرہ کرلیا اور پھر مسلسل آتش باری کرتے رہے۔ چوں کہ اس کا پھاٹک قلعہ اور جزیرہ کی طرف کھُلتا تھا اس لیے انگریزوں نے اس کی مورچہ بندی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قلعہ کی گولا باری نے مورچے کا صفایا کر دیا اور میسوریوں نے دس بجے حملہ کر دیا۔ مگر اسے پسپا کر دیا گیا اور میسوریوں کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ دوسرے وقت

ایک بجے تین سو میسوری سواروں نے دوسرا حملہ کیا اور غدار برہنہ تلواروں کے ساتھ پھاٹک پر ٹوٹ پڑے لیکن گڑگج کی آتش باری نے ان میں سے بہتوں کا صفایا کر دیا اور باقی سوار واپس لوٹ گئے۔ تیسری کوشش یورپین سپاہیوں نے کی جو موسیو وگی کے زیر کمان تھے۔ یہ حملہ، خلاف توقع، تینوں حملوں میں سب سے زیادہ کمزور ثابت ہوا، کیوں کہ کچھ دور آگے بڑھنے اور چند آدمیوں کے مارے جانے کے بعد یورپین سپاہی بدنظمی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ گڑگج کو واپس لینے کی سلطان نے یہ آخری کوشش کی تھی۔ اس کے بعد سہ پہر کے چار بجے سپاہیوں نے چوکیاں خالی کر دیں اور جزیرے میں واپس چلے گئے۔

کم و بیش ایک گھنٹے کے بعد سلطان نے انگریزوں کو جزیرے سے بے دخل کرنے کی کوشش پھر شروع کی۔ پیدل فوج کی دو صفیں 'پیٹھ' میں داخل ہوئیں اور بیرونی چوکیوں میں گھس بیٹھ کر بڑے اعتماد کے ساتھ اسٹور کے اصلی مورچے پر حملہ کرنے کے لیے بڑھیں۔ لیکن انھیں پسپا کر دیا گیا اور انھیں واپس ہونا پڑا۔

ان لڑائیوں میں میسوری بڑی دلیری سے لڑے اور کئی بار انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا۔[87] لیکن سلطان والے گڑگج سے اور جزیرے سے انھیں بے دخل کرنے میں وہ ناکام رہے۔ چنانچہ ٹیپو نے حکم دیا کہ سلطانی گڑگج اور عیدگاہ کے گڑگج کے درمیان جتنے بھی گڑگج ہیں وہ خالی کر دیے جائیں۔ اس حکم کے مطابق میسوریوں نے وہ تمام چوکیاں خالی کر دیں جو کاویری کے شمال میں تھیں۔

اس وقت انگریزوں کے پندرہ سو اور میسوریوں کے دو ہزار کے قریب آدمی مقتول یا مجروح ہوئے تھے۔[88] جزیرے اور گڑگجوں کے لیے جنگ میں ستاون یورپین، جو سلطان کی ملازمت میں تھے، یہ دیکھ کر کہ ان کے آقا کے مقابلے میں انگریزوں کا پلّہ بھاری ہے، بھاگ کر انگریزوں سے جا ملے۔ ان میں ایک بوڑھا انجینیر موسیو بلے وٹ اور اس کا فرانسیسی ترجمان موسیو لے فولو بھی تھا۔ یہ دونوں طویل مدت سے سلطان کی اور اس کے والد کی ملازمت میں تھے۔ ایک پرتگالی کیپٹن جوزف پیڈرو کی سرکردگی میں تیس اور یورپین بھی بھاگ نکلے۔ ان سب کو فوراً مرہٹوں نے اپنی ملازمت میں لے لیا۔[89] یورپینوں کے علاوہ اُن کورگیوں کی بھی بڑی تعداد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی جنھیں 1785 کی کورگی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد سلطان اپنے ہمراہ لایا تھا۔[90]

کاویری کے شمالی علاقے کو جب میسوریوں نے خالی کر دیا تو وہاں سے ملنے والا سارا چارہ انگریزوں کو حاصل ہو گیا۔ سپاہیوں اور گھوڑوں کے لیے غلّے کی بہت بڑی مقدار بھی 'پیٹھ' سے انگریزوں کے ہاتھ آئی۔ اس کے علاوہ پیٹھ میں عمدہ مکانات تھے اور وہ چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ یہ سب باتیں حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے سپاہیوں کے لیے بے حد مفید تھیں۔ ٹیپو کے خوب صورت باغ، لال باغ، کو کاٹ کر محاصرے کے لیے سامان حاصل کیا گیا اور باغ ہی سے ملحق شاندار محل کو اسپتال میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان حالات میں جزیرے میں اور کاویری

کے شمال میں انگریزوں کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ ۹ فروری کو کارنوالس نے اپنا مورچہ بدلا اور آخری محاصرے کے لیے ایک نیا مورچہ سنبھال لیا۔

لیکن اس محاصرے کے انتظامات ابھی آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ ٹیپو کے سواروں کی ایک جمعیت نے ۱۱ تاریخ علی الصباح انگریزوں کے میگزین پر جرأت مندانہ حملہ کر دیا۔ ارکیری کے نواح میں انھوں نے کاویری کو عبور کیا اور کاری گھاٹ کے پگوڈا کے شمال مشرقی سرے کا چکر کاٹتے ہوئے انگریزی کیمپ تک پہنچ گئے، جہاں انھیں اتحادی فوج کا حصہ سمجھ کر انگریزی چوکیوں سے گزرنے دیا گیا۔ لیکن جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ یہ میسوری ہیں اور انگریزی سپاہیوں نے گولی چلا کر انھیں منتشر کر دیا۔ تھوڑا سا نقصان اُٹھا کر وہ پہاڑیوں میں بھاگ گئے۔ چونکہ یہ شبہ کیا جا رہا تھا کہ یہ لوگ لارڈ کارنوالس کی جان لینے کی کوشش میں وہاں گئے تھے، اس لیے ان کے خیمے پر انگریز محافظ تعینات کر دیے گئے۔[91]

اب تک ساری لڑائی کاویری کے شمال میں اور جزیرے میں ہوتی رہی تھی۔ سرنگاپٹم کے جنوب میں کارروائیاں ابرکرومبی کو اور پرشورام باہو کو کرنی تھیں، جن کے جلدی پہنچنے کی توقع تھی۔ ابرکرومبی 5 دسمبر کو کنانور سے روانہ ہوا اور بڑی دشواریوں سے گھاٹوں پر چڑھ کر کورگ کے علاقے میں داخل ہوا۔ ۱۰ تاریخ پیریاپٹم سے گزرا اور ۱۱ کو ایداتور کے مقام پر اس نے کاویری کو عبور کیا۔ ٹیپو کو اپنے مخبروں سے ابرکرومبی کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اسے روکنے کے لیے ٹیپو نے فتح حیدر کی سرکردگی میں کچھ سوار روانہ کیے۔ چنانچہ میسوریوں نے 13 تاریخ کو ابرکرومبی پر حملہ کر کے اس کا بہت سا سامان لوٹ لیا اور اس کے سپاہیوں کو دن بھر پریشان کرتے رہے۔[92] کارنوالس نے بمبئی سے آنے والی اُس فوج کی محافظت کے لیے، جو سرنگاپٹم کی طرف بڑھ رہی تھی، اتحادی فوج کرنل فلوئڈ کی ماتحتی میں روانہ کی۔ اس فوج کے ایک دستے پر میسوریوں نے حملہ کر کے اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا۔[93] لیکن کرنل فلوئڈ نے آڑے آ کر اُسے بچا لیا۔ اسی طرح کرنل فلوئڈ ابرکرومبی کے بھی آڑے آیا اور اُسی دن دونوں فوجیں کنام باڑی کے مقام پر مل گئیں۔ ان دونوں فوجوں نے ایک ساتھ مارچ کیا اور ۱۶ تاریخ کو اصل فوج سے جا ملیں۔ ابرکرومبی اپنے ساتھ دو ہزار یورپین اور چار ہزار ہندوستانی سپاہی لایا تھا۔[94] اس سے محاصرے کے عمل میں اور زیادہ تیز رفتاری پیدا ہو گئی۔ اب کارنوالس جنوب کی سمت سے بھی قلعہ پر حملہ کر سکتا تھا۔

سرنگاپٹم کا قلعہ جو جزیرے کے مغربی کنارے پر واقع تھا، مثلث تھا۔ اس کے دو رُخوں کی حفاظت دریائے کاویری کرتا تھا۔ لیکن اس کا تیسرا رُخ جو جزیرہ کی سمت تھا، حملوں سے اس کی مدافعت کسی قدرتی وسیلے سے نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ پہلے یہ طے پایا کہ اصل حملہ جزیرے کے شمال مشرقی گوشے سے کیا جائے۔ لیکن اس حصے

کا دفاع چونکہ نہایت مستحکم تھا اس لیے چیف انجینئر کرنل راس کے مشورے اور انگریزوں سے جا ملنے والے موسیو بلویٹ نیز دوسرے یورپینوں کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں طے پایا کہ اصل حملہ دریا کے اس پار شمالی رُخ پر کیا جائے جہاں دفاعی انتظامات، جزیرے کے مقابلے میں، نسبتاً کم مستحکم ہیں۔ اور سمتوں کے مقابلے میں شمال کی جانب دیوار کم چوڑی تھی۔ وہاں کوئی فصیل بھی نہیں تھی اور میمنہ و میسرہ کے دفاعی استحکامات بھی کم اور غیر اہم سے تھے۔ خندق بھی خشک تھی اور اس کی چوڑائی و گہرائی بھی زیادہ نہیں تھی۔ وہ سنگی پشتہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا، جو دریا میں بنایا جا رہا تھا۔ اس جگہ حملہ کرنے کے لیے قدرتی ارضی حالات بھی مناسب تھے۔ کیوں کہ بقول میکنزی "اس علاقے کے بتدریج بلند ہونے کی وجہ سے قلعہ کی اندرونی عمارتیں ہی نہیں، قلعہ کی دیواروں کی بنیادیں تک نظر آ رہی تھیں۔" اس میں شک نہیں کہ شمال کی جانب حملہ کرنے میں دریا درمیان میں حائل ہوتا تھا، مگر وہ نہ تو گہرا تھا اور نہ ناقابلِ عبور، اور محاصرین کو محصورین کے حملوں سے وہ محفوظ بھی رکھتا تھا۔[25]

18 فروری کو اندھیرا ہوتے ہی میجر ڈالریمپل کے تحت ایک دستے نے کاویری کی جنوبی شاخ کو عبور کیا۔ آدھی رات سے پہلے ہی وہ میسوریوں کے کیمپ تک پہنچ گیا اور کسی کو اس کی اطلاع بھی نہ ہوئی۔ اصل فوج کیمپ سے ایک میل کے فاصلے پر ہی رک گئی۔ صرف ایک ٹولی، کیپٹن رابرٹسن کے تحت، حملے کے لیے آگے بڑھی اور کیمپ میں اَن دیکھے گھس گئی۔ اس نے بہت سے سپاہیوں اور گھوڑوں کا صفایا کر دیا اور شور ہوتے ہی پسپا ہو گئی۔ رات کے اس حملے کا مقصد قلعہ کے شمال کی جانب سے میسوریوں کی توجہ کو ہٹانا تھا، جہاں سے حملے کے لیے وہ، قلعہ سے 800 گز کے اندر، ایک متوازی خندق کھودنا چاہتے تھے۔ صبح کو جب ٹیپو کو اس کا پتہ چلا کہ انگریز رات کو ایک اہم تعمیر میں مصروف تھے تو اس نے شدید بمباری کا حکم دیا اور اُن انگریزی سپاہیوں کو پریشان کرنے کے لیے بھی پیدل سپاہیوں کی پارٹیاں روانہ کیں۔ سلطان نے اس نہر کا رُخ بھی کاویری کی طرف موڑنے کا حکم دیا جو دشمن کے کیمپ کو پانی فراہم کرتی تھی۔ اس کا مقصد انگریزوں کو پانی سے محروم کرنا ہی نہیں بلکہ دریا کے پانی کی سطح کو بلند کرنا بھی تھا، تاکہ قلعہ تک رسائی دشوار ہو جائے۔ لیکن اپنا مقصد حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا، کیوں کہ پشتہ بہت ٹھوس تھا۔ چنانچہ سلطان کے سپاہیوں کو جلد ہی نہر کے کنارے سے بھگا دیا گیا۔

19 فروری کو ابر کرومبی نے جنوب کی سمت سے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لیے دریا کو پار کیا اور ایک ملحقہ ٹیلے پر مورچہ قائم کر لیا۔ ٹیپو نے ٹیلے پر گولا باری شروع کی اور اُس قریہ کو واپس لینے کی کوشش کی جس پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہو سکا اور رات ہوتے ہی قلعہ میں واپس چلا گیا۔ اس کے سپاہیوں نے اس گڑھ کو بھی خالی کر دیا جس پر قلعہ سے گولا باری کی جا سکتی تھی۔ انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا، مگر دوسرے دن صبح ہی کو انھوں نے اسے چھوڑ بھی دیا کیوں کہ وہ قلعہ کی توپوں کی زد میں تھا۔ لیکن

قلعہ کے اس رُخ کا صفایا کر دینے والا حملہ کرنے کے لیے اس گڑگج کو، قلعہ کی قربت کی وجہ سے، قبضے میں رکھنا بھی ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ 21 فروری کی رات کو بِلا کسی مزاحمت کے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا۔ چونکہ ایک بار وہ خالی کیا جا چکا تھا اس لیے میسوریوں نے اس کی محافظت کے لیے سپاہی تعینات کرنا غیر ضروری سمجھا تھا۔ دوسرے دن انگریزوں نے اس گنبد نما تودے پر بھی قبضہ کر لیا، جو قلعہ اور گڑگج کے درمیان میں تھا۔ یہ کامیابی شدید جدوجہد کے بعد حاصل کی گئی تھی۔ پہلے تو میسوریوں نے انگریزوں کو اس تودے سے مار بھگایا، لیکن جلد ہی انھیں بھی وہاں سے بھاگنا پڑا اور ان کا تعاقب کیا گیا۔ مگر میسوری دوبارہ بڑی ہمّت اور تیزی سے آگے بڑھے اور انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا۔ لیکن گولا بارود اور سپاہیوں کی مزید کمک پہنچنے کے بعد انگریزوں نے قطعی طور پر دشمن کو پسپا کر کے تودے پر پورا تسلّط جما لیا۔ یہ جدوجہد صبح سے لے کر غروب آفتاب تک جاری رہی۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے مجروحین اور مقتولین کی تعداد 104 تھی۔ میسوریوں کے نقصان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔[96]

دریں اثنا جب متوازی خندق کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی اور توپیں ایسے مقامات پر نصب کی جا چکیں جہاں سے قلعہ کی دیواروں میں رخنے ڈالے جا سکتے تھے، تو 24 فروری کی صبح کو اعلان کیا گیا کہ صلح کے مبادیات طے پا چکے ہیں اور اب جنگ بند ہو جانا چاہیے۔

(باب 15 کے حاشیے)

1. Dirom, p. 29.
2. Ibid., pp. 31 seq.
3. Dirom, p. 36.
4. Mill, vol. v, p. 238.
5. Dirom, p. 43; Mackenzie, ii, p. 151.
6. Dirom, pp. 43-6.
7. حامد خاں، و 88 ب تا 89 الف؛ کرمانی، ص 60-359.
8. Dirom, p. 49.
9. Mackenzie, vol. ii, p. 126.

میکنزی کے بیان کے مطابق کوئمبٹور پر شادآواد علی خاں نے حملہ کیا تھا۔ لیکن ولکس اور ڈائروم کے مطابق کوئمبٹور کے مقابلے کے لیے باقر صاحب کو بھیجا گیا تھا۔ کسی بھی فارسی مآخذ میں مجھے شادآواد نامی کسی بھی آدمی کا نام نہیں ملا ہے، جو ٹیپو کی ملازمت میں رہا ہو۔

10. Dirom, p. 51; Wilks, vol. ii, p. 502.
11. Mackenzie, vol. ii, pp. 126-33.
12. Dirom, p. 51; P.R.C., iii, No. 370.
13. Mackenzie, vol. ii, pp. 136-37.

ولکس اور ڈائروم دونوں نے شہر پر میسوریوں کے قبضہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جہاں تک قمرالدین خاں کے سپاہیوں کی تعداد کا تعلق ہے، ولکس (ii, p.507) نے آٹھ ہزار باضابطہ پیدل، پانچ سو سوار اور چودہ توپیں بتائی ہیں۔ لیکن مِل (v. p. 207) نے اس تخمینے کو مبالغہ قرار دیا ہے۔ میکنزی کے بیان کے مطابق قمرالدین خاں کے پاس چھ ہزار پیدل، پانچ سو تھان کے گھوڑے، جن کی حالت اچھی نہیں تھی، چودہ توپیں اور کچھ بے ضابطہ سپاہی تھے۔

14. Dirom, pp. 62-64; Mackenzie, vol. ii, pp. 137-38.

انگریزوں کے 78 سپاہی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ میسوریوں کے نقصان کا علم نہیں ہے۔

15. N.A., Pol. Pro., Feb. 29, 1792, Cons. No. 4, Cornwallis to Tipu.

16. N.A., O.R., 89.
قمرالدین خاں کا بے تاریخ خط شالمرس کے نام: قمرالدین خاں کی مُہر خط پر موجود ہے۔ شرائطِ اطاعت وہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے ہیں۔ صرف محافظ فوجی دستے کی رہائی سلطان کی مرضی پر مشروط رکھی گئی ہے۔

17. N.A. Pol. Pro., March 9, 1792, Cons. No. 8, Conwallis to Tipu; M.R. Mly. Sundry Book, vol. 106, p. 3.

18. Ibid.,

19. دیکھیے صفحہ 191 سپرا۔

20. Mackenzie, vol. ii, pp. 174-75.

21. Ibid., pp. 154-56; Dirom, pp. 66-67, 69.

22. Mackenzie, vol. ii, pp. 174-75.

23. Ibid., pp. 67-72; Mackenzie, vol. ii, pp. 162-68.

24. حامد خاں، و 90 ب۔ Ibid., pp. 169-71, Dirom, pp. 74-75.

25. Mackenzie, vol. ii, p. 168.

26. Dirom, p. 116.

27. Wilson, vol. ii, p. 221.

28. P.R.C., iii, No. 387.

29. تاریخ ٹیپو، و 104 الف

30. Mackenzie, vol. ii, p. 64; Wilks, vol. ii, p. 514; P.R.C., iii, No. 389.

31. Ibid., No. 388 A.

32. Mackenzie, vol. ii, p. 65.

33. میکنزی نے حیدر صاحب کو غلطی سے فتح حیدر کہا ہے۔ Mackenzie, vol. ii, p. 65.

34. Wilks, vol. ii, p. 515.

35. حدیقہ، ص 84 - 383 ۔ میر عالم کا کہنا ہے کہ فریدالدین مختصر فوج کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ ولکس کا یہ بیان مضحکہ خیز ہے کہ وہ صرف بیس سواروں کو لے کر بڑھا تھا۔ ڈائرم (ص 84) کہتا ہے کہ اس کے ساتھ دو سو سوار

تھے۔ میکنزی (vol. ii , p. 65) کا یہ بیان قرین صحت معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سواروں کی تعداد نو سو تھی۔

36. حدیقہ، ص 384 Mackenzie , vol. ii , pp. 65-66

اس واقعہ کے سلسلے میں ولکس کے بیان کی کسی ماخذ سے تائید نہیں ہوتی۔

37. Dirom , p. 85.

38. Mackenzie , vol. ii , 66-67 ; Wilks , vol. ii , p. 222.

39. See p. 219 supra.

40. Khare , ix , No. 3366.

41. نجاگل اور دیوریادرگ میسور کے ضلع تاملوک میں ہیں۔

42. Moor , pp. 100-03 ; Duff , vol. ii , 205.

ڈف کا بیان ہے کہ دیوریادرگ کو قلعدار نے حوالے کردینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن جب مرہٹہ فوج وہاں پہنچی تو اس پر گولی چلائی گئی۔ لیکن مور کے بیان سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

43. Moor, pp. 104-05.

44. Ibid., pp. 127-28.

45. Ibid., pp. 128-29.

46. Ibid., pp. 135-41.

47. Khare , ix , p. 4492.

48. Moor , p. 141.

49. P.R.C. , iii , No. 406.

50. Ibid. , No. 409.

51. Ibid. , No. 400 ; Moor. pp. 143-45.

لیکن مور نے صفحہ 146 پر یہ غلط لکھا ہے کہ محافظ فوج پانچ سو افراد پر مشتمل تھی۔

52. اسے بعد راوتی کہتے ہیں اور یہ میسور کے ضلع شموگا میں ہے۔

53. Moor . p. 152 ; Mackenzie , vol. ii , p. 178

54. دیکھیے سابقہ صفحہ 212 نیز Moor, pp. 88, 132, 152.

مور نے گنپت راؤ مہا مہنڈال کا نام بانا بابو منڈل لکھا ہے۔

55. Dirom , p.102.

میکنزی نے رضا صاحب کی سپاہ کا تخمینہ تین ہزار لکھا ہے (Vol ii, p. 178)، جو بہت کم ہے۔ اس کے برعکس میلے کا تخمینہ دس ہزار تھا، جو کیمپ میں پہنچنے والی اطلاعات پر مبنی تھا (P.R.C, iii, No. 407)۔ لیکن یہ بھی مبالغے سے خالی نہیں۔

56. Moor, pp. 154 , 158 ; Mackenzie , vol. ii , p.178.

57. Dirom , pp. 102 , 3, Mackenzie , vol. ii , p.178.

58. Khare , ix , No. 3411 ; Moor , pp. 154 – 57 , Dirom, pp. 103 – 4.

59. Dirom , pp. 104 – 5 ; Moor , 157.

60. Khare , ix , No. 3411 , Duff , ii , p.211 , Moor , p. 157.

انگریزی بیانات کے مطابق انگریزوں کے زخمیوں اور مارے جانے والوں کی تعداد صرف ساٹھ تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ مرہٹہ ماخذ کے مطابق انگریزوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔

61. Moor, pp. 189 – 90.

62. Duff , ii , p. 210 ; Moor , p.190.

63. Moor , pp. 160 – 1,187.

64. Duff , ii , p. 211.

65. Moor, pp. 169 – 73.

66. P.R.C. , iii , No. 439; Khare , ix , Nos. 3410 , 3413.

67. Moor , p. 170.

68. Khare , ix , p. 4494.

69. Wilks , ii , p. 709.

70. Mackenzie , ii , p. 188 , Dirom, pp. 131 – 32.

71. فرنچ راکس (فرانسیسی چٹانیں) : اس جگہ کا نام فرانسیسیوں کے نام پر اس لیے پڑ گیا تھا کہ حیدر اور ٹیپو کی فوج میں جو فرانسیسی سپاہ تھی، ان کو اسی جگہ رکھا گیا تھا۔

72. Dirom , p. 128.

73. Wilson, ii, p.224.

74. Ibid., p.225; Mackenzie, ii, p.185.

75. Dirom, pp.130-31; Mackenzie, ii, p.185.

76. Forrest, Selections, Cornwallis, i, p.130, Cornwallis to Court of Directors, March 4, 1792; N.A., Pol.Pro. March 2, 1792, Cornwallis to Oakeley, Cons.No.2.

77. Wilks, ii, p.527.

78. حامدخاں، و 59 ب تا 96 الف۔ کارنوالس نے ہری پت اور مشیرالملک کے لیے دو بند لفافے چھوڑے تھے، جو اس وقت پہنچائے جانے تھے جب انگریزی فوج کوچ کرنے کے بعد گولی چلانا شروع کردے۔ نیز دیکھیے Khare, ix, No.3414, Hariput to Nana, Feb. 11, 1792. اس خط میں ہری پت نے سرنگاپٹم کی اس جنگ کی تفصیل بیان کی ہے۔

79. Dirom, pp. 141-42.

80. Ibid., p.140.

81. Forrest, Selections, Cornwallis, i, p.139.

82. N.A., Pol.Pro., March 2, 1972, Cons.No.2.

83. Ibid.,

84. Mackenzie ii, pp.207-8; Dirom, pp.144-49, Wilks, ii, p.503-1.

85. Dirom, pp.150-51.

86. وسطی اور بائیں جانب کے دستوں سے متعلق بیان ڈائرم، میکنزی، فارسک، حامدخاں (و 96 ب تا 99 الف) اور کھرے (Vol. ix, No.3414) پر مبنی ہے۔ ہری پت نانا کو پابندی سے جنگی واقعات کی خبر دیتا رہتا تھا (دیکھیے پارسنیس کی 'اتہاس سنگرہ')۔

87. A.N., C² 242, de Fresne to Minister, March 5, 1792, No.68.

88. پارسنیس : اتہاس سنگرہ : جلد دوم۔ ہری پت کے ایک خط کے مطابق جو نانا کو لکھا گیا تھا، انگریزی فوج کے

پندرہ سو آدمی مارے گئے تھے (پانچ سو انگریز اور ایک ہزار ہندوستانی) اور ٹیپو کے تین ہزار آدمی کام آئے تھے ایک دوسرے خط کے مطابق انگریزوں کے سترہ سو آدمی مارے گئے تھے (سات سو انگریز اور ایک ہزار ہندوستانی)۔ اور ٹیپو کے دو ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ اس سلسلے میں انگریزی بیانات قابل اعتبار نہیں ہیں؛ جو انگریزی نقصانات کو کم کر کے اور ٹیپو کے نقصانات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

89. Dirom, p.183.

90. تاریخ کورگ: و 64.

91. Mackenzie, ii, pp.219-20; Dirom, p.192.

میکنزی کا بیان ہے کہ یہ سوار میگزین پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ڈائرم کا خیال ہے کہ یہ سوار لارڈ کارنوالس کی جان لینے کے ارادے سے آئے تھے۔

92. Gleig: Munro, i, p.133.

93. حامدخاں: و 99 ب؛ حدیقہ: ص 387

میر عالم کا بیان ہے کہ یہ شکست مرہٹوں کی بزدلانہ روش کے سبب ہوئی تھی، جو کھانے اور پینے میں مشغول رہے تھے۔

94. Dirom: pp.193-4.

95. Mackenzie: ii, p.222; Dirom: pp.195-6.

96. Mackenzie, ii, pp.225-7; Dirom, pp.208-9; N.A., Pol.Pro., March 21, 1792, Cons.No.2.

سولھواں باب

صلح نامۂ سرنگاپٹم کے نتائج: ٹیپو کی شکست کے اسباب

ہم نے دیکھا ہے کہ ٹیپو نے پوری کوشش کی تھی کہ انگریزوں سے جنگ ٹل جائے، لیکن جب اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور جنگ چھڑ گئی تو اس نے صلح کی کوششیں کیں۔ اس نے کارنوالس کو لکھا کہ وہ کوئی اعلا عہدہ دار بھیجے تاکہ موجودہ اختلافات کو اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جا سکے جو اس میں اور انگریزی کمپنی میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اگر گورنر جنرل اسے پسند نہ کرے تو اس کام کے لیے وہ خود اپنا نمائندہ بھیجنے کے لیے تیار ہے[1] کارنوالس نے جواب دیا کہ وہ اسے جارح سمجھتا ہے، اس لیے نہ تو اپنا کوئی نمائندہ بھیجے گا اور نہ اس کے فرستادہ نمائندے سے بات کرنا پسند کرے گا تاہم اگر ٹیپو جملہ اتحادیوں کو تاوانِ جنگ ادا کرے اور شرائطِ صلح تحریری شکل میں پیش کرے تو مصالحت کی گفتگو شروع ہو سکتی ہے[2] جارحیت کے الزام کی تردید کرتے ہوئے ٹیپو نے لکھا کہ حقیقتاً وہ نہیں بلکہ ٹراونکور کا راجا امن کو درہم برہم کرنے کا مرتکب ہوا ہے۔ راجا سے اپنے تصادم کے اسباب کی تشریح کرتے ہوئے اس نے کارنوالس کو یہ بھی لکھا کہ معاملات کو طے کرنے کے لیے اس نے اپنے دو معتمد ملازموں کو بھی راجا کے پاس بھیجا تھا، لیکن اپنی اس کوشش میں اُسے کامیابی نہیں ہو سکی۔ بہرکیف وہ چونکہ امن کا خواہاں ہے اس لیے اپنا وکیل کارنوالس کے پاس بھیجنا چاہتا ہے[3] اس خط کا ٹیپو کو کوئی جواب نہ ملا۔

ٹیپو کی صلح کی سلسلہ جنبانی کو کارنوالس نے خوش آمدید کہنے سے اس لیے انکار کیا تھا کہ وہ صلح کا خواہاں نہیں، بلکہ جنگ کے درپے تھا۔ اسی لیے اس نے سوچ سمجھ کر ایسی شرطیں لگائی تھیں جن کے متعلق اسے علم تھا کہ ٹیپو کے لیے وہ قابلِ قبول نہ ہوں گی۔ اُس دور میں جو انگریز ہندوستان میں تھے، جنگ ان کا انتہائی محبوب مشغلہ تھا۔ کیوں کہ جنگ ان کے لیے منفعت بخش تھی، جیسا کہ کلکتہ کے ایک انگریز نے ڈنڈاس کو لکھا تھا کہ جنگ "موجودہ

حالات میں انگریزوں کے لیے ہندوستان میں انتہائی خوش نصیبی کا باعث ہوگی[4]

بنگلور کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ٹیپو نے 25 مارچ کو پھر کارنوالس کو لکھا کہ اہم معاملات ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتے اور وہ تو صرف کسی معتمد شخص کی وساطت ہی سے طے پا سکتے ہیں۔ اس کا جواب بھی کارنوالس نے وہی دیا جو اس نے پہلے لکھا تھا[5]

کارنوالس کو لکھنے کے ساتھ ساتھ ٹیپو نے پانڈیچری کے گورنر ڈی فرسنے کو بھی لکھا کہ بیچ میں پڑ کر انگریزی اربابِ اختیار سے اس کے معاملات کو طے کرا دے۔ ٹیپو ایمانداری سے صلح چاہتا تھا، اس لیے اس نے ڈی فرسنے سے دریافت کیا تھا کہ کن شرائط پر وہ یہ کام کرا سکتا ہے[6] گورنر جنرل نے ڈی فرسنے کو بھی وہی جواب دیا جو دو بار ٹیپو کو دے چکا تھا۔ یعنی ٹیپو اتحادیوں کو تاوانِ جنگ ادا کرے اور تحریری طور پر ان باتوں کو بیان کرے جن کی بنیاد پر وہ صلح کی گفت و شنید کرنا چاہتا ہے۔ اس کی تحریری شرطیں نظام کو اور مرہٹوں کو بھیجی جائیں گی، اور ان سے صلاح و مشورے کے بعد وہ ٹیپو کو مطلع کرے گا[7]

15 مئی 1791 کو سرنگاپٹم کے سامنے جو جنگ ہوئی تھی اس میں مجروح ہونے والے قیدیوں کے تبادلے کی تجویز کارنوالس نے 17 مئی کو پیش کی۔ اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے ٹیپو نے پھر اپنے ایک معتمد کو کارنوالس کے پاس بھیجنے کی خواہش ظاہر کی[8] لیکن موخر الذکر چونکہ مصالحت کی طرف مائل نہیں تھا، اس لیے شرائط اس نے سخت تر کر دیں۔ اب تاوانِ جنگ پر یرغمالیوں کے مطالبے کا بھی اضافہ کیا گیا، جو اس کی ضمانت ہوں گے کہ مستقبل میں ٹیپو معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔ تاہم ٹیپو کو اس کا یقین دلایا گیا تھا کہ مذاکرات کی ناکامی کی حالت میں یرغمالی واپس کر دیے جائیں گے[9] 20 مئی کو جواب دیتے ہوئے ٹیپو نے اس الزام کی تردید کی کہ وہ جارح ہے اور یرغمالی بھیجنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ ایک مرتبہ جب معاہدہ ہو جائے گا تو وہ اس کی پابندی کرے گا، اس لیے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا کہ وہ کسی کو یرغمال کے طور پر پیش کرے[10]

دریں اثنا سرنگاپٹم سے پسپا ہونے والی انگریز فوج کی حالت تیزی سے ابتر ہو رہی تھی۔ ایک طرف کارنوالس کو ابرکرومبی کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔ دوسری طرف مرہٹے اب تک پہنچے نہیں تھے اور بیماری اور بھوک کی وجہ سے کارنوالس کی فوج میں کمی آتی جا رہی تھی۔ اس لیے وہ مصالحت کی طرف مائل ہو گیا۔ اب اسے اس پر اصرار نہیں تھا کہ ٹیپو تحریری طور پر شرائطِ صلح بھیجے۔ اس نے ٹیپو کو 24 مئی کو لکھا کہ وہ اپنا نمائندہ بنگلور بھیجے تاکہ وہاں اتحادیوں کے نمائندوں سے وہ شرائطِ صلح پر گفتگو کرے[11] کارنوالس کی روش میں تبدیلی سے خوش ہو کر ٹیپو نے اس کی تجویز قبول کر لی اور 27 مئی کو صلح کے جھنڈے کے ساتھ اس نے بہت سے ملازمین کو پھلوں کے ٹوکرے دے کر بھیجا۔ اسی دوران میں مرہٹوں کے پہنچ جانے کی وجہ سے انگریزی فوج کی حالت بہت کچھ سدھر گئی،

کیوں کہ مرہٹے اپنے ساتھ کثیر مقدار میں سامانِ رسد لائے تھے جو انھوں نے کارنوالس کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن (28 رمئی کو) کارنوالس نے صلح کا جھنڈا اور پھولوں کے ٹوکرے اس جواب کے ساتھ واپس کر دیے کہ اتحادیوں کی مرضی کے بغیر التوائے جنگ کی گفتگو نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ٹیپو تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دے اور جب تک تجاویز قبول نہ کر لی جائیں اور معاہدے کی شرطیں طے نہ ہو جائیں اس وقت تک کے لیے ٹیپو التوائے جنگ کو قبول کرلے[12] ظاہر ہے کہ مرہٹوں کے پہنچنے کی وجہ سے انگریزوں کی طاقت میں جو اضافہ ہوا تھا، اسی کے پیش نظر کارنوالس اپنی بات سے پھر گیا تھا اور نئی شرطیں اس نے پیش کر دی تھیں۔

انگریزوں سے صلح کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ٹیپو نے نظام اور مرہٹوں سے بھی سلسلہ جنبانی کی، اگرچہ ان دونوں نے اس کے علاقے پر حملے کیے تھے اور اپنے درباروں سے اس کے وکیلوں کو خارج کر دیا تھا۔

15 راپریل 1791 کو ٹیپو نے محمد امین عرب کو لکھا کہ نظام کی غلط فہمیوں کو دور کرنے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی غرض سے وہ ایک معتمد کو ان کی خدمت میں روانہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس جنگ کو ختم کیا جاسکے، جس میں بلا وجہ انسانوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ نیز یہ کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے نظام کو اور اسے ایک دوسرے کے خلاف نہ لڑنا چاہیے[13] محمد امین نے چونکہ اس خط کا نہایت گستاخانہ جواب دیا اس لیے ٹیپو نے نظام کو اور اس کی خاص محل بخشی بیگم کو براہِ راست لکھا۔ بخشی بیگم سے اس نے درخواست کی تھی کہ اس معاملے میں "وہ دوستانہ مداخلت کریں تاکہ اعلاحضرت کی نظر کرم میری جانب مبذول ہو، اور سچے مذہب کے دشمنوں کو شکست ہو اور ان کی مدد کے لیے جو فوجیں بھیجی گئی ہیں وہ واپس بلالی جائیں[14]" نظام کے خط میں ٹیپو نے لکھا کہ "پیروانِ اسلام کے اتحاد و اتفاق کے فوائد اور خوبیاں یقیناً آپ کی نظروں کے سامنے عیاں ہیں .... مجھے یقین ہے کہ آپ کا کریمانہ دل و دماغ ہمیشہ ایسی تدبیریں اختیار کرتا ہے جس سے اسلام کی قوت میں اور دینِ محمدی کی شوکت میں اضافہ ہو، کیوں کہ اس سے دنیاوی قیادت کی فلاح ہوتی ہے اور آپ کا نام روشن ہوتا ہے۔ براہِ نوازش آپ وہ ذرائع تجویز فرمائیں جن سے ان لوگوں کی آبرو اور جان و مال کا تحفظ ہو سکے جس کی ذمہ داری خداوند تعالیٰ نے جو قادرِ مطلق ہے مسلمان حکمرانوں کو سونپی ہے[15]" یہ اپیل بھی، جو نظام کی انسان دوستی اور مذہب کے نام پر کی گئی تھی، بے سود ثابت ہوئی۔ نظام اور بخشی بیگم دونوں نے ٹیپو کو جارحیت کا اور ہندو مسلمانوں کو یکساں مصیبت میں مبتلا کرنے کا مرتکب گردانا اور لکھا کہ اگر وہ صلح کا خواہاں ہے تو اسے اتحادیوں کو تاوان ادا کرنا چاہیے اور انھیں اجتماعی طور پر لکھنا چاہیے۔ نیز یہ کہ نظام نہ تو اس کے کسی معتمد سے مل سکتا ہے اور نہ علاحدہ صلح نامہ ہی کر سکتا ہے، کیوں کہ اس سے اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی

جو نظام نے انگریزوں کے ساتھ کیا ہے۔[16]

پیشوا کی حکومت کے ساتھ ٹیپو کی گفت و شنید راستی خاندان کی معرفت ہوئی۔ ٹیپو انتہائی آرزومند تھا کہ اس کا ایک وکیل پیشوا کے یہاں ضرور رہے۔ چنانچہ ٹیپو نے پیشوا سے درخواست کی کہ ضروری پروانے بھیج دیے جائیں تا کہ علی رضا خاں بلا کسی دشواری کے پونا پہنچ سکے۔[17] بلکہ علی رضا خاں اور سری نواس راؤ چیتل گڈ تک پہنچ بھی گئے اور پروانوں کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن وہ آئے نہیں، کیوں کہ نانا نے بھی ٹیپو سے علاحدہ گفتگو کرنے سے انکار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ علی رضا کو اطلاع دی گئی کہ ٹیپو پہلے تاوان ادا کرے، اتحادیوں کے ان علاقوں کو واپس کرنا منظور کرے جن پر حیدر علی نے قبضہ کر لیا تھا اور اپنی تجاویز لکھ کر بھیجے۔ اس کے بعد ہی اتحادیوں سے صلاح و مشورہ کر کے جواب بھیجا جائے گا۔[18] لیکن مرہٹوں کو اس امر سے بھی تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ کارنوالس نے جب سے جنگ کی کمان سنبھالی ہے، اس وقت سے انگریزی فوج کی کارکردگی کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ تشویش کی وجہ یہ تھی کہ مرہٹے ٹیپو کو کمزور تو کر دینا چاہتے تھے، لیکن اسے ختم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ جب ٹیپو نے وکیل بھیج کر شرائطِ صلح طے کرنے کی خواہش کا اعادہ کیا تو ہری پت نے اس کو منظور کر لیا۔ حقیقتاً مرہٹے اور نظام دونوں اس کے لیے بھی تیار تھے کہ کارنوالس اگر جنگ کو ختم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو ٹیپو سے وہ علاحدہ صلح کر لیں۔[19] یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب انگریزوں کی حالت ابتر تھی تو گورنر جنرل ٹیپو کے وکیل سے ملنے کے لیے تیار ہو گیا تھا، لیکن جوں ہی انگریزوں کی حالت سنبھلی وہ اپنی بات سے پھر گیا اور ٹیپو سے مصالحت کے لیے سخت ترین شرطیں عائد کر دیں۔ لیکن اوائل اگست 1791 میں "ہری پت کے پُر جوش ایما" پر ٹیپو کے نمائندوں سے ملنے پر وہ پھر راضی ہو گیا۔[20] چنانچہ ٹیپو نے اپاجی رام کو بنگلور بھیجا۔ اگست کی 6 تاریخ وہ انگریزی کیمپ کے نواح میں پہنچا جو ہسور سے سات میل جنوب میں واقع تھا اور براہِ راست مذاکرات کرنے کے لیے کارنوالس اور ہری پت سے ملنے کی خواہش کی۔ ہری پت تو اس کے لیے تیار ہو گیا، لیکن کارنوالس نے، جو اپنے کو جنگ کا حقیقی فریق سمجھتا تھا، خود اپاجی سے ملنے سے انکار کر دیا، جو ٹیپو کا صرف نمائندہ تھا۔ بایں ہمہ اپاجی سے گفتگو کرنے کے لیے اپنے نمائندے متعین کرنے پر وہ راضی ہو گیا اور اپاجی کو اتحادیوں کے نمائندوں سے ملنے کے لیے ہسور جانے کی ہدایت کی۔ مگر اپاجی نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، کیوں کہ اسے کارنوالس اور ہری پت سے ملاقات کرنے کی ہدایت کی گئی تھی،، اور 23 اگست کو وہ واپس ہو گیا۔[21] ہری پت اور میر عالم، جو صلح کے خواہش مند تھے، انھیں کارنوالس چرکا دے گیا۔ ٹیپو نے بھی ضابطے اور وقار کی ایک چھوٹی سی بات پر اصرار کر کے غلطی کی تھی، کیوں کہ اس طرح وہ بھی کارنوالس کے ہاتھ میں کھیل گیا جو کسی نہ کسی بہانے سے صلح کے مذاکرات کا دروازہ بند کرنے کی فکر میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنگلور سے انگریزوں کی تباہ کن پسپائی کے بعد ٹیپو کو گمان ہو گیا تھا کہ اس کی حیثیت

مضبوط ہوگئی ہے، اس لیے کسی قسم کی ہیٹی برداشت کرنے کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک بہت اچھا موقع کھودیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرنگاپٹم کے مذاکرات میں اسے ان ضوابط کی پابندی ہی نہیں کرنی پڑی جنھیں اس نے مُسترد کر دیا تھا بلکہ صلح کی ایسی شرطیں بھی قبول کرنی پڑیں جو ان سے کہیں زیادہ سخت تھیں جو میسور میں اسے حاصل ہو سکتی تھیں۔

کارنوالس جب سرنگاپٹم پر ایک بار پھر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر رہا تھا تو ٹیپو نے 7 / جنوری کو اسے دوبارہ لکھا کہ صلح کے مذاکرات کے لیے وہ اپنا وکیل بھیجنا چاہتا ہے[22] نظام اور پیشوا سے بھی اس نے اسی قسم کی سلسلہ جنبانی کی۔ ہری پت اور میر عالم سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد کارنوالس نے 16 تاریخ ٹیپو کو جواب دیا کہ پہلے وہ تاوانِ جنگ ادا کرے اور کوئمبٹور کے قلعہ کی محافظ فوج کو رہا کرے[23] اس کے جواب میں ٹیپو نے 19 تاریخ کو لکھا کہ خلاف ورزی کرنے کا وہ عادی نہیں ہے اور یہ کہ کوئمبٹور کے قلعہ نے خود سے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ قمرالدین خاں نے اس پر قبضہ کیا تھا اور محافظ فوج کو، میری منظوری حاصل کرنے کے بعد ہی رہا کرنے کا وعدہ کیا تھا[24] کارنوالس کا جواب یہ تھا کہ اطاعت نامے پر قمرالدین خاں اور شالمرس نے دستخط کیے تھے اور موخرالذکر نے اس کی خلاف ورزی کی۔ لیکن ٹیپو اگر اس کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ شالمرس اور ناش کو یا ان میں سے ایک کو یہاں بھیجے تاکہ حقائق کا علم ہو سکے[25] اب کارنوالس کو پورے محافظ دستے کی رہائی پر اصرار نہیں تھا، کیوں کہ ایک طرف مرہٹے صلح کرنے پر اصرار کر رہے تھے، دوسری طرف 6 / فروری کی شب کی لڑائی میں انگریزی فوج کو جن نقصانات کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کے پیش نظر کارنوالس بھی جنگ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

ٹیپو نے اس وقت تک التوائے جنگ کے لیے کارنوالس کی پیش کردہ شرطوں کو اس لیے مُسترد کیا تھا کہ وہ انھیں غیر منصفانہ سمجھتا تھا اور اسے توقع تھی کہ اتحاد کو توڑ کر یا فوجی کامیابی حاصل کر کے وہ بہتر شرائط پر صلح کر سکے گا۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی پوری نہ ہو سکی۔ اتحاد کے ممبروں سے علاحدہ علاحدہ گفت و شنید کر کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوششوں میں وہ ناکام رہا تھا اور اس کی سلسلہ جنبانی کو ٹھکرا دیا گیا تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس کی قلمرو کا بڑا حصّہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس کے وسائل، مالی اور نفری دونوں اعتبار سے، روز بہ روز گھٹتے جا رہے تھے، جبکہ اس کے حریف کے وسائل اب تک کثیر تھے۔ تنہا کارنوالس سے یا کسی ملکی طاقت سے ٹیپو کو اگر قوت آزمائی کرنی پڑی ہوتی، تو اس کا پلّہ یقیناً بھاری رہتا۔ لیکن انگریز، مرہٹہ اور نظام اتحاد کا مقابلہ کرنے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ سرنگاپٹم میں اور جزیرے میں اپنے دفاعی استحکامات کو وہ اگرچہ ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا، تاہم وہاں بھی اسے شکست کھانی پڑی۔ اس نے اس کی خوداعتمادی کو کمزور کر دیا۔ یہ سچ ہے کہ قلعہ اب تک اس کے ہاتھ میں تھا، لیکن ہر طرف سے وہ محاصرے

میں تھا اور خیال تھا کہ پرشورام باہو کے پہنچنے کے بعد محاصرہ اور بھی موثر ہو جائے گا۔ اب ٹیپو کو اپنی کامیابی کی نہ تو کوئی اُمید نظر آ رہی تھی اور نہ جنگ کا رُخ بدلنے کے کوئی آثار نظر آتے تھے۔ ان حالات میں التوائے جنگ کے لیے اتحادیوں کی تجویز کردہ شرطیں ٹیپو کو قبول کرنی پڑیں۔ 8 فروری کی صبح کو اس نے شالمرس، ناش اور کوئمبٹور کے قلعہ کی فوج کے دوسرے پانچ افراد کو رہا کر دیا۔ ان سب کو اس نے اپنے ایک مُعتمد محمد علی کے ہمراہ روانہ کیا، جسے اہم معاملات پر کارنوالس سے گفتگو کرنی تھی۔[26] شالمرس اور ناش کی رہائی نے گورنر جنرل کو مطمئن کر دیا اور اس نے 11 تاریخ ٹیپو کو اطلاع دی کہ صلح کی ابتدائی گفتگو کے لیے وہ اپنے وکیل اتحادی کیمپ میں بھیجے۔[27]

13 فروری کو غلام علی خاں اور علی رضا خاں قلعہ سے روانہ ہو کر اس خیمہ میں پہنچے جو اس کانفرنس کے لیے عیدگاہ کے قریب نصب کیا گیا تھا۔ اس موقع پر کناوے نے انگریزوں کی، میر عالم نے نظام کی اور گوندراؤ کالے اور بچہ جی مہنداں نے پیشوا کی نمائندگی کی۔ چند ابتدائی رسموں کی ادائیگی اور آئندہ اجلاسوں کے طور طریقے طے کرنے کے بعد کانفرنس ملتوی ہو گئی۔ دوسرے دن اتحادی نمائندوں نے ٹیپو کے وکیلوں سے دریافت کیا کہ صلح کے حصول کے لیے ان کا آقا کون کون سی مراعتیں اور کتنا تاوان دینے کے لیے تیار ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ سُلطان صرف صلح کا خواہاں ہے، لیکن اتحادی اگر کسی اور بات کے خواستگار ہوں، تو اس کی سلطان کو اطلاع دی جائے گی۔[28] اس پر اتحادی نمائندوں نے تجویز پیش کی کہ ٹیپو اپنی قلمرو کے اتنے حصے سے دستبردار ہو جائے، جس کا مالیانہ تین کروڑ روپے کے مساوی ہو، آٹھ کروڑ روپے تاوانِ جنگ ادا کرے اور یہ دونوں تجویزیں اگر طے پا جائیں تو ان کی تکمیل کی ضمانت میں اپنے دو بیٹوں کو بطور یرغمال دے۔ وکیلوں نے کہا کہ یہ شرطیں انتہائی جابرانہ ہیں اور ان کی بجا آوری سُلطان کے امکان سے باہر ہے، کیوں کہ اسے خود بھی جنگ میں شدید نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں۔[29] 17 فروری کو اتحادیوں نے شرائط میں ترمیم کی۔ اب ٹیپو سے مُطالبہ کیا گیا کہ اپنی قلمرو کے لیے نصف حصّے سے وہ دستبردار ہو جائے جو "اتحادیوں کی مملکتوں سے متّصل ہوں اور جسے وہ پسند کریں۔" چھ کروڑ روپے تاوان کے ادا کرے۔ تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دے جن میں حیدر علی کے وقت کے قیدی بھی شامل ہوں۔ اپنے دو بیٹوں کو بطور یرغمال دے۔ کناوے نے وکیلوں سے کہا کہ یہ قطعی شرطیں ہیں اور ان پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔[30] سلطان سے صلاح و مشورے کے لیے وکیل یہ شرطیں لیکر قلعہ میں واپس گئے۔ دوسرے دن پانچ بجے شام کو کانفرنس پھر ہوئی تو ٹیپو کے وکیلوں نے کہا کہ ان شرائط کو سُلطان انتہائی جابرانہ تصوّر کرتا ہے۔ البتہ وہ اپنی قلمرو کے چوتھائی حصے سے دستبردار ہو سکتا ہے اور دو کروڑ روپے نقد ادا کر سکتا ہے۔ لیکن کناوے نے اس کو مُسترد کرتے ہوئے وکیلوں کو دھمکی

دی کہ اس کے مطالبات اگر پورے نہ کیے گئے تو دوبارہ جنگ شروع کر دی جائے گی اور ان سے کہا کہ وہ فوراً کیمپ سے نکل کر قلعہ واپس جائیں۔ کتاوے کی یہ روش دیکھ کر غلام علی خاں اور علی رضا خاں گھبرائے۔ انھوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد کہا کہ سلطان زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مملکت اور ڈھائی کروڑ روپے ادا کر سکتا ہے۔ لیکن کتاوے نے جب اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو ان لوگوں نے کہا کہ سلطان اپنی نصف قلمرو سے دستبردار ہو جائے گا اور تین کروڑ روپے ادا کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ آخری حد ہے جہاں تک سلطان جا سکتا ہے۔ کتاوے اسے بھی قبول کرنے پر راضی نہ ہوا۔ لیکن یہ شرطیں جب کارنوالس کے سامنے رکھی گئیں تو اس نے انھیں پسند کرتے ہوئے کہا کہ ٹیپو نے جو پیش کش کی ہے، اس سے زیادہ علاقے سے دستبردار ہونا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ ہری پت نے بھی کارنوالس کی رائے سے اتفاق کیا، تاہم اس نے "دربار کے اخراجات" کے نام سے ساٹھ لاکھ کی مزید رقم کا مطالبہ کیا۔ یہ رقم اتحادی فوج کے ان اعلا افسروں میں بطور انعام تقسیم کی جانے والی تھی، جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ وکیلوں نے اس رقم کو بہت زیادہ قرار دیا اور بڑی ردّ و قدح کے بعد تیس لاکھ پر معاملہ طے ہو گیا۔[31] ان تمام مذاکرات کے دوران مشیر الملک کی رائے یہ تھی کہ ٹیپو کے پاس صرف اس قدر علاقہ چھوڑا جائے جس کی آمدنی بہ قدر ایک کروڑ روپے ہو، اور اس کی مملکت کے باقی حصے اتحادی اپنی قلمرو میں شامل کر لیں، نیز یہ کہ ٹیپو سے پندرہ کروڑ روپے تاوان کے وصول کیے جائیں۔ لیکن کارنوالس اور ہری پت دونوں نے ان تجاویز کو انتہائی جابرانہ سمجھا اور انھیں نظر انداز کر دیا گیا۔[32]

معاہدے کی دو باتیں تو طے ہو گئی تھیں، لیکن ابتدائی معاہدے پر دستخط ہونے سے پہلے کچھ باتیں طے پانا باقی رہ گیا تھا۔ علاقے سے دستبردار ہونے کی شرط میں ٹیپو کو "پسند کے علاقے" کے ٹکڑے پر اعتراض تھا، جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جس علاقے کو بھی اتحادی پسند کریں اس سے دستبرداری کا مطالبہ کر سکتے تھے، جس میں اس کے "قدیم مقبوضات" بھی شامل ہو سکتے تھے۔[33] مگر جب کتاوے نے وکیلوں کو یقین دلا دیا کہ "ٹیپو کے قدیم مقبوضات کے کسی حصے کی بھی اتحادیوں کو ضرورت نہ ہوگی" تو "پسند کے علاقے" کے ٹکڑے کو برقرار رکھنے پر وکیل تیار ہو گئے۔[34]

روپے کی ادائیگی کے سلسلے میں وکیلوں نے کہا کہ سلطان ڈیڑھ کروڑ روپے ادا کرے گا۔ اس میں سے پچاس لاکھ روپے نقد دیے جائیں گے اور باقی رقم جواہرات اور ہاتھی گھوڑوں کی شکل میں ہوگی۔ ادائیگی کی اس شکل پر اتحادی نمائندوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ ان اشیا کا تقسیم کرنا اور روپے کی شکل میں ان کی قیمتوں کا تعین کرنا دشوار ہوگا۔ آخر میں طے پایا کہ نقد اور سونے کی شکل میں ٹیپو ایک کروڑ 65 لاکھ اور

باقی رقم ایک سال کے اندر قسطوں میں ادا کرے۔[35]

مذاکرات میں یرغمالیوں کا مسئلہ سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ پہلے تو ٹیپو نے کسی کو بھی یرغمال کے طور پر دینے سے انکار کر دیا، لیکن جب اتحادی کسی طرح نہ مانے تو اپنے ایک بیٹے کو اور دوسرے کے جگہ پر دو یا تین افسروں کو بھیجنے پر وہ تیار ہو گیا۔ یہ تجویز بھی اتحادیوں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی اور انھوں نے ٹیپو کی یہ دلیل ماننے سے انکار کر دیا کہ اس کے بیٹے بہت کم سن اور اُسے بے حد عزیز ہیں۔ وہ تعلیم و تربیت سے محروم ہو جائیں گے۔ اب ٹیپو کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے یا جنگ کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ رہا تھا۔ اس کے بڑے بیٹے فتح حیدر کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ وہ فوج کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ اس کے علاوہ انتہائی ہونہار ہونے کی وجہ سے وارثِ تخت سمجھا جاتا تھا۔ عبدالخالق کی عمر آٹھ سال تھی اور معیزالدین کی پانچ سال۔ ان ہی دونوں کو یرغمالی بنانے کے لیے منتخب کیا گیا، کیوں کہ دوسرے لڑکے ان سے بھی زیادہ کم سن تھے، اس لیے ان کے بھیجنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔[36]

معاہدے کی تمام باتیں طے پا گئیں۔ ٹیپو نے ابتدائی معاہدے پر 23 فروری کو دستخط کیے اور 24 فروری کو جنگ بند ہو گئی۔ ابتدائی معاہدہ حسبِ ذیل شرائط پر مشتمل تھا:

1. جنگ شروع ہونے سے قبل ٹیپو کی جو قلمرو تھی اس کا نصف حصہ اتحادیوں کو دیا جائے گا، جو ان کی مملکت سے متصل اور ان کی پسند کا ہو گا۔
2. اشرفیوں، پگوڈوں یا سونے کی شکل میں ٹیپو تین کروڑ تیس لاکھ کی رقم ادا کرے گا۔ اس میں سے ایک کروڑ 65 لاکھ فوری طور پر ادا کیے جائیں گے اور باقی رقم چار چار مہینوں کی تین قسطوں میں ادا کی جائے گی۔
3. حیدر علی کے وقت سے لے کر اس وقت تک کے چاروں حکومتوں کے جو قیدی ہیں، انھیں رہا کیا جائے گا۔
4. معاہدے کی پابندی کی ضمانت میں ٹیپو سلطان کے تین بڑے بیٹوں میں سے دو کو یرغمال بنایا جائے گا۔[37]

26 فروری کو دوپہر کے قریب شہزادے توپوں کی سلامی کے ساتھ قلعہ سے روانہ ہوئے۔ قلعہ کے پھاٹک کی فصیل پر سلطان خود انھیں رخصت کرنے کے لیے موجود تھا۔ ہر شہزادہ آراستہ و پیراستہ ہاتھی پر چاندی کے ہودے میں بیٹھا تھا۔ ان کے ساتھ وکیل بھی ہاتھیوں پر تھے۔ جلوس کے آگے آگے اونٹوں پر سوار ہرکارے اور سات نشان بردار تھے جن کے ہاتھوں میں سبز جھنڈے تھے۔ ان کے پیچھے نیزہ بردار تھے، جن کے نیزوں کے دستوں پر چاندی کا کام تھا۔ عقب میں دو سو پیادے اور سواروں کی ایک جمعیت تھی۔ انگریزی کیمپ میں یہ جلوس پہنچا تو 21 توپوں کی سلامی سے اس کا استقبال کیا گیا۔ ان کے اپنے خیموں پر، جو مسجد کے گرڈ گنج کے متصل تھے، اتحادی نمائندے ان سے ملے۔ اس کے بعد انھیں کارنوالس کے کیمپ میں لے جایا گیا اور جب شہزادے ہاتھیوں سے اُترے تو کارنوالس نے اپنے خیمے کے دروازے پر خاص خاص

فوجی افسروں کی معیت میں ان کا استقبال کیا۔ اس نے انھیں گلے سے لگایا۔ جب دونوں شہزادے کارنوالس کے دونوں بازوؤں کی نشستوں پر بیٹھ گئے تو غلام علی خاں نے کہا کہ "آج صبح تک یہ بچے میرے آقا سلطان کے بیٹے تھے۔ اب یہ جناب عالی کو اپنا باپ سمجھیں گے۔" لارڈ کارنوالس نے وکیلوں کو یقین دلایا کہ یہ بچے باپ کی شفقت سے محرومی کو قطعاً محسوس نہ کریں گے اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا جائے گا۔ اس نے ان دونوں کو سونے کی ایک ایک گھڑی دی، جس سے انھیں بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادوں کی نہایت عمدہ تربیت ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے اطوار، ان کے وقار اور ان کی بردباری نے سب کو بے حد متاثر کیا۔[38]

دوسرے دن کارنوالس ان کے پاس بازدید کے لیے گیا۔ اس کے ساتھ کناوے، میر عالم اور مرہٹوں کے وکیل بھی تھے۔ دونوں شہزادوں نے کارنوالس کو ایرانی تلواریں نذر کیں۔ اس کے جواب میں کارنوالس نے انھیں عمدہ قسم کے آتشیں اسلحہ پیش کیے۔ ہری پت اور سکندر جاہ سے بھی تحائف کے تبادلے ہوئے۔[39] میجر ڈائرم کے مشاہدے کے مطابق "تمام باتوں میں ایک ایسا شکوہ، نظم وضبط اور کروفر تھا، جس کی مثال اپنے اتحادیوں کے یہاں ہمیں نہیں ملتی۔ پہرے دار، جو باہر کھڑے تھے، باوردی تھے۔ وہ صرف باضابطہ اور خوب مسلح ہی نہیں تھے بلکہ دیسی ریاستوں کی پیدل فوج جو بے ترتیب جھنڈ ہوتی ہے، ان کے مقابلے میں وہ تربیت یافتہ اور اعلا نظم وضبط کے حامل نظر آتے تھے۔"[40] 28 فروری کی صبح کو قلعہ سے شاہی سلامی کی توپیں اس امر کے اظہار کے لیے داغی گئیں کہ سلطان کے بیٹوں کا جس طرح استقبال کیا گیا ہے، اس سے وہ مطمئن ہے۔[41]

اس غیر مشروط معاہدے کی دفعات کی توضیح میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں۔ کناوے نے ٹیپو کے وکیلوں سے سلطنت میسور کے مالگذاری کے کاغذات طلب کیے۔ 3 مارچ کو وہ ٹیپو کے پیشکار خاص، ستبا راؤ، کے ہمراہ قلعہ سے واپس لوٹے۔ ستبا راؤ اپنے ساتھ کچھ کاغذات لایا تھا جو جنگ شروع ہونے کے وقت کے تھے اور بعض اضلاع مثلاً کورگ، کے کاغذات سات سال پرانے تھے۔ وہ نامکمل ہی نہیں تھے، بلکہ اتحادیوں نے انھیں صحیح تسلیم نہیں کیا، کیوں کہ ان پر نہ تو قانون گوؤں کی اور سررشتہ داروں کی مہریں تھیں اور نہ دستخط تھے۔ کناوے کا خیال تھا کہ ٹیپو نے ان اضلاع کا تخمینہ کم کرکے دکھایا ہے جن کے متعلق وہ سمجھتا ہے کہ "اس سے وہ لیے نہیں جائیں گے، اور ان سرحدی اضلاع کا تخمینہ بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے، جن کے متعلق اسے گمان ہے کہ اتحادی ان کا الحاق کرنا چاہیں گے۔ دوسری طرف مُشیرالملک کا خیال تھا کہ جن اضلاع سے ٹیپو دستبردار ہونا چاہتا ہے ان کا جو تخمینہ دکھایا گیا ہے وہ ان کی آمدنی سے بہت زیادہ ہے۔ اور جن اضلاع کو اس نے "قدیم مقبوضات" کی فہرست میں شامل کیا ہے او اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا

ہے ان کی قیمت نصف سے بھی کم دکھائی ہے۔ چنانچہ 4 مارچ کو کناوے نے مکمل کاغذات پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ دو دن کے اندر اگر کاغذات پیش نہ کیے گئے تو اتحادی خود اپنے تخمینوں کے مطابق علاقائی تقسیم کا کام شروع کردیں گے۔ وکیلوں نے اسے بتایا کہ بدنور، کالی کٹ، کوئمبٹور، دھاروار، بنگلور اور دوسرے بہت سے اضلاع کے کاغذات اتحادی فوجیوں نے تباہ کردیے تھے۔ 6 فروری 1792 کی شب کو انگریزوں نے سلطانی کیمپ پر جو حملہ کیا تھا، بہت سے کاغذات اس حملے میں بھی برباد ہوئے۔ بہرکیف جو کچھ باقی بچا ہے وہ پیش کردیا جائے گا، لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔ اتحادیوں نے اس بیان کو غیر تسلی بخش قرار دے کر اُن کاغذات کی بُنیاد پر تقسیم کا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا، جو وہ خود حاصل کرسکتے تھے۔ ابتدائی معاہدے کے مطابق کناوے نے ایک وضاحتی معاہدے کا مسودہ تیار کیا، جس میں ان علاقوں کی نشاندہی کی گئی تھی جن کا الحاق ہونا تھا، اور 9 مارچ کی شام کو اسے ٹیپو کے وکیلوں کے پاس بھیج دیا۔[42]

دوسرے دن جب کانفرنس ہوئی تو وکیلوں نے اور سباراؤ نے مجوزہ معاہدے کے مسودے پر اعتراضات شروع کیے۔ وہ چاہتے تھے کہ اتحادی نمائندے تقسیم کے معاملے کو ان کاغذات کی روشنی میں دیکھیں جو سباراؤ اپنے ساتھ لایا تھا۔ لیکن کناوے نے کہا کہ نئے کاغذات کو دیکھنے کا وقت گزر چکا ہے اور اب نہ تو نئے حسابات کو جانچا جائے گا اور نہ مسودے کی دفعات ہی میں کوئی ردّو بدل کیا جائے گا۔ اس ہمّت شکن جواب کے بعد بھی سباراؤ مجوزہ مسودے کی تجاویز پر اعتراضات کی بوچھار کرتا ہی رہا۔ کورگ کے شامل کیے جانے پر اس نے اعتراض کیا جو بنگلور کا دروازہ تھا۔ اس نے کہا کہ دنایک کن کوٹائی[43] جسے انگریز لینا چاہتے ہیں، وہ ان کی سرحد سے دُور اور بنگلور سے قریب ہے۔ اس نے بتایا کہ اسی طرح بلاری، گوٹی اور سالم بھی اتحادیوں کی سرحدوں سے بہت دُور ہیں۔ لیکن کناوے نے ان اعتراضات کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا۔ چنانچہ کانفرنس ملتوی ہوگئی اور معاہدے کا مسودہ لے کر وکیل قلعہ کو واپس لوٹے۔[44] مسودے کو دیکھ کر سلطان کی حیرت اور غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے چیخ کر سوال کیا کہ "کورگ انگریزوں کے کس علاقے سے ملحق ہے؟ وہ ہم سے سرنگاپٹم کی کُنجی ہی کیوں نہیں طلب کرلیتے ــــ؟ وہ جانتے ہیں اس طرح کی دستبرداری سے پہلے ہی میں مرجانا پسند کروں گا۔ میرے بچّوں کو اور میرے خزانے کو غدّاری سے حاصل کرلینے سے پہلے اسے پیش کرنے کی وہ جرأت ہی نہیں کرسکتے تھے۔"[45]

12 مارچ کو وکیلوں نے واپس آکر کناوے کو مطلع کیا کہ اتحادی بعض نکات پر اگر نرمی برتنے پر آمادہ ہوں تو میرا آقا معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے تیار ہے۔ ٹیپو نصف حصّہ، خود اپنے کاغذات کے مطابق، دینے پر آمادہ تھا اور دوسرا نصف اتحادیوں کے تخمینے کے مطابق۔ وکیلوں نے 9 تاریخ کی مُلاقات میں جو اعتراضات کیے تھے انھیں پھر انھوں نے دُہرایا لیکن مجوزہ معاہدے پر ان کا اصل اعتراض کورگ کی شمولیت پر تھا جو کمپنی کو ملنے والے

علاقوں کی فہرست میں شامل تھا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ کورگ سرنگاپٹم کا ایک دروازہ ہے اور سرنگاپٹم سے اس کی تقریباً ایک دن کی مسافت ہے۔ نیز یہ کہ سمندر سے سرنگاپٹم تک پہنچنے کے لیے وہ بہترین مقام ہے۔ مزید براں معاہدے کے مطابق انگریزوں کو کورگ کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ انگریزی مقبوضات سے وہ "متصل" نہیں ہے[46] اور یہ کہ کناوے نے وکیلوں کو یقین دلایا تھا کہ ٹیپو کے "قدیم مقبوضات" کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔[47] اس لیے کورگ کو اپنی فہرست میں شامل کرنے کا انگریزوں کو کوئی حق نہیں ہے اور سلطان نے اتحادیوں کو اپنے "قدیم مقبوضات" کی جو فہرست بھیجی تھی اس میں بھی کورگ کو شامل کیا گیا تھا۔[48] اس سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ ٹیپو نے اگرچہ کالی کٹ کو بھی اپنے قدیم مقبوضات کی فہرست میں شامل کیا تھا، لیکن کارنوالس نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ تھا کہ معاہدے پر دستخط ہونے سے پہلے ہی کالی کٹ کا سوال اُٹھایا گیا تھا۔[49] لیکن اس وقت کورگ کا نام بھی نہیں لیا گیا تھا۔

اس اعتبار سے کورگ کا مطالبہ معاہدے کی کھلی خلاف ورزی تھا۔ تاہم کارنوالس نے مجوزہ مسودے میں کسی ترمیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کناوے تو "متصل" کی اصطلاح پر بھی بحث کرنے ہی کے لیے تیار نہیں تھا اور جب وکیلوں نے اصرار کیا تو اس نے اس کی یہ عجیب و غریب تشریح کی کہ اس طرح کے موقعوں پر 'متصل' کے معنی ہیں "بہت دور نہیں۔"[50] کورگ کی شمولیت کا کناوے نے یہ جواز بھی بیان کیا کہ کمپنی نے کورگ کے راجا سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس کا جواب وکیلوں نے یہ دیا کہ سُلطان اس طرح کے معاہدے کا پابند نہیں ہو سکتا۔ ان بحثوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا، اس لیے وکیلوں نے مطالبہ کیا کہ انھیں رخصت کر دیا جائے۔ لیکن کناوے نے کہا کہ وہ لوگ واپس جائیں اور کل شام تک سُلطان کا قطعی جواب لائیں۔ وکیلوں نے کہا کہ اب اس معاملے کو سلطان کے سامنے لے جانا بے سود ہے کیونکہ کورگ کے سوال پر وہ اٹل ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اصرار کیا کہ ان کے رخصت ہونے سے پہلے کارنوالس کو اس گفتگو سے مطلع کر دیا جائے جو ان کے اور اتحادیوں کے نمائندوں کے مابین ہوئی ہے، تاکہ اس معاملے میں انھیں گورنر جنرل کی قطعی رائے کا علم ہو جائے۔[51]

توقع تھی کہ کارنوالس کا جواب سلطان کے مفیدِ مطلب ہوگا۔ سمجھوتے پر پہنچنے کے لیے دوسرے دن شام کو وکیلوں اور اتحادی نمائندوں کی پھر ملاقات ہوئی۔ کناوے نے وکیلوں کو مطلع کیا کہ انتہا پسندی سے احتراز کرنے کی نیت سے کارنوالس نے فیصلہ کیا ہے کہ اتحادیوں کو دیے جانے والے علاقے کی مالگذاری کا جو تخمینہ 43,19,694 پگوڈا کیا گیا تھا، اسے گھٹا کر 4 ,50,000 پگوڈا کر دیا جائے۔ لیکن اتحادیوں کو دیے جانے والے علاقوں کی فہرست میں، خصوصاً کورگ کے معاملے میں، کسی ترمیم کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس

رعایت نے وکیلوں کو مطمئن نہیں کیا اور مجوزہ مسودے پر اپنے سابقہ اعتراضات کا انھوں نے پھر اعادہ کیا۔ کناوے نے کسی بھی اعتراض پر کان دھرنے سے انکار کیا۔ اس لیے کانفرنس ختم ہو گئی۔[52]

مذاکرات کے ختم ہو جانے کے بعد ٹیپو کو مسودے کی شرائط قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے کارنوالس نے قلعہ کا پھر محاصرہ شروع کرنے کا حکم دیا۔ جزیرے میں اور گڑ گنج پر توپیں چڑھا دی گئیں اور کام کرنے والے اپنے کاموں پر واپس آ گئے۔ پرشورام باہو جو 24 فروری کو پہنچا تھا اسے حکم دیا گیا کہ دریا کو عبور کر کے قلعہ کے جنوبی حصّے کے محاصرے کے لیے تیار رہے۔ باہو نے حسب عادت احکام سے تجاوز کرتے ہوئے، دریا کو پار کرتے ہی غارت گری شروع کر دی۔ بہت سے مویشیوں اور سلطانی فوج کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا۔ یرغمالی شہزادوں کو کرناٹک جانے کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ ان کے میسوری محافظین سے ہتھیار لے لیے گئے اور انھیں جنگی قیدی بنا دیا گیا۔ 14 مارچ کی صبح کو کیپٹن ویلش کے دستے کی محافظت میں شہزادے بنگلور کی سمت روانہ ہو چکے تھے، مگر وکیلوں کی درخواست پر ایک دن کے لیے ان کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ انھیں رُکنے کی اجازت دی گئی اور انگریزی فوج کے عقب میں، بنگلور جانے والی شاہراہ پر، ان کے خیمے نصب کر دیے گئے۔[53]

شہزادوں اور ان کے محافظین کو حراست میں لینا کارنوالس کی واضح وعدہ خلافی تھی۔ اس نے اپنے خط مورخہ 19 مارچ 1791 میں ٹیپو کو لکھا تھا کہ مذاکرات کی ناکامی کی صورت میں یرغمالی واپس کر دیے جائیں گے۔[54] مذاکرات کی ناکامی کے بعد شہزادوں اور ان کے محافظین ہی کو نہیں بلکہ اس رقم کو بھی کارنوالس کو واپس کرنا چاہیے تھا، جو اسے وصول ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود کارنوالس نے شہزادوں کو حراست میں لے لیا اور ٹیپو کی ادا کردہ رقم کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا جواز یہ پیدا کیا کہ ٹیپو نے تقسیم کے ثالثی فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے، حسابات پیش کرنے سے بچنے کی کوشش کی ہے، جو رقم ادا کرنی طے پائی تھی اس کی ادائگی کے سلسلے میں سکّے کی شرح طے کرنے میں رُکاوٹ پیدا کی ہے اور ابتدائی معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد بھی قلعہ کی مرمّت کا کام جاری رکھا ہے۔[55]

حقیقت تو یہ ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی تو خود اتحادیوں نے کی تھی، جیسا کہ مِل نے لکھا ہے کہ ٹیپو کی "شکایت بے جا نہیں تھی" کیونکہ ایک ایسے علاقے کا مُطالبہ کرنا جو "اس کی راجدھانی کے قریب ہونے کے علاوہ کسی بھی اتحادی کی سرحد سے متّصل نہیں تھا، ابتدائی معاہدے کی حقیقی خلاف ورزی تھی۔"[56] اس سے قطع نظر ابتدائی معاہدے میں کورگ کا نام بھی نہیں آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ التوائے جنگ کے معاہدے پر دستخط کے وقت انگریزوں کو ملنے والے علاقوں کی فہرست میں کورگ کو شامل کرنے کا کارنوالس کو خیال بھی نہ آیا تھا۔

یہ بات اس کے ذہن میں بعد میں ڈالی گئی۔ یہ دیکھ کر کہ کورگ ٹیپو کے پاس رہا جاتا ہے، ابرکرومبی کارنوالس سے ملا اور کورگ کے راجا کی وکالت کی۔ اس نے کارنوالس کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو انگریزی کمپنی نے راجا سے کیا تھا اور جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کی ریاست اسے واپس دلائی جائے گی۔ اسی ملاقات کے بعد کورگ کو بھی انگریزوں کو ملنے والے علاقوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔[57] اس سے قطع نظر، یہ ایک بالکل نیا مطالبہ تھا، اس لیے کارنوالس کو قطعی فیصلے کے طور پر اُسے سلطان کے سامنے پیش کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس نے اس یقین کی بنا پر ایسا کیا تھا کہ "دو شہزادوں کو یرغمال کے طور پر دینے اور ہمارے حساب کے مطابق، گیارہ لاکھ پونڈ ادا کر دینے کے بعد اس کے لیے (ٹیپو کے لیے) پھر سے جنگ کی تجدید کرنا آسان نہ ہوگا۔"[58] بعد میں بنگال کی حکومت نے بھی تسلیم کیا کہ کورگ کے معاملے میں ٹیپو کا دعوا "حق بجانب" تھا اور وہ اسے واپس کر دیا جاتا، لیکن راجا سے معاہدے کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جا سکا۔[59] بہرکیف یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کمپنی کا راجا سے یا کسی اور حکمران سے جو بھی معاہدہ رہا ہو، ٹیپو اس کا پابند نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کورگ پر اس کا حق بدستور باقی تھا۔

اسی طرح ٹیپو پر یہ الزام بھی غلط تھا کہ حسابات پیش کرنے میں یا سکّے کی شرح مبادلہ طے کرنے میں اس نے آنا کانی کی تھی۔ جنگ کی تباہی کی وجہ سے حسابات تیار کرنے میں ٹیپو کو حقیقی دُشواری کا سامنا تھا۔ تاہم جو کاغذات اتحادیوں کے سامنے پیش کیے گئے تھے، وہ اصلی کاغذات تھے، جیسا کہ ولکس نے لکھا ہے کہ "اس باب میں کوئی شُبہ بھی میرے ذہن میں نہیں ہے کہ لارڈ کارنوالس کو جو حسابات پیش کیے گئے تھے (جن کی بُنیاد پر 1792 کے، اور بعد میں 1799 کے، شیڈول تیار کیے گئے) وہ مالگزاری کے ریکارڈ سے اخذ کیے گئے تھے اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ٹیپو نے اپنی ریاست کی مجموعی آمدنی کا جو تخمینہ پیش کیا تھا، اس سے زیادہ صحیح پیش کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔"[60] اس کے برعکس اتحادی اپنی شرطیں جبریہ عائد کرنا چاہتے تھے اور ان کے تیار کردہ حسابات بھی دُرست نہیں تھے۔ وہ لوگ چونکہ ٹیپو سے زیادہ سے زیادہ علاقہ اور زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرنے کے درپے تھے، اس لیے حسابات انھوں نے ایسے لوگوں سے تیار کرائے تھے، جو یا تو مفرورین میں سے تھے یا ان کے زیرِ اثر تھے۔

اس الزام کا جہاں تک تعلق ہے کہ التوائے جنگ کے معاہدے کے بعد بھی ٹیپو نے قلعہ میں مرمّت و تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا، اس کی تردید کرتے ہوئے اس نے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ "ہز لارڈشپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ لیکن اگر وہ چاہیں تو ان کی تشفی کے لیے کوئی فصیل گرا دی جائے جو ان کو قلعہ میں نظر آتی ہو۔"[61] حقیقتاً یہ اتحادی ہی تھے جنھوں نے التوائے جنگ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ معاہدے

پر دستخط ہو جانے کے بعد انگریزی فوجوں نے، جو اسٹورٹ کے ماتحت تھیں، لال باغ میں اور گنجام کے مضافات میں تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری رکھا، ابرکرومبی کی فوجیں کاویری کے جنوبی دیہاتوں میں لوٹ مار کرتی رہیں اور ساسد علی خاں نے گورام کنڈا کے نواح میں جنگ جاری رکھی۔ وکیلوں کے متواتر احتجاج کے بعد ہی کارنوالس نے احکام جاری کیے کہ ابرکرومبی اپنی جگہ سے ہٹ کر کنام باڑی چلا جائے اور اسٹورٹ لال باغ میں درختوں کو کاٹنا اور گنجام میں گھروں کو مسمار کرنا بند کر دے[62] لیکن باہو نے غارت گری جاری رکھی۔ اس نے ٹیپو کا سامانِ رسد روک لیا اور اس کے بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا[63]۔ باہو کی سرگرمیوں سے برافروختہ ہو کر ٹیپو نے کارنوالس سے استدعا کی کہ یا تو وہ اسے دریا کے اس پار سے واپس بلوائے اور اس کے ظالمانہ افعال کا اس سے محاسبہ کرے، یا پھر "وہ (ٹیپو) اسے اور زیادہ نوازش پر محمول کرے گا، اگر ہز لارڈشپ از راہِ عنایت اسے اجازت دیں کہ وہ خود جا کر باہو کو سزا دے"[64]۔ ٹیپو کے احتجاج بھی باہو کی روش کو بدل نہ سکے اور معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد بھی اس نے غارت گری کے حملے جاری رکھے۔ معاہدے کی توثیق ہو جانے کے بعد سرنگاپٹم سے باہو کی واپسی کے سلسلے میں کارنوالس نے لکھا: "مجھے خدشہ ہے کہ کوچ کرتے وقت وہ بہت سی بے ضابطگیاں کرے گا، کیوں کہ اس کے دستے نے اب تک معاہدے کا بہت کم احترام کیا ہے"[65]۔

جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں بھی اتحادیوں نے شرائط کی پابندی نہیں کی۔ کارنوالس نے کوئمبٹور کی اطاعت کی دفعہ کی خلاف ورزی کا الزام ٹیپو پر عائد کیا تھا اور اُس وقت تک کسی قسم کے مذاکرات کرنے سے انکار کیا تھا، جب تک کہ قلعہ کی فوج کو رہا نہ کر دیا جائے۔ لیکن جب باہو نے دھاروار اور شموگا کی اطاعت کی دفعات کی خلاف ورزی کی تو کارنوالس خاموش رہا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بدرالزماں خاں کو معاہدے پر دستخط ہو جانے کے پانچ ماہ بعد، اگست 1792 میں، ٹیپو کے بار بار احتجاج کے بعد رہا کیا گیا تھا۔ لیکن ٹیپو کے دھاروار کے دیوان ہری داس پنت کو اس بنا پر رہا نہیں کیا گیا کہ وہ فراری تھا اور میسور واپس ہونے پر رضامند نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہری داس فراری نہیں تھا اور دھاوار کے سقوط کے بعد اسے بھی بدرالزماں کے ساتھ ہی گرفتار کیا گیا تھا۔ مرہٹوں کے وکیل گوبند راؤ کالے نے کارنوالس کو مطلع کیا تھا کہ ہری داس اگر چاہے تو اسے ٹیپو کے پاس واپس بھیجنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن کارنوالس نے اس تجویز کو نظر انداز کیا[66]۔ ہری داس کے علاوہ اور بھی بہت سے جنگی قیدی اور میسوری تھے جنھیں زبردستی قیدی بنا لیا گیا تھا اور رہا نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس کارنوالس تمام انگریزوں کی واپسی پر مصر تھا، خواہ وہ قیدی ہوں، فراری ہوں یا ٹیپو کی ملازمت میں رہے ہوں۔

کارنوالس نے قلعہ کا پھر سے محاصرہ شروع کرنے کا حکم دیا تو ٹیپو نے بھی دفاعی انتظامات شروع کر دیے۔ التوائے جنگ کے وقت جو حالات تھے ان کے مقابلے میں اس وقت اس کی کامیابی کے امکانات روشن تھے، کیوں کہ دریں اثنا قمرالدین خاں کسی نہ کسی طرح اپنے ڈویژن کو لے کر قلعہ میں داخل ہو گیا تھا اور وہ بدنور سے بہت سا سامانِ رسد بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے برعکس انگریزوں کی حالت، بعض اعتبار سے، بگڑ رہی تھی۔ محاصرے کے لیے بیشتر سامان لال باغ کے سرو کے درختوں کو کاٹ کر تیار کیا گیا تھا۔ باغ خشک، بے لوچ اور آتش گیر ہو کر از کار رفتہ ہو گیا تھا۔ باغ کے تقریباً تمام درخت کاٹے جا چکے تھے، اس لیے مزید سامان بہت فاصلے سے لانا پڑتا۔ اس کے علاوہ چھ ہفتوں تک ایک ہی جگہ پر انگریزی کیمپ کے قیام سے بہت زیادہ گندگی وہاں جمع ہو گئی تھی[67] اسی وجہ سے بہت سے سپاہی بیمار ہو گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ کچھ دنوں کے بعد بیماروں کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی کہ محاصرہ کرنے کے اہل سپاہیوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔ اسی بنا پر میکنزی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اور چند مہینوں تک اگر ٹیپو جارہ گیا ہوتا تو برسات تک، جو قریب آ رہی تھی، اس کے حریف ٹھہر نہیں سکتے تھے[68] نظام کی فوج کے یورپین سپاہیوں کے کمانڈر، ریمنڈ، نے لکھا تھا کہ "(ٹیپو کو) اگر اپنے حریفوں کا حال معلوم ہوتا، جیسا کہ مجھے معلوم تھا، تو وہ اپنی دولت اور اپنے حسین ملک کو بچا لے جاتا"[69] یہ قطعی ہے کہ اپنی مؤثر سراغ رسانی کی بدولت ٹیپو کو اپنے دشمنوں کی حالت کا علم تھا اور چند مہینوں تک وہ جما بھی رہ سکتا تھا۔ لیکن ان باتوں کے باوجود جنگ دوبارہ شروع کرنے کا خیال اس نے ترک کر دیا، کیونکہ وہ اپنے ان دو بیٹوں کے لیے فکرمند تھا جو انگریزوں کے پاس یرغمال کے طور پر تھے اور کارنوالس نے جنھیں قلعہ میں واپس بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ 18 مارچ کو معاہدے پر دستخط کر کے ٹیپو نے اپنے وکیلوں کی معرفت اسے انگریزی کیمپ بھیج دیا اور دوسرے دن شہزادوں نے اسے کارنوالس کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن اس تقریب میں ہری پت اور سکندر جاہ نے شرکت نہیں کی[70] 22 کی صبح کو کناوے نیز نظام اور مرہٹوں کے نمائندوں کی معیت میں کارنوالس شہزادوں کے خیمہ گاہ پر گیا اور توثیق شدہ معاہدہ ان کے حوالے کیا[71] اواخر مارچ تک اتحادی کمانڈروں نے فوجوں کا رخ اپنی اپنی سرحدوں کی طرف موڑ دیا۔ عالی ظرفی اور انسان دوستی کے جذبے کے تحت ٹیپو نے مریضوں کے لیے کثیر تعداد میں ڈولیوں اور کہاروں کا انتظام کیا۔ سرنگاپٹم کے بالمقابل طویل قیام کی وجہ سے اتحادی فوجوں میں مریضوں کی کثرت ہو گئی تھی[72] ہری پت کی روانگی سے قبل ٹیپو اس سے ملنے گیا اور ان ملہمانہ الفاظ میں اسے متنبہ کیا: "تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمھارا قطعاً دشمن نہیں ہوں۔ تمھارے حقیقی دشمن انگریز ہیں۔ ان سے خبردار رہو"[73]

جنگ اگرچہ بہ ظاہر ٹراونکور کے دفاع کے نام پر لڑی گئی تھی، تاہم صلح کے معاہدے میں اس کے مفاد کو

یک سر نظر انداز کیا گیا۔ ٹیپو کے حملے کا بوجھ اور نقصان سب سے پہلے اسی کو برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس نے پچیس لاکھ روپے اخراجات جنگ کے لیے ادا کیے تھے (دس لاکھ روپے سالانہ، جو ریاست کی آمدنی کا تقریباً نصف حصہ ہوتا تھا)۔ اس کے علاوہ سامانِ رسد اور سپاہی بھی اسے فراہم کرنے پڑے تھے[74] لیکن ان سب کے باوجود نقد یا علاقے کی شکل میں اسے کوئی تاوان نہیں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتحادیوں نے اسے اس حد تک نظر انداز کیا کہ معاہدے میں اس کا نام تک نہ آیا۔ اس طرزِ عمل نے اسے بے حد مایوس کیا اور اس نے کہا کہ "کمپنی کو اپنے اتحادیوں سے زیادہ روپے کی فکر رہتی ہے"[75] اسے توقع تھی کہ ٹیپو اور انگریزوں میں جنگ کرانے کے بعد ٹیپو کو وہ بالکل ختم کر دے گا اور مالابار پر اس کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ لیکن اس کی مایوسی کی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ مالابار کے ساحل پر تیزی سے انگریزی اقتدار قائم ہو گیا ہے اور سیاہ مرچ کی تجارت پر بھی ان کو اجارہ داری حاصل ہو گئی ہے، جو اس کی آمدنی کا خاص ذریعہ تھی[76] کرنگانور پر بھی وہ قابض نہ رہ سکا، جسے کوچین کے راجا کے حوالے کر دیا گیا۔

اتحادیوں کے تیار کردہ گوشوارے کے مطابق ٹیپو کی قلمرو کی آمدنی دو کروڑ سینتیس لاکھ تھی۔ اس حساب سے الحاق کیے جانے والے علاقے 1,18,50,294 روپے کی مالیت کے تھے، اور ہر اتحادی کے حصے میں ساڑھے اُنتالیس لاکھ آتا تھا۔ مرہٹہ ریاست کی حدیں اب پھر دریائے کرشنا تک پہنچ گئی تھیں۔ نظام کو گوٹی بھی دے دیا گیا تھا، لیکن ٹیپو نے جب اسے اپنے ہی پاس رکھنے پر اصرار کیا تو میر عالم کی تجویز پر اسے چھوڑ دیا گیا۔ بارہ محال اور ڈنڈی گل کے اضلاع، ساحل مالابار کا بڑا حصہ، جس میں کالی کٹ اور کنانور کے ساحل بھی شامل تھے، اور راجا کورگ کا سارا علاقہ انگریزوں نے لے لیا۔ رقبے کے اعتبار سے انگریزوں کے حصے میں اس سے کہیں زیادہ آیا جو ان کے اتحادیوں کو ملا تھا۔ نظام اور مرہٹوں کو وہ علاقے واپس مل گئے جو کبھی ان کی مملکت کا حصہ تھے، لیکن انگریزوں کو نئے اور قیمتی علاقے ملے۔ اپنے گرم مسالوں کی وجہ سے مالابار کا صوبہ اور جنگی اہمیت کے نقطۂ نظر سے کالی کٹ اور کنانور کی بندرگاہیں انگریزوں کی اہم اور قابلِ قدر دریافت تھیں[77] ایک زمانے سے ان علاقوں پر ان کی نظریں تھیں، جو بالآخر انھیں مل گئے۔

دوسری طرف معاہدۂ سرنگاپٹم نے ٹیپو کے مالی و فوجی وسائل کے سوتے خشک کر دیے تھے۔ بارہ محال، پال گھاٹ اور کورگ سے دستبرداری کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ قدرتی دیواریں ٹوٹ گئی تھیں جو اس کی سلطنت کی محافظ تھیں۔ اب مشرق اور مغرب دونوں سمتوں سے میسور پر حملہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس بارہ محال، ڈنڈی گل اور سیلم کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے کرناٹک پر ٹیپو کا حملہ کرنا بہت دشوار ہو گیا تھا[78] ڈنڈی گل اور دوآبہ کے اضلاع سے دستبردار ہونے کے بعد ٹیپو اپنی مملکت کے غلے کے ذخائر سے محروم ہو گیا تھا۔ نصف قلمرو کے

ہاتھ سے نکل جانے اور بھاری تاوان کی ادائیگی نے اس کے مالیات کو درہم برہم کردیا تھا۔ آمنی محدود آمدنی میں بڑی یورپین فوج کا رکھنا دشوار ہوگیا تھا۔ معاہدۂ سرنگاپٹم نے ولزلی کے ہاتھوں اس کی آخری شکست کی راہیں ہموار کردی تھیں۔

اس کے باوجود بورڈ آف کنٹرول کے صدر ڈنڈاس نے اور ہندوستان میں کمپنی کے بعض فوجی افسروں نے صلح کو پسند نہیں کیا تھا۔ اگرچہ خود ڈنڈاس نے اواخر ستمبر 1791 میں میسوریوں کے ہاتھوں کمپنی کی فوج کی شکست کا حال سن کر کارنوالس کو حکم دیا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو ٹیپو سے باعزت صلح کرلی جائے اور ضرورت ہو تو کمپنی کو جنگ میں حاصل شدہ فوائد کو بھی قربان کردیا جائے[79] لیکن وہی اب صلح سے غیر مطمئن اور ہمیشہ کے لیے ٹیپو کو کچل ڈالنے کا خواہش مند تھا۔[80] میڈوز بھی یہی چاہتا تھا کہ ٹیپو کی حکمرانی ختم کردی جائے اور اس کی جگہ پر قدیم راجا کو بحال کیا جائے۔[81] منرو بھی صلح سے خوش نہیں تھا۔ وہ بھی ٹیپو کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ "جب تک اس کی طاقت بنی رہے گی، اس وقت تک محدود سلطنت میں اضافے کی جگہ پر، جو کچھ ہمارے پاس ہے اس پر بھی دشمن کا قبضہ ہوجانے کا خطرہ لاحق رہے گا۔ ایسے قوی دشمن کو کیوں نہ ختم کردیا جائے جبکہ ہم اسے ختم کرسکتے ہیں؟ لیکن اس کی حکومت برقرار رہی تو وقت آنے پر نظام کے جانشینوں یا عرب نسل کے ان امیروں سے وہ ربط قائم کرسکتا ہے، جو دکن میں پیدا ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس خطرے کو اگر ایک بار ختم کردیا جائے تو دوبارہ وہ سر نہ اٹھا سکے گا۔"[82] منرو کو اس درجہ مایوسی ہوئی تھی کہ اس نے لکھا کہ "اب ہر کام اعتدال اور مصالحت سے کیا جاتا ہے۔ یہی روش رہی تو بیس سال میں ہم نرے شیخی باز ہوکر رہ جائیں گے۔"[83]

بہرکیف، سچ یہ ہے کہ کارنوالس اس سے بہتر شرائطِ صلح حاصل ہی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ "ٹیپو کے اقتدار کی بربادی مستحسن ہے"[84]، لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ حقیقتاً یہ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ جنگ کا جاری رہنا سلطان کے حق میں مفید ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ ٹیپو کو شدید شکستیں ہوئی تھیں، لیکن ابھی تک سرنگاپٹم قلعہ فتح نہیں ہوا تھا۔ پھر کارنوالس کو جس مقاومت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مورچوں کو لینے اور دریا کو عبور کرنے میں جن نقصانات سے وہ دوچار ہوا تھا[85] ان سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ قلعہ پر حملے کے وقت اسے کن دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ یہ بھی قطعی نہیں تھا کہ اتحادی زیادہ عرصے تک متحد ہی رہ سکیں گے۔ اتحاد کے ممبروں میں ایک دوسرے سے حسد اور باہمی رقابتیں بھی تھیں اور بعض کے متعلق تو کارنوالس کو شبہ تھا کہ وہ ٹیپو سے خفیہ نامہ و پیام کررہے ہیں۔ ہولکر کے متعلق معلوم تھا کہ اسے سلطان سے ہمدردی ہے۔[86] سندھیا جو اتحادی فوجوں کی کامیابی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا تھا، اس کے جلد پونا پہنچنے سے یہ خدشہ پیدا ہوگیا تھا کہ جنوبی ہند کی سیاست میں ایک نیا عنصر روشناس ہوجائے گا۔ ٹیپو کے ساتھ جنگ میں انگریزوں نے اپنی

فوجی برتری ہی نہیں ثابت کی تھی، صلح کے مذاکرات پر بھی وہ چھائے رہے تھے۔ اس نے نظام، نانا اور سندھیا کے ذہنوں میں بدگمانی پیدا کی تھی، جس نے ان میں ٹیپو کے لیے نرمی پیدا کردی تھی اور وہ صلح کر لینے کے لیے انگریزوں پر زور ڈال رہے تھے۔[87] نانا اور پیشوا، جو ٹیپو کے بدترین مخالف رہے تھے، وہ بھی اس کی یک سر تباہی نہیں چاہتے تھے۔[88] یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑنے کے صاف آثار نظر آرہے تھے۔ اس لیے یہ بھی خطرہ تھا کہ بادشاہ انگلستان نے کمپنی کو جو فوجیں عاریتاً دی تھیں، انھیں دوسرے محاذوں پر استعمال کرنے کے لیے کسی وقت بھی واپس مانگا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ جنگ کے عظیم بار اور کمپنی کے تجارتی نقصانات کی وجہ سے ڈائرکٹر ہر خط میں صلح کے لیے کارنوالس پر زور دے رہے تھے۔[89] حقیقت یہ ہے کہ جنگ ایک سال اگر اور جاری رہتی تو کمپنی ٹِک نہیں سکتی تھی اور بنگال کی تمام تجارتی کوٹھیاں دیوالیہ ہو جاتیں۔ بینک آف کلکتہ نے چھ مہینے سے اپنی ادائیگیاں بند کر دی تھیں اور اس کی ہنڈیوں کی قیمت چالیس فی صدی گر چکی تھی۔[90] اس کے علاوہ کارنوالس اس لیے بھی سرنگاپٹم پر قبضہ کرنے کے خیال سے ڈر رہا تھا کہ اس سے نئے انتظامی مسائل پیدا ہو جائیں گے اور دیسی حکمرانوں کی رقابتوں کا بھی اسے سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے وہ اکثر کہہ اٹھتا تھا: "خدا کی پناہ! میں اس جگہ کو لے کر کیا کروں گا۔"[91]

ان حالات میں کارنوالس کے لیے بہترین راستہ یہی تھا کہ صلح کر لی جائے اور جن شرطوں پر اس نے صلح کی تھی اس سے بہتر شرطیں حاصل کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اسی بنا پر وہ ڈنڈاس کو یہ لکھ سکا تھا کہ "ہماری ہندوستانی جنگ بالآخر خوش اسلوبی سے اختتام پذیر ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام اتنے ہی سود مند طریقے سے کیا گیا ہے، جس کی ایک معقول انسان توقع کر سکتا ہے۔ ایک طرف ہمارا حریف کمزور ہو گیا ہے اور دوسری طرف ہمارے حلیف بھی زیادہ قوی نہیں ہوئے ہیں۔"[92]

ٹیپو کی شکست کے اسباب :

ٹیپو نے قوی طاقتوں کے اتحاد کا دو سال تک بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس نے فلوئڈ کو شکست دی اور میڈوز اور میکسول دونوں کو مات دے کر ان کے میسور پر حملہ کرنے کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ منرو کے الفاظ میں "یہ دونوں اصحاب بھی اس حقیقت سے اتنا ہی واقف تھے، جتنا کہ فوج کا کوئی سپاہی بھی جانتا تھا، کہ ٹیپو انھیں کتنا حقیر سمجھتا تھا اور انھیں مات دینے سے اس کی توقیر میں کتنا اضافہ ہو سکتا تھا۔ ایک نہیں بلکہ دو (میڈوز اور میکسول) بعض بعید الفہم سامان مثلاً قدیم زمانے کے پستول سے رومن بھوت کی طرح (ٹیپو کی) فوج پر یکایک ٹوٹ پڑے اور اپنا سارا سامانِ جنگ فوج سے مقابلہ کرنے میں ضائع کر دیا اور پھر بقیہ لڑائی ملک میں ادھر اُدھر

بھاگ کر ختم کی اس کے بعد (ٹیپو کی) فوج حقارت سے نادیدہ طاقت کہہ کر پوچھتی پھرتی کہ بتاؤ سانڈ (دشمن) کدھر گیا۔

بہرکیف کارنوالس کے جنوب میں پہنچنے کے بعد جنگ میں ٹیپو کا پلہ گرنے لگا۔ کارنوالس گورنر جنرل کا وقار اور ایک بڑی اور بہتر مسلح فوج اپنے ساتھ لایا تھا۔ کارنوالس میں دلیری تھی، ذہانت تھی اور میڈوز کے مقابلے میں جلد فیصلہ کرنے کی اہلیت زیادہ تھی۔ مرہٹوں کو اکسا کر وہ انھیں زیادہ موثر اقدامات پر آمادہ کر سکا تھا۔ تاہم ٹیپو بھی بڑی دلیری سے لڑتا رہا۔ اس کے حملے شدید اور اکثر بڑی بے جگری کے ہوتے تھے۔ مئی 1791ء میں سرنگاپٹم پر کارنوالس کی پیش قدمی کے دوران ٹیپو نے بڑی حربی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا۔ اس کے سواروں نے انگریزی فوج کے آس پاس منڈلاتے رہ کر، ان کے اسباب کو تباہ اور ان علاقوں کو ویران کر کے جہاں سے انگریزی فوج گزرنے والی تھی، انگریزی فوج کو تھکا دیا۔ پھر سرنگاپٹم کے سامنے تو ٹیپو نے اتنا شدید مقابلہ کیا کہ کارنوالس کو پسپا ہونا پڑا۔ سرنگاپٹم کے بالمقابل جب دوسری بار گورنر جنرل سے مقابلہ ہوا تو ٹیپو پھر بڑی بہادری سے لڑا اور "اپنی راجدھانی کی مدافعت اس طرح کی جو اس کے، اس کے باپ کے اور اس قوم کے شایان شان تھی جو تنہا اسی سے وابستگی رکھتی تھی۔"[94] اس کے جرنیلوں نے بھی بڑی جرأت اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا۔ فتح حیدر نے فریدالدین کی سپاہ کو تباہ کر کے گورام کنڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور قمرالدین خاں نے مادگیری میں مرہٹوں کے ایک دستے کا صفایا کر کے کوئمبٹور پر دوبارہ تسلط حاصل کر لیا۔ فروری 1792ء میں جب ہر طرف سے سلطان کے گرد قوی دشمنوں کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا تھا تو میسوری سواروں کے ایک چھوٹے سے دستے نے ابرکرومبی کے کیمپ کے فوجی ساز و سامان کا بڑا حصہ تباہ کر دیا اور اگر کرنل فلوئڈ اس کی مدد کو نہ پہنچ جاتا تو سارے سامان پر قبضہ ہو جاتا۔[95] منرو نے لکھا ہے کہ "کرنل (فلوئڈ) نے اسے (ابرکرومبی کو) اس درجہ دہشت زدہ پایا جیسے پوری آسٹریائی فوج نے اسے گھیر لیا ہو۔ اور وہ ایسے چھ لٹیروں کے پکڑنے کی گھات میں لگا ہو جس میں سے ایک معمولی لٹیرا ہی پکڑا گیا ہو۔"[96]

ان تمام باتوں کے باوجود ٹیپو کو شکست ہوئی۔ اس کے متعدد اسباب تھے۔ کارنوالس کے حملے کے مقابلے کے لیے اس نے اپنی مملکت میں دفاعی انتظامات نہ کیے اور فرانسیسیوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں وہ اپنا قیمتی وقت پانڈیچری کے نواح میں ضائع کرتا رہا۔ اسے غلط فہمی تھی کہ جب تک وہ کرناٹک میں ہے، اس وقت تک کارنوالس میسور پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرے گا۔ بنگلور کی بھی اس نے مدافعت نہیں کی اور اسے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اس کے علاوہ سرنگاپٹم کے دفاعی استحکامات جتنے منظم اور مستحکم ہونے چاہییں تھے، اتنے نہیں تھے۔[97] مزید غلطی اس نے یہ کی کہ 15 مئی 1791ء کو اریکیری کی جنگ میں کارنوالس کو شکست دینے کے بعد مزید حملوں کا سلسلہ جاری نہیں رکھا، اگرچہ اس وقت انگریزی فوج کمزور، خستہ حال اور پست ہمت ہو رہی تھی۔ ایک

غلطی اس سے یہ بھی ہوئی کہ جب کارنوالس دوسری بار سرنگاپٹم کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ یہ ایک غلط حکمت عملی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلا ایک گولی بھی داغے ہوئے انگریزی فوج اس کی راجدھانی سے چند ہی میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوگئی۔ دراصل چاہیے یہ تھا کہ " راجدھانی کے دفاع کا کام کسی جری لیڈر کے سپرد کر کے فوج کے بڑے حصے کا رُخ برطانوی مواصلاتی سلسلے کی طرف پھیر دیا جاتا۔"[98] لیکن ہوا یہ کہ اس نے راجدھانی کے مورچے پر اور قلعہ سرنگاپٹم کے دفاعی انتظامات پر بھروسہ کر لیا۔

لیکن ٹیپو کی شکست کا اصلی سبب یہ تھا کہ اسے قوی تر حریفوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اگر اسے تنہا انگریزوں ہی کا سامنا کرنا پڑتا، تو یقیناً وہ سرخرو ہوتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے حریفوں کے پاس برتر پیدل فوج تھی اور بہتر توپ خانہ تھا، لیکن ان کا یہ تفوق اس طرح سے ختم ہو جاتا تھا کہ ٹیپو کے پاس سپاہ کی کثرت تھی، پیدل فوج اور توپ خانے میں اس نے اصلاحات روشناس کی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے پاس بہترین سوار تھے۔ خود کارنوالس یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا تھا کہ ٹیپو کے لوٹی " دُنیا کے سب سے بہتر سپاہی تھے، کیونکہ دُشمن کو حیران کرنے کے لیے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے تھے۔"[99] 87-1785 میں نظام مرہٹہ اتحاد کو وہ شکست دے چکا تھا۔ تیسری اینگلو میسور جنگ کے پہلے دور میں اُس انگریزی فوج پر اس نے برتری حاصل کر لی تھی، جو کارنوالس کے سوانح نگار کے الفاظ میں " ہندوستان کے میدانِ جنگ میں اُترنے والی پہلی بہترین مسلح فوج تھی۔"[100] جنگ میں مرہٹوں اور نظام کے سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کے بعد ہی ٹیپو کی شکست کا آغاز ہو گیا تھا۔ کارنوالس نے تسلیم کیا ہے کہ ٹیپو کے مقابلے میں فلوئڈ کی پسپائی کا اور میسور پر حملہ کرنے میں میڈوز کی ناکامی کا حقیقی سبب یہ تھا کہ نظام اور مرہٹوں کی فوجوں نے "ٹیپو کی قلمرو میں داخل ہونے میں تساہل برتی تھی۔"[101] دوسری طرف منرو کے قول کے مطابق " مرہٹوں کی مدد کے بغیر کارنوالس ٹیپو کو شکست دے ہی نہیں سکتا تھا۔"[102]

یہ سچ ہے کہ نظام اور مرہٹوں کی فوجیں کم مسلح، کم منظم اور کم تربیت یافتہ تھیں، تاہم انگریزوں کے لیے وہ بے حد کارآمد ثابت ہوئیں۔ انگریزوں کے سواروں کا حصہ بہت کمزور تھا، لیکن یہ کمی ان کے اتحادیوں کے سواروں نے پوری کر دی تھی۔ مزید براں نظام اور مرہٹوں کی فوجوں نے نئے نئے محاذ کھول کر ٹیپو کی فوج کے بڑے حصے کو پھنسائے رکھا، جسے وہ انگریزوں کے خلاف استعمال کر سکتا تھا۔ نیز یہ کہ سلطنت میسور کے بڑے حصے پر قبضہ کر کے اتحادیوں نے ٹیپو کو سپاہیوں کی بھرتی سے، آمدنی سے اور رسد کی فراہمی کے وسائل سے محروم کر دیا تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انگریزوں کے پاس کرناٹک اور بنگال کے علاقوں کے وسائل موجود تھے۔ اور یہ وہ علاقے تھے جو میسور کی طرح جنگ کی تباہ کاریوں کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ انگلستان

سے بھی انھیں سپاہی، روپیہ اور سامانِ جنگ بڑے پیمانے پر حاصل ہو رہا تھا۔ نظام اور مرہٹوں کے علاقوں سے ملنے والا سامان اس پر مستزاد تھا۔ اس طرح کے اتحاد کے مقابلے میں ٹیپو کے وسائل، سپاہیوں اور سامانِ رسد کی فراہمی کے اعتبار سے، مدرجہ محدود تھے اور وہ گھاٹے میں تھا۔ بلاشبہ جنگ کا اصلی بوجھ انگریزوں نے اٹھایا تھا، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ مئی 1791 میں جب انگریزی فوج سرنگاپٹم سے پسپا ہو رہی تھی تو عین اسی وقت مرہٹہ فوجیں اگر میلوکوٹ کے مقام پر نہ پہنچتیں تو کارنوالس کا بھی بیلی اور بریتھ ویٹ ہی جیسا حشر ہوتا۔ بہرکیف مرہٹوں کی مدد کے بغیر کارنوالس "مئی میں سرنگاپٹم سے پسپا ہونے کے بعد کبھی بھی بنگلور سے آگے نہ بڑھ سکا تھا۔"[103]

(باب 16 کے حواشی)

1. M.R., Mly.Cons, March 1, 1791, Tipu to Cornwallis, Feb. 13, vol. 145 B, pp. 965-7.
2. Ibid, answer to above, Feb. 23, 1791, p. 969.
3. N.A., O.R. No. 63, Tipu to Cornwallis, received on March 3, 1791.
4. Home Miscellaneous Series, 435, Richard Johnson to Dundas, May, 11, 1791, cited in Furber, John. Company at work, p. 248.
5. N.A., O.R., No. 85, Tipu to Cornwallis, March 27, 1791; N.A., Pol. Pro., April 19, 1791, Cons. No. 7, Tipu to Cornwallis and reply of Cornwallis.
6. Ibid., Feb. 23, 1791, Cons. No. 10, de Fresne to Cornwallis.
7. Ibid., No. 11, Cornwallis to de Fresne; see also. A.N., C^2 295, No. 10-19, for efforts of Tipu and de Fresne to bring about peace.
8. N.A., O.R., No. 203, May 17, 1791.
9. M.R., Mly. Cons. June 17, 1791, Cornwallis to Tipu, May 13, vol. 149 B, pp. 3027-31.
10. Ibid., pp. 3019-21.
11. Ibid., pp. 3032-3.
12. Dirom, p. 5.
13. P.R.C., iii, No. 292.
14. N.A., O.R., No. 379.
15. Ibid., No. 16.

16. Ibid., No. 381, Bakhshi Begum to Tipu.
17. N.A., Pol. Pro., Nov. 24, 1790, Tipu to Anand Rao Raste, Cons. N. 15.
18. Ibid., Feb 23, 1791, Cons. No. 13, Nana to Ali Raza Khan.
19. P.A. Ms., No. 1563, Raymond to de Fresne, Dec. 29, 1791; N.A., O.R., No. 246, Tipu also wrote to the English and the Nizam.
20. Ross, Cornwallis, ii, p. 103.
21. Ibid., pp. 107–8; M.R., Pol. Desp. to England, Sept. 1790, vol. 1, pp. 326-27.
22. N.A., O.R., No. 19; M.R., Mly Cons. Jan. 24, 1792, Tipu to Cornwallis, Jan. 7, vol. 158 B, pp. 429-30.
23. Ibid., Cornwallis to Tipu, pp. 431-2.
24. N.A., O.R., No. 46, Tipu to Cornwallis, A similar letter was sent to the Peshwa by Tipu in Marathi (O.R., No. 48).
25. P.R.C., iii, No. 424.
26. Ibid., No. 433; N.A., O.R., No. 88, Tipu to Cornwallis, Feb. 8, 1792.
27. P.R.C., iii, No. 436.
28. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, p. 1, شرائط صلح طے کرنے کے لیے 14 فروری سے 10 اپریل تک جو کانفرنسیں ہوئی تھیں، ان کی کارروائی کا ایک رجسٹر ہے، جو کنا وے کا لکھا ہوا ہے۔
29. پارسنیس : اتہاس سنگرہ، ii ، مراسلہ ہری پت بنام نانا، مورخہ 25 فروری 1792 ; Ibid., p. 2;
30. M.R. Mly Sundries, vol. 106, p. 5.

31. پارسنیس : اتہاس سنگرہ : ii ہری پت بنام نانا، مورخہ 25 فروری 1792 ; Ibid., pp.6-11

32. Ibid.

33. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, p. 12.

34. Ibid., p. 19.

35. Ibid., pp. 14-16.

36. Ibid., pp. 5, 14, 16.
کارنوالس کے بیان کے مطابق عبدالخالق اور معیز الدین کی عمریں بالترتیب دس اور آٹھ سال تھیں۔
(Ross, ii, p. 152)

37. Aitcheson, Treaties, pp. 210-11.

38. Dirom, pp. 226-30.

39. حدیقہ : ص 1-230 ؛ پارسنیس : اتہاس سنگرہ : ii ؛ ہری پت Ibid., p. 23;
بنام نانا ——— اس دور میں ہری پت نے نانا کو جو خطوط لکھے تھے، ان میں سے بعض پر تاریخیں درج نہیں ہیں۔

40. Dirom, p. 230.

41. Ibid., p. 233.

42. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, pp. 24-8.

43. یہ مقام تامل ناڈو کے ضلع سیلم میں واقع ہے اور بنگلور سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔

44. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, pp. 30-3.

45. Wilks, ii, p. 553.

46. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, p. 35.

47. ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ 259 .

48. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, Appendix 12, pp. 51 Seq.

49. Ibid., pp. 12, 16.

50. Ibid., p. 35.

51. Ibid., p. 36.

52. Ibid., pp. 81-2.
اس جگہ ٹیپو کے علاقے کی آمدنی ہی کا سوال زیر بحث نہیں تھا، بلکہ ٹیپو کے سکے کی قیمت کا مسئلہ بھی تھا۔ بہر کیف جس شرح پر تبادلہ

(بقیہ حاشیہ)

کو ادائیگی کا خود کارنوالس نے فیصلہ کیا تھا اور جس شرح پر اتحادی مصر تھے، ان دونوں کا اوسط نکال کر اس نے ٹیپو کے سکے کی شرح مقرر کر دی۔

53. Dirom, pp. 234, 244-5.

54. M.R., Mly. Cons. June 17, 1791, Cornwallis to Tipu, May 19, vol. 149 B, pp. 3027-31.

55. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, p. 37.

56. Mill, v, p, 321.

57. تاریخ کورگ، 66 الف، 67 ب۔

58. N.A., Pol. Pro., April 4, 1792, Cons. No. 2, Cornwallis to Oakeley.

59. Ibid., June 20, 1798, Cons. No. 83, Bengal to Bombay, June 14, 1798.

60. Wilks, Report on the Interior Administration of Mysore, Art. 146.

61. Dirom, p. 236.

62. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, pp. 21, 24-5.

63. Khare, ix, p. 4478.

64. Dirom, p. 246; Khare, ix, p. 4498.
کھرے کا بیان ہے کہ بابو اس مبلغ کو قبول کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن معاہدۂ صلح چونکہ ہونے ہی والا تھا اس لیے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

65. P.R.C., iii, No. 449.

66. Malcolm, Political History of India, ii, pp. xli - xlii.

67. Dirom, p. 240.

68. Mackenzie, ii, pp. 235-36.

69. P.A. Ms., No. 5303, Raymond to Fresne, May 26, 1792.

70. Dirom, pp. 246-7.

71. Malcolm, Political History of India, ii, p. xli

72. Ibid., p. xliii.

73. Cited in Saradesai, New History of the Marathas, iii, p. 192.

74. N.A., Pol. Pro., July 13, 1791, Cons. No. 11, 12; I.H.R.C. xix, Record p. 4; Menon, History of Travancore, pp. 239-40.

75. Menon, History of Travancore, p. 240.

76. Furber, John Company at work, p. 247.

77. کارنوالس نے ڈنڈاس کو لکھا تھا کہ مالگذاری کی خاص آمدنی جو پچیس لاکھ ہوتی ہے، بمبئی کی حکومت کے لیے بیحد مفید ثابت ہوگی

(P.R.O., 30/11/151, March 17, 1791, ff 113a-114a)

78. Ibid.,

79. Board's Secret Letter, i, Sept. 21, 1791, Cited in Philips, The East India Company, p. 68, footnote 7.

80. Furber, Dundas, pp. 128-9.

اوائل جنگ میں بھی ڈنڈاس کا خیال تھا کہ ٹیپو کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے، کیونکہ پارلیمنٹ دوزی کی صلح ایک افسوسناک حکمت عملی ہے (بحوالہ فلپس، ص 68، حاشیہ 5)۔ اب پھر اس کا یہی خیال ہوگیا تھا۔

81. P.R.O., 30/11/125, Medows to Cornwallis, Jan 17, 1791, f 35 b.

میڈوز نے بندوق مار کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ شرائط صلح میں ٹیپو کے ساتھ نرمی برتی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے ذہن پر اسی کا اثر ہوا ہو۔ لیکن زیادہ امکان اس کا ہے کہ خودکشی کا اقدام اس نے اس ناکامی کی شرم کی وجہ سے کیا ہو جس کا 6 فروری کی شب کو ٹیپو کے مورچوں پر حملے کے سلسلے میں اسے سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس ناکامی کی بڑی وجہ اس کی بدانتظامی تھی۔

(See A.N. C^2, 242, de Fresne to Minister, March 5, 1792, No. 68)

82. Gleig, Munro, i, pp. 123-24.

83. Ibid, p. 131.

84. Ross, Cornwallis, ii, p. 145.

85. پانسنیس، اتہاس سنگرہ: ii، ہری پت بنام نانا؛
P.A. Ms., No. 5303, Raymond to Fresne, May 26, 1792.

86. ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص 171.

87. A.N., $C^2$242, de Fresne to Minister, March 5, 1792, No. 68.

88. Pol. Pro., March 21, 1791, Malet to Cornwallis, Cons. No. 6; Duff, ii, p. 215; P.R.C., iii, Nos. 344, 385.

89. ملاحظہ ہو مراسلہ مورخہ 21 ستمبر 1791 جس میں کارنوالس پر زور دیا گیا تھا کہ وہ "جلد سے جلد صلح کرلے جو مالیات اور کمپنی کے مفاد کے لیے یکساں طور پر ضروری ہے۔

90. A.N., $C^2$299, de Fresne to Minister, March 1792, No. 77.

91. Gleig, Munro, i, p. 131.

92. Ross, Cornwallis, ii, p. 155.

93. Gleig, Munro, i, p. 152.

94. P.A. Ms., No. 5303, Raymond to Fresne, May 2, 1792.

95. Gleig, Munro, i, p. 133.

96. Ibid.

97. A.N., $C^2$242, de Fresne to Minister, March 5, 1792. No. 5, Fortescue, iii, p. 594.

98. Fortescue, iii, p. 594.

99. Gleig, Munro, i, p. 133.

100. Ross, Cornwallis, ii, p. 52.

101. N.A., Pol. Pro., Oct. 13, 1790, Cornwallis to Malet, Cons. No. 18.

102. Gleig, Munro, i, p. 132.

103. Ibid.

سترھواں باب

جنگ کے نتائج

اتحادی فوجوں کی سرنگاپٹم سے روانگی کے بعد ٹیپو جنگ کی تباہ کاریوں کا مداوا کرنے، باغی پالیگاروں کو قابو میں لانے اور اتحادیوں کو ادا کی جانے والی تاوان کی بھاری رقم کی فراہمی میں لگ گیا۔ ایک کروڑ دس لاکھ کی رقم اس نے خزانے سے ادا کی۔ باقی رقم کے لیے، اپنے مشیروں کی صلاح سے، اس نے یہ طے کیا کہ ساٹھ لاکھ روپے فوج رضاکارانہ چندے کے طور پر جمع کرے اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی رقم سرکاری افسر اور اہلِ میسور جمع کریں۔[1] اس طرح سے ٹیپو نے واجب الادا رقم پابندیِ اوقات کے ساتھ اتحادیوں کو ادا کر دی۔ چنانچہ مارچ 1794 میں یرغمالی شہزادے کیپٹن ڈیوٹن کی معیت میں واپس آ گئے، جو مدراس میں ان کا نگراں رہا تھا۔ شہزادوں کے استقبال کے لیے سلطان سرنگاپٹم سے دیوان ہالی گیا، جہاں ڈیوٹن نے انھیں باضابطہ اس کے سپرد کیا۔[2] کیپٹن ڈیوٹن اور دوسرے افسروں کو، جنھوں نے شہزادوں کی دیکھ بھال کی تھی، سلطان نے بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کیا۔ ایک ہفتہ بعد شہزادوں کی واپسی کی تقریب منائی گئی اور اس موقع پر سلطان نے اپنے افسروں کو، ان کی خدمات کے مطابق جو دورانِ جنگ انھوں نے انجام دی تھیں، خطابات دیے، عہدے بڑھائے اور تحائف تقسیم کیے۔[3]

بغاوتوں کا فرو کیا جانا:

تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران میں میسور کے کچھ پالیگاروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور کچھ جن کو ٹیپو نے بے دخل کر دیا تھا، اتحادیوں کی مدد سے اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو گئے تھے۔ چنانچہ لڑائی ختم ہونے کے بعد ٹیپو نے ان باغیوں کی سرکوبی کا فیصلہ کیا، جو اب بھی اس کی رعایا تھے۔ 1793 کے

اوائل میں اس نے سید غفار کو بسواپا نائک کے مقابلے کے لیے روانہ کیا جو ہرپنہالی کے ایک پالیگار کا رشتہ دار ہونے کا مدعی تھا اور اچنگی درگ کے قلعہ پر قابض ہو گیا تھا[5]۔ لیکن جب سید غفار کو شدید پسپائی کا سامنا کرنا پڑا تو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ قمرالدین خاں کو روانہ کیا گیا اور اس کی درخواست پر خان جہاں خاں کو مزید کمک لے کر بھیجا گیا۔ ان سب کے باوجود قلعہ کی محافظ فوج نے شدید مزاحمت جاری رکھی۔ تین مہینے کے بعد دو طرف سے بیک وقت حملے کے بعد ہی قلعہ ہاتھ آسکا[6]۔ بسواپا نائک چار سو آدمیوں کے ساتھ گرفتار ہوا اور قلعہ کی دیواریں مسمار کر دی گئیں۔ سلطان کی ہدایت کے مطابق قمرالدین نے، لوگوں کی عبرت کے لیے، کچھ قیدیوں کے ہاتھ پیر قطع کرنے کا اور کچھ کو مخنث بنائے جانے کا حکم دیا[6]۔

اچنگی درگ کے قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد ہرپنہالی کا صوبیدار بابر جنگ واپس آ گیا جس نے چیتل درگ میں پناہ لی تھی، اور اس نے انگونڈی اور کناکاگیری کے شہروں کو واپس لے لیا۔ کناکاگیری کے پالیگار نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی، اس لیے اس کا علاقہ اسے واپس کر دیا گیا اور مراحم خسروانہ کے طور پر اسے خلعت اور ایک ہاتھی عطا کیا گیا۔ دریں اثنا سید صاحب ان باغیوں کی سرکوبی میں مشغول رہے جنھوں نے مدگیری، رتن گیری اور دوسرے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ تقریباً تین مہینے کے معرکوں کے بعد یہ مقامات بھی واپس لے لیے گئے اور ان کے سرداروں کے ناک اور کان کاٹ لیے گئے[7]۔

ڈھونڈیا واگھ :

ڈھونڈیا واگھ مرہٹوں کی نسل سے تھا اور میسور میں چناگیری کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔ حیدر علی اور ٹیپو کی فوج میں وہ سواروں میں ملازم رہا تھا۔ تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران میں اپنے کچھ ساتھیوں کو ہمراہ لے کر ٹیپو کی ملازمت سے بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے ساتھ بہت سا مال غنیمت لے گیا۔ اس نے شمال کی راہ لی اور لکش میشور کے دیسائی کے یہاں پناہ لی۔ جنگ کے خاتمے اور مرہٹوں کی واپسی کے بعد اس نے لوٹ مار کرنے والوں کا ایک گروہ تیار کیا اور دھارواڑ کے نواح میں لوگوں سے جبراً رقمیں وصول کرنا شروع کیا۔ اوائل جنوری 1793 میں اس نے ہویری پر اور پھر سوانور اور دوسرے مقامات پر قبضہ کر کے ان علاقوں میں غارت گری شروع کر دی جو معاہدۂ سرنگاپٹم کے بعد مرہٹوں کے حصے میں آئے تھے[8]۔ ان کامیابیوں سے اس کی ہمت بڑھی اور ایک افغان کو اپنا نمائندہ بنا کر اس نے ٹیپو کے پاس بھیجا اور ساوانور کا پورا علاقہ واپس دلانے کا وعدہ کرتے ہوئے اس سے خفیہ امداد کا خواستگار ہوا۔ لیکن ٹیپو نے اس سے کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے سے انکار کر دیا[9]۔

دریں اثنا ڈھونڈیا کی غارت گری سے پریشان ہوکر پونا کی حکومت نے اس کی سرکوبی کے لیے ڈھونڈو پنت کو روانہ کیا۔ ڈھونڈیا کو شکست ہوئی اور بالآخر وہ اس درجہ حیران ہوا کہ اپنے دو سو سواروں کے ساتھ اس نے ٹیپو کے علاقے میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جون 1794 میں وہ نواح سرنگاپٹم میں پہنچا اور مراسم بندگی ادا کرنے کے لیے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے خندہ پیشانی سے باریاب کیا گیا اور فوجی کمانڈر کا منصب عطا کیا گیا۔[10] اس نے اسلام قبول کیا اور شیخ احمد کے نام سے موسوم ہوا، لیکن خود اس کی درخواست پر اسے ملک جہاں خاں کا نام دیا گیا۔ بہرکیف جلد ہی سلطان کے عتاب کا شکار ہوکر قید کر دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ خوش اسلوبی کی گئی بلکہ سلطان اسے رہا کر کے اپنی فوج کا افسر مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن میر صادق نے سلطان کو توجہ دلائی کہ یہ بے حد خطرناک انسان ہے، اسے قید ہی رہنا چاہیے۔[11] چنانچہ سقوط سرنگاپٹم تک وہ قید ہی میں رہا۔ 1799 میں وہ بھاگ نکلا اور قسمت آزماؤں کا گروہ جمع کر کے کئی مہینے تک انگریزوں کو خاصا پریشان کیا۔ لیکن 11 ستمبر 1800 کو کرنل ولزلی سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔[12]

مرہٹوں سے تعلقات:

معاہدۂ سرنگاپٹم کے بعد ٹیپو چاہتا تھا کہ اسے امن نصیب ہو، تاکہ ریاست کے ان معاملات کی طرف وہ توجہ دے سکے جنھیں دو سال تک جنگ کی مصروفیتوں کی وجہ سے نظر انداز کرنے پر وہ مجبور ہوا تھا۔ چنانچہ اس کی خواہش تھی کہ تمام پڑوسی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات رہیں اور جملہ معاملات پُرامن طریقے پر طے کیے جائیں۔ نظام اور مرہٹوں کی نزاع میں وہ غیر جانب دار اور ان کے داخلی معاملات سے یکسر بے تعلق رہنا چاہتا تھا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران پرشورام باہو کی فوجوں نے میسور میں کس طرح تباہی مچائی تھی۔ لیکن معاہدۂ صلح پر دستخط ہو جانے کے بعد بھی میسور کے علاقے میں انھوں نے تاراجی کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ کسانوں کو اور مویشیوں کو پکڑ لے جاتے تھے۔[13] انھوں نے سونڈا کو بھی خالی نہیں کیا تھا جو معاہدۂ سرنگاپٹم میں ان کے حصے میں نہیں آیا تھا اور ریاست میسور کے دوسرے بہت سے قریوں اور تعلقوں پر بھی وہ قابض تھے۔[14] انھوں نے بدرالزماں خاں کو بھی رہا نہ کیا جسے سقوط دھارواڑ کے بعد غیر منصفانہ طور پر گرفتار کیا گیا تھا۔[15] کارنوالس کے مسلسل احتجاج کے بعد ہی بدرالزماں کو رہائی نصیب ہوئی۔ اسی طرح ٹیپو اور پیشوا کے باہمی معاملات کے طے ہونے میں کئی مہینے لگ گئے۔

ان تمام نزاعوں کے طے ہو جانے کے بھی متعدد اسباب تھے۔ مہادیوجی سندھیا جو اپنی بالادستی

قائم کرنے کے لیے جون 1792 میں پونا پہنچا تھا، وہ نانا کے مقابلے میں ٹیپو کا نسبتاً کم مخالف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی وفات، 12 فروری 1794 سے کچھ قبل اس نے سلطان سے دوستانہ مراسلت بھی شروع کی تھی[16] ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ٹیپو سے وسیع علاقے حاصل کر لینے کے بعد مرہٹے نظام کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے۔ ٹیپو کا اقتدار جب تک باقی تھا مرہٹوں نے اس وقت تک نظام سے اپنے چوتھ اور سردیش مکھی کے مطالبات کا تقاضا نہیں کیا اور ٹیپو کے مقابلے میں دوبار نظام کے ساتھ رشتۂ اتحاد بھی قائم کیا۔ لیکن ٹیپو کے کمزور ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے مطالبات کی تجدید کی[17]

مرہٹوں کی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کے ساتھ ان کے تعلقات بہتر ہو گئے۔ چنانچہ مہادیو جی سندھیا اور ہری پت کی وفات پر ٹیپو نے پیشوا کو تعزیتی پیغام بھیجے۔ اسی طرح ٹیپو کے بیٹے کی شادی کے موقع پر پیشوا نے مبارکباد بھیجی[18] ٹیپو اور پیشوا کے مابین جو خوشگوار تعلقات تھے، ان کی وجہ سے یہ افواہ پھیلائی گئی کہ نظام کے خلاف سلطان نے مرہٹوں سے اتحاد کر لیا ہے[19] لیکن یہ بے بنیاد افواہیں تھیں۔ مرہٹوں اور نظام کی جنگ (1795) کے وقت کہا جاتا تھا کہ پیشوا نے ٹیپو کو لکھا ہے کہ گوٹی کے مقام پر اس کی جو فوجیں ہیں ان سے وہ حیدرآباد کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے کا کام لے۔ لیکن کرک پیٹرک نے جو حیدرآباد میں انگریزی ایجنٹ تھا اس اطلاع کو غلط قرار دیا تھا[20] یہ افواہ بھی پھیلائی گئی تھی کہ انگریزوں کے خلاف بھی ٹیپو اور پیشوا میں اتحاد ہو گیا ہے۔ لیکن گورنر جنرل سر جان شور نے اسے بھی بے بنیاد قرار دیا تھا۔ پونا میں کمپنی کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ جو شوا اتھوف کے نام امرت راؤ کے مراسلے کا جہاں تک تعلق ہے، جس میں اس نے لکھا تھا کہ ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی تجویز پیشوا کے پاس بھیجی ہے، شور نے کہا کہ "اب تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اس خبر کی تصدیق ہو۔ اسے غالباً امرت راؤ نے گڑھ لیا ہے"[21] یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ٹیپو اور پیشوا کے مابین وکیلوں کے تبادلے کی نوعیت صرف دوستانہ تھی اور اس کا مقصد کسی کی مخالفت کرنا نہیں تھا۔ لیکن جب ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا اور اس نے میسور پر حملے کی تیاریاں شروع کیں تو اس وقت البتہ ٹیپو نے مرہٹوں سے فوجی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

نظام سے تعلقات :

لیکن نظام کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات بہتر نہ ہو سکے تھے۔ مرہٹوں کی طرح نظام کی فوجوں نے بھی سرنگاپٹم سے لوٹتے ہوئے میسور کے علاقے کو تاراج کیا، تاہم مرہٹوں کے مقابلے میں انھوں نے کم کیا اور صلح نامہ سرنگاپٹم کے بعد بھی میسور کے بہت سے گاؤں پر نظام کا قبضہ رہا، جس کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔

مزید براں ٹیپو کے بیٹوں کی واپسی میں بھی نظام نے تاخیر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کرنول کے سوال نے ٹیپو اور نظام کے تعلقات اور بھی تلخ کر دیے تھے۔[22]

کرنول پہلے سلطنت وجیانگر کا حصّہ تھا۔ اس کے بعد وہ بیجاپور کا صوبہ بن گیا۔ پھر اورنگزیب نے فوجی خدمات کے صلے میں کرنول ایک پٹھان خاندان کو دے دیا۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد کرنول نظام کا باج گزار بن گیا اور مدّت تک نظام ہی کے تحت رہا۔ پھر 1765 کے قریب حیدر علی نے کرنول پر حملہ کر کے وہاں کے حکمراں، رن مست خاں، کو مجبور کیا کہ وہ اسے باج دے اور اس کے اقتدار کو تسلیم کرے۔ معاہدۂ سرنگاپٹم کے بعد نظام نے کرنول پر اپنے حق کا اس بنا پر دعوا کیا کہ وہ ایک زمانے میں اس کے زیر اقتدار رہا ہے، اور جب ٹیپو نے رن مست خاں سے اپنے خراج کے بقایا کا مطالبہ کیا تو نظام نے اس کی طرف سے مداخلت کرنے کا فیصلہ کیا۔[23]

معاہدۂ سرنگاپٹم پر دستخط کیے جانے کے تھوڑے ہی دن بعد نظام نے کرنول کے معاملے میں ٹیپو کے وکیلوں سے مذاکرات کرنے کے لیے نیز اس معاملے میں انگریزوں کی سیاسی، اور ضرورت ہو تو فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے دو آدمی فورٹ سینٹ جارج بھیجے۔ لیکن کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو ہدایت کی کہ وہ "غیر جانب دار رہے اور نظام کے نمائندوں اور ٹیپو کے وکیلوں کے مابین اس معاملے میں جو مذاکرات ہوں ان میں کوئی دلچسپی نہ لی جائے۔"[24] اس کے ساتھ ہی اس نے نظام کو مشورہ دیا کہ کرنول کے معاملے میں وہ دلچسپی نہ لے۔ اس نے نظام کو توجہ دلائی کہ رن مست خاں کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہے، کیوں کہ تیسری اینگلو میسور جنگ میں اس نے اتحادیوں کو کوئی مدد نہیں دی تھی، بلکہ جب اتحادی اپنی فوجی برتری قائم کر چکے اور ان کی کامیابی قطعی ہو گئی تو اس وقت بھی رن مست خاں نے اپنی روش بدلی نہیں۔ اس نے اتحادیوں کو غلّہ اور گھوڑے بھی فراہم نہیں کیے، جس کا اس نے وعدہ کیا تھا اور نظام کے احتجاجوں کے باوجود اس نے ٹیپو کے اخبار نویس کو کرنول میں رہنے دیا تھا۔[25]

نظام کے اس دعوے کے بارے میں کہ کرنول اس لیے اسے ملنا چاہیے کہ دکن کے صوبیدار کی دی ہوئی یہ ایک فوجی جاگیر تھی، کارنوالس کی رائے یہ تھی کہ "یہ قدیم، مگر ساقط، دعوے ہیں کہ دکن کے صوبے کے حدود جزیرہ نما کے تقریباً پورے جنوبی حصّے تک پھیلے تھے، جس میں محمد علی، ٹیپو اور نواب کرنول کے مقبوضات بھی شامل تھے۔ لیکن ایسے بے جان دعووں کی تجدید و تائید کسی ایسی حکومت کے تو مناسب حال ہو سکتی ہے جو پُر ہوس اور فتوحات پر تُلی ہو، لیکن ہماری حکومت کے شایان شان نہیں ہے، جو اعتدال اور امن کے طریقے اختیار کرنے کی دعوے دار ہے۔"[26] مزید براں مُلک کے رواج کے مطابق "ایک باجگزار

ریاست اسی حکومت کے ماتحت ہوتی ہے جسے وہ باج ادا کرتی ہو۔[27] ٹیپو کی پیش کردہ دستاویزوں سے اور رن مست خاں کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ تقریباً تیس سال سے وہ حیدر علی اور ٹیپو کو خراج ادا کرتا رہا تھا۔[28] اس تمام مدت میں ان لوگوں کے کرنول سے خراج وصول کرنے کے حق پر چونکہ نظام نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، اس لیے، کارنوالس کے مطابق "نظام کے حقوق جو بھی رہے ہوں، پچیس تیس برسوں کی مدت میں یکسر اور ازروئے آثار، ساقط ہو چکے ہیں۔[29] میر عالم کی اس دلیل کا کہ یہ صورت ٹیپو کی "برتر قوت" کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، کارنوالس کے پاس جواب یہ تھا کہ" فرمانرواؤں کے حقوق کا فیصلہ اکثر طاقت ہی کے بل پر ہوتا ہے۔[30]

دوسری وجوہ بھی تھیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ نظام کو کرنول کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سرنگا پٹم کی صلح کانفرنس (فروری و مارچ 1792) میں کناوے نے میر عالم کو مطلع کیا تھا کہ اگر وہ کاغذات پیش کرے تو کرنول پر نظام کے حق کا سوال اُٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن میر عالم نے اپنے آقا کے حق کو ثابت کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔[31] مزید براں معاہدۂ سرنگا پٹم کے تحت ٹیپو جب کرنول سے تعلق رکھنے والے دو اضلاع سے دستبردار ہوا تھا، تو اس وقت نظام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرنول حکومت حیدر آباد سے آزاد تھا۔ ٹیپو نے کرنول کی پیش کش کو بھی اپنے مقبوضات کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ میر عالم نے اس پر اعتراض ضرور کیا تھا، لیکن اپنے اعتراض پر اسے اصرار نہیں تھا۔ چنانچہ ٹیپو کے اس ضلع کی پیش کش کے حق کو نہ تو اتحادیوں نے مسترد کیا تھا اور نہ اس ضلع کے اقتدار سے کسی اتحادی کے حق میں ٹیپو دستبردار ہوا تھا۔[32] نظام کو ٹیپو نے جو خط لکھا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب ٹیپو کے وکیلوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ کرنول کی پیش کش کو نظام کے حصے میں رکھا جائے تو مشیر الملک نے کہا تھا کہ وہ کرنول لینا نہیں چاہتا اور اسے ٹیپو اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی جگہ پر نظام کو دوسرا علاقہ دیا گیا۔[33] ان وجوہ کی بنا پر کارنوالس کو رن مست خاں کی حمایت میں نظام کی مداخلت کی پالیسی کی صحت میں، بلکہ اس کے انصاف پر مبنی ہونے میں، شدید شبہات تھے۔[34]

کارنوالس کے اس ہمت شکن رویے کے باوجود نظام نے کرنول پر اپنے حق کے ادعا کو خیر باد نہ کہا۔ حیدر آباد میں کمپنی کے رزیڈنٹ کناوے سے اس نے کہا کہ اگر کرنول کا اسے الحاق کر لینے دیا جائے تو رن مست خاں کو اتنی ہی بڑی جاگیر وہ کسی اور جگہ دے دے گا۔ لیکن کناوے نے اس تجویز کو خلاف مصلحت سمجھا اور کارنوالس کو لکھا کہ "رن مست خاں اس تجویز کو اگر قبول بھی کر لے، تو صورت حال بدلے گی نہیں، کیونکہ ٹیپو یہ سمجھے گا کہ اس کے جو حقوق رن مست خاں پر تھے، وہ اب نظام کی طرف مُنتقل ہو گئے ہیں۔[35] اس پر نظام نے تجویز پیش کی کہ اگر کرنول اسے مل جائے تو وہ نہ صرف سالانہ خراج ہی سلطان کو ادا کرے گا بلکہ خراج کی وہ رقم بھی ادا کر دے گا جو رن مست خاں کی طرف واجب الادا ہے۔ حقیقتاً وہ ٹیپو کا باج گزار بننے کے لیے بھی تیار تھا۔ لیکن اس بنا پر

وہ اس خیال سے باز آ گیا کہ کارنوالس نے اسے لکھا کہ "آپ اگر اس ذلّت کو قبول کریں گے اور ٹیپو سے ایک نجی معاہدہ کریں گے، تو بھی اتحادی کرنول کو اس روشنی میں نہ دیکھ سکیں گے جس میں آپ کی ریاست کے دوسرے حصّوں کو دیکھا جائے گا، اور کرنول پر ٹیپو کے حملے کی ہم کوئی ضمانت نہ دے سکیں گے۔"[36]

دریں اثنا، 1792 کے اواخر میں، رن مست خاں کا انتقال ہو گیا اور اس کے دونوں بیٹوں میں وراثت کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بڑے بیٹے کا نام عظیم خاں اور چھوٹے کا الف خاں تھا۔ مرتے وقت رن مست خاں نے الف خاں کو اپنا جانشین بنایا تھا اور وصیت کی تھی کہ خراج کی بقایا رقم وہ ٹیپو کو ادا کر دے۔[37] اسی وجہ سے سلطان نے الف خاں کی حمایت کی اور نظام نے عظیم خاں کی۔ جب الف خاں نے کرنول پر قبضہ کیا تو نظام نے عظیم خاں کی حمایت میں کمپنی کی فوج کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جوں ہی کناوے کو اس کا علم ہوا اس نے نظام کو مطلع کیا کہ اس طرح کے مقاصد کے لیے انگریزی دستے استعمال نہیں کیے جا سکتے۔[38] کارنوالس نے بھی کناوے کو لکھا کہ "نظام نے چونکہ میری رائے کا انتظار کیے بغیر رن مست خاں کی جانشینی کے جھگڑے میں مداخلت کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے نظام کی حمایت کا میں اپنے کو پابند نہیں سمجھتا ہوں۔"[39]

انگریزوں کی اس غیر ہمدردانہ روش کو دیکھ کر عظیم خاں کے لیے نظام کے جذبات سرد پڑ گئے۔ اب وہ الف خاں کی طرف ملتفت ہوا جس نے، بقایا کی ادائیگی کے لیے ٹیپو کے زور ڈالنے کی وجہ سے نظام سے امداد طلب کی تھی۔[40] کارنوالس کو اس پر بھی اعتراض تھا۔ لیکن نظام نے الف خاں سے ایک معاہدہ کر ہی لیا، جس کی رُو سے الف خاں نے ساٹھ لاکھ کی مالیت کی جاگیر کے عوض خراج کے طور پر پندرہ لاکھ کی رقم فوراً ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن کناوے نے اس معاہدے کو منسوخ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الف خاں کے نمائندے بلا سند لیے ہوئے، یا نظام کو رقم ادا کیے بغیر، حیدر آباد سے روانہ ہو گئے۔[41] دریں اثنا ٹیپو نے الف خاں کو ہموار کر لیا اور اس نے ٹیپو کے اقتدار اعلا ہونے کو تسلیم کر کے نظام کو ٹھکرا دیا۔ اس پر نظام نے کرنول پر حملہ کرنے کے لیے انگریزی بٹالین استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن کارنوالس اور کناوے دونوں کسی ایسے اقدام کے خلاف تھے جس کے نتیجے میں ٹیپو سے جنگ مول لینا قطعی تھا۔ اس کے ساتھ ہی کارنوالس یہ بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ٹیپو کرنول کا الحاق کر لے، کیونکہ نظام کی جنوبی سرحد سے متّصل ہونے کی وجہ سے ٹیپو کے لیے وہ حربی اہمیت کا حامل تھا۔[42] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرنول پر اقتدار حاصل کرنے میں نظام کو ناکامی ہوئی اور ٹیپو بھی اس کا الحاق نہ کر سکا اور وہ اس کی باج گزار ریاست ہی رہا۔

کرنول کا تصفیہ حل ہی رہا تھا کہ مرہٹوں نے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کے لیے حیدر آباد کی ریاست پر حملہ کر دیا۔ نظام دفاع کے لیے آگے بڑھا لیکن مارچ 1795 میں کھاردا کے مقام پر اس نے شکست کھائی

اورا سے شرمناک صلح قبول کرنی پڑی۔ ان واقعات نے نظام کو ٹیپو کے ساتھ اپنی معاندانہ روش بدلنے اور اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے پر مجبور کیا۔ میر عالم نے، جو اب نظام کا وزیر اعظم تھا ـــــ کیوں کہ مشیر الملک کو مرہٹے یرغمال بنا کر لے گئے تھے ـــــ حیدر آباد میں انگریزی رزیڈنٹ کرک پیٹرک کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ نظام، ٹیپو اور انگریزوں کے مابین سہ فریقی اتحاد قائم کر لیا جائے، اور اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ انگریزوں کو اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا اگر مرہٹہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ ٹیپو کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر لے۔[43]

ان تجاویز کی جب شور کو اطلاع ہوئی تو اس نے کرک پیٹرک کو لکھا کہ سہ فریقی معاہدے کا وہ اس لیے مخالف ہے کہ اس سے "آئین کی قطعی امتناعی دفعہ کی خلاف ورزی ہوگی اور وہ معاہدہ بھی منسوخ ہو جائے گا جو مرہٹوں، نظام اور کمپنی کے مابین ہوا ہے"[44] ٹیپو اور نظام کے اتحاد کے بارے میں شور کا خیال یہ تھا کہ ٹیپو نظام کا دفاع صرف اسی شرط پر کرے گا کہ اسے وہ سارا علاقہ واپس مل جائے جو 1792 میں اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ لیکن یہ شرط اگر مان لی گئی تو "ہم تینوں طاقتوں کے سیاسی رشتے یکسر بدل جائیں گے، اور سہ فریقی معاہدہ حقیقتاً نیست و نابود ہو جائے گا"[45] چنانچہ کرک پیٹرک کو ہدایت کی گئی کہ ٹیپو اور نظام کے درمیان وہ کسی قسم کا اتحاد نہ ہونے دے اور میر عالم کو سمجھائے کہ یہ اقدام اس کے آقا کے حق میں مضر ہوگا۔ اس سے قطع نظر، اس طرح کے کسی اتحاد کی یوں بھی ضرورت نہیں رہی ہے کہ مرہٹے اس وقت اپنے داخلی جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں کہ سلطنت حیدر آباد پر حملہ کریں۔[46]

انگریزوں کے مشورے کے باوجود نظام نے سلطان سے سلسلہ جنبانی شروع کی، جس نے خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیا اور 1795 میں اس نے سکھ رام پنڈت کو حیدر آباد بھیجا کہ کرنول کے مسئلے پر وہ گفتگو کرے اور نظام کے ساتھ اتحاد کا معاملہ طے کرے۔ کچھ دنوں کے بعد اسی مقصد کے لیے سلطان نے قادر حسین خاں اور مدینہ شاہ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ لیکن یہ مذاکرات بے نتیجہ رہے، اگرچہ نظام کے بھتیجے امتیاز الدولہ نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ ٹیپو سے اتحاد کر کے وہ انگریزوں کو دکن سے خارج کر دے۔[47] اس سلسلے میں ولکس کی یہ وضاحت مُہمل ہے کہ "نظام ٹیپو کے ساتھ مکمل اتحاد کے لیے تیار تھا" لیکن اس وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا کہ ٹیپو نے "قرآن لے کر حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تھا"[48] جس پر نظام مُصر تھا۔ مذاکرات کی ناکامی کا حقیقی سبب کرک پیٹرک کی کامیاب ریشہ دوانیاں تھیں اور میر عالم کی انگریز پرستی تھی۔ اس کے علاوہ ٹیپو سے اتحاد کرنے کے معاملے میں کبھی بھی نظام مُخلص نہیں تھا۔ وہ اپنے ان اقدامات کو انگریزوں پر دباؤ ڈالنے والی چال کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا، تاکہ وہ اس کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ کر لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹیپو سے جب نظام

کے مذاکرات چل رہے تھے، اس وقت بھی اس کے دربار سے طرح طرح کی افواہیں اس غرض سے اُڑائی جا رہی تھیں کہ کسی نہ کسی طرح کمپنی کو سلطان کے ساتھ جنگ میں اُلجھا دیا جائے۔

انگریزوں سے تعلقات :

کارنوالس نے ٹیپو کو ذلیل کیا تھا اور اس کی کمر توڑ دی تھی، لیکن وہ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ سلطان کو وہ اس خیال سے سب سے الگ تھلگ رکھنا چاہتا تھا کہ کہیں اپنے کھوئے ہوئے علاقے کو واپس لینے کی وہ کوشش نہ کرے۔ چنانچہ سرنگاپٹم کے صلح نامے کے بعد کارنوالس نے معاہدۂ اتحاد (1790) کی دفعات کی وضاحت کرنے اور انھیں قطعی تشکیل دینے کی کوشش کی۔ اس معاہدے میں ٹیپو کے مستقبل کے حملوں کے وقت اور جنگ کے اختتام پر حاصل ہونے والے علاقوں کی حفاظت کے لیے فریقوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ضمانت دی تھی۔ ان ہی اصولوں کے مطابق کارنوالس نے ایک معاہدے کا مسودہ تیار کیا اور اسے پونا اور حیدرآباد بھیجا۔[49] نظام نے تھوڑے سے تامل کے بعد اسے خوش آمدید کہا، کیونکہ وہ ٹیپو اور مرہٹہ دونوں کے حملوں سے بچاؤ کا خواہاں تھا۔[50] لیکن نانا کسی ایسے معاہدے میں شریک ہونے کے لیے تیار نہیں تھا جو اس کے توسیع پسندانہ عزائم کے لیے روک ہو سکے۔ اس نے ایک جوابی تجویز پیش کی جس میں ٹیپو سے چوتھ وصول کرنے کے پیشوا کے حق کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[51] اس کی نظام اور کارنوالس دونوں نے مخالفت کی۔ گورنر جنرل نے نانا کو لکھا کہ "معاہدۂ سرنگاپٹم میں جو کچھ درج ہے اس کے علاوہ ٹیپو پر پیشوا کے کسی مالی دعوے کی تائید کی کمپنی نہ تو پابند ہے اور نہ اس کے لیے اسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔"[52] کارنوالس کے اس جواب کے بعد ضمانت کے معاہدے کی گفت گو ختم ہو گئی۔ اس میں شُبہ نہیں کہ مرہٹوں کی عدم شمولیت کے باوجود نظام کمپنی کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کے لیے تیار تھا، لیکن کارنوالس نے، اور اس کے بعد شور نے بھی، اس طرح کا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے پونا کی حکومت ناراض ہوتی۔[53]

کارنوالس کی پالیسی یہ تھی کہ دکن میں قوت کے توازن کو برقرار رکھا جائے۔ ٹیپو کی قوت کی تجدید کا اگرچہ وہ مخالف تھا، تاہم ٹیپو کی طاقت کو مزید کمزور کرنا پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اسے نظام اور مرہٹوں کے عزائم کے خلاف ایک روک سمجھتا تھا۔ اسی کے پیش نظر اس نے نظام اور مرہٹوں سے ان علاقوں کو خالی کرنے کے لیے کہا تھا جو معاہدۂ سرنگاپٹم میں انھیں دیے نہیں گئے تھے اور کرنول کے معاملے میں نظام کی حمایت کرنے سے انکار کیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کرنول کے معاملے میں اگر نظام کو مَن مانی کرنے دی گئی تو مرہٹے بھی ٹیپو سے نئے مطالبات کرنے کی ہمت کریں گے،[54] اور اس سے کمپنی صرف سیاسی اُلجھنوں ہی میں مبتلا نہ ہوگی بلکہ آگے چل کر

ہندوستان میں کمپنی کے اقتدار کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

لیکن وہی کارنوالس جس نے نظام اور مرہٹوں کے ان مطالبات کو غیر منصفانہ قرار دیا تھا جو وہ ٹیپو سے کر رہے تھے، اس نے ٹیپو کے سامنے کمپنی کے مطالبات رکھنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ انگریزوں نے ویاند اور دوسرے مقامات پر قبضہ کر لیا اور کورگ کے راجا کو امارا اور سولیا پر قبضہ کر لینے کی اجازت دے دی۔ ٹیپو نے بار بار ان مقامات کے خالی کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بمبئی کی حکومت نے اگرچہ تسلیم کیا کہ ویاند اور کورم بالا سلطان نے کمپنی کو دینا قبول نہیں کیا تھا، تاہم اس نے کمشنروں سے خواہش کی کہ "جو لوگ ثالثی کے لیے مقرر کیے جائیں انھیں ہدایت کی جائے کہ ان اضلاع پر کمپنی کے دعوے کو وہ فوری طور پر مسترد نہ کریں، بلکہ کمپنی کے حق کی حمایت میں بحث کرتے رہیں، اور پھر جب کامیابی کی کوئی شکل نہ رہے تو خاموش ہو جائیں"[55]۔ حکومت بمبئی کا خیال یہ تھا کہ "موجودہ مقصد ویاند پر کمپنی کے حق کے خلاف استدلال کی تردید کرنا اتنا نہیں ہے جتنا یہ کہ اپنے نمائندوں کو بحث کرنے کے لیے کافی دلائل فراہم کرنے کے ہم اہل ہو سکیں"[56]۔ بالآخر اگست 1798 میں ولزلی نے ویاند سلطان کے حوالے کر دیا۔ لیکن اس کا مقصد ٹیپو کو فریب میں مبتلا کرنا اور انگریزوں کی جنگی تیاریوں پر پردہ ڈالنا تھا۔

امارا اور سولیا، بہرکیف، واپس نہیں کیے گئے۔ ان اضلاع کے بارے میں جب کمپنی کے ارباب اختیار نے کورگ کے راجا سے ثبوت طلب کیے، تو اس نے بالکل متضاد بیانات دیے۔ ایک موقع پر اس نے کہا کہ امارا اور سولیا پانچ سو سال سے اس کے خاندان کے قبضے میں رہے ہیں۔ دوسرے موقع پر اس نے بتایا کہ دو سو برس ہوئے جب یہ مقامات بدنور کے حکمرانوں نے اس کے اجداد کو عطیے کے طور پر دیے تھے۔ ایک بار اس نے یہ بھی کہا سولیا کو اس کے ایک بزرگ نے بدنور کے راجا سے خریدا تھا[57]۔ متعدد خطوط، جو اس نے کارنوالس کو لکھے تھے، ان میں وہ سولیا پر اپنے حق سے دستبردار ہو گیا تھا۔ تاہم جون 1793 میں اس نے سولیا پر قبضہ کر لیا[58]۔ اس کے برعکس ٹیپو کی دلیل یہ تھی کہ امارا اور سولیا صدیوں سے صوبہ بنگلور میں شامل رہے ہیں، جو سلطنت میسور کا حصہ ہے[59]۔

ٹیپو کی بار بار یاد دہانیوں کے بعد امارا اور سولیا کے مسئلے پر ٹیپو کے وکیلوں، شہاب الدین اور میر محمد علی، سے مذاکرات کرنے کے لیے کمپنی نے مہونی اور اُتھوف کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ ضلع سولیا کی سرحد پر کمپنی اور ٹیپو کے نمائندوں کی ملاقات ہوئی۔ کورگ کا راجا دستاویزیں پیش کرنے سے قاصر رہا اور اس کا انداز ٹال مٹول کرنے کا تھا۔ یہ دیکھ کر راجا کے دعوے کی صداقت کے بارے میں انگریزی نمائندے مشتبہ ہو گئے، خصوصاً اس وجہ سے کہ ٹیپو کے وکیلوں نے اپنے آقا کے دعوے کے حق میں دستاویزیں پیش کیں[60]۔

ان باتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اضلاع ٹیپو کو مل جانے چاہئیں تھے۔ لیکن یہ نہیں ہوا اور کمپنی کے نمائندے اس عجیب و غریب فیصلے پر پہنچے کہ اگرچہ نہ تو ٹیپو اور نہ راجا ہی اپنے اپنے دعوے ثابت کر سکے ہیں، تاہم امارا پر راجا کا دعوا اور سولیا پر ٹیپو کا دعوا حق بجانب ہے۔ بایں ہمہ چونکہ راجا ان مقامات پر قابض ہے، اس لیے انھیں اسی کے قبضے میں رہنا چاہیے۔ جس طرح سے راجا نے گزشتہ جنگ میں کمپنی کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، اسی طرح آئندہ جنگ میں بھی وہ یہی کرے گا۔[61] اس لیے کوئی ایسی بات نہ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ کبیدہ خاطر ہو۔ ٹیپو سے جنگ چونکہ قریب الوقوع نظر آرہی تھی، اس لیے ان اضلاع کے بارے میں اس سے مزید بحث میں پڑنا غیر ضروری تھا۔[62]

ویانڈ، امارا اور سولیا کے نزاع کے باوجود سر جان شور کے گورنر جنرل مقرر ہونے کے بعد کمپنی اور ٹیپو کے تعلقات ظاہراً بہتر ہوگئے۔ چنانچہ جب مرہٹوں نے نظام پر حملہ کیا اور یہ افواہ پھیلی کہ ٹیپو مرہٹوں کے ساتھ شامل ہوجائے گا تو شور نے اسے بے بنیاد سمجھا اور اس یقین کی بنا پر غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کیا کہ سلطان خود اپنے مسائل میں اس درجہ اُلجھا ہوا ہے کہ مرہٹہ اور نظام کے تصادم میں وہ کوئی حصہ نہ لے سکے گا۔[63] اسے یقین تھا کہ اگر انگریز نظام کا ساتھ دے کر ٹیپو کو اشتعال نہ دیں تو مرہٹوں کے ساتھ اس کے اتحاد کا کوئی سوال نہیں ہے۔ پونا میں کمپنی کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ اتھوف کا تو یہاں تک خیال تھا کہ "مرہٹہ اور نظام علی خاں دونوں کے مقابلے میں ٹیپو کا موجودہ رُجحانِ طبع ہماری طرف زیادہ ہے۔"[64]

لیکن دربار حیدر آباد کا انگریز نواز طائفہ اور کمپنی کے جنگ باز ملازمین شور اور اتھوف کے خیال سے متفق نہیں تھے۔ انھوں نے کمپنی کے خلاف ٹیپو کے جارحانہ عزائم کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کردیں۔ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ ہو رہی تھی اور ٹیپو کو چونکہ فرانس کا دوست سمجھا جاتا تھا، اس لیے یہ افواہ اُڑائی گئی کہ ٹیپو فرانسیسیوں سے ملا ہوا ہے، اسے فرانس سے تازہ کمک پہنچ گئی ہے اور وہ انگریزوں پر حملہ کرنے والا ہے۔ آرتھر ولزلی، جو آگے چل کر ڈیوک آف ولزلی بنا، 1796 کے اواخر میں ہندوستان پہنچا، اس نے ان افواہوں پر یقین نہیں کیا اور لکھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ٹیپو صاحب کی فوج تیار کھڑی ہے، لیکن مجھے یقین نہیں ہے۔ جب سے میں آیا ہوں، دیکھ رہا ہوں کہ ٹیپو انگریزوں کے لیے مستقل ہوّا بنا ہوا ہے، اور جب وہ کسی خوف کے بیان میں رنگ آمیزی کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ دریافت کر لیتے ہیں کہ ٹیپو کی فوج چل پڑی ہے۔"[65] شور نے ان خبروں کو بے بنیاد سمجھا اور کرک پیٹرک کو لکھا کہ فرانسیسی جہاز کے یا فرانسیسی سفیر کے منگلور پہنچنے کی خبر غلط ہے۔ "اس طرح کی خبریں فریب دینے، یا اہمیت یا انعام حاصل کرنے کے لیے گڑھی جاتی ہیں۔"[66] اسی طرح سے 1797 میں جیمس اسٹورٹ اور جوناتھن ڈنکن نے

تلچری سے لکھا کہ سرنگاپٹم میں کوئی باضابطہ فرانسیسی ایجنٹ نہ تو اس وقت ہے اور نہ گزشتہ دنوں میں تھا۔ ٹیپو اور فرانسیسیوں کے اتحاد کی خبروں میں بھی کوئی حقیقت نہیں تھی۔[67] کیپٹن کرک پیٹرک کے سکریٹری جان مورس نے لکھا تھا کہ منگلور میں فرانسیسی اسلحہ کے اُترنے کی خبر قطعاً غلط تھی۔ "توقع ہے کہ ٹیپو کی معاندانہ تیاریوں کی خبریں بھی بالکل بے بُنیاد ثابت ہوں گی۔"[68] پھر ٹیپو کی سرگرمیوں کی بابت شور کو جو اطلاعات موصول ہوئی تھیں ان کے بارے میں 5 جولائی 1797 کو اس نے لکھا کہ "ان کے کسی حصّے سے بھی مُستند ہونے کے ایسے آثار نظر نہیں آتے، جن سے ان کی صداقت کا کُلّی یقین ہو سکے۔"[69] اسی طرح 2 ستمبر 1797 کو اتھوف نے شور کو اطلاع دی کہ ٹیپو کمپنی سے جنگ کرنے کی تیاریاں نہیں کر رہا ہے، لوگ یوں ہی یہ پریشان کن خبر اُڑا رہے ہیں۔[70] اتھوف نے کرک پیٹرک کو لکھا کہ اس طرح کی خبریں "کثرت سے بے اصل ہوتی ہیں، یا ان کی بُنیاد، غلط فہمی، خود غرضی اور چالبازی پر مبنی ہوتی ہے۔"[71] مثلاً کرنول کے معاملے پر گفتگو کرنے کے لیے ٹیپو نے اپنے نمائندے حیدر آباد بھیجے، اس مقصد کو "ثانوی قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ انگریزوں کے خلاف حیدر آباد کے ساتھ اتحاد کرنے کے لیے یہ نمائندے آئے تھے۔"[72] 1798 کے اوائل میں اتھوف نے پھر کرک پیٹرک کو لکھا کہ گزشتہ اٹھارہ مہینوں سے حیدر آباد کی حکومت ٹیپو کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اُڑا رہی ہے۔ "ٹیپو، مدینہ شاہ اور فرانسیسی نظام کے ایسے کلد آمد حربے ہیں، جن کا انگریزوں کے سامنے ہوا کھڑا کر کے کمپنی سے وہ ایک جارحانہ اور دفاعی معاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ٹیپو نے گوٹی کے مقام پر فوج جمع کی تھی، لیکن اس کا مقصد" کرنول پر اپنے دعووں کو عملی شکل دینا تھا، اور یہ دعوے ایسے ہیں جن کی نہ تو کمپنی نے اور نہ مرہٹوں نے تردید یا مخالفت کی ہے۔" بالآخر ٹیپو نے اپنی فوجیں واپس بُلالیں، کیونکہ نظام نے اتحادیوں کے نام پر اسے دھمکی دی تھی اور کچھ اس وجہ سے کہ گوٹی میں فوجوں کا قیام گراں خرچ ہوتا جا رہا تھا۔[73] اتھوف کو یقین تھا کہ برطانوی اقتدار کو ٹیپو اور فرانس سے، انفرادی یا اجتماعی، خطرہ لاحق ہونے کی خبروں پر "شُبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب اغراض یا مُفسد دیسی ذرائع کی پھیلائی ہوئی ہیں۔" اس کا خیال تھا کہ اس طرح کی خبروں کو باور کرنے میں "بڑی احتیاط" برتنی چاہیے۔ کرک پیٹرک کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے مزید لکھا کہ "آپ نے خود حیدر آباد کی حکومت کے بارے میں 5 اکتوبر 1797 کو گورنر جنرل کو لکھا تھا کہ یہ ایک ایسی حکومت ہے، جس کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ اسے اگر اپنا مفاد بھی خطرے میں نظر آئے گا، تو کسی بھی بات سے فائدہ اُٹھانے میں تامّل نہ کرے گی جس سے اس کے عیّارانہ مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو۔" اتھوف نے اس طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ خطرے کی افواہیں آپ کے حلقے میں گشت کر رہی ہیں،" اگرچہ حکومت بمبئی کی کیٹی کے معزز وسیلے سے ٹیپو اور فرانس دونوں سے محفوظ ہونے کی مُستند نوید مل چکی ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے اس عظیم الشان عمارت پر جو فرانسیسی

سفارت اور ہزارہا فرانسیسی سپاہیوں کی آمد کے نام پر گھڑی کی گئی ہے اور جس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ایک فرانسیسی کشتی جس پر کوئی ایک درجن فرانسیسی رہے ہوں گے، اتفاقاً تنہا رہ گئی تھی، ضروریات زندگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ساحل مالابار پر منگلور میں پناہ لینے پر وہ مجبور ہوئی۔ ان میں سے کچھ فرانسیسیوں نے اپنے قوی یار وفادار، ٹیپو سلطان، کی جگہ ہمارے رحم و کرم پر اپنے کو چھوڑنا پسند کیا۔[74] سرجان شور، جو امن کی پالیسی کا حامی تھا، ان افواہوں پر کان نہیں دھرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان کے گڑھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انگریزوں کو ٹیپو سے جنگ میں اُلجھایا جائے۔

یہ افواہیں اگرچہ مبالغے پر مبنی تھیں، تاہم غلط بھی نہیں تھیں۔ کیونکہ ٹیپو نے اپنی شکست پر صبر نہیں کر لیا تھا۔ معاہدۂ سرنگاپٹم کے کچھ دنوں بعد ہی اس نے فرانسیسیوں سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی تھی۔ جون 1792 میں اس نے دو پیغامبروں کو خط دے کر فرینے کے پاس بھیجا۔ خط میں اس نے فرینے سے درخواست کی تھی کہ لوئی شانزدہم تک وہ یہ پیغام پہنچا دے کہ اگرچہ اُسے فرانسیسیوں کی دوستی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا ہے، لیکن ہمیشہ کی طرح وہ اب بھی ان کا دوست ہے۔[75] خیر سگالی کے طور پر اس نے فرانسیسیوں کو اپنی قلمرو سے چاول، صندل کی لکڑی اور الائچی، بازار کے عام بھاؤ پر اور سیاہ مرچ ایک سو چالیس روپے فی کینڈی کے نرخ پر خریدنے کی اجازت دے رکھی تھی، اگرچہ سیاہ مرچ کا عام نرخ ڈیڑھ سو روپے فی کینڈی تھا۔[76]

اسی سال جولائی میں ٹیپو نے صندل کی لکڑی، سیاہ مرچ اور الائچی کے معاوضے میں ڈی فرینے سے بیس ہزار دستی بندوقیں اور ونگی کے دستے کے لیے پانچ سو رنگروٹ مانگے۔ پیرس کی حکومت نے ٹیپو کے معاملات کے بارے میں چونکہ ڈی فرینے کو واضح ہدایات نہیں دی تھیں، اس لیے ڈی فرینے شدید اُلجھن میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے پاس سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ مُبہم جواب دے۔ ٹیپو کی مملکت کے ساتھ جو فرانسیسی تجارت تھی اس کے پیش نظر ٹیپو کے مُطالبے کو مسترد کر کے وہ اسے ناخوش بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس کوئی جہاز بھی نہیں تھا جو رنگروٹوں کو منگلور لے جاتا، اس لیے اس نے ٹیپو کا مراسلہ جزیرۂ فرانس کے گورنر کو بھیج دیا، جس کے پاس ان مُطالبات کو پورے کرنے کے بہتر وسائل بھی تھے۔ سلطان ایک سفارت بھی فرانس بھیجنا چاہتا تھا۔ بعد میں اسی سلسلے میں سُلطان نے راما راؤ کو ڈی فرینے کے پاس بھیجا۔ لیکن ایک تو ڈی فرینے کو 1787 کی سفارت کی ناکامی یاد تھی، دوسرے انگریزوں کو اشتعال دینے سے بھی وہ گریز کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس تجویز کی اس نے ہمت افزائی نہیں کی۔[77]

ہم دیکھ چکے ہیں کہ 1787 میں ٹیپو نے ایک معاہدۂ اتحاد کی تجویز کیا تھا لیکر کو فرانس بھیجا تھا۔[78] لوئی شانزدہم اور برٹرانڈ ڈی مولویل، وزیر جہازرانی، ٹیپو کی مدد کے لیے اس خیال سے تیار بھی ہو گئے تھے کہ اس کی شکست

ہندوستان میں فرانسیسی مفاد کے حق میں مُضر ہوگی۔ لیکن فرانس کے سماجی و معاشی حالات کی ابتری کی وجہ سے وہ کچھ کر نہیں سکے تھے۔ اسی زمانے میں فرانس میں شہنشاہیت کا خاتمہ ہوگیا اور جمہوریت کا قیام عمل میں آیا۔ ٹیپو کے نام اگزیکٹو کونسل کے ایک خط کے ساتھ لیگر کو ہندوستان واپس کیا گیا۔ خط میں ٹیپو کو اطلاع دی گئی تھی کہ فرانس میں اور یورپ میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے پیش نظر فرانس کی حکومت کے لیے اس کے ساتھ کوئی معاہدۂ اتحاد کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔[79]

لیگر کی سفارت کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1793 میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑی اور فرانس نے یہ کہہ کر ٹیپو کو انگریزوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کرنا چاہا کہ معاہدۂ سرنگاپٹم کے تحت جو علاقے اس نے کھوئے ہیں انھیں واپس لینے کا یہ اچھا موقع ہے، تو اس نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جواب یہ دیا کہ فرانس سے اس کے تعلقات ہی اس کے تمام مصائب کا سبب بنے ہیں۔ 1783 میں انھوں نے انگریزوں سے صلح کر کے انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک سفارت فرانس بھیجی جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس لیے انگریزوں کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کے لیے اور ہندوستان کے فرانسیسیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کے لیے وہ اس وقت تک تیار نہ ہوگا، جب تک کہ پیرس کا نیشنل کنونشن اس کی توثیق نہ کرے اور یہ مان نہ لیا جائے کہ صلح کے مذاکرات سے اسے باخبر رکھا جائے گا اور صلح نامہ کے معاہدے میں اس کا بھی نام لیا جائے گا۔ چونکہ فرانسیسیوں نے اس کا غیر ہمت افزا جواب دیا، اس لیے اگست 1793 میں جب انگریزوں نے پانڈیچری پر قبضہ کیا تو ٹیپو بے تعلقی کے ساتھ اس کا تماشا ہی نہیں دیکھتا رہا بلکہ فرانسیسی کمانڈر کے اس خط کا اس نے جواب بھی نہ دیا جس میں اس سے مدد طلب کی گئی تھی۔[80]

1794 کے اواخر میں لیس کیلیر نے، جسے پانڈیچری کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، ٹیپو سے دوستانہ انداز میں سلسلہ جنبانی شروع کی۔ انقلابِ فرانس کی اہمیت بیان کرنے اور یہ جتانے کے لیے کہ فرانس کی نئی حکومت کے ساتھ دوستی کرنے سے کیا فوائد اسے حاصل ہوں گے، لیس کیلیر نے دو نمائندے ٹیپو کے پاس بھیجے۔ اس کے جواب میں ٹیپو نے اپنی سابقہ شکایات کا اعادہ کرنے کے بعد، مندرجہ ذیل شرائط پر، معاہدۂ اتحاد کرنے پر آمادگی ظاہر کی :

1. ٹیپو اور فرانسیسی دونوں ایک ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کریں گے۔ جب صلح کرنی ہوگی تو اس کی اسے اطلاع دی جائے گی۔ صلح نامے میں ایک فریق وہ بھی ہوگا۔
2. اسے دس ہزار سپاہی (یہ تعداد آگے چل کر چھ ہزار کر دی گئی) اور اسی مناسبت سے گولا بارود اور اسلحہ فراہم کیے جائیں گے۔

3. ساحلی علاقے جو فتح کیے جائیں گے وہ فرانس کو ملیں گے اور اندرونِ مُلک کے مفتوحہ علاقوں کا وہ الحاق کرے گا۔

لیس کیلیر نے ٹیپو کی تجاویز اپنی اس رائے کے ساتھ پیرس بھیج دیں کہ فرانسیسی فوجیں جوں ہی ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھیں گی تمام چھوٹی بڑی دیسی طاقتیں انگریزوں کے خلاف ان سے مل جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات کے خصوصی نمائندے، مونیران، کی معرفت سُلطان کی تجاویز کے متعلق اپنے خاطر خواہ ردعمل کا اظہار کیا۔ ٹیپو سے گفتگو کرنے کے بعد مونیران نے جارحانہ و دفاعی معاہدے کا ایک مسودہ تیار کیا۔ اس کی شرائط یہ تھیں: اگر یورپ میں صلح ہو گئی تو اس میں ٹیپو کو فرانس اور ہالینڈ کا حلیف لکھا جائے گا۔ جتنے ہزار سپاہی فرانس میدانِ جنگ میں اُتارے گا اتنے ہی پانچ ہزار سپاہی ٹیپو پیش کرے گا۔ اس کے علاوہ ٹیپو سامان رسد بھی ان کے لیے فراہم کرے گا۔ اس کے بعد ٹیپو نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا اپنا یہ منصوبہ پیش کیا کہ فرانسیسی سپاہ تلیچری کے مقام پر اُترے اور ٹیپو کی مدد سے اس مقام پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے بعد ٹیپو مدراس اور پانڈیچری کو فتح کرے۔ نصف کرناٹک اور ترچناپلی، تنجور اور راترور کے قلعے اس کے قبضے میں رہیں گے۔ باقی علاقوں پر فرانس کا قبضہ ہوگا۔ بمبئی پر فرانسیسی قبضہ کریں گے اور بنگال دونوں میں برابر برابر بٹ جائے گا۔ 17 اپریل 1797 کو لوئی مونیران نے اس معاہدے پر دستخط کر دیے۔[82]

1793 میں ٹیپو نے ہندوستان کے فرانسیسی اربابِ اختیار سے اس وقت تک کوئی معاہدہ کرنے سے انکار کیا تھا، جب تک کہ پیرس کی فرانسیسی حکومت معاہدے کی توثیق نہ کر دے۔ لیکن اس وقت وہ معاہدہ کرنے کے لیے یوں تیار ہو گیا کہ لیس کیلیر اور مونیران کے خالی خولی وعدوں پر اس نے اعتماد کر لیا تھا۔ اس معاملے میں کوسگنی برادران کے اثرات نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا تھا، جنھوں نے یورپی اتحاد کے مقابلے میں اپنے مُلک کی فتوحات کی مُبالغہ آمیز خبریں ٹیپو کو سُنائیں اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسی امداد کا یقین دلایا۔[83]

ڈائریکٹری نے لیس کیلیر کے منصوبے کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے یہ کہہ کر اسے مُسترد کر دیا کہ آئندہ کسی موقع کے لیے اسے محفوظ رکھا جائے۔ وجہ یہ تھی کہ دسمبر 1796 اور جولائی 1797 میں انگریزوں سے صلح کی گفتگو ناکام ہو چکی تھی اور فرانسیسی بحری نقل و حرکت محدود ہو گئی تھی، اس لیے ہندوستان میں کوئی نیا عہد و پیمان کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔[84]

(باب 17 کے حاشیے)

1. Wilks, ii, p.562.
2. Ibid., p.594.
3. کرمانی، ص 347.
4. میسور کے ضلع چیتل درگ میں یہ ایک مستحکم پہاڑی قلعہ تھا۔
5. کرمانی، ص 9-368؛ Wilks, ii, pp. 590-1.
6. کرمانی، ص 369
7. Ibid. 3 pp. -369-70.
8. Khare, ix, Nos. 3497, 3580.
9. Wilks, ii, p. 599.
10. Parasnis, History of Sangli State, pp. 24-5.
11. کرمانی، ص 380.
12. ڈھونڈیا کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: History of Sangli State ص 32 - 25 نیز Bombay Gaz., Dhawar District, xxii, pp. 241-5.
13. P.R.C., iii, No. 465 A.
14. Ibid.
15. Ibid.
16. Duff, ii, p. 241.
17. Ibid., pp. 240-41.
18. P.R.C., iv, No. 152.
19. Wilks, ii, p. 620.
20. P.R.C., iv, No. 188.
21. N.A., Sec. Pro. Aug. 8, 1797, Shore's Minute of July 21.
22. M.R. Mly., Cons., Jan 14, 1794, Bengal to Madras, Dec. 1793, vol. 182 A., pp. 193 Seq.
23. M.R., Mly Sundry Book, vol. 83, 1793, p. 1.

Ibid., Cornwallis to Madras, April 24, 1792, p. 2. .24

Ibid., Cornwallis to Kennaway, June 16, 1792, pp. 19-21. .25

Ibid., Aug. 4, 1792, pp. 75-6. .26

Ibid., Dec. 18, 1792, p. 134. .27

Ibid., pp. 75, 84. .28

Ibid., pp. 130-4. .29

Ibid., April 12, 1793, p. 229. .30

Ibid. Kennaway to Cornwallis June 2, 1792 pp. 3-5. .31

Ibid., Dec. 12, 1792, pp. 121-25, and Cornwallis to Nizam, April 12, 1793, pp. 224. .32

N.A., Pol. Pro., March 17, 1797, Tipu to Nizam, Cons. No. 23. .33

M.R., Mly. Sundry Book, vol. 83, Cornwallis to Kennaway, Aug. 4, 1792, p. 76. .34

Ibid., Kennaway to Cornwallis, Sept. 14, 1792, pp. 81-3. .35

Ibid Cornwallis to Nizam, April 12, 1793, p. 229. .36

P.R.C., iii, No. 494. .37

M.R., Mly. Sundry Book, vol. 83, Kennaway to Cornwallis, Dec. 12, 1792, pp. 121-2 .38

Ibid., Cornwallis to Kennaway, Dec. 27, 1792, p. 138. .39

Ibid., Jan 12, 1793, pp. 151-3. .40

Fraser, The Nizam, pp.57-8. .41

M.R., Mly.Sundry Book, vol.83, Cornwallis to Kennaway, April 12, 1793, pp. 216-22. .42

N.A., Sec. Pro., July 18, 1796, Cons. No. 4. .43

Ibid. .44

Ibid. .45

Ibid. .46

N.A., Sec. Pro., Sept. 5, 1796, Cons. No. 33. .47

Wilks, ii, p.630. .48

Malcolm, Political History of India, i, p.121; P.R.C., ii, No. 145. .49

Malcolm, i, p. 122. .50

Ibid., pp. 122-23. .51

P.R.C., ii, p. 159. .52

Malcolm, i, p.123. .53

M.R., Mly. Sundry Book, vol. 83, Cornwallis to Conway, June 16, 1792, p. 20. .54

M.R., Mal. Sec., Com Diaries (Pol.), 1798, vol.1729, Bombay Govt. to Commissioners, July 19, 1798, pp. 361-65. .55

Ibid. .56

N.A., Pol. Pro., June 20, 1798, No.39. .57

Ibid., No. 38. .58

Ibid., No. 36 .59

N.A., Pol. Pro., April 1, 1799, Cons. No. 25. .60

61. Ibid.

62. Ibid.

63. Malcolm, Political History of India, i, p. 137.

64. P.R.C., iv, No. 72; Furber, The Private Records of an Indian Governor-Generalship, p. 50.

65. Gleig, British Empire in India, iii, p. 154.

66. N.A., Pol. Pro., May 8, 1797, Shore to Kirkpatrick, Cons. No. 72.

67. Mal. Sec. Com. Diaries, vol. 1717, 1797, pp. 196–7.

68. N.A., Pol. Pro., July 10, 1797, Cons. No. 41.

69. N.A., Sec. Cons. Aug. 8, 1797, vol. 1, p. 429.

70. N.A., Pol. Pro., Oct. 6, 1797, Cons. No. 9.

71. Ibid., Oct. 20, 1797, Cons. No. 8.

72. M.R., Mly. Cons., Jan. 23, 1798, Uthoff to Kirkpatrick, Dec. 18, 1797, vol. 232, p. 352.

73. N.A., Pol. Pro., Feb. 16, 1798, Cons. No. 42.

74. M.R., Mly. Cons., Jan. 23, 1798, vol. 232, pp. 347–9.

75. A.N., C^2 299, de Fresne to Minister of Marine, June 29, 1792, No. 80.

76. Ibid., Tipu to Fresne, arrived July 2, 1792, No. 80.

77. Ibid., Fresne to Minister of Marine, July 30, 1792, No. 87; Ibid., Tipu to de Fresne, 4 Shawwal 1206/May 26, 1792.

78. دیکھیے اسی کتاب کا ص 185

A.N., C^2 302, 1793, p. 251.

80. P.A., Ms, Nos. 2140, 2195, 2200.

81. A.N., C^2 304, from Lescallier, Oct. 16, 1794, No. 1.

82. Ibid., C^2 304, Colonies – (1794-1800), Affaires Secret, No. 95; also the same document in Archives de Ministere de Affaires Etrangeres, vol. 20. (1792-1814), pp. 150 seq; and Antonova, The struggle of Tipu Sultan Against British Colonial Power, document Nos. 3, 4.

83. Ibid., document Nos. 1, 2.

84. A.N., C^2 304, Minister of Marine to Minister of Foreign Relations, Oct. 12, 1797.

اٹھارھواں باب

ٹیپو اور ولزلی

تیسری اینگلو میسور جنگ کے دوران انگریزوں کو شدید نقصانات اُٹھانے پڑے تھے۔ چنانچہ انھیں امن کی ضرورت تھی تاکہ جارحیت کے نئے منصوبوں پر عمل پیرا ہونے سے پہلے وہ تازہ دم ہولیں اور اپنی فتوحات کو استوار کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ کارنوالس نے اپنے عہدے کی بقیہ مدّت میں، اور اس کے جانشین شور نے بھی، کسی ایسے معاملے میں اُلجھنے سے دامن بچایا، جس سے کمپنی کو کسی دیسی حکمران سے متصادم ہونا پڑے۔ لیکن امن اور عدمِ مداخلت کے اصول پر شور کے شدت سے عمل درآمد سے، جو پٹ کے انڈیا ایکٹ 1784 نیز کورٹ آف ڈائریکٹرس کی ہدایت کے عین مطابق تھا، نظام میں اور انگریزوں میں دوری پیدا ہوئی اور ہندوستان میں فرانسیسی اثرات کو بڑھاوا ملا۔ ابتدا میں تو برطانوی حکومت بھی ہندوستانی حکمرانوں کے جھگڑوں میں عدمِ مداخلت کی پالیسی کے حق میں تھی، لیکن "جب یورپ میں مشکلات بڑھنے لگیں، تو ہندوستان میں جارحیت اور توسیعی پالیسی کی طرف ڈنڈاس کا رجحان بھی روز افزوں ہوگیا"[1] چنانچہ جب کارنوالس سبکدوش ہوا تو ایک ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو تیز رو پالیسی پر عمل پیرا ہوسکے۔ اس سلسلے میں نظرِ انتخاب رچرڈ ولزلی، ارل آف مارنگٹن، پر پڑی جو ڈنڈاس اور پٹ کا دوست، جیکوبن دشمن اور انتہائی شہنشاہیت پرست تھا۔

اس طرح سے ولزلی جارحیت اور توسیعی پالیسی کا پابند ہوکر ہندوستان آیا، جیسا کہ فلپس نے لکھا ہے کہ "ڈنڈاس نے ولزلی کی جارحانہ پالیسی کی ہمّت افزائی کی۔ ولزلی کو اس نے جو ہدایات بھیجیں اور اس نے ان کے جو جوابات دیے اور جس طرح ان پر عمل پیرا ہوا اس سے یہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ولزلی کے انگلستان سے روانہ ہونے سے پہلے ہی دونوں اس بات پر متفق ہوچکے تھے کہ برطانوی ہند میں اب توسیع کا وقت آگیا ہے"[2]

مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی، جسے ایک افغان سردار غلام قادر نے 1788 میں نابینا کردیا تھا، اس

وقت دولت راؤ سندھیا کا قیدی تھا۔ دہلی کے جنوب اور مغرب کی راجپوت ریاستوں میں عدمِ اتحاد تھا اور ان کے لیے مرہٹوں کی دراز دستیوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اودھ برائے نام خود مختار تھا، تاہم عملاً وہ انگریز ریذیڈنٹ کے زیرِ اقتدار تھا۔ ٹراونکور کا راجا کمپنی کا باج گزار تھا، اور نواب ارکاٹ اب "حقیقی فرمانروا" نہیں بلکہ "ایک سایہ، ایک خواب، جبر و ستم کا بوس" تھا اور اس کے نام پر حکومت انگریز چلا رہے تھے۔ ہندوستان کی تین خاص ریاستوں، پونا، حیدر آباد اور میسور، کا جہاں تک تعلق ہے، اوّل الذکر دونوں ریاستیں تیزی سے مائل بہ زوال تھیں۔ مرہٹوں کا وفاق نفاق کا شکار ہو رہا تھا۔ پیشوا باجی راؤ ثانی، نااہل اور ناقابلِ اعتبار تھا، اور نانا پونا کی حکومت پر اپنے سابقہ اثرات کھو چکا تھا۔ نظام کی حکومت، جسے رشوت خور انتظامیہ نے پہلے ہی کمزور کر دیا تھا، کھارڈا کے مقام پر مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد کمزور ہو چکی تھی۔

نااہلی، سیاسی و انتظامی افراتفری کی اس تصویر کے مقابلے میں ریاست میسور کارکردگی اور عمدہ حکومت کا نمونہ معلوم ہوتی تھی۔ کارنوالس نے ٹیپو کو اس کے خزانے اور اس کی نصف سلطنت سے محروم کر دیا تھا۔ تاہم ٹیپو کا طرزِ عمل، مالکم کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس نے "پہلے باعزت طور پر پابندیِ اوقات کے ساتھ بقایا کی وہ رقم ادا کی جو اتحادیوں سے صلح کے وقت اس کی طرف واجب الادا تھی۔ پھر اپنی محرومیوں کے بوجھ تلے دبے پڑے رہنے کی جگہ اس نے اپنی تمام سرگرمیاں جنگ سے پیدا ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لیے وقف کر دیں۔ اپنی راجدھانی کے استحکامات میں اضافے کی کوشش کی، سوار اور پیدل فوج کی بھرتی اور تربیت کا کام ہاتھ میں لیا، باغی باج گزاروں کو سزائیں دیں، ملک میں زراعت کی ہمت افزائی کی، جس سے سابقہ خوش حالی واپس آ گئی۔"[3] اس سے انگریزوں میں حسد پیدا ہوا اور ان کے دیرینہ شکوک کی تجدید ہو گئی۔ ٹیپو اگرچہ انگریزوں سے تیغ آزمائی کے قابل نہیں رہ گیا تھا، تاہم نظام اور مرہٹوں کی مشترکہ فوج کو شکست دینے کا وہ اب بھی اہل تھا۔[4] اس کی طاقت کو اگر پنپنے کا موقع ملتا تو قوتِ عمل، قابلیت اور عزائم کے بل پر وہ اب بھی انگریزوں کا زبردست حریف بن سکتا تھا۔ اسی کے پیشِ نظر ولزلی نے اس طاقت کو کچل ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستان میں کمپنی کو اقتدارِ اعلیٰ دلانے کے منصوبے کی تکمیل کی راہ میں ولزلی ٹیپو ہی کو سب سے بڑا روڑا سمجھتا تھا۔

1797ء کے ابتدائی مہینوں میں 'دلیو' نامی ایک گرفتار شدہ جہاز منگلور میں لنگر انداز ہوا۔ اس کا کپتان ریپود، سرنگاپٹم پہنچا۔ اس نے ٹیپو کو بتایا کہ وہ فرانسیسی بحریہ کا افسر ہے اور جزیرہ فرانس و باربون کی حکومت نے اسے ان دس ہزار سپاہیوں کی پیش کش کرنے کے لیے بھیجا ہے جو ریئر ایڈمرل سرسے اور جنرل میگلوں کی سرکردگی میں یورپ سے آئے ہیں۔ انگریز دشمنی کے جذبے سے ٹیپو اس درجہ دیوانہ ہو رہا تھا کہ ریپود کے بیان کی صداقت کا پتہ لگانا بھی اس نے ضروری نہ سمجھا۔ اپنے بعض افسروں کے اس مشورے کو بھی اس نے نظر انداز

کیونکہ ٹیپو ایک جعل ساز ہے۔ محمد ابراہیم اور حسین علی خاں کو ایلچی بنا کر اس نے جزیرہ فرانس روانہ کیا۔ اکتوبر 1797 میں یہ سفارت منگلور سے روانہ ہوکر 19 ر جنوری 1798 کو پورٹ لوئس پہنچی۔[5]

ایلچیوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تاجروں کے بھیس میں جائیں اور اپنے سفر کی غایت کو راز میں رکھیں۔ جزیرہ میں پہنچنے کے بعد کسی کو ان کے استقبال کے لیے نہیں آنا تھا اور خاص سرکاری افسروں کے علاوہ جن سے انھیں ملنا تھا اور کسی کو ان کے ورود کے مقصد کا علم نہیں ہونا تھا۔ اس کے باوجود جزیرہ فرانس اور باربون کے گورنر جنرل ملارتک کو جب ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے عملے کے کچھ لوگوں کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ بعد میں وہ خود بھی ان کی پیشوائی کے لیے گیا۔ رسمیات کے بعد ایلچیوں نے جارحانہ اور دفاعی معاہدے کی تجویز پیش کی جس کی دفعات یہ تھیں:[6]

1. ٹیپو انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھے گا، تاآنکہ ایک انگریز بھی ہندوستان میں باقی نہ رہے۔
2. جس وقت فرانسیسی سپاہی ہندوستان کے ساحل پر اُتریں گے اس وقت سے انھیں وہ سامانِ رسد، جس میں شراب شامل نہ ہوگی، فراہم کرے گا۔
3. فرانسیسی سپاہیوں کے لیے گھوڑے اور بیل اور مجروحین کے لیے پالکیوں کا وہ انتظام کرے گا۔
4. تین ہزار سوار، تین ہزار پیدل اور دو سو توپیں فرانسیسی فراہم کریں گے۔
5. فرانسیسی سپاہ اس کے زیرکمان ہوگی۔
6. ٹیپو خود بھی سپاہ فراہم کرے گا۔
7. انگریزوں نے اس کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے، ان کے علاوہ، باقی تمام مفتوحہ علاقے اُس کے اور جمہوریہ فرانس کے درمیان برابر تقسیم کر لیے جائیں گے۔
8. فرانسیسی جمہوریہ اگر صلح کرنا چاہے گی تو اس سے مشورہ کیا جائے گا اور معاہدے میں اس کا نام بھی آئے گا۔

ملارتک سخت اُلجھن میں مبتلا ہو گیا تھا، کیونکہ ٹیپو کو دینے کے لیے وہاں کوئی فوج نہیں تھی۔ اس کے پاس صرف سات سو سپاہی تھے جو خود جزیرے کے دفاع کے لیے کافی نہیں تھے۔ چنانچہ اس نے فرانس کی حکومت کو ٹیپو کے ایلچیوں کی آمد سے اور ان کی تجاویز سے فوراً مطلع کیا اور درخواست کی کہ فوجی امداد براہِ راست سلطان کو بھیجی جائے۔ اس کے علاوہ ایک دیرینہ حلیف کی مدد کے لیے 30 ر جنوری 1798 کو ملارتک نے یہ فرمان جاری کیا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے خارج کرنے کے لیے فرانس سے فوجی امداد حاصل کرنے اور ایک جارحانہ و دفاعی معاہدہ کرنے کے لیے میسور کے دو ایلچی آئے ہیں۔ جب تک لڑائی جاری رہے گی فرانسیسی سپاہی ٹیپو کے پاس رہیں گے اور وہ ان کی تمام ضروریات، علاوہ شراب کے، مہیا کرے گا۔ اس فرمان کا کچھ زیادہ اثر نہیں

ہوا۔صرف اسّی افراد بھرتی ہوئے۔ بریگیڈیر شاپوس کوان سب کا، اور پندرہ افسروں کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اِس چھوٹی سی جمعیت میں پانچ بحری افسروں اور کچھ جہازیوں کا بھی اضافہ کرکے ڈیوک کوان کا کمانڈر مقرر کیا گیا، جو پرینیوس نامی اس جہاز کا کپتان تھا جسے اس مختصر سی سپاہ کو منگلور لے جانا تھا۔ ملارتک نے ایلچیوں سے کہا کہ کچھ والنٹیئر جزیرۂ ری یونین میں بھی ملیں گے اور انھیں یقین دلایا کہ حالات جوں ہی موافق ہوں گے وہ ایک بڑی سی فوج روانہ کرے گا۔[7]

پرینیوس 7 مارچ کو جزیرہ فرانس سے چل کر 10 مارچ کو جزیرۂ ری یونین پہنچا۔لیکن تیز ہواؤں اور ایک لنگر کی خرابی کی وجہ سے جہاز کو دوسرے ہی دن، بلا مزید والنٹیئر حاصل کیے ہوئے، وہاں سے روانہ ہونا پڑا۔ کیونکہ اتنی مختصر مدّت میں والنٹیئروں کو بھرتی کرنا ممکن نہیں تھا۔ اپریل کی 25 تاریخ جہاز منگلور پہنچا، لیکن اس مختصر سی سپاہ کے لیے 30 جون سے قبل سرنگاپٹم پہنچنا ممکن نہ ہوسکا۔ ٹیپو نے افسروں کو اعزاز واحترام کے ساتھ خوش آمدید کہا۔لیکن اس امر پر حیرت کا بھی اظہار کیا کہ ریپود نے فرانسیسی جمہوریہ کے نام پر جو وعدہ کیا تھا، اس کے برعکس یہ سپاہ اتنی مختصر تھی۔ اب ٹیپو نے ریپود پر اعتماد کرلینے کی غلطی کو محسوس کرلیا، مگر اس کی تلافی کا وقت گزرچکا تھا۔ اب اسے صرف یہی راستہ نظر آیا کہ ایک سفارت براہِ راست فرانس بھیجی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نتیجے پر پہنچنے میں سرنگاپٹم کے ان فرانسیسیوں کا بھی ہاتھ تھا، جو وہاں ایک جیکوبن کلب بھی قائم کرچکے تھے۔[8]

جیکوبن کلب ابتدا میں 59 ممبروں پر مشتمل تھا جو اس ٹولی سے تعلق رکھتے تھے جس کی کمان دمپارد کے ہاتھ میں تھی۔ ریپود کلب کا پریذیڈنٹ اور سی۔ ڈینیر سکریٹری تھا۔ 5 مئی 1797 کو کلب کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ ریپود نے جلسے سے خطاب کیا اور ممبروں کے حقوق وفرائض پر بحث کی گئی۔ بعد میں ایک صدر، دو سکریٹری، دو ناظر اور دو میر تشریفات منتخب کیے گئے۔ 7 تاریخ ایک اور جلسہ ہوا، جس میں فرانسیسی دستے کے لیے ڈسپلن اور عمل کا ایک ضابطہ مرتب کیا گیا جو 22 دفعات پر مشتمل اور انقلابِ فرانس کے تصورات سے ہم آہنگ تھا۔ جلسہ اس نغمے پر ختم ہوا:[9]

"la hime a la patrie, en signe de joie."

14 مئی کی صبح کو چھ بجے دمپارد کی کمان اور ریپود کی نمائندگی میں فرانسیسی پارٹی نے فرانس کا قومی جھنڈا نصب کیا اور پھر کینٹونمنٹ کی طرف روانہ ہوئی، جہاں ٹیپو نے ان کا استقبال کیا اور دو ہزار تین سو گولوں کی سلامی دینے کا حکم دیا۔ ریپود کو اس نے فرانسیسی جمہوریہ کے ساتھ اپنی دوستی کا یقین دلایا۔ جواب میں فرانسیسیوں نے ٹیپو کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے اسے 'عوامی بادشاہ' کہہ کر مخاطب کیا۔ اس کے بعد 'شجرِ آزادی'

نصب کیا گیا، جس کی چوٹی پر کلاہِ مساوات تھی۔ فرانسیسیوں نے آزادی یا موت کا عہد کرتے ہوئے جمہوریہ فرانس کے حلیف ٹیپو کے علاوہ دُنیا کے باقی تمام بادشاہوں سے اپنی نفرت کا اعلان کیا۔[10]

اس امر کی مختلف وضاحتیں کی گئی ہیں کہ ملارتک نے فرمانِ عام کیوں جاری کیا تھا اور علانیہ مذاکرات کیوں کیے تھے۔ حل کا یہ خیال قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ملارتک اور ٹیپو کی شیخی بازی کے رُجحان کا نتیجہ تھا۔[11] تشہیر کے خطرات کے علم ہی کی بنا پر ٹیپو نے ایلچیوں کو انتہائی رازداری برتنے کا حکم دیا تھا۔ مذاکرات کو صیغۂ راز میں رکھنا خود فرانسیسیوں کے مفاد میں بھی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں تشت از بام کرنا کسی بھی فریق کے حق میں نہیں تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیئرمین ہُوزن کویٹ کا گمان تھا کہ فرمان جاری کرنے میں فرانسیسیوں کی چال یہ تھی کہ وہ انگریزوں کو ٹیپو سے برسرِ جنگ کرنا چاہتے تھے۔[12] لیکن ملارتک جون 1792 سے جزیرۂ فرانس اور باربون کا گورنر جنرل رہا تھا، اس کے تجربے، اس کی اہمیت اور اس کے جذبۂ حب الوطنی[13] کے پیش نظر اس سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی" جس کا نتیجہ ٹیپو کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا، اور جس سے فرانس کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔[14]

یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ملارتک نے فرمان اس لیے جاری کیا تھا کہ بعض ایسے مضطرب عناصر سے وہ چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا جن کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ لوگ غلاموں کو آزاد کیے جانے کے منصوبے کے حق میں تھے۔[15] ممکن ہے کہ اس میں کچھ حقیقت ہو، لیکن ملارتک کے اس طرزِ عمل کی پُشت پر ٹیپو کی مدد کرنے کی خواہش کا جذبہ کارفرما معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے پاس اتنی بھی سپاہ نہ تھی کہ جزیرے ہی کے دفاع کے لیے کافی ہوتی، اس لیے، بلا نتائج پر غور کیے ہوئے، اس نے شہریوں سے اپیل کی کہ وہ سُلطان کی مُلازمت میں داخل ہوں۔

یہ فرمان کلکتہ کے اخباروں میں 8 جون 1798 کو پہلے پہل جب شائع ہوا تو ولزلی نے اگرچہ اس کی صحت کو مُشتبہ سمجھا،[16] تاہم اُسے اس خبر سے "اتنی تشویش" ہوئی کہ ساحلِ کورومنڈل کے کمانڈر انچیف کو اس کی نقل بھیجتے ہوئے اس نے ہدایت کی کہ "فوج کو یکجا کرنے کے ذرائع پر وہ بلا تاخیر غور کرے، کیونکہ ممکن ہے کہ بد قسمتی سے اس کی ضرورت ہی پڑ جائے۔"[17] راس امید کے گورنر میکارٹنی کا مراسلہ[18] موصول ہونے کے بعد، جس میں فرمان کی اشاعت کی تصدیق کی گئی تھی، ولزلی نے 26 جون کو قطعی احکام جاری کیے کہ مالابار اور کورومنڈل کے ساحلوں پر فوراً فوج مجتمع کی جائے اور سرنگاپٹم پر مارچ کرنے کے لیے وہ تیار رہے۔[19] اسی طرح کا مراسلہ بمبئی کے گورنر ڈنکن کو بھی بھیجا گیا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہیرس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے وہ اپنی فوج کو مالابار کے ساحل پر تیار رکھے۔[20] لیکن آرتھر ولزلی اس فرمان کو وجہ جوازِ جنگ بنانے کے خلاف تھا۔ اس کی تجویز تھی کہ

"فرمان سلطان کو بھیجا جائے اور اس سے اس فرمان کی نیز فوجوں کے ساحل پر اُترنے کی وضاحت طلب کی جائے"[21]
بیری کلوز اور ہیرس کی رائے یہ بھی تھی کہ ٹیپو "اگر باعزت طریقے پر اس کی تلافی کرنے پر مائل ہو، تو اسے اس کا موقع دینا چاہیے"[22] ان سب کے مشورے کو ولزلی نے نظر انداز کیا۔ اس نے ٹیپو سے استفسار کرنے سے اس لیے انکار کر دیا تھا، کیونکہ وہ ایک ایسے وقت میں ٹیپو پر اچانک حملہ کرنا چاہتا تھا، جب وہ "کمزوری، نااُمیدی اور مایوسی کے دَور سے" گزر رہا تھا۔[23] اس وقت ولزلی چاہتا تھا کہ ٹیپو کو فرانسیسیوں سے جُدا کر دیا جائے، اس کے دربار میں انگریزی رزیڈنٹ متعین ہو اور میسور کی فوج سے فرانسیسی سپاہ کا اخراج عمل میں آئے۔[24] لیکن اس کا یہ منصوبہ عملی شکل اس لیے اختیار نہ کر سکا کہ مدراس کی حکومت نے اسے مطلع کیا کہ مدراس کی فوج، جارحانہ اقدام تو کجا، "بہ مشکل دفاعی اقدام کر سکے گی"۔ اس کے پاس جانوروں کی اور سامانِ جنگ کی کمی تھی اور بنگال سے کمک آنے سے پہلے وہ ہِل بھی نہیں سکتی تھی۔[25] اس طرح سے کمپنی کی فوجوں کی عدم تیاری کی وجہ سے ولزلی کو میسور کے حملے کو مُلتوی کرنا پڑا۔ لیکن اس نے کہا کہ اس فیصلے سے جو "دُکھ اور افسوس" اسے ہوا ہے، ناقابلِ بیان ہے۔[26]

چنانچہ اگلے چند مہینے ولزلی نے جنگ کی تیاری میں گزارے۔ دریں اثنا اس نے اپنی توجہ حیدرآباد کی اس فرانسیسی کور کی طرف مبذول کی جو چودہ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھی۔ اس سپاہ کی تربیت اور آراستگی فرانکوئس ریمنڈ (مُتوفی 25 مارچ 1798) نے کی تھی۔ اس سپاہ کے فرانسیسی افسروں کی "جیکوبنزم کے انتہائی زہر آگیں اصولوں" سے وابستگی کے پیش نظر ولزلی نے سوچا کہ ٹیپو سے جنگ میں یہ سپاہ کسی وقت بھی باعثِ تشویش بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے نظام سے مطالبہ کیا کہ اس جمعیت کو برطرف کر کے ان کی جگہ پر انگریزی فوج رکھے۔ نظام نے یہ تجویز خوشی سے قبول کر لی اور 22 اکتوبر 1798 کو امدادی فوج کے معاہدے پر دستخط ہو گئے، جس کی رُو سے نظام کو چھ ہزار انگریزی سپاہ اور اسی مناسبت سے یورپی توپ خانہ رکھنا تھا اور 14,17,100 روپے سالانہ اس کے معاوضے میں ادا کرنا تھا۔ اس معاہدے کے بعد نظام کی حیثیت ایک باج گزار کی سی ہو گئی۔

کرنل رابرٹس نے فرانسیسی سپاہ کی برطرفی کا کام، بلا کسی دُشواری کے، انجام دیا۔ 124 فرانسیسی افسروں کو قیدی بنا کر کلکتہ لے جایا گیا اور وہاں سے وہ یورپ بھیج دیے گئے۔ بیشتر فرانسیسی سپاہیوں نے کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس معاہدے کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ ٹیپو سے جو جنگ ہونے والی تھی اس میں نظام کی حمایت قطعی ہو گئی۔[27]

ولزلی نے مرہٹوں سے بھی کمپنی کے ساتھ اسی طرح کا معاہدہ کر لینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن پیشوا نے معاہدے سے گریز کرتے ہوئے یقین دلایا کہ موجودہ معاہدے کی دفعات پر وہ ایمانداری سے عمل درآمد کرے گا اور ٹیپو سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں کمپنی کی مدد کرنے کا بھی اس نے وعدہ کیا۔[28] چنانچہ ولزلی نے ٹیپو کے خلاف جب

اعلانِ جنگ کیا تو 1790 کے اتحادِ ثلاثہ کی بنیاد پر اس نے جب مرہٹوں سے امداد طلب کی تو پونا کی حکومت نے پامر کو، جو پونا میں کمپنی کا ایجنٹ تھا، یقین دلایا کہ پچیس ہزار فوج انگریزوں کو فراہم کی جائے گی۔ اس فوج کے لیے بھرتی کا کام مادھورام راچندر کے سپرد کیا گیا[29] لیکن جب اس میں پیش رفت نہ ہو سکی تو نانا نے پرشورام باہو کو پونا آنے کی اور فوج کی کمان سنبھالنے کی دعوت دی۔ اس سے یہ بھی کہا گیا کہ چودہ لاکھ روپے جرمانے کی رقم اس سے وصول نہ کی جائے گی اگر اس رقم کو وہ ٹیپو کے خلاف مہموں میں صرف کر دے[30] لیکن وہ متامل تھا، کیونکہ راجا کولھاپو کے مقابلے میں وہ خود اپنے علاقے کی دفاع میں لگا ہوا تھا۔ اب نانا نے باہو کے بیٹے اپا صاحب کو بلا کر کمان سنبھالنے کے لیے کہا[31] لیکن جب اس نے بھی انکار کیا تو باہو خود ٹیپو کے خلاف آگے بڑھنے پر رضا مند ہو گیا۔ اس کے معاوضے میں ولزلی نے اسے ایک بڑی سی رقم اور ریاست میسور میں جاگیر دینے کا وعدہ کیا[32] باہو کے ساتھ شامل ہونے کے لیے گورنر جنرل نے اسی طرح کا ایک انگریزی دستہ بھی تیار کرایا، جیسا کہ سابقہ کیپٹن لیٹل کی ماتحتی میں تھا۔ مگر انگریزوں کی مدد کرنے کی نانا کی کوششوں کو باجی راؤ نے ناکام بنا دیا، جو دولت راؤ سندھیا کے زیرِ اثر ٹیپو کا حلیف بننا چاہتا تھا[33] اس شبہ کی بنا پر کہ سندھیا ٹیپو سے خفیہ نامہ و پیام رکھتا ہے، ولزلی نے اسے دھمکی دی کہ بمبئی کی فوج کے آگے بڑھنے کی راہ میں اس نے رکاوٹیں پیدا کیں یا ٹیپو سے وہ مل گیا تو شمال میں اس کی ریاست پر حملہ کیا جائے گا[34]

ولزلی نے ٹرانکیوبار کی طرف بھی توجہ دی جو ساحل کورومنڈل پر ڈنمارک کا مقبوضہ تھا اور برطانیہ دشمن پروپیگنڈے کا ایک مرکز بن گیا تھا، کیونکہ اگست 1793 میں پانڈیچری پر انگریزی قبضے کے بعد وہاں بہت سے فرانسیسیوں نے پناہ لی تھی۔ ان فرانسیسیوں کو چیف جسٹس پراہل کی اور رچ ٹنسٹین کی حمایت حاصل تھی، جو کونسل میں دوسرے نمبر پر تھا۔ شہر کی حکومت کا افسرِ اعلا جنرل اینکر اگرچہ برطانیہ دوست تھا، تاہم ڈنمارک کی حکومت نے اسے ہدایت کی تھی کہ فرانسیسیوں کے ساتھ وہ نرمی و رواداری کا برتاؤ کرے، خواہ انگریزوں کی ناراضگی کا خطرہ ہی اسے کیوں نہ مول لینا پڑے[35]

ٹرانکیوبار کے ایک فرانسیسی، پگنوٹ، نے 22 جولائی 1798 کو کرناٹک میں انگریزی فوجوں کی تفصیل سے ٹیپو کو مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ ایک چھوٹی سی فوج تیار کرنے کے لیے اسے رقم فراہم کی جائے، تاکہ انگریزوں کے ساتھ اگر اس کی جنگ ہو جائے تو انگریزوں کا رخ دوسری طرف موڑا جا سکے[36] اس نے ٹیپو کو یہ اطلاع بھی دی کہ نپولین کی فوج اس کے ایک جنرل کے تحت ایران پہنچ چکی ہے اور وہ خود آئرلینڈ پر قبضہ کر چکا ہے اور اب انگلستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے[37]۔ ایک اور فرانسیسی دیوک بہت سرگرم تھا، جو اس سفارت کا بھی ایک رکن رہا تھا جسے سلطان فرانس بھیجنا چاہتا تھا۔ اس نے سلطان کو خبر دی کہ فرانس نے بیس ہزار سپاہ

سے مصر کو فتح کر لیا ہے اور اب خشکی کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے[38] اس نے سلطان کو یقین دلایا کہ فرانسیسی اسے دغا نہیں دیں گے" بلکہ انگریزوں کو نکال باہر کریں گے اور تاریخ میں اس کا نام زریں حروف میں لکھا جائے گا[39] ڈبوک اس کمیٹی کا بھی ممبر تھا جو ٹرانکیو بار میں ٹیپو کے وکیلوں کی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتی تھی اور پانڈیچری میں ٹیپو کے مہاجن وہائٹ اینڈ مرسیر سے رقم وصول کرتا تھا۔ اس کمپنی کے دوسرے ممبر لچ ٹنسٹین اور پوآئل ورٹ بھی تھے[40]

ولزلی کو فرانسیسیوں کی ریشہ دوانیوں کی خبریں اپنے جاسوسوں سے اور فرانسیسیوں کے ان خطوط سے ملیں جو انگریزوں نے پکڑے تھے۔ چنانچہ اس نے جنرل اینکر سے احتجاج کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ انگریز مخالفوں کا ٹرانکیو بار سے اخراج کر دیا جائے[41] ولزلی کے احتجاجوں کی وجہ سے فوجی تحقیقات کی گئی۔ پگنولٹ اور اس کے کچھ دوسرے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈبوک کو اور اس کے ساتھ پوآئل ورٹ نیز دوسرے فرانسیسیوں کو خارج البلد کر دیا گیا اور لچ ٹنسٹین کو یورپ چلا گیا[42] مگر ٹیپو کے وکیل کو، ڈنمارک کی حکومت کی ہدایت کی وجہ سے رہنے دیا گیا۔ لیکن ولزلی کو یقین دلایا گیا کہ انگریز مخالف سرگرمیاں جاری رکھنے کی اسے اجازت نہیں دی جائے گی[43]

ولزلی ایک طرف فوجی اور سفارتی تیاریوں میں مصروف تھا، دوسری طرف ٹیپو کے ساتھ دوستی کا اظہار کر کے اُسے فریب میں بھی مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ فرمان کی اطلاع اگرچہ اسے اوائل جون ہی میں مل گئی تھی تاہم تقریباً سات مہینے تک اس کے بارے میں ٹیپو سے اس نے کوئی باز پرس نہیں کی، کیونکہ اس وقت تک اپنی تیاریاں وہ مکمل نہیں کر سکا تھا، جن کے بل پر " ہر اختلافی نکتے کو ایک مسئلہ بنا کر پیش کر سکے"[44] فرمان کی اطلاع ملنے کے ایک ہفتہ بعد، 14 / جون کو اس نے ضلع ویاندپرا پنے مُطالبات کے بارے میں سلطان کو لکھا اور تجویز پیش کی کہ " بر وقت اور معتدل گفت و شنید" کے ذریعے اس نزاع کو طے کر لینا چاہیے کیونکہ یہی " انتہائی دوستانہ اور معقول طریق کار ہے، جس سے مفاد پرستوں اور عیاروں کے خیالات خاک میں مل سکتے ہیں، جو حسد کی آگ کو بھڑکا کر امن کی برکتیں درہم برہم کرنے کے خواہاں ہو سکتے ہیں"[45] اگست کی 7 تاریخ ولزلی نے ٹیپو کو پھر لکھا اور اسے اطلاع دی کہ ویاند پر ٹیپو کے دعوے کو وہ تسلیم کرتا ہے کیونکہ 1792 کے معاہدۂ سرنگاپٹم میں یہ کمپنی کو نہیں دیا گیا ہے[46] لیکن ان میں سے کسی مراسلے میں بھی فرمان کا ذکر نہیں تھا۔ 4 / نومبر کو ولزلی نے ٹیپو کو پھر لکھا اور مصر پر نپولین کے حملے کی اور جنگ نیل میں فرانسیسیوں پر انگریزوں کی کامیابی کی اطلاع دی[47] لیکن اس مراسلے میں بھی اس نے فرمان کے بارے میں دریافت کرنا ضروری نہ سمجھا۔

ولزلی کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ اس کی فوج میدانِ جنگ میں اُترنے کے لیے تیار ہے تو 8 / نومبر کو اس

نے سلطان کو لکھا کہ "یہ تصور کرنا تو آپ کے لیے ناممکن ہے کہ اس نامہ و پیام سے میں لاعلم ہوں جو آپ کے اور فرانس کے درمیان ہوتا رہا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ فرانس انگریزی کمپنی کا بدترین دشمن اور انگریزی قوم کے ساتھ ایک غیر منصفانہ جنگ میں مصروف ہے۔ آپ یہ بھی نہ سمجھتے ہوں گے کہ اُن کارروائیوں سے میں بے خبر ہوں جو کمپنی کے دشمنوں کے ساتھ آپ کرتے رہے ہیں۔"[48] شکوک و شبہات کے ازالے اور امن و مفاہمت کی استواری کے لیے ولزلی نے میجر ڈوٹن کو سرنگاپٹم بھیجنا تجویز کیا۔[49] اسی میجر ڈوٹن نے 1794 میں یرغلی شہزادوں کو واپس پہنچایا تھا۔ ولزلی نے ٹیپو کو مزید مطلع کیا کہ "اپنے عہدے کی بدولت اس حقیقت سے میں واقف ہوں کہ وہ (فرانسیسی) آپ کے مشیروں کی فراست کو مسخ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے خلاف آمادۂ جنگ کرتے ہیں جنھوں نے آپ کو اشتعال دینے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔"[50]

اس مراسلے میں ولزلی نے پہلی بار ٹیپو کے ساتھ غلط فہمیوں کے ازالے کی خواہش کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس میں بھی ٹیپو پر کوئی واضح الزام عائد نہیں کیا تھا۔ اس میں اس نے نہ تو ملارتک کے فرمان ہی کا ذکر کیا جو اس نے ٹیپو کے سفیروں کے پہنچنے کے بعد شائع کیا تھا اور نہ اس جارحانہ و دفاعی معاہدے ہی کا تذکرہ کیا جو، ولزلی کے خیال میں، ٹیپو کے سفیروں نے فرانسیسیوں کے ساتھ اپنے آقا کی طرف سے کیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس نے ان 'کارروائیوں' کا اسے مُرتکب گردانا تھا، جو فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر اس نے کی تھیں، لیکن انگریزوں کے خلاف کارروائیوں کی واضح نوعیت اس نے بیان نہیں کی تھی۔ جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ فرانسیسی ٹیپو کے ساتھ سازش کر رہے تھے اور اسے انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے پر اُکسا رہے تھے، تو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فرانسیسی دوسرے ہندوستانی فرمانرواؤں کے درباروں میں بھی یہی کر رہے تھے۔

ٹیپو نے اس کا جو جواب ولزلی کو دیا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ انگریزوں کی فوجی کارروائیاں اس وقت تک مُلتوی رہیں جب تک کہ موسم اس درجہ خراب نہ ہو جائے کہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کرنا ممکن ہی نہ رہے۔[51] اس کی مملکت میں فرانسیسیوں کی آمد کا جہاں تک تعلق ہے، اس نے لکھا کہ "اس سرکار میں ایک کاروباری طبقہ رہتا ہے جو بری و بحری راستوں سے تجارت کرتا ہے۔ ان کے کارندوں نے دو مستول والی ایک کشتی خریدی اور اس پر مال لاد کر روانہ ہوئے۔ ہوا یہ کہ جب یہ کشتی ماریشس پہنچی تو چالیس افراد کرایہ ادا کر کے اس پر سوار ہوئے۔ ان میں فرانسیسی تھے اور کچھ کالے رنگ کے لوگ، ان میں دس بارہ اہل حرفہ تھے اور باقی ملازمت پیشہ۔ یہ سب روزگار کے متلاشی تھے۔ جن لوگوں نے یہاں ملازمت کرنا پسند کیا انھیں رکھ لیا گیا اور باقی اس سرکار کی سرحد سے باہر چلے گئے۔ ٹیپو نے "معاہدۂ صلح کی دفعات کی پابندی کے عزم کا نیز کمپنی، پیشوا اور نظام سے اتحاد و دوستی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی" خواہش کا بھی اعادہ کیا تھا۔ لیکن میجر ڈوٹن کو بھیجنے

کی ولزلی کی تجویز کے بارے میں اس نے لکھا کہ متعلقہ حکومتوں کے مابین امن قائم رکھنے کے لیے اور دوستی کو فروغ دینے کے لیے موجودہ معاہدے کی دفعات کافی ہیں، اور اس کام کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا ہے۔[52] سے معلوم تھا کہ ڈوٹن جو منصوبہ پیش کرے گا وہ کم و بیش اسی معاہدے کی طرح کا ہوگا جو حال ہی میں کمپنی نے نظام کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن نظام، نواب ارکاٹ اور نواب اودھ کی طرح وہ انگریزوں کا حلقہ بگوش بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

لیکن اس خط کے موصول ہونے سے پہلے ہی ولزلی نے مدراس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ میسور پر حملہ کرنے کے احکام جاری کر سکے۔ ٹیپو کا مراسلہ مورخہ 8 / دسمبر اسے مدراس میں ملا۔ اس کا جواب اس نے 9 / جنوری ۱۷۹۹ کو دیا۔ اس میں فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے سلطان پر یہ الزام عائد کیا کہ اس نے اپنے سفیر جزیرۂ فرانس بھیجے، فرانسیسیوں کے ساتھ جارحانہ و دفاعی معاہدہ کیا، جو سپاہی جزیرے میں بھرتی کیے گئے تھے انھیں اپنی مملکت میں اُترنے دیا اور اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ اس کے ساتھ ولزلی نے فرمان کا فارسی ترجمہ بھی منسلک کیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اس کے موصول ہونے کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اگر جواب موصول نہ ہوا، تو اس کے "خطرناک نتائج" برآمد ہوں گے۔[53] اس کے ایک ہفتہ بعد ولزلی نے سلطان سلیم ثالث کا ایک خط بھی ٹیپو کو بھیجا جو اسی کے نام تھا۔ اس خط میں خلیفہ نے مصر پر فرانسیسیوں کے حملے کا، عربستان کو فتح کر کے وہاں متعدد جمہوریتیں قائم کرنے کے ارادے کا اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے ان کے عزم کا ذکر کیا تھا۔ اسی خط میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ فرانسیسی ہندوستان کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو ان کے مذہب اور جان و مال سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس نے ٹیپو کو مشورہ دیا تھا کہ انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ دامن کشاں رہے، اور یہ پیش کش بھی کی تھی کہ انگریزوں سے اگر اسے شکایتیں ہوں تو قابل اطمینان طور پر وہ ان کا تصفیہ کرا سکتا ہے۔[54] اس خط کے ساتھ ولزلی نے اپنا ایک تشریحی مراسلہ بھی منسلک کیا تھا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ فرانسیسی قوم " اپنے لاانتہا عزائم کی تکمیل کے لیے، حریصانہ غارتگری کے لیے اور مذہب کی اندھا دھند بے حرمتی کے لیے دُنیا کی تمام بادشاہتوں کو، شہری نظم و نسق کو اور تمام مذہبی مسلکوں کو اپنی بازی گاہ سمجھتی ہے۔"[55]

اس کے جواب میں ٹیپو نے ولزلی کو لکھا کہ وہ میجر ڈوٹن کو باریاب کرنے کے لیے تیار ہے، لیکن وہ تنہا آئے، یا اس کے ساتھ بہت کم لوگ آئیں۔[56] حقیقتاً ٹیپو نے میجر کے استقبال کے لیے پاس سوار بھیجے اور "اعلان کیا کہ وہ تمام شرائط کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے، اگر اس کی خود مختار فرمانروا کی حیثیت برقرار رہے۔"[57] ٹیپو نے سلطان سلیم کے خط کا بھی جواب دیا۔ اس کے ساتھ اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ

فرانسیسی چونکہ خلیفۃ المسلمین کے دشمن ہیں اس لیے دنیا کے تمام مسلمانوں کو ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔[58]

لیکن ان خطوط کے موصول ہونے سے پہلے ہی ولزلی نے 3 فروری کو جنرل ہیرس کو حکم دیا کہ ٹیپو کے ساتھ مذاکرات ختم کر کے وہ میسور پر حملہ کرے اور جلد سے جلد سرنگاپٹم کے محاصرے کے لیے آگے بڑھے۔[59] اسی دن جنرل اسٹورٹ کو مالابار یہ حکم بھیجا گیا کہ ہیرس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے وہ تیار رہے۔ اس کے نتیجے میں ولزلی نے ڈوٹن کو باریاب کرنے کی ٹیپو کی پیش کش کو مسترد کر دیا اور لکھا کہ آئندہ وہ ہیرس سے مصالحت کی گفت وشنید کرے۔[60] دوسری طرف ہیرس کو اس نے ہدایت کی کہ ٹیپو سے وہ اس وقت تک گفت وشنید نہ کرے جب تک کہ ٹیپو کو اس کا احساس نہ ہو جائے کہ اس کی راجدھانی خطرے میں ہے۔[61]

میسور پر حملہ ایک کھلا ہوا جارحانہ اقدام تھا، کیونکہ ٹیپو نے فرانسیسیوں سے کوئی بھی جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو ایک خود مختار حکمراں ہونے کی حیثیت سے وہ حق بجانب ہوتا اور اسے ولزلی کو وجہ جواز جنگ بنانے کا نہ تو اخلاقی حق ہوتا اور نہ قانونی۔

ولزلی کو فرمان کی اطلاع اوائل جون میں مل گئی تھی، لیکن سات مہینوں تک اس نے ٹیپو سے کوئی جواب طلبی نہیں کی۔ بلکہ جنگی تیاریوں میں مصروف رہا اور اپنی ان کارروائیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے ویاند سلطان کے حوالے کر دیا اور اسے دوستانہ خطوط لکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں تو اس نے ٹیپو پر یہ الزام لگایا کہ فرانسیسیوں سے مل کر وہ ہندوستان میں انگریزوں کو تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ پھر صفائی پیش کرنے کے لیے اس نے ٹیپو کو صرف چوبیس گھنٹے کا وقت دیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اعلان جنگ کر دیا۔ سلطان کے خط اور اس کے صلح صفائی کرانے کی پیش کش کے بارے میں ٹیپو کا ردّ عمل معلوم کرنے کا بھی اس نے انتظار نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹیپو کے ساتھ ولزلی کی مراسلت انتہائی ریاکارانہ تھی۔ اس کے سوانح نگار رابرٹس نے بھی تسلیم کیا کہ مذاکرات "زیادہ نیک نیتی پر مبنی معلوم نہیں ہوتے" اور ٹیپو کو "بازگشت کا یا تلافی کا بہت کم موقع دیا گیا، اور اس خوفزدہ شکار نے جو پراگندہ اور گھبرائے ہوئے خطوط لکھے تھے انھیں خطرناک اور ذلت آمیز قرار دے کر گورنر جنرل نے بے رحمانہ و مغرورانہ دھاوا بول دیا۔"[62]

ولزلی کی حمایت میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ٹیپو پر اس لیے حملہ کر دیا تھا کہ اسے خطرہ تھا کہ فرانسیسی ہندوستان پر حملہ کرنے والے ہیں اور اس حالت میں ٹیپو ان کے ساتھ مل جائے گا۔ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اسے نظام اور مرہٹوں پر بھی حملہ کرنا چاہیے تھا، کیونکہ ان کی دوستی پر بھی زیادہ بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا اور فرانسیسی حملے کے بعد یہ لوگ بھی فرانس سے مل جاتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان پر فرانس کے حملے کا کبھی بھی سنگین امکان نہیں

تھا۔ اس سے بہت پہلے 7 جولائی 1797 کو سر جان شور نے مدراس کی حکومت کو لکھا تھا کہ ہندوستان کے برطانوی مقبوضات پر فرانس یا اس کے جزائر کے فوری حملے کا اندیشہ کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی[63] خود ولزلی نے لکھا تھا کہ "مجھے یقین ہے کہ ٹیپو اس وقت تک پیش قدمی کرنے کی ہمت نہ کرے گا، جب تک کہ اسے فرانس سے اس سے زیادہ موثر امداد نہ ملے، جو اب تک ملی ہے۔ اسی درجہ مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ ہماری انگلستان کی حکومت کی چوکسی اور ہمارے بیڑے دنیا کے اس خطے تک فرانس کے پہنچنے کی راہیں ہر ممکن طریقے پر روک دیں گے"[64] اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہندوستان میں ولزلی کے ورود کے وقت فرانس کے حملے کا کوئی خطرہ تھا بھی، تو وہ اب ٹل چکا تھا۔ آخر اکتوبر 1798 میں ولزلی کو یہ خبر مل چکی تھی کہ جنگ نیل میں نلسن نے فرانسیسی بیڑے کو تباہ کر دیا ہے۔ ولزلی کے لیے یہ ایک خوش آئند خبر تھی اور اس نے سر ہیو کرسچین کو لکھا تھا کہ بحیرۂ روم میں فرانسیسی بیڑے کی شکست کے نتیجے میں، بحیرۂ احمر کے دروازے پر ہمارا اقتدار محفوظ ہو گیا ہے اور اب فرانس کے لیے اپنی فوج کے کسی بھی حصے کو ہندوستان بھیجنا ناممکن ہو گا[65] اس میں شک نہیں کہ نپولین اب بھی مصر میں تھا، مگر بغیر کسی بیڑے کے ہندوستان پر حملہ کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور خشکی کے راستے سے ہندوستان تک اس کے پہنچنے کا دور دور تک کوئی سوال نہیں تھا۔ مل کا خیال تھا کہ "اس آنکھ کے علاوہ جس پر جہالت یا ہوائے نفس کا پردہ پڑا ہو، اور جسے ہر چیز مہیب انداز میں بڑی نظر آتی ہو" اور کسی کو بھی ہندوستان پر فرانسیسی حملے کا امکان "عظیم نظر نہیں آ سکتا تھا"[66] لیکن ولزلی نے ہندوستان میں علاقائی توسیع کے منصوبے کو عمل میں لانے کے جواز کے لیے فرانسیسی ہوا کھڑا کر دیا تھا۔

بہر کیف ہندوستان پر اگر فرانسیسی حملے کا امکان نہیں تھا، تو ٹیپو کو فرانسیسی امداد پہنچنا بھی اسی درجہ محال تھا۔ اول تو ٹیپو کو تقویت پہنچانے کے لیے فرانسیسی کوئی بڑی فوج بھیج ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ ہندوستانی سمندر کا اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں تھا[67] دوسرے یہ کہ فرانسیسی اس قابل تھے بھی نہیں کہ وہ ٹیپو کو کسی قسم کی مدد دیں۔ 6 جولائی 1798 کو جولیز وب نے لکھا تھا کہ "جزائر سے جو خبریں تاخیر سے موصول ہوئی ہیں، ان سے ہمیں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ فوجیں فرانس واپس بھیجی جا چکی ہیں اور بحریہ کو منتشر کیا جا چکا ہے۔ مجھے اطمینان ہے کہ اب (ٹیپو اور فرانسیسیوں کے مابین) کسی فوری تعاون کا امکان باقی نہیں رہا ہے۔ اس لیے کسی تصادم کا بھی اندیشہ نہیں کیا جا سکتا ہے، تا آنکہ ہم خود اشتعال انگیزی نہ کریں"[68] خود ولزلی نے بھی 12 اگست 1798 کو لکھا کہ "میں نہیں سمجھتا ہوں کہ سلطان کو کوئی قابل ذکر امداد جزیرۂ فرانس سے مل سکے گی، تا آنکہ وہاں کوئی نیا انقلاب رونما ہو"[69] ان حالات میں مٹھی بھر فرانسیسی جو ٹیپو کی ملازمت میں تھے، اور جزیرۂ فرانس سے آنے والی حقیر سی سپاہ، جس میں سو سے بھی کم افراد تھے، ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کے لیے خطرہ نہیں بن

سکتے تھے۔ حقیقتاً ولزلی نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ جو امداد ٹیپو کو جزائرِ فرانس سے ملی ہے، اسے نہ تو اس نظر سے دیکھا جاسکتا ہے کہ اس سے ہمارے مقابلے میں ٹیپو کا پلہ بھاری ہوگیا ہے، اور نہ اسی کا امکان نظر آتا ہے کہ کچھ عرصے تک اسے کوئی معقول کمک ہی مل سکے گی۔[70]

اب سوال یہ ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر ٹیپو انگریزوں پر کیونکر حملہ کرسکتا تھا۔ اگرچہ ولزلی نے ابتداءً بیان کیا تھا کہ ٹیپو کی جنگی تیاریاں تکمیل کی منزل میں ہیں[71] تاہم بعد میں اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ تیسری اینگلو میسور جنگ میں اس کی فوج کو تعداد اور ڈسپلن دونوں اعتبار سے نقصان پہنچا ہے۔[72] ہیرس کے بیان کے مطابق "سرحدی محافظ فوج کے افسروں کی ٹیپو کے سپاہیوں کی نقل و حرکت کے بارے میں خاموشی اور سیلم سے آنے والی مسلسل خبر، جس کی تردید کسی ذریعے سے نہیں ہوئی ہے مجھے اس خیال پر راغب کرتی ہے کہ ٹیپو جنگ کی بات نہیں سوچ رہا ہے۔[73] جوسیزوب کا بھی یہی خیال تھا کہ سلطان کی "حقیقی طاقت میں اضافہ" نہیں ہوا ہے۔[74] منرو جو ٹیپو کا سخت دشمن اور اس کے زوال کا متمنی تھا، اس کی رائے تھی کہ "یہ عجیب و غریب حقیقت ہے کہ .... معلوم یہ ہوتا ہے کہ ٹیپو نے جنگ کی غیر معمولی تیاریاں نہیں کی ہیں۔ حقیقتاً اس کی فوج میں نظم وضبط ہے اور بہ اعتبار تعداد پہلے سے زیادہ ہے، تاہم جنرل ہیرس جب سرحد کی طرف سے گزرا تو ٹیپو کی فوج، چند ماہ پہلے کے مقابلے میں، نہ تو مضبوط تر تھی اور نہ بہتر حالت میں۔[75]

زمان شاہ کے خطرے کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا وجود بھی مشکل ہی سے باور کیا جاسکتا ہے۔ سرجان شور اس بنا پر اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا کہ "بیس سال تک حملے کی دھمکی دیتے رہنے کے بعد وہ صرف لاہور ہی پر قبضہ کرسکا ہے، اور پھر اس کی عاجلانہ پسپائی سے نہ تو اس کا وقار بڑھا ہے اور نہ اُسے کوئی فائدہ ہی ہوا۔" شور کو یقین تھا کہ زمان شاہ ہندوستان پر حملہ نہ کرے گا۔ اگر اس نے کیا بھی تو اسے کامیابی نصیب نہ ہوگی، کیونکہ سکھ اور مرہٹے اس کا مقابلہ کریں گے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اس کے رسل و رسائل کا سلسلہ بہت وسیع ہوجائے گا۔[76] لیکن ولزلی کا خیال تھا شمال مغرب سے پیدا ہونے والا خطرہ اتنا غیر حقیقی نہیں ہے، جتنا کہ شور نے سمجھا تھا۔ اس کے علاوہ زمان شاہ اور ٹیپو کے مابین اتحاد کے تمام امکانات موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میسور پر اپنے حملے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وہ زمان شاہ کے خطرے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ 1798 کے اواخر میں زمان شاہ لاہور تک پہنچ گیا تھا، لیکن 1799 کے اوائل میں وہ افغانستان واپس چلا گیا۔[77] اس اعتبار سے شمال مغرب سے پیدا ہونے والا خطرہ اس وقت ختم ہوچکا تھا، جب ولزلی نے ٹیپو کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ ولزلی کو بھی اس کا پورا پورا علم تھا۔ وہ اس سے بھی باخبر تھا کہ اسکندریہ کے قریب فرانسیسی بیڑے کی شکست اور ترکوں اور عربوں کے ہاتھوں فرانسیسی فوجوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا ہوجانے سے ٹیپو کو ان

سے کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ فرانسیسی اگر سمندری راستے سے کچھ مدد بھیجنا بھی چاہتے تو "موسم انھیں ہندوستان پر اثر انداز ہونے کی کئی مہینوں تک اجازت نہ دیتا"۔[78] ان باتوں کے باوجود ولزلی نے جنگ اس لیے چھیڑ دی تھی کہ ایک عملی سیاستداں کی طرح اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہی بہترین موقع ہے کہ ٹیپو کے بے یار و مددگار ہونے سے فائدہ اُٹھا کر اس کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔

دوسری طرف ٹیپو نے عدم دُور اندیشی کا اور عدم سیاسی ادراک کا ثبوت دیا۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے فرانسیسیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کا اسے پورا پورا حق تھا۔ لیکن گزشتہ تجربات سے یہ بات اسے معلوم ہو جانی چاہیے تھی کہ فرانسیسی قسمت آزماؤں کے بیانات اور ان کے وعدوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان پر اس نے بھروسہ کیا، اور بلا یہ معلوم کیے ہوئے کہ فرانس یا اس کی نو آبادیاں اسے کوئی مدد دے بھی سکتی ہیں یا نہیں، فرانس سے امداد حاصل کرنے کے لیے اس نے سفارتیں بھیجیں۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولزلی کے ہاتھوں میں وہ کھیل گیا، اور اعلانِ جنگ کے جواز کے وہ اسباب اسے فراہم کر دیے، جن کا وہ متلاشی تھا۔

ولزلی جب فوجی و سفارتی تیاریوں میں مصروف تھا، تو ٹیپو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فرانسیسی دستے نے سرنگاپٹم پہنچنے کے بعد فرانس کا ایک سفارت بھیجنے پر ٹیپو کو آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے عبدالرحیم اور محمد بسم اللہ کو پیرس جانے کے لیے متعین کیا۔ محمد مُراد اور شیخ امام سفارت کے سکریٹری مقرر کیے گئے۔ دبوک اور اس کے اے۔ ڈی۔ سی۔ میجر فلیٹی کو بھی ان کے ہمراہ جانا تھا۔[79] دبوک کو اخراجاتِ سفر کے لیے بیس ہزار پگوڈا نقد اور اتنی ہی رقم کی ہنڈی دی گئی۔ سفیروں کو فرانس تک لے جانے کے لیے ٹرانکیوبار کے مقام پر دبوک کو ایک کشتی خریدنی تھی۔[80] ان لوگوں کو فرانس میں ایک جارحانہ و دفاعی معاہدہ کرنا تھا اور بارہ ہزار سپاہ اور فرانسیسی بیڑے کی مدد طلب کرنی تھی۔ سپاہ ٹیپو کے زیرِ حکم ہوتی، اسلحہ، گولا بارود اور سامانِ رسد کا انتظام ٹیپو کے ذمّے ہوتا۔[81]

ایک انگریزی جنگی جہاز نے چونکہ منگلور کی ناکہ بندی کر رکھی تھی، اس لیے دبوک اواخر مارچ میں بہادر گڑھ سے ایک عرب مستولی کشتی میں روانہ ہوا۔[82] ٹرانکیوبار پہنچنے کے بعد اس نے سلطان کو لکھا کہ کوئی معقول جہاز مل نہیں رہا ہے اور اس کے پاس روپے کی قلّت ہے۔ اس لیے وہ اپنے پانڈیچری کے مہاجن وہائٹ اینڈ مرسیر کو ہدایت کرے کہ چالیس ہزار روپے وہ اسے ادا کرے،[83] تاکہ وہ اپنے بیوی بچّوں کے لیے انتظام کر سکے، جو یہیں رہ جائیں گے۔ لیکن ٹیپو نے جواب دیا کہ اسے کافی رقم دی جا چکی ہے اور یہ "میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کس طرح میں سمجھاؤں کہ تمھارے مشن کو فوری طور پر پورا ہونا چاہیے"۔[84] ٹیپو کے متعدّد خطوط کے بعد بالآخر 7 فروری 1799 کو وہ جزیرۂ فرانس کے لیے اوڈنسو نامی جہاز سے روانہ ہوا، جس پر ڈنمارک کا جھنڈا لہرا رہا

تھا۔ جزیرے پہنچنے کے بعد، اُس رقم سے خود جہاز خریدنے کی جگہ پر جو اسی مقصد سے اسے دی گئی تھی، اس نے فرانسیسی عمال سے جہاز فراہم کرنے کے لیے کہا۔ لیکن انھوں نے انکار کردیا، کیونکہ اوّل تو ٹیپو نے اس کے لیے انھیں لکھا نہیں تھا، دوسرے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جہاز خریدنے کے لیے ڈبوک کو ایک بڑی رقم ملی ہے۔[86] مگر اس کے باوجود ڈبوک نے ان لوگوں سے اٹھارہ ہزار پیاسٹر کی رقم وصول کرہی لی اور سرپرائز نامی جہاز خرید کر اوائل مئی میں روانہ ہوگیا۔ بہت سا وقت مختلف بندرگاہوں پر قیام میں برباد ہوا، اور جب سفیر سچلیز پہنچے تو چھ ہفتوں کے غیرضروری قیام کے بعد اس نے انھیں بتلایا کہ جہاز ناقابل مرمّت حد تک خراب ہوگیا ہے، اس لیے ایک دوسرے جہاز سے وہ سویز جائیں گے اور پھر وہاں سے وہ پوشیدہ طور پر پیرس جائیں گے۔ سفیر ڈبوک پر سخت ناراض ہوئے۔ انھوں نے اسے گالیاں دیں بلکہ زد و کوب پر اُتر آئے۔[87]

دریں اثنا انگریز سرپرائز کو گرفتار کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔ جزیرہ فرانس سے جہاز کی روانگی کے بعد انھوں نے اسے پکڑنے کی ناکام کوشش کی۔[88] لیکن جزیرۂ سچلیز میں کیپٹن الکزنڈر نے جہاز پر قبضہ کرہی لیا۔ ڈبوک تو کسی نہ کسی طرح بھاگ نکلا، لیکن سفیر گرفتار ہوگئے۔ اسی دوران میں سرنگاپٹم کا سقوط ہوچکا تھا اور ٹیپو شہید ہوچکا تھا۔ سفیروں کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے اس خبر کو باور نہیں کیا۔ لیکن بعد میں انھوں نے اسے یقین کرلیا اور جان کی امان کی یقین دہانی اور ایک سال کی تنخواہ کی ادائگی کے وعدے پر، جسے ڈبوک لے کر بھاگ گیا تھا۔ انھوں نے زر و جواہر اور دو کروڑ روپے، جو ڈائرکٹری کے ممبروں کو تحفہ کے طور پر دینے کے لیے وہ اپنے ساتھ لے جارہے تھے، انگریزوں کے حوالے کیے۔[89]

ولزلی کی جنگی تیاریوں سے پریشان ہوکر ٹیپو نے سیّد علی محمد قادری کی قیادت میں ایک سفارت ترکی بھی روانہ کی تھی۔ اس کے دوسرے رکن مُرادالدین اور سکریٹری حسین علی خاں تھے۔ ان لوگوں کو بصرہ پہنچنے کے بعد پتہ چلا کہ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ آگے نہ جاسکیں گے۔ اس کے چند ہی روز کے بعد سرنگاپٹم کے سقوط کی خبر موصول ہوئی۔ بصرہ میں متعین انگریزی ایجنٹ مینسٹی نے متسلّم، عبداللہ آغا، پر زور ڈالا کہ سفیروں کو بمبئی واپس جانے پر وہ راضی کرے اور خطوط و تحائف جو ان کے ساتھ ہیں وہ اس کے حوالے کیے جائیں۔ سفیروں کی واپسی پر تو متسلّم کو کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن خطوط اور تحائف کو اس بنا پر اس کے حوالے کرنے سے انکار کیا کہ وہ عثمانی سلطان کے لیے بھیجے گئے ہیں۔[90] لیکن ان سفیروں نے بھی سقوط سرنگاپٹم اور ٹیپو کے مارے جانے کی خبر کو باور کرنے سے انکار کیا اور قسطنطنیہ جانے کے لیے بغداد کے پاشا کی اجازت کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ وہ کہتے تھے کہ ٹیپو کے مارے جانے کی خبر بھی اگر صحیح ہے تو ان کی سفارتی مُہم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ ٹیپو کی جگہ لینے کے لیے اس کے بیٹے موجود ہیں۔ عبداللہ آغا عجیب کشمکش میں مبتلا تھا ایک طرف محمد قادری

کے دلائل اس کے دل کو لگتے تھے اور دوسری طرف وہ انگریزوں کو ناخوش بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ بغداد سے احکام موصول ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اسی اثنا میں مینسٹی نے سفیروں کو اس وعدے پر بمبئی لوٹنے پر راضی کر لیا کہ کمپنی کے افسران کے ساتھ فیاضانہ سلوک کریں گے۔ متسلّم کو بھی مینسٹی نے سمجھا بجھا لیا، اگرچہ اس کے دوسرے افسروں کی رائے تھی کہ سفیروں کو بغداد جانے کی اجازت دینا چاہیے۔ بہرکیف 28 نومبر 1799 کو کمپنی کے انٹی لوپ نامی جہاز سے سفیر بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔[91]

ٹیپو نے میر عبدالرحمٰن اور میر عین اللہ علی کی قیادت میں ایک سفارت ایران بھی بھیجی تھی، جو 20 مارچ 1798 کو منگلور سے روانہ ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ مرزا کریم بیگ تبریزی بھی تھے، جو سرنگاپٹم میں فتح علی خاں شاہ ایران کے ماموں رابعہ خاں کے سفیر تھے۔ ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے وہ تبریز میں رابعہ خاں کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر وہ تہران جائیں۔ شاہ کو تحفۃً پیش کرنے کے لیے ان کے ساتھ چار ہاتھی، قسم قسم کے پرندے، جواہرات، ملبوسات، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی اور طرح طرح کے مسالے تھے۔[92]

یہ سفیر چالیس دن کے بعد مسقط پہنچے۔ بوشہر جانے کے لیے کشتی حاصل کرنے میں انھیں ایک مہینہ لگ گیا۔ 31 جولائی 1798 کو وہ بوشہر پہنچے۔ 2 ستمبر کو وہ شیراز کے لیے روانہ ہوئے، اور وہاں تین مہینے تک مقیم رہنے کے بعد انھوں نے تہران کا رُخ کیا۔[93] شاہ نے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ سلطنت مُغلیہ کے زوال، ہندوستان میں "کافر" انگریزوں کے ورود، ٹیپو کے ساتھ ان کی جنگیں، انگریزوں کا ہندوستانی عوام کو لوٹنا اور ہندوستان کے چند صوبوں پر ان کا قبضہ[94] — یہ سب باتیں سفیروں نے شاہ کو تفصیل سے سُنانے کے بعد فوجی امداد اور بندرگاہوں کے تبادلے کی درخواست کی۔[95] انھوں نے شاہ سے یہ درخواست بھی کی کہ انگریزوں پر وہ زور ڈالے کہ ان کے آقا کے ساتھ وہ جارحانہ پالیسی اختیار نہ کریں۔[96] شاہ نے ان کے معروضات کو ہمدردی کے ساتھ سُنا، انھیں بیش قیمت تحائف دیے اور سرنگاپٹم کی صحیح صورت حال دریافت کرنے کے لیے بابا خاں اور فتح علی بیگ کو سفیروں کے ساتھ روانہ کیا۔[97] 12 اپریل 1799 کو سفیر تہران سے شیراز کے لیے روانہ ہوئے، جہاں انھوں نے تقریباً چار ماہ تک قیام کیا۔ اس کے بعد وہ بندر عبّاس گئے اور وہاں سے ایک جہاز پر مسقط کے لیے روانہ ہوئے۔ مسقط سے انھوں نے منگلور کا رُخ کیا اور سرنگاپٹم اس وقت پہنچے جب وہاں انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔[98] ٹیپو کے مارے جانے کی خبر تہران پہنچتے ہی بابا خاں کے تقرر کو منسوخ کر دیا گیا۔[99]

ٹیپو کے ایران سفارت بھیجنے کی خبر سن کر کمپنی کی حکومت نے مرزا مہدی خاں[100] کو روانہ کیا تاکہ فتح علی شاہ کے دربار میں وہ ہندی سفیروں کی سرگرمیوں کی وہ کاٹ کرے اور فتح علی شاہ کو زمان شاہ پر حملہ کرنے کی ترغیب

دے تاکہ ہندوستان پر وہ حملہ نہ کرسکے۔ مہدی علی خاں اور ٹیپو کے سفیر تقریباً ایک ہی وقت میں تہران پہنچے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی علی خاں کا سرد مہری سے استقبال کیا گیا اور ٹیپو کے مارے جانے کی خبر ملتے ہی اسے رخصت کر دیا گیا۔[101]

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ 1792 کے وسط سے ٹیپو کے ساتھ مرہٹوں کی دشمنی نے دوستی کے لیے جگہ خالی کرنی شروع کی تھی۔ حقیقتاً ان دونوں کے تعلقات اس قدر آگے بڑھے کہ یہ افواہیں پھیلنے لگیں کہ انگریزوں اور نظام کے خلاف ٹیپو اور مرہٹوں میں اتحاد ہو گیا ہے۔ لیکن ان میں کوئی اصلیت نہیں تھی۔ اگست کے اواخر اور ستمبر کے اوائل میں پامر نے ولزلی کو اطلاع دی کہ گوند کشن کوشش کر رہا ہے کہ ٹیپو اور باجی راؤ میں اتحاد ہو جائے[102] لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پونا میں اگرچہ ایک میسور حامی پارٹی موجود تھی اور خود باجی راؤ بھی سلطان کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ بے حد ضعیف الارادہ اور قوت فیصلہ سے محروم تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دوستانہ خطوط لکھنے کے علاوہ ٹیپو نے بھی اسے قریب لانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ ولزلی کی فوجی تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد ہی ٹیپو نے فوجی امداد کے لیے پیشوا اور سندھیا کے پاس اپنے وکیل بھیجے۔ گوالیار میں سندھیا کے وکیل کو خوش آمدید کہا گیا تھا، لیکن کمپنی کے ایجنٹ کرنل کولنس کے اعتراض کرنے پر، اسے برخاست بھی کرنا پڑا۔[103] لیکن احمد خاں اور فخرالدین جو 1798 کے اواخر میں پونا پہنچے تھے۔ پیشوا نے 15 جنوری 1799 کو انھیں باریاب کیا[104] اور پامر کے احتجاج کے باوجود وہ وہاں مقیم رہے۔ پونا کی حکومت کی اس روش نے ولزلی کو برافروختہ کر دیا اور اس نے پامر کو لکھا پونا میں وکیلوں کی موجودگی" برطانوی حکومت کی توہین سے کسی طرح کم نہیں ہے" اور یہ کہ "مجھے یقین ہے کہ وہ وقت بہت دور نہیں ہے جب پونا دربار کو اپنی اس سفلگی کی پالیسی پر رونا پڑے گا، جو برطانوی حکومت کے ساتھ حالیہ مراسلت میں مشورہ طرازی کی محرک ہوئی ہے۔"[105]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ وکیلوں کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ پونا کی حکومت سے وہ فوجی امداد حاصل کریں، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کے آقا اور انگریزوں کے مابین وہ مصالحت بھی کرا دے۔ باجی راؤ نے مصالحت کی تجویز پیش بھی کی۔ لیکن اسے مسترد کرتے ہوئے ولزلی نے کہا کہ "پیشوا مصالحت کرانے والے کا منصب کیسے اختیار کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں انتہائی عریاں تضاد ہے۔ سہ فریقی معاہدے کے ایک رکن کی حیثیت سے وہ خود ایک ستم رسیدہ فریق ہے۔"[106]

پامر کا ابتدا میں خیال تھا کہ پیشوا اور سندھیا دونوں ٹیپو کے ساتھ ایسے تعلقات پیدا کرنا پسند نہیں کرتے جو کمپنی کے مفاد کے خلاف ہوں اور وکیلوں کو اس لیے روکا گیا ہے کہ 1790 کی طرح اس بار بھی ان سے روپیہ اینٹھا جائے۔[107] پھر اسے اطلاع ملی کہ تیرہ لاکھ روپے کے معاوضے میں ٹیپو نے پیشوا کی غیر جانب داری کا سودا کر لیا ہے اور اس معاملت

میں دولت راؤ سندھیا بھی شریک ہے۔[108] حقیقتاً دونوں مرہٹہ حکمران ٹیپو سے خفیہ مراسلت رکھتے تھے اور اس کی حمایت کے لیے تیار تھے۔ ٹیپو کے حق میں حالات کا رُخ پھیرنے کے لیے وہ اس کے لیے بھی تیار تھے کہ نظام پر مشترکہ حملہ کیا جائے۔ لیکن انھیں جب پامر نے متنبہ کیا کہ اس حملے کا نتیجہ کمپنی کے ساتھ جنگ کی صورت میں رونما ہوگا، تو اس منصوبے کو ترک کر دیا گیا۔[109] ان حالات میں وکیلوں کی پونا میں مسلسل موجودگی سے پامر کو اتنی شدید تشویش تھی کہ پیشوا کو وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ جب تک وکیلوں کو برخاست نہیں کیا جائے گا اس وقت تک وہ "آپ کی خدمت میں باریاب ہونے کا اعزاز نہ قبول کر سکے گا۔"[110] اس کے بعد ہی وکیلوں کو پونا کی حکومت نے چلے جانے کے لیے کہا۔[111] چنانچہ 19 / مارچ کو وہ پونا سے روانہ ہوگئے، لیکن ان کی رفتار اتنی سست رہی کہ آخر اپریل تک وہ پونا سے صرف پچاس میل ہی کی مسافت طے کر سکے۔[112] میسور کی سرحد تک پہنچنے سے قبل، 4 / مئی کو، انھوں نے سرنگاپٹم کے سقوط کی خبر سُنی۔

مرہٹوں کی فوجی امداد حاصل کرنے میں وکیل کچھ تو نانا کی مخالفت کی وجہ سے ناکام رہے تھے، جو انگریزوں کے ساتھ اتحاد کا خواہاں تھا۔ لیکن ان کی ناکامی کی حقیقی وجہ پیشوا کی بُزدلی اور اس کا تلوّن تھا۔ باجی راؤ نے سندھیا کے، اور اپنے درباریوں کے، زیرِ اثر ٹیپو کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ نہیں سکا تھا کہ انگریزوں کے حوصلہ مندانہ منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں ٹیپو بہت بڑی روک ہے۔ اور یہ کہ ٹیپو کے خاتمے کے بعد مرہٹوں کا نمبر آئے گا۔

(باب 18 کے حاشیے)

1. Furber, The Private Record of an Indian Governer-Generalship, p.7.
2. Philips, East India Company, p.103.
3. Martin, Wellesley's Despatches, i, p.669.
4. Ross, Cornwallis, ii, p.171.
5. A.N., C[2]305, Carton 146, n : 35, Official Report of Chappuis whom Malartic had sent to Tipu.
6. A.N., C[2]304, Sept. 18, 1797 – Political Affairs of the French Republic in India.
7. A.N., C[2]305, Carton 146, n : 35, official Report of Chappuis whom Malartic had sent to Tipu.
8. Ibid.

اس جمعیت کے متعلق مختلف تخمینے بیان کیے گئے ہیں۔ ولزلی کے مطابق اس میں ایک سو افسر اور پچاس سپاہی تھے :
(N.A., Sec. Pro., July 9, 1798, Cons. No. 2)
جبکہ بعض تخمینوں کے مطابق ان کی تعداد 99 تھی : (Wilks), ii, p. 644)
جبکہ بعض اصحاب نے ان کی تعداد پچاس ساٹھ، بلکہ پندرہ بیس تک لکھی ہے :
(See N.A., Pol. Pro., Oct. and Nov. 1798)
تاریخ ٹیپو ط 107 .f کے مطابق ٹیپو کی ملازمت میں داخل ہونے والوں کی تعداد صرف 70 تھی۔

9. I.O. Mss. Eur D 99, pp. 5-18.
10. Ibid., pp. 19-24.
11. Mill, iv, p. 60.
12. Philips, East India Company, p. 102.
13. Sous Decaen, L'Ile de France, p. 89.
14. Roberts, India under Wellesley, p. 43.

15. Lushington, Life of Harris, pp.175-76.

16. Martin, Wellesley's Despatches, i, p.164.

17. Ibid., p.54.

18. W.P., B.M., 12585, Sec. Dept. Pro. June 20, 1798, f 128 A.

19. Ibid., Wellesley to Harris, June 26, 1798, ff. 139 A seqq.

20. Ibid.

21. Owen, Wellington's Despatches, p.42.

22. Martin, Wellesley's Despatches, i, p.65.

ہیرس ٹیپو کی جارحیت کو تسلیم کرتا تھا، لیکن اس کا کہنا تھا کہ اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے اور وہ مقروض ہے۔ اس سے قطع نظر، اس جنگ کے اثرات یورپ پر بھی پڑ سکتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ٹیپو کو تلافی کا موقع دیا جائے :

(W.P., B.M., 13729, Harris to Wellaslay, June 23, 1798, ff. 26 a seqq.)

23. Martin, Wellesley's Despatches, p.191.

24. W.P., B.M., 13446, Wellesley to Court of Directors, Aug. 3, 1799, ff. 67a seqq.

25. Martin, Wellesley's Despatches, i, p.191;

26. Martin, Wellesley's Despatches, i, p.190. see also W.P., B.M., 12586, Sec. Dept. Pro., July 26, 1798, Wellesley's Minute; Ibid., 12588, Madras to Wellesley, Aug. 3, 1798, No. 2, f. 2b.

27. Roberts, India Under Wellesley, pp.78-81.

28. Khare, ix, Nos. 3520, 3522.

29. Gupta, Baji Rao ii and the E.I.C., p.64.

Khare, ix, No. 4610. .30

Ibid., No. 5011. .31

W.P., B.M., 13693, Wellesley to J. Duncan, April 30, 1799, ff. 31 a seqq. .32

Duff, ii, pp. 290–91. .33

W.P., B.M., 12586, Wellesley to Palmer, July 9, 1798, No. 2. .34

Ibid., 13683, Memorandum of Capt. Macaulay, Dec. 1798, ff. 1a–2a. .35

Ibid., ff. 3b–4b. .36

Ibid., Pignolet to Tipu, Nov. 14, 1798, ff. 155a–56a. .37

Ibid., Dubac to Tipu, Oct. 15, 1798, f. 96 a. .38

Ibid., Nov. 4, 1798, ff. 97a–98b. .39

Ibid., Memorandum of Capt. Macaulay, f. 7b. .40

F.O. 27/54, Wellesley to Anker, Jan. 18, 1799. .41

W.P., B.M., 13683, Anker, to Wellesley, Feb. 13, 1799, ff. 40a–b. .42

Ibid., Jan. 28, 1799, ff 53 a seqq. .43

Ibid., 13456, Wellesley to Dundrs, Oct. 11, 1798, f. 87a. .44

Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 59. .45

Ibid., p. 154. .46

Ibid., p. 321–22. .47

Ibid., p. 327. .48

Ibid., p. 328. .49

50. Ibid., p.326.
51. W.P., B.M., 13668, Wellesley to Harris, Feb.3,1799, f. 1a.
52. N.A., O.R., 475; also W.P.B.M., 12648, Tipu to Wellesley, received Dec. 25,1798, ff. 24a-28a.
53. Martin, Wellesley's Despatches, i pp.396 seqq.
54. F.O./78/21, Salim iii to Tipu, Sept. 20,1798.
55. Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 417.
56. Ibid., p. 434.
57. Asiatic Annual Register (1799), p. 93.
58. Owen Wellington's Despatches, p.75.
59. M.R. Mly.Cons., June 11, 1799, vol. 254 A, p. 3315.
60. Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 454.
61. M.R., Mly.Cons., June 11, 1799, vol. 254 A, p. 3317, Wellesley to Harris, Feb. 3, 1799.
62. Roberts, India Under Wellesley, p. 57.
63. Furber, The Private Record of an Indian Govener-General Ship, p. 78.
64. Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 275.
65. N.A., Sec. Pro., Nov. 23, 1798, Cons. No. 32.
66. Mill, vi, p. 75.
67. N.A., Pol. Despt. to England, Sept. 4, 1797, vol. 4, pp. 141-2.
68. Martin, i, p. 74.
69. Ibid., p. 62.

70. W.P., B.M., 13476, p. 193.

ولزلی نے مزید لکھا تھا کہ "صرف چند ہی افسر کچھ تجربہ کار اور مشاق ہیں۔ سپاہی جزیرے کے انبوہ کے ارزاں ترین طبقے کا فضلہ ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنی مرضی سے آئے ہیں اور باقی جیل سے نکالے ہوئے قیدی ہیں جنھیں جبراً جہاز پر سوار کیا گیا تھا۔ کچھ قبائلی اور مخلوط نسل کے لوگ بھی ہیں":
(Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 164)

71. Martin, i, p. 177.

72. M.R., Mly. Cons., Feb. 23, 1709, vol. 254 A, p. 3404.

مالکم نے ایک میمورنڈم میں لکھا تھا کہ فرانسیسیوں کی امداد کے بغیر ٹیپو لڑ ہی نہیں سکتا ہے۔ گزشتہ جنگ کے بعد سے ٹیپو کی طاقت میں، بہ مقابلہ کمپنی کے، کمی آئی ہے۔ لیکن کمپنی کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے:
(W.P., B.M., 13458, ff. 130a-34a)

73. Lushington, Life of Harris, p. 176.

74. Martin, i, p. 72.

75. Gleig, British Empire in India, iii, p. 154.

76. N.A., Pol. Pro. May 8, 1797, Cons. No. 72.

77. Basu, Oudh and the East India Company, pp. 175-76.

78. W.P., B.M., 13473, Wellesley to R. Brooke, Oct. 30, 1798, p. 5.

79. Ibid., 13699, f. 74a.

80. A.N., C[2]304, Renseignements, neither paged nor foliod.

81. W.P., B.M. 13421, Tipu to Executive Directory, July 20, 1798, ff. 244a-25b.

82. Ibid., 13699, Wellesley to Duncan, April 30, 1798, f. 244a.

83. A.N., $C^2$304, Renseignements; W.P., B.M., 13683, Dubuc to Tipu, Nov. 4, 1798, ff. 97a – 98b; also Ibid., 13421, Dubuc to Tipu, Dec. 16, 1798, f. 280a

84. Ibid., 13683, Tipu to Dubuc, Jan. 11, 1799, f. 122a.

85. Ibid., 13451, Wellesley to Grenville, Feb. 21, 1799, ff. 10a – 11a.

86. $C^2$304, Renseignements, neither paged nor foliod

87. Ibid.

88. Appendix F, Bombay, Pol. and Sec. Pro., I.O. Range 381, vol. 7, Nov. 15, 1799.

89. Ibid.; W.P., B.M., 13699, ff. 78a, 100a; also A.N., $C^2$304, Renseignements.

دلوک کسی نہ کسی طرح فرانس پہنچا، اور نپولین کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس میں فرانس کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات کی تاریخ بیان کی اور اس طرف توجّہ دلائی کہ نپولین نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے منصوبے سے متعلق مصر سے جو خط ٹیپو کو بھیجا تھا اس کا علم انگریزوں کو تھا، اور یہی خط اس کی بربادی کا باعث بنا۔

(Archieves du Ministere des Affairs Etrangeres vol. ii, 1785 – 1826, ff. 270a – 73b)

90. Factory Records (I.O.), Persia and the Persian Gulf, vol. 20, Manesty to Spencer Smith, Nov. 1, 1799.

91. Ibid., Manesty to Wellesley, Nov. 27, 1799.

92. I.O., Home Misc. Series, No. 463, pp. 103 seqq; also M.R., Sec. Sundries, vol. 20A – 1799, pp. 139 seqq.

فتح علی شاہ کے عہد کی فارسی تاریخوں میں بھی اس سفارت کے حوالے ملتے ہیں۔ لیکن مرزا محمد سروی نے 'تاریخ فتح علی (و 59 ب 63 الف) کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ کمپنی کے سفارت بھیجنے کی خبر سن کر ٹیپو نے یہ سفارت بھیجی تھی۔ حقیقتاً قصہ اس کے برعکس تھا ٹیپو

کے سفیر مہدی علی خاں کی روانگی سے پہلے روانہ ہو چکے تھے، لیکن وہ تہران کچھ دیر سے پہنچے، کیونکہ ان کا خاصا وقت مسقط اور شیراز میں لگ گیا تھا۔

I.O. Home Misc. Series, No. 463, p. 113. .93

94. مرزا رضا، زینت التواریخ، و 93 الف تا 94 الف؛ نیز مرزا محمد صادق، تاریخ جہاں آرا، و 88 ب تا 89 الف۔

I.O., Home Misc. Series, No. 463, p. 109. .95

فارسی کتابوں میں فوجی امداد کا تو ذکر کیا گیا ہے، لیکن بندرگاہوں کے تبادلے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

96. مرزا محمد صادق، تاریخ جہاں آرا، و 88 ب تا 89 الف۔ مرزا قلی خاں، تاریخ روضۃ الصفا، نہم، ص 60-359.

97. مرزا محمد ندیم، مفرح القلوب، و 212 الف :

I.O., Home Misc. Series, No. 463, p. 113;

M.R., Sec. Sundries, vol. 20 A – 1799, pp. 139 seqq.

M.R., Sec. Sundries, vol. 20 A – 1799, pp. 139 seqq; .98

I.O., Home Misc Series, No. 463, p. 113.

Ibid., No. 472, pp. 359 seqq, .99

فارسی ماخذ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ میسوری سفیر تہران ہی میں تھے کہ ٹیپو کے مارے جانے کی خبر موصول ہوئی۔

100. صاحب روضۃ الصفا نے اس کا نام مہدی قلی خاں بہادر جنگ لکھا ہے۔

101. مرزا فضل اللہ، تاریخ ذوالقرنین، و 49 الف و ب؛ رضا قلی خاں، تاریخ روضۃ الصفا، نہم، ص 60-359

W.P., B.M., 13598, Palmer to Wellesley, Aug. 25, and .102
Sept. 2, 1798, ff. 18b – 20b.

Ibid., Jan. 7, 1799, f. 38 a. .103

N.A., Sec. Pro., Feb. 8, 1799, Cons. No. 44. .104

Ibid., March 18, 1799, Cons. No. 25. .105

W.P., B.M., 13596, Wellesley to Palmer, Feb. 19, .106
1799, f. 43 b.

Ibid., 12652, Palmer to Wellesley, March 1, 1799, No. .107
5, ff. 7a seqq.; also 12650, Palmer to Wellesley,

Jan. 25, 1799, f. 13 b.

.108 Duff, ii, p. 291.

.109 W.P., B.M., 12653, Palmer to Wellesley, April 8, 1799, ff. 164 a seqq.; Ibid., April 12, ff. 175 a–b; Ibid., 12654, Wellesley to Palmer, April 26, 1799, ff. 43 a et seqq.

.110 Sec. Pol. Cons., April 15, 1799, Cons. No. 7, Cited in Gupta, Baji Rao II and the East India Company, p. 59.

.111 Ibid.

.112 Ibid., June 3, Cons. No. 6; also W.P., B.M., 13598, Palmer to Wellesley, April 29, 1799, f. 59 b.

انیسواں باب

انگریزوں سے آخری جنگ : سقوطِ سرنگاپٹم

ایک فوج جو تقریباً اکیس ہزار افراد پر مشتمل تھی، جنرل ہیرس کے زیرکمان، ویلور میں جمع ہوئی، اور 14 رفروری 1799 کو اس نے میسور کی طرف کوچ کیا۔ ولزلی نے جنرل ہیرس کو لکھا کہ "کرناٹک کی جو فوج اس وقت تمھارے زیرکمان دی گئی ہے، بلاشبہ بہترین فوج ہے ـــــ مکمل ترین طور پر مسلح، فیاضی وافراط کے ساتھ رسد سے مالامال، ڈسپلن کے نقطۂ نگاہ سے یکسر بے مثل، ہر شعبے میں اپنے افسروں کی مسلمہ تجربہ کاری اور لیاقت کے اعتبار سے بے حد خوش قسمت ہے۔ اس سے بہتر فوج آج تک ہندوستان کے کسی میدانِ جنگ میں اُتری نہیں ہے[1]" 20 تاریخ کو امبور کے مقام پر اس فوج میں سولہ ہزار سپاہی اور شامل ہو گئے جو حیدرآباد سے کرنل ولزلی کے زیرکمان آئے تھے۔ بمبئی کی فوج جو جنرل اسٹورٹ کے تحت کنانور میں جمع ہوئی تھی، بنگال کی فوج کے "مساوی طور پر کارگزار[2]" اور 6,420 سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ کرنل ریڈ اور کرنل براؤن کے تحت ایک اور بڑی فوج ترچناپلی میں اکٹھا ہوئی، تاکہ جنوب سے سرنگاپٹم پر حملہ کیا جا سکے۔

"ان تمام اقدامات کا نشانہ" مل کے الفاظ میں "میسور کا فرمانروا تھا، جسے چھ سال قبل اپنی نصف سلطنت سے محروم کر دیا گیا تھا اور جس کے پاس صرف اتنا علاقہ رہ گیا تھا جس کی آمدنی ایک کروڑ روپے سے کچھ زیادہ، یا دس لاکھ پونڈ تھی، جبکہ ہندوستان کی انگریزی حکومت کی آمدنی، اس کے اتحادیوں کی آمدنی سے قطع نظر، نوّے لاکھ پونڈ سے زیادہ تھی۔ کتنی بے پناہ اہلیت کا مالک تصور کیا گیا ہوگا ایک چھوٹے سے ملک کے چھوٹے سے حکمران کو![3]"

جنرل ہیرس 5 رمارچ کو میسور میں داخل ہوا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر کے، جن میں سے کسی نے بھی زیادہ مزاحمت نہیں کی، فوجی کارروائی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد شمال مشرق میں کیلا منگلم

پہنچا اور وہاں سے بنگلور کی طرف بڑھا اور 14 تاریخ نواح بنگلور میں داخل ہوا۔ بمبئی کی فوج نے 21 فروری کو کنانور سے کوچ کیا اور 2 مارچ کو کورگ کی سرحد پر سدیسور اور ستاپور میں مورچے جمائے۔

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ٹیپو نے ولزلی سے مفاہمت کی امکانی کوشش کی تھی، لیکن اپنی کوششوں میں جب اسے ناکامی ہوئی اور اسے معلوم ہوا کہ انگریزی فوجیں اس کے گرد اپنا دائرہ تنگ کرتی جا رہی ہیں، تو اس نے مقابلے کی تیاری شروع کی۔ ہیرس کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے اور کوچ کے دوران پریشان کرنے کے لیے پرنیا اور سید صاحب کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج کو چھوڑ کر اس نے نواح مدّور سے کوچ کیا، جہاں 11,800 کی جمعیت کے ساتھ وہ خیمہ زن رہا تھا، اور 28 فروری کو وہ تیزی سے مشرق کی سمت بڑھا تاکہ اچانک حملہ کر کے اسٹورٹ پر فیصلہ کن ضرب لگائے۔

اسٹورٹ نے اس علاقے کی ارضی ساخت کی وجہ سے، اپنی فوج کو مختلف ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کورگ کی سرحد پر ایک چھوٹا سا دستہ کرنل مونٹریسور کے تحت سدیسور کے مقام پر تھا۔ اور اصل فوج وہاں سے 8 میل کے فاصلے پر غضب میں تھی۔ مارچ کی صبح کو قراولی کرنے والی ایک جمعیت نے سدیسور کی پہاڑی سے دیکھا کہ پیریا پٹم سے کچھ مغرب میں ایک فوجی پڑاؤ ہے، جہاں سبز خیمہ کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خود ٹیپو بھی وہاں موجود ہے۔ اسٹورٹ کو سرنگاپٹم سے چونکہ یہ خبر ملی تھی کہ ہیرس کا مقابلہ کرنے کے لیے سلطان نے کوچ کیا ہے اور مدّور کے قریب خیمہ زن ہے، اس لیے پیریا پٹم میں اس کی موجودگی کی خبر پر شبہ تھا۔ تاہم احتیاطی طور پر اس نے مونٹریسور کے بریگیڈ میں مزید اضافہ کیا اور میسوریوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے جنرل ہارٹلے کو متعین کیا۔ صبح کے نو اور دس بجے کے درمیان میسوری فوج نے اتنی خاموشی اور تیزی کے ساتھ جنگلوں سے گزر کر مونٹریسور کی فوج کے اگلے اور پچھلے حصوں پر بیک وقت حملہ کر کے اسے حیرت زدہ کر دیا اور وہ مکمل طور پر گھر گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مونٹریسور کی مدد کے لیے اسٹورٹ فوراً نہ آجاتا، جسے ہارٹلے نے اس حملے کی اطلاع دی تھی، تو اس کا صفایا ہی ہو جاتا۔ مونٹریسور کو کمک پہنچتے دیکھ کر میسوریوں نے کچھ دیر تک اپنا حملہ جاری رکھا اور پھر وہ پسپا ہو گئے۔ مقتولین میں ٹیپو کا ایک رشتہ دار محمد رضا بھی تھا۔ سلطان نے "اسٹورٹ کو مغلوب کرنے کا منصوبہ" تیار کرنے اور "حملے کے لیے اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم میں[5] بہترین حکمت عملی کا مظاہرہ کیا تھا۔" پیریا پٹم میں اپنا خیمہ نصب کر کے اس نے اپنی موجودگی کا اگر اعلان نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً مونٹریسور کے بریگیڈ کو حیران و ششدر کر کے وہ نابود ہی کر ڈالتا، اور شاید بمبئی کی فوج کے بڑے حصے کو بھی[6]۔

11 مارچ تک ٹیپو پیریا پٹم ہی میں مقیم رہا، پھر باز درستی کے لیے اس نے سرنگاپٹم کی طرف کوچ کیا۔ وہاں سے وہ ہیرس کے مقابلے کے لیے نکلا، جو اس کی راجدھانی کی سمت بڑھ رہا تھا۔ ہیرس 16 تاریخ کو

نواحِ بنگلور سے نکل کر ۱۰ کو کنکن ہلی پہنچا تھا۔ پھر اس نے دریائے مدور کی طرف کوچ کی اور ۲۰ تاریخ وہاں پہنچ کر دریا کے مشرقی کنارے پر پڑاؤ کیا۔

اس وقت تک، ہیرس کو عملاً کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ پرنیا اور سیّد صاحب، جنھیں ٹیپو نے ہیرس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے متعیّن کیا تھا، دونوں چونکہ انگریزوں سے مل گئے تھے، اس لیے انھوں نے کوئی اقدام نہیں کیا اور دشمن کو بے روک ٹوک بڑھنے دیا۔[7] انگریزی فوج سازوسامان سے بے طرح لدی پھندی تھی۔ قلعہ شکن توپوں کی طویل قطاریں تھیں اور ایک ایسی مُہم کے لیے رسد اور سامانِ جنگ تھا، جس میں مواصلات کے کھُلے راستے نہیں تھے۔ ہیرس کی فوج میں ساٹھ ہزار بیل تھے اور نظام کی فوج میں چھتیس ہزار۔ نجی افراد کے بیلوں، اونٹوں اور ہاتھیوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ ان پر مستزاد بنجاروں اور طفیلی لشکریوں کے انبوہ تھے، جن کی کثرت نے سپاہیوں کی تعداد کو بھی مات کر دیا تھا۔ سپاہیوں کا اور ان کا تناسب ایک اور پانچ کا تھا۔[8] چوپایوں کے "اس بے پناہ ہجوم کے لیے چارہ فراہم کرنے کا سوال سب سے ٹیڑھا تھا، اور میسور میں داخل ہونے کے چند روز بعد تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ چارے کا انتظام کرنے ہی کا مسئلہ ساری مُہم کو لے ڈوبے گا۔[9]" ابتدا ہی سے بہت سے بیل مرنے لگے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ مارچ کو اتنی بڑی مقدار میں فوجی سازوسامان کو برباد کر دینا پڑا کہ اس سے ایک طرح کی گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔[10] چونکہ "اس وسیع اور بے ہنگم فوجی مشن کی منظم نقل و حرکت[11]" کے لیے کافی انتظامات نہیں کیے گئے تھے، اس لیے فوج کے آگے بڑھنے کی رفتار بہت سُست تھی۔ اس کا اوسط پانچ میل یومیہ کے قریب تھا۔ اکثر تو اسے دن دن بھر ٹھہرنا پڑتا تھا۔ ہیرس کے بیان کے مطابق کیلامنگلم سے اس کی روانگی کے بعد اس کی فوج کے "بیلوں کے شعبے میں بڑی کمزوری نظر آنے لگی .... اس کمزوری نے ہماری رفتار میں کمی پیدا کی۔ ہمارے کوچ تکلیف دہ اور مختصر ہوتے تھے۔ ہم آگے کم بڑھتے اور قیام زیادہ کرتے۔[12]" ان حالات میں اگر میسوریوں نے اُسی سرگرمی اور چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہوتا جو ۱۷۹۱ میں سرنگاپٹم پر ولزلی کی پیش قدمی کے وقت کیا تھا، تو انگریزی فوج کے اسباب اور سامانِ حرب پر بہ آسانی قبضہ کر کے برسات شروع ہونے تک اس کی پیش رفت کو سُست کر سکتے تھے۔ لیکن میسوری کمانڈر چونکہ انگریزوں سے مل گئے تھے اس لیے انھیں روکنے کے لیے انھوں نے کچھ نہ کیا۔ سرنگاپٹم پر ولزلی کی پہلی چڑھائی کے وقت میسوری سوار دستوں نے اس کی فوج کے آگے اور پیچھے لگے رہ کر اور چارے کو راستے ہی میں برباد کر کے اس کی مُہم کو ناکام بنا دیا تھا۔ لیکن موجودہ مُہم میں انگریزی فوج کی راہ میں کسی قسم کی دُشواری پیدا نہیں کی گئی، اگرچہ اس وقت دشمن کی فوج کی عدمِ تنظیم اور بے ہنگم پن کی وجہ سے میسوریوں کو بہتر مواقع حاصل تھے۔

اسٹورٹ پر حملے سے واپسی کے بعد ہیرس کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹیپو سرنگاپٹم سے روانہ ہوا، تو نقل و حرکت کے لیے اس نے وسطی شاہراہ اختیار کی۔ لیکن جب اس نے یہ سنا کہ انگریزوں نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو کنکن ہالی سے گزرتا ہے تو اس نے سوالی کی طرف کوچ کر کے 18 مارچ کو دریائے مدور کے کنارے پڑاؤ کیا۔ یہاں پرنیا اور سید صاحب بھی اس سے آ ملے۔ ایک وسیع انظارہ مقام پر اس نے مورچہ جمایا جہاں سے وہ ہیرس کو دریا عبور کرنے سے روک سکتا تھا۔ لیکن جنگلی علاقے میں لڑنے کی جگہ پر میدان میں جنگ کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے وہ مالوالی کی طرف واپس چلا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی سپاہ نے بہ آسانی دریا کو عبور کر لیا۔ ہیرس کے سوانح نگار لوشنگٹن نے لکھا ہے کہ "میسور کے توپ بردار مویشیوں کی کارگزار حیثیت اور کرناٹک کے بیلوں کی قابل رحم حالت کے پیش نظر ٹیپو کی فوج کا کامیابی کے ساتھ تعاقب کرنے کا تصور بھی خارج از امکان نظر آتا تھا۔ اسی نے ٹیپو کو یہ جرأت دلائی تھی کہ اس جنگ کا تجربہ وہ مالوالی کے میدان میں کرے، جس سے زیادہ موزوں اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔"[13]

دریا کو عبور کرنے کے بعد انگریزی فوج نے مالوالی سے پانچ میل مشرق میں پڑاؤ کیا اور دوسرے دن مالوالی کی طرف بڑھی۔ لشکرگاہ بنانے کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا، وہاں پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ٹیپو کی فوج نے ایک بلند مقام سنبھال لیا ہے۔ ہیرس کا مقصد کسی اقدام سے دامن بچا کر جلد سے جلد سرنگاپٹم پہنچنا تھا۔ لیکن جب میسوریوں نے انگریزی فوج کے آگے جانے والے پکیٹ پر حملہ کیا اور ان کو مزید کمک پہنچی تو کھلی جنگ شروع ہو گئی۔ ٹیپو نے اپنے سواروں کو لے کر انگریزی فوج کے یمین پر حملہ کیا۔ پیدل فوج اس کی کمک پر تھی۔ "اس حملے کا منصوبہ سوچ سمجھ کر بنایا گیا تھا اور بڑی ہمت کے ساتھ اس پر عمل کیا گیا۔" اگرچہ یہ حملہ پسپا کر دیا گیا تاہم بہت سے یورپین سوار نیزوں کا شکار ہوئے۔[14] جب ٹیپو کے سواروں نے انگریزی فوج کے یسار پر بھی حملہ کیا تو اسی وقت میسوریوں کی پیدل سپاہ انگریزوں کے یمین پر حملہ آور ہوئی، جو کرنل ولزلی کی کمان میں تھی۔ یہ حملہ بھی پسپا کر دیا گیا۔ فلائڈ کے سواروں نے پسپا ہونے والوں کا تعاقب کیا اور بہت سے میسوری مارے گئے۔[15]

اب یہ معلوم ہوتا تھا کہ ٹیپو دوسرے ٹیلے پر مورچہ جمائے گا جو اس کی دوسری فوجی صف کے قبضے میں تھا۔ لیکن اس اقدام کا مقصد پسپا ہونے والی فوج کا تحفظ کرنا تھا۔ آرتھر ولزلی کے بیان کے مطابق اس جنگ میں ٹیپو کی "سپاہ نے اپنی کارکردگی کا جتنا عمدہ ثبوت دیا، اتنا اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کے پیدل بڑھے اور انھوں نے 33 ویں فوج کے نیزوں کا مقابلہ کیا۔ اس کے سوار جنرل بائرڈ کے بریگیڈ پر چڑھ دوڑے۔ اس نے ان کی وہ مدد نہیں کی جو کرنی چاہیے تھی۔ جب ہم نے حملہ شروع کیا تو اس نے اپنی توپوں کو پیچھے ہٹا لیا، بلکہ اپنے سپاہیوں کو پسپا ہونے والی توپوں کو تحفظ دینے کے لیے آگے بڑھنے پر مجبور کیا۔ اس نے

ٹیپو کی اس سپاہ کو مکمل طور پر ختم کر دیا، جسے اس نے پیچھے چھوڑا تھا۔[16] آرتھر ولزلی کی یہ تنقید یقیناً صحیح ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس جنگ میں ٹیپو کی ناکامی کا سبب اس کے افسروں کی غداری بھی تھی۔ پرنیا اور سید صاحب کا طرزِ عمل ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ جوش و خروش یا چابکدستی کا مظاہرہ کرتے۔ کرمانی کا بیان ہے کہ سلطان کی ہدایت کے مطابق قمرالدین خاں کو انگریزی فوج پر حملہ کرنا تھا، لیکن وہ میسوریوں ہی پر ٹوٹ پڑا اور ان میں افراتفری مچا دی۔[17] ان حالات میں ٹیپو کی شکست یقینی تھی۔

اس معرکے کے بعد ہیرس کی فوج کے عقب میں پہنچنے کے لیے ٹیپو چل پڑا، کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ہیرس وہی راستہ اختیار کرے گا جو کارنوالس نے 1791 میں اختیار کیا تھا۔ لیکن ہیرس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس راستے میں چارہ ملنے کے تمام ذرائع تو یکسر برباد کر دیے گئے ہیں، لیکن کاویری کے شمالی کنارے پر ٹیپو نے خود اپنی فوج کے لیے چارہ محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ سوسیلی گھاٹ پر اس نے دریا کو پار کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ اس راستے میں مزاحمت کا بھی امکان نہیں تھا۔ اس اقدام سے مویشی، چارہ اور غلّہ ملنے کے علاوہ اور دوسرے فوائد کے حصول کی بھی توقع تھی۔ اس سے بمبئی کی فوج کے آملنے میں آسانی پیدا ہونے کا بھی امکان تھا۔ کورگ اور بارہ محال سے رسد بھی بہ آسانی مل سکتی تھی۔ مزید براں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ سرنگاپٹم پر مغرب کی سمت سے اگر حملہ کیا جائے تو کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں۔ چنانچہ 30 مارچ تک بلا کسی مزاحمت کے ساری فوج جملہ ساز و سامان کے ساتھ گھاٹ کو پار کر گئی۔[18] حسبِ توقع وہاں وافر مقدار میں چارہ ہیرس کے ہاتھ آیا اور کچھ کمک نیز باربرداری کے جانور بھی ملے۔ ان کے علاوہ یورپین فوجیوں کے لیے ذبح کرنے والے جانور اور بھیڑیں ملیں اور شاگرد پیشوں کے لیے غلّہ مل گیا۔[19]

یکم اپریل کو ہیرس سوسیلی سے روانہ ہوا۔ دوسری تاریخ ٹیپو کو انگریزوں پر حملہ کرنے کا ایک نادر موقع ملا، کیونکہ سڑک کی خرابی کی وجہ سے ان کا توپخانہ اس وقت تک نہیں پہنچا تھا۔ حملہ کرنے کا اس نے فیصلہ کر بھی لیا تھا، لیکن اپنا ارادہ اس لیے منسوخ کر دیا کہ لوگوں نے اس دن کو نامسعود قرار دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہیرس آسانی کے ساتھ کوچ پر کوچ کرتا ہوا بڑھتا رہا اور 7 اپریل کو سرنگاپٹم سے دو میل کے فاصلے پر اس نے مورچہ قائم کر لیا۔[20]

ٹیپو نے سوچا کہ ہیرس اب جزیرہ میں داخل ہو گا۔ اس نے اسے روکنے کی تیاریاں شروع کیں اور ارکیری کے گھاٹ سے اترنے کے بعد چندگل نامی گاؤں کے قریب مورچہ قائم کیا۔ لیکن ہیرس نے جزیرہ میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی بلکہ داہنی طرف سے چکر کاٹ کر اس میدان میں پہنچا جس پر ابرکرومبی نے 1792 میں قبضہ کر لیا تھا۔ قلعہ کے مغربی رُخ سے کوئی دو میل کے فاصلے پر فوج نے مورچہ بنا لیا۔

کاویری کو عبور کرنے کے بعد 28 میل کا فاصلہ طے کرنے میں، ہیرس کو پانچ دن لگ گئے، تاہم ان پانچ دنوں میں کسی نے اسے حیران و پریشان نہ کیا۔ میسوری سوار اس کے سامنے آئے لیکن "تباہی مچانے میں کم سرگرم رہے۔"[21]

انگریزوں نے ایک مستحکم جگہ پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن اس کے آگے کی بہت سی چوکیوں پر میسوریوں کا قبضہ تھا، جہاں ان بان اندازوں کو پناہ ملتی تھی جو انگریزوں کو بہت پریشان کر رہے تھے۔ ان چوکیوں پر قبضہ کرنے کے لیے ہیرس نے 3 رمئی کی شام کو دو پارٹیاں بھیجیں۔ ایک پارٹی کو، جو کرنل شا کے تحت تھی، اس چوکی پر حملہ کرنا تھا جو نہر پر واقع تھی۔ اس نہر کے پیچ و خم سے انگریزی فوج کے اگلے حصے کی بہت کچھ محافظت ہوتی تھی۔ دوسری پارٹی کو جو کرنل ولزلی کے تحت تھی، سلطانپٹ ٹوپ پر قبضہ کرنا تھا۔ دونوں پارٹیوں نے غروب آفتاب کے بعد کوچ کیا، لیکن میسوریوں کی شدید مقاومت اور قلعے سے ہونے والی مُہلک گولا باری نے اس مُہم کو ناکام بنا دیا، اور شدید نقصان اُٹھانے کے بعد انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا۔ مگر دوسرے دن بڑی جمعیت بھیجی گئی جس نے ان چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے قلعے سے صرف اٹھارہ سو گز کے فاصلے پر اپنے قدم مضبوطی سے جا لیے۔[22]

6 تاریخ فلائڈ اس فوج کو لینے کے لیے آگے بڑھا جو اسٹورٹ کے تحت مغرب کی سمت سے بڑھ رہی تھی۔ یہ خبر سُنتے ہی ٹیپو نے قمرالدین خاں کو روانہ کیا تاکہ وہ اس کی فوج کو روکے اور دونوں فوجیں ملنے نہ پائیں۔ لیکن خان نے ٹیپو کے احکام کو نظر انداز کیا اور خاموش پڑا رہا۔[23] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلائڈ بمبئی کی فوج سے مل جانے میں کامیاب ہو گیا اور کاویری کو عبور کرکے آسانی سے سرنگاپٹم پہنچ گیا۔ لیکن اسٹورٹ کے پاس خود رسد کی کمی تھی، وہ بھلا جنرل کے لیے کہاں سے رسد لاتا۔ 5 تاریخ کو معلوم ہوا کہ ہیرس کی فوج میں بھی رسد کا توڑا ہے۔ 18 تاریخ ہیرس نے ولزلی کو لکھا کہ "آج صبح کو جب صحیح مقدار معلوم کرنے کے لیے چاول تولے گئے تو معلوم ہوا کہ، نقصان یا دھوکہ دہی کی وجہ سے، صرف اتنا چاول رہ گیا ہے جو سپاہیوں کے لیے نصف راشن کے حساب سے صرف اٹھارہ دن چل سکے گا۔ اگر 6 رمئی تک کرنل ریڈ کا باجرا نہ پہنچا تو فوج بلا راشن کے رہے گی۔"[24] ہیرس نے یہ بھی لکھا تھا کہ "کورگ کے علاقے میں کھانے پینے کا سامان بہت ہے، لیکن اسے یہاں تک پہنچانے یا لانے کے وسائل ہمارے پاس نہیں ہیں۔"[25] ہیرس نے اپنی ڈائری میں بھی رسد کی کمی کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ کرنل ریڈ کے ساتھ اگر 6 تاریخ تک سامانِ رسد نہ پہنچا تو فوج کو فاقہ کشی کرنی پڑے گی۔[26]

رسد کی کمی نے ہیرس کو مجبور کیا کہ قلعہ پر حملہ کرنے میں وہ عُجلت سے کام لے۔ حملے کے لیے قلعہ کے

شمال مغربی حصّے کا انتخاب کیا گیا، کیونکہ انجینیئروں کے مشورے کے مطابق یہی کمزور ترین حصّہ تھا۔ سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی کہ میسوریوں کو ان مقامات سے ہٹایا جائے، جو قلعہ کی دیواروں کے باہر ان کے قبضے میں ہیں۔ میسوریوں کی مسلسل مزاحمت کے باوجود انگریز تیزی سے بڑھتے رہے۔ 26 مئی کی رات کو میسوریوں کی چوکیوں پر حملہ کیا گیا اور شدید مقابلے کے بعد، جو رات بھر جاری رہا تھا، ان پر قبضہ ہو گیا۔ ان چوکیوں پر قبضہ ہیرس کے لیے بے حد قابل قدر ثابت ہوا، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایسی جگہ اس کے ہاتھ آگئی جہاں قلعہ شکن توپیں کھڑی کی جا سکتی تھیں۔

دریں اثنا اپنی راجدھانی کو خطرے میں دیکھ کر ٹیپو نے ایک بار پھر انگریزوں سے صلح کی کوشش کی۔ 9 اپریل کو اس نے ایک خط ہیرس کو لکھا، جس میں اس نے میسور پر حملے کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے نام ولزلی کا آخری خط بھی منسلک کر دیا۔ لیکن ہیرس نے اس کا تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ اس نے صرف ان خطوط کی طرف توجّہ دلائی جو ولزلی نے ٹیپو کو لکھے تھے۔ 20 اپریل کی شام کو ٹیپو نے پھر ہیرس کو لکھا، جس میں انگریزوں کے ساتھ امن سے رہنے کی خواہش کا اعادہ کرتے ہوئے صلح کے مذاکرات کے لیے اپنا وکیل بھیجنے کی تجویز پیش کی تھی۔[27] 22 اپریل کو اس کا جواب دیتے ہوئے ہیرس نے ابتدائی صلح نامہ کا ایک مسودہ بھی منسلک کیا، جسے سُلطان کو قبول کرنا تھا، اگر وہ مصالحت کا خواہاں ہو۔

ولزلی نے 22 فروری کو ہیرس کو یہ ہدایت کی کہ قلعہ سرنگاپٹم پر گولا باری شروع کرنے سے پہلے وہ سلطان کو مسودہ (الف) بھیجے، لیکن گولا باری شروع ہو جانے کے بعد مسودہ (ب)۔ دوسرے میں پہلے سے زیادہ سخت شرائط تھیں۔[28] تاہم ہیرس نے 22 فروری کو صلح نامے کا جو ابتدائی مسودہ بھیجا، وہ مسودہ (ب) کی سخت ترین شرطوں پر مشتمل تھا، اگرچہ اس وقت تک قلعہ شکن توپیں نصب بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ان شرطوں کے مطابق ٹیپو کو اپنی آدھی قلمرو سے دستبردار ہونا تھا، دو کروڑ روپے تاوان جنگ کے ادا کرنے تھے۔ ایک کروڑ فوری طور پر اور ایک کروڑ چھ ماہ کے اندر۔ یرغمال کے طور پر اپنے چار بیٹوں اور چار جنرلوں کو دینا تھا۔ یرغمالیوں کو نامزد ہیرس کو کرنا تھا۔ ان شرطوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر قبول کرنا تھا اور تاوان کی رقم اور یرغمالیوں کو اڑتالیس گھنٹے کے اندر پیش کرنا تھا۔ اگر ٹیپو نے یہ شرطیں قبول نہ کیں تو صلح نامہ ہونے کے وقت قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ کرنے کا مُطالبہ کرنے کے لیے بھی ہیرس خود کو آزاد متصوّر کرے گا۔[29]

ٹیپو نے ان شرائط کو نہایت سنگدلانہ سمجھا اور انھیں مسترد کر دیا۔ اسے 1792ء کا وہ صلح نامہ یاد تھا، ٹیپو وہ سلوک بھی نہیں بھولا تھا جو انگریزوں نے اس کے دو بیٹوں کو یرغمالی بنانے اور روپے وصول کرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ انگریزوں کی تجویز اگر اس نے قبول کر لی تو اس بار پہلے سے بھی زیادہ ذلّت آمیز

اور سخت شرطیں اسے قبول کرنی پڑیں گی۔ لیکن ٹیپو اگر ان شرطوں کو مان بھی لیتا تو ہیرس کسی نہ کسی بہانے سے معاہدہ کو توڑتا، کیونکہ ولزلی نے اسے ہدایت کی تھی کہ ٹیپو کی طاقت کو "اگر ممکن ہو تو بالکل برباد" کر دینا چاہیے۔[30] صلح کی شرطیں جو ہیرس نے ٹیپو کے سامنے رکھی تھیں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ قلعہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل ہو سکیں۔

28 اپریل کی صبح کو ٹیپو نے ایک اور خط ہیرس کو لکھا، جس میں انگریزی نمائندوں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لیے اپنے دو وکیلوں کو بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔[31] اس کے جواب میں ہیرس نے لکھا کہ مجوزہ مسودے میں کسی قسم کا رد و بدل ممکن نہیں ہے، اس لیے سفیروں کا بھیجنا غیر ضروری ہے اور اس وقت تک ان سے گفتگو کی ہی نہ جائے گی جب تک یرغمالی بھی ان کے ہمراہ نہ ہوں گے۔ اور یہ کہ جواب کے لیے کل تین بجے تک کا وقت دیا جاتا ہے۔[32]

دریں اثنا جنگی تیاریاں ملتوی نہیں کی گئی تھیں۔ قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کے لیے ان توپوں کے دہانے کھول دیے گئے، جو 28 اپریل کو نصب کی گئی تھیں۔ 3 مئی کو شگاف پڑ ہی گیا۔ اگرچہ وہ نامکمل تھا، تاہم ہیرس نے فوراً دھاوا بول دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے علاوہ حقیقتاً کوئی چارہ بھی اس کے پاس نہیں تھا کیونکہ سامانِ رسد قریب قریب ختم ہو چکا تھا اور اس کی فوج بڑی حد تک فاقے کر رہی تھی۔ خود ہیرس نے کیپٹن مالکم سے یہ اعتراف کیا تھا کہ "غذا کی کمی اور تھکن سے میرے خیمے کا یورپین سنتری اس درجہ کمزور ہو گیا ہے کہ کوئی بھی سپاہی اسے دھکا دے کر گرا سکتا ہے۔"[33] ان حالات میں سرنگاپٹم پر قبضہ کرنا انگریزی فوج کے لیے ناگزیر تھا۔ لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس کے فاقہ زدہ سپاہی قلعہ پر قبضہ نہ کر سکیں گے، ہیرس نے میر صادق کی امداد حاصل کرنا ضروری سمجھا، جو پرنیا اور قمر الدین خاں ہی کی طرح اپنے آقا کے خلاف انگریزی فوج سے نامہ و پیام رکھتا تھا۔

3 مئی کی رات کو چند افسروں نے قلعہ کے پشتے کو پار کر کے شگاف کا معائنہ کیا اور حملہ کرنے کے طریقے کی جانچ پڑتال کی۔[34] غالباً اسی موقع پر انگریز افسروں اور میر صادق نے یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ پر دوپہر کو حملہ کیا جائے۔ دوسرے دن صبح تک حملے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تقریباً پانچ ہزار سپاہی حملے کے لیے متعین کیے گئے جن میں تین ہزار یورپین تھے۔ صبح ہونے سے پہلے ہی سپاہیوں کو خندق میں داخل کر دیا گیا، تاکہ شبہ کا امکان نہ رہ جائے۔ حملے کے مقررہ وقت پر تنخواہیں تقسیم کرنے کے بہانے سے میر صادق نے ان سپاہیوں کو واپس بلا لیا جو شگاف کی حفاظت کے لیے تعینات تھے۔[35] اس اقدام کے خلاف احتجاج کرنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ سیّد غفار جو سلطان کا انتہائی وفادار تھا، بد قسمتی سے اس کی جان توپ کے گولے کی نذر ہو گئی تھی۔ سیّد کے ہلاک ہوتے ہی غداروں نے قلعہ سے سفید رومال ہلا کر انگریزی فوج کو حملہ کرنے کا اشارہ کیا، جو خندق میں چھپی ہوئی اس اشارے کی

منتظر تھی۔[36] انگریزی فوج فوراً حرکت میں آگئی۔" خندق سے دریا کے کنارے کا فاصلہ صرف سو گز کا تھا۔ دریا کی تہ میں چٹانیں تھی اور اس کی گہرائی میں بھی یکسانیت نہیں تھی۔ کسی جگہ گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا اور کسی جگہ کمر کمر۔ دریا کی چوڑائی 280 گز تھی۔ اس کے بعد ایک سنگی دیوار اور پھر 60 گز چوڑی خندق تھی۔ اور ان سب کے بعد شگاف تھا۔[37] مزید براں قلعہ سے گولا باری کے لیے راستہ صاف تھا۔[38] ان سب کے باوجود مٹھی بھر سپاہیوں نے خندق سے نکلنے کے بعد سات منٹ میں شگاف کے سرے پر برطانوی جھنڈا نصب کر دیا۔[39]

شگاف پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزی فوج دو کالموں میں تقسیم کر دی گئی۔ یمینی کالم کرنل شربروک کے تحت تھا، جسے جنوبی دمدمہ پر حملہ کرنا تھا۔ یساری کالم جو کرنل ڈنلپ کے تحت تھا، اسے جنوبی دمدمہ پر حملہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اور پھر دونوں کمانڈروں کو مشرقی دمدمہ پر ملنا تھا۔ یمینی کالم کو آگے بڑھنے میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بیٹسن لکھتا ہے کہ "تین سوار جو جنوبی رُخ پر تھے، یمینی حملے کو ان کی شدید مزاحمت کا مقابلہ کرنے کا اندیشہ تھا، لیکن انھوں نے خوش قسمتی سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ عظیم الشان تنصیبات حوالے کر دی گئیں اور ان پر نیز تمام جنوبی دمدموں پر قبضہ کر لینے میں یمینی حملہ کامیاب رہا اور ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں وہ مشرقی رُخ پر جا پہنچے۔"[40]

یمینی حملے کے برعکس، یساری حملے کو شدید مقابلے کا سامنا کرنا پڑا۔ شگاف پر ٹیپو کے ایک افسر سے دست بدست جنگ میں ڈنلپ کی کلائی پر تلوار کا زخم آیا، لیکن اس کے سپاہیوں نے شمال مغربی برج پر قبضہ کر لیا۔ مگر اس کے بعد اس کالم کو اتنی شدید مزاحمت کا سامنا پڑا کہ وہ آگے بڑھ ہی نہ سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حملے کی خبر سُن کر ٹیپو خود اپنے سپاہیوں کو مجتمع کرنے کے لیے وہاں پہنچ گیا تھا۔ تمام بڑے انگریزی افسر مقتول یا مجروح ہوئے۔ یہ دیکھ کر لفٹننٹ فرکوہر نے کالم کی کمان سنبھالی، لیکن وہ بھی فوراً مارا گیا۔ اگر کچھ تازہ دم سپاہی کالم کی کمک کو نہ پہنچ جاتے تو انگریزوں کا اور زیادہ نقصان ہوتا، بلکہ انھیں پسپا ہونا پڑتا۔

ہوا یہ تھا کہ بائرڈ نے جب شگاف پر قبضہ کر لیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے سامنے پانی سے لبریز ایک ناقابل عبور خندق اور مزید تنصیبات بھی ہیں، جو بیرونی دمدمہ کو اندرونی دمدمہ سے جُدا کرتی ہیں۔ "خُدا خیر کرے۔" جنرل چلا پڑا "ان پر ہم کیسے قبضہ کریں۔" خوش قسمتی سے کیپٹن گڈال ایک دستے کو ساتھ لے کر خندق کو ایک تختے کی مدد سے پار کر کے اندرونی دمدمے میں داخل ہو گیا۔[41] اس موقع پر بھی کسی مزاحمت کا اسے سامنا نہیں ہوا۔ بیٹسن کا بیان ہے کہ "اندرونی، یا دوسرا، دمدمہ اور کیولیر اس حد تک بالکل سنسان تھا کہ ہز مجسٹی کی رجمنٹ کے آٹھ دس سپاہیوں کی مختصر سی پارٹی نے شگاف کے داہنی جانب سے داخلی خندق کو پار کر کے مغربی کیولیر پر قبضہ کر لیا۔"[42] اس کے بعد یہ دستہ اصلی کالم کے متوازی گزرا اور داہنے کالم کی کمک کو

پہنچا۔ میسوری، جن پر اندرونی اور بیرونی دونوں دمدموں سے آتش باری ہو رہی تھی، حواس باختہ ہو کر بھاگ گئے۔ کیپٹن لیمبٹن نے، جس نے اب یساری کالم کی کمان سنبھالی تھی، میسوریوں کو شمال مشرقی رُخ پر دھکیل دیا۔ کچھ بچ نکلے لیکن ہزارہا تہ تیغ ہوئے۔ اس طرح سے ایک گھنٹے کے اندر، محل کے علاوہ، دمدموں پر اور تمام قلعہ بندیوں پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔[43]

انگریز جب سے سرنگاپٹم کے سامنے نمودار ہوئے تھے، اس وقت سے ٹیپو دمدموں پر پڑاؤ ڈالے رہا اور غنیم کی نقل و حرکت کے مطابق اپنی جگہیں بدلتا رہا۔ پہلے اس نے جنوبی رُخ پر اپنا خیمہ نصب کرایا، پھر وہ مغربی رُخ پر چلا گیا، اور جب انگریزوں نے اپنے پہلے توپخانوں کے دہانے کھول دیے تو ایک چھوٹی سی سنگی چھولداری میں اپنا ہیڈکوارٹر بنایا۔ وہیں وہ کھانا کھاتا اور سوتا تھا، اور وہیں سے قلعہ کی مدافعت کے لیے اپنے افسروں کو ہدایات جاری کرتا تھا۔ 4 تاریخ صُبح کو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ٹیپو نے دیوار کے شگاف کا معائنہ کیا اور اس کی مرمّت کا سفر مینا کو حکم دیا۔ اس کے بعد محل لوٹ کر اس نے غسل کیا۔ صبح کو ہندو اور مُسلمان نجومیوں نے اسے متنبہّ کیا تھا کہ آج کا دن اس کے لیے نحس ہے، اس لیے شام تک وہ چھاؤنی ہی میں رہے اور نحوست کے دفعیہ کے لیے اسے خیر خیرات کرنا چاہیے۔ غسل کرنے کے بعد اس نے اُن غربا میں روپے اور کپڑے تقسیم کیے، جو وہاں جمع ہو گئے تھے۔ چناپٹ کے بڑے پروہت کو ایک ہاتھی، تلہن کے بیج کا ایک بورا اور دو سو روپے نذر کیے۔ دوسرے برہمنوں کو ایک سیاہ بیل، ایک دودھ دینے والی بھینس، ایک بھینسا، ایک سیاہ بکرا، سیاہ معمولی کپڑے کی سدری، اسی کپڑے کی ٹوپی، نوّے روپے اور لوہے کا ایک تسلا، جس میں تیل بھرا تھا، پیش کیا۔ نحوست کو ٹالنے کے لیے اس نے تسلے پر جُھک کر تیل میں اپنا عکس دیکھا۔[44] حضرات کو پھر وہ چھولداری میں واپس لوٹ آیا اور دسترخوان لگانے کا حکم دیا۔ ابھی اس نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ سید غفار کے مارے جانے کی خبر موصول ہوئی۔ قلعہ کے جنوبی رُخ کا دفاع سید غفار ہی کے سپرد تھا۔ سپر میناؤں کو جنوبی دمدمہ تک پہنچنے کا راستہ کاٹ دینے کا حکم وہ دے رہا تھا کہ توپ کے ایک گولے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ وہ ایک بہادر اور وفادار افسر تھا۔ اس کے مارے جانے کی خبر سُن کر سلطان کو بے حد صدمہ ہوا۔[45] کھانا چھوڑ کر وہ کھڑا ہو گیا اور ہاتھ دھو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور شگاف کی طرف چل پڑا۔[46] لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی انگریز وہاں اپنا جھنڈا نصب کر چکے تھے اور دمدمہ پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ لیکن سلطان کی موجودگی نے اس کے سپاہیوں کی ہمّت بڑھا دی۔ انھوں نے جم کر مدافعت کی اور دشمن کے یساری کالم کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن اندرونی اور بیرونی دمدموں سے انگریزی فوج نے جب میسوریوں پر گولا باری شروع کی تو اس کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ گئے۔[47] نھیں مجتمع کرنے کی ٹیپو کی

کوشش ناکام رہی۔

اس جنگ کے دوران میں ٹیپو پیادہ پا رہا اور ادنیٰ سپاہی کی طرح لڑتا رہا لیکن اس کے سپاہیوں نے جب ہمت بالکل ہار دی تو گھوڑے پر سوار ہو کر وہ دریا کے بند کے دریچے پر پہنچا۔ ولکس کا بیان ہے کہ ٹیپو اگر چاہتا تو آسانی سے فرار ہو سکتا تھا، کیونکہ آبی پھاٹک قریب ہی تھا۔[48] دوسری طرف بیٹسن کا یہ کہنا ہے کہ پھاٹک پر اتنی بھیڑ تھی کہ نکل کر شہر کی طرف جانے کا اسے راستہ ہی نہ ملا۔[49] لیکن حقیقت یہ ہے کہ پھاٹک ارادی طور پر بند کر دیا گیا تھا، تاکہ سلطان فرار نہ ہو سکے۔ قلعدار میر ندیم پھاٹک کی چھت پر کھڑا تھا، لیکن اس نے اپنے آقا کو نظر انداز کیا۔[50] پھر ٹیپو اس پھاٹک پر پہنچا جہاں سے قلعہ کے اندرونی حصے کو راستہ جاتا تھا۔ وہ پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا اور پھاٹک پر پہنچنے سے قبل دوبارہ مجروح ہوا، مگر وہ بڑھتا ہی رہا۔ انگریزی فوج اندرونی اور بیرونی دمدموں سے میسوریوں پر تباہ کن گولا باری کر رہی تھی، جو بھاگنے کے لیے دروازے پر دونوں طرف سے ہجوم کر رہے تھے۔ پھاٹک سے گزرنے کی کوشش میں ٹیپو تیسری بار مجروح ہوا۔ اس مرتبہ اس کے سینہ پر بائیں جانب زخم آیا تھا۔ اس کے گھوڑے نے بھی زخمی ہو کر اس کی رانوں کے نیچے دم توڑ دیا۔ خادموں نے اسے پالکی میں باہر لے جانے کی کوشش کی، لیکن راستہ مقتولین اور دم توڑتے ہوئے مجروحین سے اَٹا اَٹا تھا کہ یہ کوشش ناکام ہو گئی۔[51] اس موقع پر اس کے خادم خاص راجا خاں نے مشورہ دیا کہ دشمن پر وہ اپنی شخصیت ظاہر کر دے، لیکن اس مشورے کو اس نے مسترد کر دیا۔ انگریزوں کا قیدی بننے سے وہ مرنا بہتر سمجھتا تھا۔[52]

تھوڑی دیر کے بعد چند انگریز سپاہی پھاٹک میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے ٹیپو کی تلوار کی بیش قیمت پیٹی جھپٹ لی۔ اس وقت خون بہہ جانے کی وجہ سے اگرچہ وہ نڈھال ہو رہا تھا، تاہم اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا۔ ایک تلوار جو قریب ہی پڑی تھی، ٹیپو نے اُٹھا کر سپاہی پر وار کیا، جو اس کی دستی بندوق پر پڑا، ایک وار اس نے ایک دوسرے سپاہی پر کیا جو کاری ثابت ہوا۔ اسی اثنا میں ایک گولی اس کی کنپٹی میں لگی اور اس کا کام تمام ہو گیا۔[53]

اسی دوران میں اس کامیابی کے لیے شور بلند ہوا کہ انگریزی فوج کے دونوں کالموں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ہے اور جلد ہی ملنے والے ہیں۔ اب میسوری بہت حواس باختہ ہو چکے تھے اور ہر طرف سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ سپاہیوں نے مشرقی، یا بنگلور دروازے سے نکل جانے کی کوشش کی۔ لیکن اس مقام پر انگریزوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور پھاٹک کو آگ لگا دی۔ بہت سے سپاہی نذر آتش ہوئے اور جو بچے وہ دشمن کے نیزوں کا شکار ہوئے۔ [54]

دمدموں پر قبضہ ہو جانے کے بعد محل پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس لیے میجر ایلین کو التوائے جنگ کا سفید جھنڈا لے کر محل کے اندر کے لوگوں کو یہ اطلاع دینے کے لیے بھیجا گیا کہ اگر وہ فوراً اطاعت قبول کر لیں گے تو

جاں بخشی کی جائے گی، لیکن انھوں نے مقابلہ کیا تو انھیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ ایلن نے یہ اطلاع ان لوگوں کو دی جو شہ نشین پر کھڑے تھے۔ یہ سُن کر محلدار دو آدمیوں کے ساتھ ایک زیرِ تعمیر دیوار کی طرف نیچے اُترا۔ ایلن کو محسوس ہوا کہ یہ لوگ اطاعت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، چنانچہ اس نے خود محل میں جانے اور ٹیپو سے گفتگو کرنے پر اصرار کیا۔ اگرچہ محل کے لوگوں نے ایلن کو بتایا کہ سلطان وہاں نہیں ہے، تاہم اس نے یہ باور نہیں کیا اور ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف سے اندر داخل ہوگیا۔ وہ شہزادوں سے ملا اور پھاٹک کھولنے کا ان سے مطالبہ کیا۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ محل کا پھاٹک اپنے والد کی اجازت کے بغیر کھول نہیں سکتے، اور اس وقت وہ محل میں ہیں نہیں۔ لیکن اپنی بے بسی کے احساس اور ایلن کے اس وعدے کے پیش نظر کہ ہر شخص کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی، انھوں نے ایلن کی تجویز قبول کر لی۔ پھاٹک کُھلا تو اس کے باہر بائرڈ سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ منتظر کھڑا تھا۔ وہ اندر داخل نہیں ہوا بلکہ شہزادوں کو پیش کیے جانے کا حکم دیا۔ شہزادے باہر آنا نہیں چاہتے تھے، لیکن یہ دیکھ کر کہ انکار بے سود ہے، وہ باہر آگئے۔ بائرڈ ان سے اچھی طرح پیش آیا اور انھیں ہیرس کے پاس بھیج دیا۔[55]

شہزادوں کو قیدی بنا لینے کے بعد محل میں ٹیپو کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس کے متعلق اب تک زندہ ہونے کا یقین تھا۔ کچھ انگریز سپاہیوں نے محل میں گھس کر تلاشی لی، لیکن سلطان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ محل دار نے یقین دلایا کہ وہ محل میں نہیں ہے اور انھیں بتایا کہ حملے کے دوران وہ زخمی ہوا تھا اور قلعہ کے شمالی پھاٹک پر پڑا ہے۔ بلکہ اس نے وہاں تک ان کی رہنمائی کرنے کی بھی پیش کش کی۔ میجر بائرڈ اور کچھ دوسرے افسر اس کے ساتھ اس جگہ تک گئے، جو مقتولین اور مجروحین سے اٹی پڑی تھی۔ ایک روشنی کی مدد سے ٹیپو کی پالکی ملی، جس میں راجا خاں مُہلک طور پر مجروح پڑا تھا۔ اسی نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں ٹیپو مجروح ہو کر گرا تھا۔ ایک عینی شاہد میجر ایلن نے لکھا ہے کہ "ٹیپو کو پھاٹک سے نکال کر باہر لایا گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور جسم گرم تھا۔ چند لمحوں کے لیے کرنل ولزلی کو اور مجھے شُبہ ہوا کہ شاید وہ زندہ ہے۔ لیکن نبض اور قلب کی حرکت دیکھنے کے بعد شُبہ رفع ہوگیا۔ اس نے چار زخم کھائے تھے۔ تین جسم پر اور ایک کنپٹی پر۔ گولی کان کے قریب سے گزرتی ہوئی گردن میں بیٹھ گئی تھی.... اس کے جسم پر نفیس کپڑے کی آستین دار صدری، چھینٹ کا پھولدار ڈھیلا ڈھالا زیر جامہ اور کمر کے گرد ارغوانی رنگ کا ریشمی و سوتی کپڑے کا پٹکا تھا۔ سر ننگا تھا۔ اس کی پگڑی غالباً کش مکش میں گر گئی تھی۔ ایک خوبصورت تھیلا بھی اس کے شانے پر لٹک رہا تھا، جس میں سرخ اور سبز پیٹی لگی تھی۔ اس کے بازو پر ایک تعویذ تو بندھا تھا، لیکن اور کوئی زیور نہیں تھا۔ اس کے چہرے سے دقار یا ایک طرح کی درشتی ٹپک رہی تھی، جو اسے عام لوگوں سے ممیز کرتی تھی۔[56] ایک دوسرے

شاہد کے مطابق "اس کے خدوخال سے نہ تو جذبات کا ہیجان ٹپک رہا تھا اور نہ زندگی کا چراغ گل ہونے سے وہ مسخ ہوئے تھے ـــــ اس کے چہرے پر غیر معمولی وقار اور خلوص سایہ فگن تھا۔ اس کا بشرہ نجابت و قناعت کا آئینہ دار تھا۔ قصہ مختصر، سلطان کے چہرے پر کسی غضب ناک جذبے کا نام و نشان بھی نہ تھا، بلکہ اس کے چہرے سے وہ طمانیت اور خوش خلقی ٹپک رہی تھی جس کے لیے وہ زندگی میں بھی ممتاز رہا تھا۔"[57]

دوسرے دن سہ پہر کو محل سے جنازہ اٹھا۔ جنازہ بردار اس کے چار خاص خدام تھے۔ چار یورپین کمپنیاں مشایعت کر رہی تھیں۔ شہزادہ عبدالقادر گھوڑے پر سوار جنازے کے بالکل عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے دربار کے بڑے بڑے منصب دار تھے۔ "جلوس جس راستے سے گزر رہا تھا وہاں شہری دو رویہ کھڑے تھے۔ ان میں سے بیشتر جنازے کے سامنے سر بسجود ہو جاتے اور اپنے غم کے اظہار کے لیے دھاڑیں مار کر روتے۔"[58] جب اس کا جسدِ خاکی لال باغ کے مقبرے کے پھاٹک پر پہنچا تو سپاہیوں نے احتراماً اپنے اسلحے نیچے کر لیے۔ اور جب حیدر علی کے پہلو میں اسے سپردِ خاک کر دیا گیا تو پانچ ہزار روپے ان غربا میں تقسیم کیے گئے جو جنازے کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ منظر کی سوگواری میں اضافے کے لیے اس شام کا خاتمہ ایک ہیبت ناک طوفان پر ہوا، جس کے جلو میں بارش تھی، گرج چمک اور بجلیاں تھیں، جس سے بمبئی کے کیمپ کے دو افسروں کی جانیں گئیں اور بہت لوگ شدید زخمی ہوئے۔[59]

۴ مئی کی رات کو انگریزی فوج نے شہر کا ایک ایک گھر لوٹا۔ بہت سے گھروں کو نذرِ آتش کر دیا اور شہریوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ آرتھر ولزلی کے بیان کے مطابق اس رات کو جو کچھ ہو گیا، اس سے زیادہ ممکن نہیں تھا۔[60] سپاہیوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا تھا کہ "ہر سپاہی اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے، کچھ سامان اپنے اس ساتھی کی طرف پھینک دیتا، جو اسے راستے میں ملتا۔"[61] بیش قیمت جواہرات اور سونے اور چاندی کی اینٹیں سپاہی کیمپ میں فروخت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔[62]

سپاہی جو محل کے خزانے میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے، روکے جانے سے پہلے ہی، بڑی تعداد میں سکے اور جواہرات نکال لے گئے۔ جو بیش قیمت سامان ان کے ہاتھ آیا، اس میں ایک جڑاؤ صندوقچہ بھی تھا، جس کی مالیت پینتالیس لاکھ روپے تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سپاہی کو ٹیپو کا بازو بند مل گیا، جسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک سرجن کے ہاتھ اس نے پندرہ سو روپے میں بیچ دیا۔ سرجن نے اسے اتنی بڑی رقم میں فروخت کیا کہ اس سے دو ہزار پونڈ سالانہ کی اسے آمدنی ہو گئی۔[63] غارتگری و تاراجی کا سلسلہ ۶ تاریخ تک جاری رہا، تا آنکہ کرنل ولزلی نے امن و امان قائم کیا، جسے سرنگاپٹم کا منتظم بنایا گیا تھا۔ اس لوٹ کے بعد بھی محل میں ایک بیش بہا خزانہ رہ گیا تھا۔ اس میں ایک تختِ شاہی، خوبصورت چاندی کا ہودہ، ٹھوس چاندی

اور سونے کی پلیٹیں، بھاری جڑاؤ توڑے دار بندوقیں اور مرصع تلواریں، بیش قیمت قالین، ریشم اور ململ کے بہترین تھان اور جواہرات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔[64] محل میں ایک قابل قدر کتب خانہ تھا، جس میں تاریخ، فقہ، تصوف، طب، حدیث اور دوسرے موضوعات پر عربی، فارسی، اُردو اور ہندی مخطوطات تھے۔[65] ہیرے کا ایک تمغہ، کچھ زیورات اور ٹیپو کی تلوار، انگریزی فوج کی طرف سے، ولزلی کو پیش کی گئی۔ ٹیپو کی ایک اور تلوار ہیرس نے مجمع عام کے سامنے پیش کی اور ٹیپو کے تخت سے ایک شیر کا مرصع سر نکال کر ونڈسر کیسل کے خزانے کی زینت بنایا گیا۔

ٹیپو کی ایک پگڑی، اس کی ایک تلوار اور مُراری راؤ کی تلوار کارنوالس کو بھیجی گئی تھی۔[66] فوج میں تقسیم کیے جانے والے انعامی فنڈ کی مجموعی قیمت بیس لاکھ پونڈ تھی۔ اس میں سے 902ء 42ء1 پونڈ ہیرس کو ملے تھے۔[67] میر عالم کو چھ ہزار حیدر آبادی سواروں میں تقسیم کرنے کے لیے ایک لاکھ پگوڈا دیے گئے۔ میر عالم اور نظام دونوں نے، کمپنی کے سپاہیوں کو ملنے والی رقم کے مقابلے میں اسے بہت کم سمجھا اور بے حد غیر مطمئن رہے۔[68]

سرنگاپٹم کی شکست کے بعد سلطنت میسور انگریزوں کے رحم وکرم پر تھی۔ یہ سچ ہے کہ انھوں نے صرف راجدھانی اور چند چھوٹے چھوٹے قلعوں ہی پر قبضہ کیا تھا، اور میسور کا بہت بڑا حصّہ، جس میں چیتل درگ اور سیرا جیسے اہم قلعے بھی شامل تھے، میسوریوں ہی کے قبضے میں تھے۔ لیکن مُقابلے کی روح بھی سلطان کے ساتھ ہی رُخصت ہو چکی تھی۔ ہیرس نے میر صدور غلام علی خاں کو مطلع کیا کہ میسور کے قلعوں پر انگریزی تسلط قائم کرنے میں اگر وہ مدد کرے تو گورنر جنرل اس کی جاگیر کی توثیق کرنے کے علاوہ اسے موروثی بھی کر دیں گے اور معقول معاوضہ بھی دیں گے۔ اس کے بعد غلام علی خاں نے قلعداروں کو اطاعت قبول کر لینے کی ہدایات جاری کر دیں۔ صرف ہولال اور گوٹی کے قلعوں نے مزاحمت کی، لیکن ان پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔[69] دوسرے بڑے بڑے افسر پہلے ہی انگریزوں سے خُفیہ معاملت کر چکے تھے، اب انھوں نے باضابطہ اطاعت قبول کر لی۔

ٹیپو کے دوسرے بیٹے عبدالخالق نے سرنگاپٹم کے ہتھیار ڈالنے کے دوسرے ہی دن اپنے کو انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ فتح حیدر کو ڈھونڈیا اور دوسرے افسروں نے، جو اس کے باپ کے وفادار رہے تھے، جدوجہد جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن ہیرس کی مصالحت آمیز باتوں اور اس کے افسروں کی اس یقین دہانی کے پیش نظر کہ اس کے باپ کی سلطنت اسے واپس دے دی جائے گی، فتح حیدر نے اپنے کو انگریزوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔[70] ——— پرنیا کا خیال تھا کہ "ریاست کے تمام شعبوں میں مسلم مفاد اس درجہ دخیل ہے کہ فوج اور ریاست کے صاحب اقتدار طبقے کے لیے کوئی دوسرا انتظام قابل قبول نہ ہوگا۔"[71] چنانچہ اس نے تجویز پیش کی کہ میسور کے تخت پر فتح حیدر کو بٹھا دیا جائے۔ مگر انگریز اس سے خراج وصول

کریں اور حربی اہمیت کے قلعوں میں انھیں اپنی حفاظتی فوج رکھنے کا حق ہو۔ لیکن ولزلی نے یہ تجویز اس بنا پر مسترد کر دی کہ "اس نوع کے معاہدے کی آغوش میں ایک ایسا متلوّن اور قوی عنصر پرورش پائے گا، جو خود اس معاہدے کی منسوخی کا ضامن ہوگا۔"[72] حقیقت یہ ہے کہ میسور پر حملے سے پہلے ہی ولزلی نے یہ طے کر لیا تھا کہ ٹیپو اور اس کے خاندان کو یکسر تباہ کر دینا ہے۔ اس لیے فتح حیدر کو میسور کی سلطنت دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ فتح حیدر کو 000ء42ء2 پگوڈا سالانہ کا وظیفہ دے کر ویلور کے قلعے میں اقامت اختیار کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ 1807 کی ویلور کی بغاوت میں شہزادے کے بھی ملوث ہونے کا شبہ تھا، اس لیے اسے جلاوطن کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا، جہاں آج بھی اس کی اولاد موجود ہے جو تنگدستی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

ٹیپو کے بیٹوں اور افسروں کے اطاعت قبول کر لینے کے بعد سلطنت میسور کا الحاق کر لینے کی راہ ولزلی کے لیے صاف ہو گئی تھی۔ اس سے زیادہ اور کسی بات سے اسے تشفی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید براں اس عمل سے ڈنڈاس کی خواہش کی بھی تکمیل ہو گئی تھی جو سلطنت میسور کے الحاق کے حق میں تھا۔ دوعملی کی حکومت کے تلخ تجربے کے بعد وہ اس خیال سے متفق نہیں تھا کہ میسور کے سابق راجا کو بحال کیا جائے، جس کی حیثیت صفر کے برابر ہوگی۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ نظام کو یا مرہٹوں کو سلطنت میسور کا کوئی حصّہ دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ نظام اگر مصر ہی ہو تو اسے نقد رقم دے دی جائے یا پھر شمالی سرکار اس کے حوالے کر دینا بہتر ہوگا۔[73] لیکن ولزلی کے لیے اس مشورے پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ایسا کیا گیا تو "حیدر آباد اور پونا میں ایسی آگ مشتعل ہوگی، جسے بغیر دوسری جنگ کے بجھانا بے حد مشکل ہوگا۔"[74] وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ پوری ریاست کو کمپنی اور حیدر آباد میں تقسیم کر دیا جائے، کیونکہ اس سے نظام کے اتنے با اقتدار ہو جانے کا اندیشہ تھا، جس سے مرہٹوں میں حسد پیدا ہوتا۔[75] چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ سلطنت میسور کے مرکزی حصّے کو موجودہ حالت میں چھوڑ دیا جائے اور اسے میسور کے قدیم حکمران خاندان کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک "مزید تحفظ" ہاتھ آ جائے گا، یعنی "میسور کے ہندو اور مسلمان فی الوقت اور آئندہ کے لیے بھی، ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔"[76] اس کے بعد ریاست میسور کا باقی بچنے والا حصّہ کمپنی اور نظام میں تقسیم ہونا تھا اور تھوڑا سا حصّہ مرہٹوں کے حصے میں بھی آنا تھا۔

یہ بڑا عیّارانہ فیصلہ تھا، کیونکہ اس طرح سے انگریز پوری سلطنت میسور کے مالک ہو گئے تھے۔ پورا کرناٹک، ویاند، کوئمبٹور، دھارپورم اور سرنگاپٹم کا شہر اور جزیرہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ نظام کو گوٹی، گرم کنڈا اور ضلع چیتل درگ کا ایک حصّہ ملا۔ پیشوا نے انگریزی شرائط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نتیجے

میں سندا اور ہر پانہالی کے اضلاع بھی، جو پیشوا کے لیے مخصوص کیے گئے تھے، کمپنی اور نظام میں تقسیم ہوگئے۔ بہرکیف نظام اپنے ان جدید مقبوضات سے زیادہ عرصے تک متمتع نہیں ہوسکا، کیونکہ 1800 میں یہ سارا علاقہ اسے کمپنی کے حوالے کردینا پڑا۔ ریاست میسور کا جو حصہ راجا میسور کے لیے الگ کیا گیا تھا وہ بھی برطانوی مقبوضہ بن گیا۔ کیونکہ ولزلی کے دباؤ میں آکر راجا نے کمپنی سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے مطابق اس کی حیثیت برائے نام ہی رہ گئی تھی اور سارا اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ مِل نے لکھا تھا کہ "راجا حقیقتاً ایک نوع کا پردہ تھا اس جارحیت کو ہندوستانی اور یورپین نگاہوں سے چھپانے کا، جس کا یہ برطانوی مقبوضہ شکار ہوا تھا۔"[77]

ٹیپو کے زوال سے انگریزوں کو وسیع علاقے ہی نہیں ملے بلکہ حقیقتاً وہ "ہندوستان میں اقتدارِ اعلا"[78] بن گئے۔ ہندوستان میں انگریزوں کو جن حریفوں کا سامنا ہوا تھا، ان میں ٹیپو ہی سب سے زیادہ ہیبت ناک تھا۔ اس کے بعد ان کی بالادستی کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ پلاسی نے اگر کمپنی کو ایک "دیسی حکمران" کا درجہ دے دیا تھا، تو سرنگاپٹم نے اسے حقیقی معنوں میں "اقتدارِ اعلا" بنا دیا۔[79] ایک انگریز نامہ نگار نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس واقعے کے نتیجے میں "مشرق کی سلطنت ہمارے پیروں کے نیچے ہے۔"[80] اور اسکاٹ نے لکھا کہ "سرنگاپٹم کے زوال کو اور اس کے نتیجے میں، مگر اس سے اہم تر ٹیپو صاحب کے زوال کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو یورپینوں کے ہندوستان میں ورود سے لے کر اس وقت تک کا یہ سب سے بڑا واقعہ ہے۔"[81]

مرہٹوں نے تیسری اینگلو میسور جنگ میں ٹیپو کے مقابلے میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، لیکن اس آخری لڑائی میں وہ غیر جانب دار رہے۔ مگر انھوں نے کبھی بھی سنجیدگی سے یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کے خلاف انگریزوں کے جو جارحانہ منصوبے ہیں ان کی تکمیل کی راہ میں ٹیپو ہی کا وجود سب سے بڑا سنگِ گراں ہے۔ ٹیپو کے خاتمے کے بعد ہی انھیں صورت حال کی خطرناکی کا احساس ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ باجی راؤ نے اس سانحے کی خبر کو سُن کر کہا تھا کہ ٹیپو کا مارا جانا "میرے داہنے بازو کے کٹ جانے" کے برابر ہے۔[82] نانا پر بھی اس کا بہت اثر ہوا تھا۔ اس خبر کو سُن کر اس نے کہا "ٹیپو ختم ہوگیا۔ برطانوی طاقت میں اضافہ ہوگیا۔ اب پورا ہندوستان اُن کا ہے۔ پونا ان کا دوسرا شکار ہوگا۔ لگتا ہے کہ دن بُرے آگئے ہیں۔ قسمت کے لکھے سے کوئی مفر نہیں۔"[83]

بہر حال یہ خود نانا ہی کی پالیسی کے ثمرات تھے۔

زوال سرنگاپٹم کے اسباب:

قلعہ سرنگاپٹم نہایت مستحکم تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے استحکامات ناقابلِ تسخیر تھے۔ اس میں حفاظتی سپاہ

کی تعداد 21,839 تھی ۔ 13739 باضابطہ پیدل سپاہی قلعہ کے اندر تھے اور 8100 باہر خندقوں میں ۔ سامانِ حرب اور سامانِ رسد بھی اتنی وافر مقدار میں تھا کہ طویل المیعاد محاصرے کا بھی آسانی سے مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ 1792 کے بعد ٹیپو نے جنوبی، مشرقی اور شمالی اطراف قلعہ کو بھی خاصا مستحکم کر دیا تھا شمال مشرقی رُخ پر یوروپین طرز کے بالکل نئے برجوں کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ایک نئی داخلی یا ثانی فصیل کی تعمیر تقریباً مکمل ہو چکی تھی، جس کے ساتھ ایک خندق بھی تھی جو شمالی رُخ کی پوری لمبائی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی حفاظتی فوج اور ایسے استحکامات کی موجودگی میں قلعہ طویل مدت تک کسی بھی محاصرے کا مقابلہ کرسکتا تھا تاہم ایک بالکل فاقہ زدہ فوج نے اسے دو گھنٹے سے بھی کم وقت میں سر کرلیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مقابلہ کرنے کی مشکل ہی سے کوئی کوشش کی گئی۔ لوشنگٹن نے لکھا ہے کہ" وہ قلعہ جس کے استحکامات، اپنی بربادی کے بعد بھی عظیم الشان نظر آتے ہیں، اس پر حملہ کرنے سے پہلے جس طویل، مُہیب اور مشتبہ جدو جہد کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا تھا، اس کا نام و نشان بھی نہ تھا ۔"[84] شربروک کی سپاہ کو کسی بھی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا، جبکہ فارٹسک کے مطابق قلعہ میں " ایسے گڑھ موجود تھے، جو اگر چند ہی دلیر سپاہیوں کے ہاتھ میں ہوتے، تو وہ بڑی تباہی مچا سکتے تھے ۔"[85] اسی طرح اندرونی برج میں بھی پیش قدمی کی کوئی مزاحمت نہیں کی گئی ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کو بہت کم نقصان اٹھانا پڑا۔[86] حقیقت یہ ہے کہ سابقہ دنوں کے نقصانات کے مقابلے میں اس دن ان کا بہت کم نقصان ہوا۔ صرف ان ہی سپاہیوں نے مقابلہ کیا جن کی قیادت خود سلطان نے کی تھی۔ لیکن لڑائی کا رُخ بدلنے میں وہ اس وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے کہ شگاف پر سلطان اس وقت پہنچ سکا تھا جب برجیوں پر انگریز اپنے قدم مضبوطی سے جما چکے تھے۔ انگریزوں کا مقابلہ کیوں نہیں کیا گیا، اس کی یہ وجہ پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے[87] کہ بعض میسوری افسروں نے انگریزوں سے ساز باز کرلی تھی ۔

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مالوالی میں ٹیپو سے حکمت عملی کی ایک غلطی ہوئی تھی۔ اپنی راجدھانی پر ہیرس کی پیش قدمی کو روکنے میں وہ اُس جوش و خروش اور قوّت کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہا تھا، جو تیسری اینگلو میسور جنگ کے وقت کارنوالس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے اس نے کیا تھا۔ سرنگاپٹم کا محاصرہ شروع ہونے کے بعد بھی اس ۔ نے کوئی نمایاں سرگرمی نہیں دکھائی۔ برسات کا موسم خاصا آگے بڑھ چکا تھا، اس سے فائدہ اُٹھا کر اسے چاہیے تھا کہ ہر طرح کی رُکاوٹیں پیدا کرتا اور محاصرے کو طول دیتا۔ اس کی جگہ پر قلعہ میں سُستی و کاہلی کا دور دورہ تھا۔ شگاف کو بھرنے کی معمولی سی کوشش کی گئی اور نئی توپیں لاکر شگاف پر نصب کرنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ یہ غلطیاں یقیناً نہایت اہم تھیں۔ تاہم سرنگاپٹم کے سقوط کا اصلی سبب کچھ میسوری افسروں کی غدّاری تھی جنھوں نے انگریزوں سے ساز باز کرلی تھی ۔[88]

ہیرس کے میسور کی مہم شروع کرنے سے پہلے ولزلی نے اس کو ایک کمیشن بنانے کی ہدایت کی تھی۔ اس کمیشن کے ممبر کرنل ولزلی، کلوز اور اگینو تھے۔ سکریٹری کیپٹن میکالے تھا۔ اس کمیشن کا کام ٹیپو کی رعایا میں بددلی پیدا کرنا اور پروپیگنڈہ کر کے، نیز روپے اور جائداد کی لالچ دے کر، انھیں انگریزوں کا طرفدار بنانا تھا۔ بہت سے مہدویوں کو، جنھیں ٹیپو نے ملک بدر کر دیا تھا، ولزلی نے اس خیال سے غیر مستقل سواروں میں بھرتی کرلیا کہ میسوریوں میں اپنے تعلقات سے کام لے کر وہ کمیشن کی مدد کریں گے[89] کمیشن کو میر صادق اور پرنیا کو اپنا ہمنوا بنانے کی ہدایت کی گئی تھی، کیونکہ "نئی حکومت کے قیام میں وہ مفید آلۂ کار بن سکتے ہیں"[90] قمرالدین خاں کو کڈاپہ کا نواب بنائے جانے کا وعدہ کر کے طرفدار بنانا تھا[91] میسور کے قدیم حکمراں خاندان کے افراد سے تعلق پیدا کرنا بھی کمیشن کے سپرد کیا گیا تھا۔ میسور کی مسلمان آبادی کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنا بھی کمیشن کے فرائض میں داخل تھا۔ یہ کام خلیفۃ المسلمین کے اعلان اور ٹیپو کے نام ان کے خط سے لینا تھا، جن سے "جمہوریہ فرانس کا کردار بے نقاب ہوتا ہے اور فرانس نے خلافت اسلامیہ کے مسلّمہ سربراہ کی جو اہانتیں کی ہیں، ان کا اظہار ہوتا ہے[92]"

ٹیپو کے بڑے بڑے افسروں اور اتحادیوں کے مابین خفیہ مذاکرات کا سلسلہ بہت دنوں سے چل رہا تھا۔ اب انگریزوں کے ستارے کے عروج کو اور دیر سویر ٹیپو کے اقتدار کے خاتمے کے آثار کو دیکھ کر ان لوگوں نے اپنے مستقبل کے آقاؤں سے بلا تاخیر مصالحت کر لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میسور میں کمپنی کے ایک جاسوس کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق 1797 میں میر صادق، پرنیا، قمرالدین خاں اور کچھ دوسرے افسروں کے خطوط پکڑے گئے تھے، جو انھوں نے انگریزوں کو، نظام اور مرہٹوں کو لکھے تھے۔ اس سازش میں جو برہمن شریک تھے انھیں پھانسی دی گئی۔ میر صادق اور پرنیا کو قید کر دیا گیا[93] لیکن بعد میں ان دونوں نے سلطان کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور انھیں معاف کر کے ان کے سابقہ عہدوں پر مامور کر دیا گیا۔ مگر اپنی غدارانہ سرگرمیوں سے وہ باز نہ آئے۔ 1798 کے وسط میں قمرالدین خاں نے نظام کے وزیر اعظم مشیر الملک کو لکھا کہ ٹیپو کو وہ اس کے حوالے کر دینے کے لیے تیار ہے، بشرطیکہ کوڈپہ کا صوبہ تحفتہً موروثی طور پر اُسے دینے کا وعدہ کیا جائے۔ لیکن مشیر الملک صرف دس لاکھ روپے سالانہ کی پنشن ہی دینے پر تیار ہوا[94] بعد کی مراسلت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اینگلو میسور جنگ کی صورت میں انگریزوں کی مدد کرنے کے معاوضے میں گورام کنڈ کی جاگیر عطا کیے جانے کا وعدہ کیا گیا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انگریزوں کی پیش قدمی کے وقت اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی تھی۔ چنانچہ اس معاوضے میں نظام نے اسے "بلا تامّل" کوڈپہ کی جاگیر عطا کر دی۔[95]

انگریزوں سے نامہ و پیام رکھنے والا دوسرا شخص شیخ شہاب الدین تھا، جو عام طور سے سادے بھیری کے نام سے مشہور تھا۔ وہ ایک ذی اثر موپلا اور علاقۂ منگلور میں ٹیپو کے محکمۂ مالیات کا افسر تھا۔ مغربی ساحل پر کمپنی کے علاقے اور سلطنت میسور کے مابین حد بندی کے سلسلے میں جو نمائندے ٹیپو نے مقرر کیے تھے ان میں شہاب الدین بھی تھا۔ اس نے انگریزوں سے وعدہ کیا کہ ٹیپو کی قلمرو کے خاص خاص افسروں کی مدد سے ساحل مالابار پر وہ ان کے مفاد کو فروغ دے گا۔ اس نے انگریزوں کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ تلیچری کے ایک موپلا تاجر چوکا موسیٰ کے توسل سے مراسلت براہ کورگ کی جائے۔[96]

میسور میں غداروں کے وجود کو خود ولزلی نے بھی تسلیم کیا تھا۔ 15 فروری 1799 کو اس نے لکھا تھا کہ "اس کی (ٹیپو کی) قلمرو کے مختلف حصوں سے اور اس کے خاص خاص وزیروں اور افسروں سے اشارے موصول ہو چکے ہیں، جو اس کے خلاف جنگ کرنے میں بے حد کارآمد معلوم ہوتے ہیں۔[97]" اس نے 22 فروری کو پھر لکھا کہ "اس بات کے یقین کرنے کے اسباب میرے پاس موجود ہیں کہ بہت سے باج گزار، بڑے بڑے افسر اور ٹیپو سلطان کی رعایا میں بھی بہت سے لوگ اس حکمران کا تختہ اُلٹنے پر اور اپنے تئیں کمپنی اور اس کے حلیفوں کی حفاظت میں دینے پر مائل ہیں۔[98]" اسی خط میں اس نے اس کا بھی ذکر کیا کہ "میر عالم نے خُفیہ مذاکرات کا بھی کوئی سلسلہ شروع کیا ہے۔[99]" جس کے متعلق کیفیت کو کیپٹن مالکم مطلع کریں گے۔

قلعہ کے اندر پانچویں کالم کی سرگرمیوں کی مزید شہادتیں بھی ملتی ہیں۔ منرو کے بیان کے مطابق ٹیپو کے خاص افسروں نے اس کو یہ خبر نہیں دی تھی کہ قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے۔ لیکن اس کے ایک افسر نے (غالباً سیّد غفار نے) یہ دیکھ کر کہ سلطان کو غلط خبریں دی جا رہی ہیں، اسے مطلع کر دیا کہ شگاف پڑ گیا ہے جو جلد ہی وسیع ہو کر گزرنے کے قابل ہو جائے گا۔[100] قلعہ پر جس دن حملہ کیا گیا ہے، اس روز صبح کو ٹیپو نے شگاف کا معائنہ بھی کیا تھا، لیکن اسے گمان تھا کہ ابھی دو ایک دن حملہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے افسروں نے اس کے اس خیال کو یہ کہہ کر قوی کر دیا کہ سرنگاپٹم کے وسائل بہت وسیع ہیں۔[101]

لوک گیتوں میں بھی، جسے کنتڑ زبان میں 'لونی' کہتے ہیں، اس سازش کا ذکر ملتا ہے، جو کچھ میسوری وزیروں نے اپنے آقا کا تختہ اُلٹنے کے لیے کی تھی۔[102] مدراس کونسل کے ممبر ولیم پیٹری کی مراسلت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پانچویں کالم کی سرگرمیوں ہی کی وجہ سے سرنگاپٹم کا زوال ہوا۔ پیٹری نے اپنے ایک انگلستانی دوست کو لکھا تھا کہ "تم سنو گے کہ اس بے مثال جنگ کے ہر واقعے اور ہر صورت حال کو ہمارے سپاہیوں کی ناقابلِ تسخیر ہمت و شجاعت سے منسوب کیا جائے گا۔ فوجی آدمیوں کو اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہ

آنا قدرتی امر ہے۔ یہ یقیناً ایک ایسا موضوع ہے جس پر میں اس وقت خاموش رہوں گا، اور کسی دوسرے موقع پر نہایت احتیاط کے ساتھ لکھوں گا۔ اس حیرت ناک اور سبق آموز واقعے سے متعلق معلومات کا بہت بڑا خزانہ میرے ذہن میں محفوظ ہے، جسے فراموش کرنا میرے لیے اس وقت تک ممکن نہ ہو سکے گا جب تک کہ اہم ترین واقعات کے نقوش کو حافظے کی لوح سے صاف نہ کر دوں۔ لیکن میں یہ کبھی بھی فراموش نہ کر سکوں گا کہ یہ عظیم واقعہ تقدیر کے کتنے ہی نازک بالوں اور تاروں کے سہارے لٹکا رہا ہے، اور ان میں سے کوئی ایک تار بھی ٹوٹ جاتا تو اس اقدام کے عظیم مقصد پر اگر سرے سے پانی نہ بھی پھرتا تو اس کے حصول کی راہ میں خطرناک حد تک تاخیر ضرور پیدا ہو جاتی۔[103] پیٹری نے کھلے الفاظ میں تو میسور کے افسروں کی غدّاری کا ذکر نہیں کیا ہے، تاہم اس کی کم گوئی نیز حربی اسباب کی جگہ پر دوسرے اسباب کی طرف اشارہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلعہ پر قبضہ میسوریوں کی اس امداد نے آسان بنا دیا، جو انگریزوں کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس معاملے میں پیٹری کی خاموشی کی وجہ اس کا یہ اندیشہ تھا کہ انگریزی کامیابی کی شہرت کو اس کے بیان سے دھکّا لگے گا۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فتح سرنگاپٹم نتیجہ تھا اس سازش کا جو انگریزوں نے کچھ میسوری افسروں کے ساتھ مل کر کی تھی۔ حقیقتاً یہ ان سازشوں کا نقطۂ عروج تھا جو حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو مغلوب کرنے کے لیے بار بار کی جاتی رہی تھیں۔ کرشنا راج وڈیار کی بیوہ مہارانی لکشمی امانی نے بھی ان سازشوں میں نمایاں حصّہ لیا تھا، جو حیدر علی کے قبضہ کرنے کے وقت ہی سے میسور کے تخت پر اپنے خاندان کی بحالی کی مسلسل کوششیں کرتی رہی تھی۔ حیدر علی کے خلاف کھانڈے راؤ کی ناکام کوشش کے بعد اس نے انگریزوں کی طرف توجہ کی اور سری نواس نامی ایک شخص کو اپنا ایلچی بنا کر مدراس کے گورنر لارڈ پی گاٹ کے پاس بھیجا۔[104] موخر الذکر نے امداد کا وعدہ تو کیا، لیکن وہ کچھ کر نہیں سکا۔ جب وہ دوبارہ مدراس کا گورنر مقرر ہوا تو مذاکرات کے سلسلے کی پھر تجدید کی گئی۔ تروِل راؤ کی وساطت سے رانی نے اسے یقین دلایا کہ انگریزی حمایت کے معاوضے میں ایک کروڑ روپے کمپنی کی فوج کے اخراجات کے لیے اور تیس لاکھ روپے ذی اثر اصحاب کو انعام کے طور پر وہ ادا کرے گی۔[105] لیکن پی گاٹ کی گرفتاری اور برطرفی کی وجہ سے اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ لیکن انگریزوں سے اس نے تعلق باقی رکھا اور دوسری اینگلو میسور جنگ کے وقت تروِل راؤ نے رانی کی طرف سے کمپنی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جس میں اس کے خاندان کو میسور کی گدّی پر بحال کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ میسور کے بعض افسروں نے بھی، جو تروِل راؤ سے نامہ و پیام رکھتے تھے، حیدر علی کو شکست دینے میں انگریزوں کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن کمپنی کی فوجیں حیدر اور ٹیپو کو شکست دینے میں ناکام رہیں

اور ٹیپو کے افسروں کی بیدار مغزی سے راجدھانی پر بھی ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ سازشیوں کو پھانسی دی گئی۔[106] تیسری اینگلو میسور جنگ شروع ہوئی تو رانی نے پھر سرگرمیاں شروع کیں اور جنرل میڈوز سے ایک معاہدہ کیا۔[107] لیکن معاہدۂ سرنگاپٹم (1792) کی وجہ سے اس کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ 1796ء میں اس نے سر جان شور کو اس دلیل کے ساتھ ٹیپو پر حملہ کرنے کی ترغیب دی کہ ٹیپو نے فرانسیسیوں سے اتحاد کر لیا ہے۔ اس نے شور کو انگریزوں کی کامیابی کا بھی یقین دلایا۔[108] لیکن شور چونکہ امن کی پالیسی کا بہت زیادہ حامی تھا، اس لیے اس مشورے کو اس نے نظرانداز کیا۔ ولزلی جب گورنر جنرل مقرر ہوا تو رانی نے اپنے نمائندے ترول راؤ کی وساطت سے، جس کا سلطان کے افسروں سے بھی رابطہ قائم تھا، ولزلی سے مراسلت شروع کی۔[109] ولزلی نے اس سلسلہ جنبانی کو خوش آمدید کہا اور ٹیپو کی تخریب کے لیے رانی سے نیز خاص خاص میسوری افسروں سے اس نے ایک معاہدہ کر لیا۔

ٹیپو کو اپنے خلاف کسی سازش کا قطعاً علم نہیں تھا۔ سقوط سرنگاپٹم سے چند روز قبل جب ٹیپو نے دیکھا کہ اس کی راجدھانی چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور قلعہ کی دیواروں پر گولاباری ہو رہی ہے تو اس نے چاپیوس کو بلا کر مشورہ کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس نے صلاح دی کہ سرا یا چیتل درگ کے قلعہ میں منتقل ہو کر دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھنی چاہیے۔ خود چاپیوس اس شرط پر راجدھانی کا دفاع کرنے پر تیار تھا کہ اس کے کام میں کوئی میسوری افسر دخل نہ دے۔ اور اس کے برعکس ٹیپو نے اگر صلح کر لینا پسند کیا تو اس حالت میں وہ فرانسیسی، جو اس کی ملازمت میں ہیں، اس کے لیے تیار ہیں کہ انھیں انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔[110]

فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالے کیے جانے کی تجویز کے بارے میں ٹیپو نے چاپیوس کو جواب دیا کہ دشمن اگر اس کی پوری سلطنت بھی تباہ کر دیں تو بھی اپنے ان دوستوں کے ساتھ وہ بے وفائی نہ کرے گا جو اجنبی ہیں اور دور دراز ملک سے آئے ہیں۔ دوسری دو تجویزوں کے بارے میں اس نے اپنے مشیروں سے صلاح کی۔ میر صادق نے کہا کہ فرانسیسی دغاباز ہیں۔ اگر قلعہ ان کے سپرد کیا گیا تو وہ فوراً اسے انگریزوں کے حوالے کر دیں گے۔ قلعہ سے منتقل ہونے کی تجویز کے بارے میں بدرالزماں خاں نے کہا کہ سلطان اگر چلا گیا تو حفاظتی فوج بددل ہو جائے گی اور قلعہ فوراً ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تاہم ٹیپو نے منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔[111] چنانچہ اپنے خاندان اور خزانے کو مختصر ترین نوٹس پر منتقل کر دینے کا انتظام بھی کر لیا۔ شہزادہ فتح محمد کو کاری گھاٹ کی پہاڑی پر متعین کیا گیا کہ رات کے وقت وہ اہلِ خاندان کو اور خزانے کو چیتل درگ منتقل کر دے۔[112] کرمانی کے

بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ٹیپو کو اپنے کچھ افسروں کے غدارانہ منصوبے کا علم ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے غداروں کی فہرست تیار کی جس میں میر صادق کا نام سر فہرست تھا۔ ان سب افسروں کو دوسرے دن پھانسی دی جانی تھی۔ لیکن میر صادق کو اس کا علم ہوگیا اور ٹیپو کے احکام پر عمل درآمد سے پہلے ہی اس نے قلعہ کو انگریزوں کے حوالے کیے جانے کا انتظام کرلیا۔[113] مزید براں ٹیپو کے فرار کی راہ بند کرنے کے لیے اپنے ہمکار میر ندیم کو آبی دروازے کو بند کرنے کا حکم دیا۔

میسوری افسروں کو انگریزوں نے بڑی فیاضی سے غداری کے انعامات دیے۔ قمرالدین خاں جو "خاندان، کردار اور طرز عمل کے اعتبار سے کسی بھی عام معاہدے میں قابل توجہ" سمجھا گیا تھا، اسے گورام کنڈ کی جاگیر عطا کی گئی۔ پرنیا جو "با اہلیت انسان اور اب تک مفید" ثابت ہوا تھا، اسے نئے راجا کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ میر صادق اپنی غداریوں کے پھل کھانے کے لیے زندہ ہی نہ رہا۔ اپنے غدارانہ عمل کی تکمیل کے بعد اس نے بھاگ کر انگریزوں سے جا ملنا چاہا، لیکن میسوری سپاہیوں نے، جنھیں یقین تھا کہ سلطان کے ساتھ اس نے غداری کی ہے، اس کا کام تمام کرکے بھیانک انداز میں اس کی تکا بوٹی کرڈالی۔ دفن کیے جانے کے بعد لوگوں نے اس کی لاش کھود نکالی اور کوئی دو ہفتوں تک لوگ لاش کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتے رہے۔ مرد، عورتیں اور بچے تماشا دیکھنے آتے اور اس پر کوڑا کرکٹ پھینکتے۔ اس سلسلے کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں کو شدید اقدامات کرنے پڑے۔ آج بھی ٹیپو کا احترام کرنے والے جب سرنگاپٹم جاتے ہیں تو اس مقام پر پتھر پھینکتے ہیں جہاں میر صادق مارا گیا تھا۔

(باب 19 کے حاشیے)

1. M.R., Mly.Cons. Feb. 23, 1799, vol. 254 A, pp. 3397 seq.
2. Ibid.
3. Mill, vi, p. 80.
4. محمد رضا حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب کا بیٹا اور میر میران (زمرۂ) کچہری تھا۔ عرف عام میں وہ بنکی نواب کے نام سے مشہور تھا، کیونکہ مالابار میں اس نے بڑی تباہی مچائی تھی۔ کنٹر زبان میں 'بنکی' آگ کو کہتے ہیں۔
5. Fortescue, iv, part II, p. 728.
6. Gleig, Munro, i, p. 217.
7. کرمانی، ص 4-383، تاریخ ٹیپو، و 109 ب۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے اس باب کا آخری حصہ۔ فارسی ماخذوں میں سید صاحب کی موجودگی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر انگریزی اور فرانسیسی ماخذوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹیپو نے سید صاحب کو بھی متعین کیا تھا۔
8. Owen, Wellington's Despatches, p. 59; Fortescue,
9. iv, part II, pp. 729–30.
9. Fortescue, iv, part II, p. 730.
10. Beatson, p. 65.
ارتھر ولزلی کے بیان کے مطابق بیلوں کی کمی اس درجہ تشویشناک انداز میں بڑھی تھی کہ جب انگریزی فوج بنگلور پہنچی تو اس وقت یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اسی جگہ قیام کرکے فوجی کارروائی کو اگلے موسم کے لیے کہیں ملتوی نہ کرنا پڑے۔
(Wellington's Despatches, p.61)
11. Mill, iv, p. 83.
12. W.P., B.M., 13727, Harris to Wellesley, April 4, 1799, f. 47 b.
13. Lushington, Life of Harris, p. 283.
14. Wilks, ii, p. 714.
15. Lushington, Life of Harris, p. 287.
16. Owen, Wellington's Despatches, p. 62.

چاپوس کا کہنا ہے کہ ٹیپو کی شکست کا ایک سبب اس کی فوجوں کا غلط جگہوں پر متعین ہونا بھی تھا، جس کی وجہ سے اس کے دو سے تین ہزار سپاہی تک کام آئے۔ (A.N., $C^2$305)

ہیرس کے بیان کے مطابق ٹیپو کے مقتولین و مجروحین کی تعداد دو ہزار تھی۔

(W.P., B.M., 13727, Harris to Wellesley, April 5, 1799, ff, 489 seqq.)

17. کرمانی، ص 385۔

18. M.R., Mly. Sundry Book, 109 A – 1709, Harris to Wellesley, April 5, 1799, pp. 85 – 86.

19. W.P., B.M., 13727, Harris to Wellesley, March 31, 1799, f. 46 a.

20. A.N., $C^2$305, Official Report of Chappuis, Carton 146, n: 35.

21. Fortescue, iv, part 11, p. 734.

22. M.R., Mly. Sundry Book, 109 A, Harris to Wellesley, April 7, 1799, pp. 92 – 3.

23. کرمانی، ص 8-387؛ تاریخ ٹیپو، و 110 الف و ب۔

24. M.R. Mly. Sundry Book, 109 A, Harris to Wellesley, April 16, 1799, p. 96.

25. Ibid.

26. Lushington, Life of Harris, p. 315; Wilks, Life of Baird, p. 61; and کرمانی، ص 392

27. M.R., Mly. Sundry Book, 109 A, p. 101

28. M.R., Mly Cons. Feb. 22, 1799, vol. 254 A, pp. 3383 – 97.

29. M.R., Mly. Sundry Book, 109 A, Harris to Tipu,

April 22, 1799, p.p. 104-5.

M.R., Mly. Cons., April 23, 1799, vol. 254 A, p. 3433. .30

M.R., Mly. Sundry Book, 109 A, p. 111. .31

Ibid., p. 112. .32

Lushington, Life of Harris, p. 332. .33

Ibid., 325; Owen, Wellington's Despatches, p. 65. .34

35. کرمانی، ص 390:

ولکس (ii, p. 739) کا بیان ہے کہ قلعدار ندیم نے کچھ سپاہیوں کو تنخواہ لینے کے لیے طلب کیا۔ اسی وجہ سے حملے کے وقت سپاہی غیر حاضر تھے۔

چاپیوس کا بیان ہے کہ سپاہی مختلف بہانوں سے ہٹائے گئے تھے۔ (C^2 305, Official Chappuis)

نیز دیکھیے احمد بن محمد علی بن محمد باقر کی مرات الاحوال کا مخطوطہ (جس پر صفحہ یا ورق کے نمبر درج نہیں ہیں)، جو دانشگاہ تہران کے مرکزی کتب خانے میں محفوظ ہے (مخطوطہ نمبر 5716)۔ مصنف اوائل مئی 1805 میں ہندوستان وارد ہوا اور شمالی و جنوبی ہند کی سیاحت کی۔ اس کا بیان ہے کہ محاربہ سرنگاپٹم کی ناکامی کا ذمہ دار ایک بدمعاش قزلباش تھا۔ (بظاہر یہ اشارہ میر صادق ہی کی طرف ہے) اور یہ غدار بھی مارا گیا۔

36. کرمانی، ص 391.

ایک فرانسیسی میگ نیک نے، جو ٹیپو کی ملازمت میں تھا، دبوک کو لکھا تھا کہ ایک بجے میر صادق کا اشارہ پانے کے بعد حملہ کیا گیا۔

(B.N., Nouvelle Acquisition, MSS. 9368, undated, ff. 484 b - 85 a).

چاپیوس نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ میر صادق نے برطانوی فوج کو اشارہ کیا تھا، لیکن اس کے مطابق وقت ڈیڑھ بجے کا تھا۔

Fortescue, iv, part 11, p. 741; see also I.O. Mss. Eur, .37
F. 66, Harris to Dundas, May 15, 1799, f. 66

Ibid. .38

Allan, p. 75; Beatson, p. 127; Wilks, ii, p. 743. .39

Beatson, p. 129. .40

Wilks, Life of Baird, p. 68. .41

42. Beatson, p. 129.

43. Allan, p. 76; The Memoirs of Tipoo Sultan, p. 183.
موخرالذکر مصنّف کا بیان ہے کہ "آدھے گھنٹے کے اندر گولا باری بالکل بند ہو گئی اور قلعہ کے ہر حصّے پر برطانوی پرچم فتح مندی کے ساتھ لہرانے لگا۔"

44. کرمانی، ص 391. Beatson, p. 162.

45. انگریز کمپنی کی سپاہ کا مدراس میں سیّد غفار افسر تھا۔ 18 فروری 1782 کو برتھویٹ کے ہمراہ گرفتار ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد رہا ہوا اور ٹیپو کی ملازمت اختیار کی۔

46. کرمانی، ص 390.

47. Beatson, p. 130; Allan, p. 76.

48. Wilks, ii, pp. 746–47.

49. Beatson, p. 164.

50. کرمانی، ص 391-92.

51. Wilks, ii, pp. 746 – 7.

52. Allan, p. 96; Beatson, p. 165.

53. Beatson, pp. 164 – 5.

54. Fortescue, iv, part ii, 743.
فارٹسک کا بیان ہے کہ پھاٹک میں کسی نامعلوم وجہ سے آگ لگی تھی۔ لیکن آگ یقیناً انگریزوں ہی نے لگائی ہوگی۔ انگریزی ماخذ کے مطابق اس طوفان میں دس ہزار میسوری مارے گئے۔ لیکن یہ تخمینہ کم ہے۔

55. Beatson, pp. 135 – 6; Allan, pp. 78–80.

56. Allan, p. 80–1.

57. National Library of Scotland (MS), Journal of the War with Tipu, pp. 178–79.

58. Ibid., p. 84; Beatson, p. 148.

59. Beatson, p. 149; Allan, p. 84.

60. کرمانی، ص 392. Owen, Wellesley's Despatches, p. 771;

کرمانی کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو ذبح کیا گیا، ان کی املاک لوٹی گئیں اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ کرمانی کا کہنا صحیح ہے، لیکن ہندوؤں کو بھی اسی قدر نقصان پہنچا۔ اس وقت کے جوش و خروش اور فتح مندی کے نشے میں انگریزی سپاہ ہندو مسلمان میں تفریق نہیں کر سکتی تھی۔

ایلن (pp.83-4) کے بیان کے مطابق سید صاحب اور قمرالدین خاں کے گھرانے کی عورتوں کی بھی بڑی آبروریزی کی گئی۔

61. Sastri, Petrie Papers, (I.H.R.C., xviii).

62. Owen, Wellesley's Dispatches, pp. 771.

63. Dodwell, The Nabobes of Madras, p.67.

64. سرنگاپٹم سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا اس میں زرِ نقد 16,74,350 پگوڈا، اور جواہرات، سونے اور چاندی کی سلیں بقدر 25,00,000 پگوڈا تھیں۔ اس کے علاوہ جواہرات سے لبریز بیس یا اس سے زیادہ صندوق تھے۔ ان کی قیمت کا اندازہ اس لیے نہیں لگایا جا سکا کہ ان کی قیمت آنکنے والا کوئی نہیں تھا۔
(W.P.,B.M., 13670, ff. 147a).

65. ٹیپو سلطان کے کُتب خانے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:
Stewart, A Descriptive Catalagoue of Tipu Sultan's Oriental Library; and Islamic culture, xiv, No.2; see also W.P., B.M., 26583, ff. 34a-64b, for the details at the MSS in the library. مخطوطات کی مجموعی تعداد 1889 تھی۔

66. Allan, p.101.

67. مالِ غنیمت کے فنڈ میں 920 توپیں، گولا بارود اور فوجی ساز و سامان بھی شامل تھا۔ لندن کے احکام موصول ہونے تک پہلے اسے محفوظ رکھا گیا تھا، لیکن جب احکام آگئے تو اسے فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

68. M.R., Mly. Sundry Book, 109 B-1799, Malcem to Wellesley, June 14, 1799, p. 521.

69. W.P., B.M., 13728, Harris to Wellesley, May 18, 1799, ff. 98a-b.

70. کرمانی، ص 5-394۔

M.R., Mly Sundry Book, 109A – 1799, Harris to Wellesley, May 12, 1799, pp. 130 seqq. .71

Martin, ii, p. 36. .72

میر عالم اور مشیر الملک بھی ٹیپو کے خاندان کو میسور کا تخت و تاج سونپنے کے خلاف تھے۔

(N.A., Sec. Pro., June 24, 1799, Cons. No. 7)

W.P., B.M., 37274, Dundas to Wellesley, Oct. 9, 1799, 247a seqq.; also Melville Papers, National Library of Scotland, Dundas to Wellesley, Oct. 9, 1799, ff. 64 a seqq. .73

Ibid. p. 203. .74

Ibid. p. 36 — 74. .75

W.P., B.M., 13667, Malcolm to Wellesley, May 31, 1799, ff. 78 a-b. .76

Mill, iv, p. 116. .77

Owen, Wellesley's Despatches, p. xcii. .78

Thompson and Garratt, Rise and Fulfilment of British Rule in India, p. 206. .79

Auber, Rise and Progress of British Power in India, ii, p. 192. .80

Philips, The Correspondence of David Scott, ii, p. 256. .81

Home Miscellaneous Series, 574, p. 598, cited in Gupta, Baji Rao II and the East India Company, p. 59. .82

Cited in Sardesai's New History of the Marathas, iii, p. 354. .83

84. Lushington, Life of Harris, p. 441.

85. Fortescue, iv, part ii, p. 742.

86. Lushington, Life of Harris, p. 443.

87. دیکھیے کتاب کا صفحہ 14-313 نیز 316.

88. National Library of Scotland (MS), Journal of the War with Tipu, 1799, pp. 190-91.

89. مہدویوں کو جب ٹیپو نے خارج البلد کیا، تو انھوں نے حیدر آباد کے نواح میں اقامت اختیار کرلی۔ کمپنی اور مہدویوں کے لیڈر جعفر خاں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ یہی جعفر خاں اس سفارت کا ایک رکن بھی تھا جسے ٹیپو نے 1786ء میں قسطنطنیہ بھیجا تھا۔ کمپنی نے اسے اور اس کے دو سو سواروں کو ساڑھے بارہ ہزار روپے ماہانہ پر ملازم رکھنا قبول کیا تھا، اور اس کا بھی وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے خاتمے پر ان کی خدمات کے مطابق انھیں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ دوسرے مہدوی سرداروں سے بھی اسی نوع کی شرطیں طے کی گئی تھیں۔
(M.R., Mly. Cons., Feb. 21, 1799, vol. 254 a, pp. 3354-60; also W.P., B.M. 13668, Kirkpatrick to Wellesley, Jan. 1799, ff. 20b - 22b, 23a seqq.).

90. W.P., B.M., 13665, Political Commission on General Harrisi,s Campaign, f. 44 a.

91. Ibid.

92. M.R., Mly. Cons., Feb. 22, 1799, vol. 254 A, pp. 3334 seqq.

93. N.A., Pol. Pro. July 10, 1797, Cons. No. 20, 24; Ibid., July 17, Cons. No. 2.
چونکہ میر صادق اور پرنیا دونوں نے بے اندازہ دولت اکٹھا کرلی تھی اور ٹیپو کا مستقبل غیر یقینی تھا، اس لیے اس کے دشمنوں سے ان دونوں نے ساز باز شروع کی۔ "کارنوالس نے جب میسور پر حملہ کیا تو راجا کو نکال لے جانے میں، روپے کے توسّل سے "میر صادق کو" آلۂ کار بنایا گیا تھا۔" اسی وقت سے میر صادق نے انگریزوں سے اپنے تعلق کو برقرار رکھا تھا۔
(su W.P., B.M., 13665, Webbe to Wellesley, f. 43a)

N.A., Sec. Pro., Sept. 10, 1798, Kirkpatrick to Wellesley, .94
Aug. 7, Cons. No. 32.

کرک پیٹرک کو اس خط کے جعلی ہونے کا شبہ تھا، لیکن مشیر الملک کو اس کے اصلی ہونے کا یقین تھا۔

see also W.P., B.M., 12588, Kirkpatrick to Wellesley,
Aug. 5, 1798, No. 31 and No. 32.

N.A., Sec. Pro., June 17, 1799, Cons. No. 21 W.P., .95

B.M., 13665, Uthoff and Mahony to Wellesley, .96
Dec. 18, 1799, ff. 17a seqq; also Scotish Record
office, Wellesley to Dundas, March 16, 1799,
iv/249/22.

Martin, Wellesley's Despatches, i, p. 437. .97

Ibid., p. 442. .98

Ibid., p. 446. .99

ولزلی نے میر عالم کو اس کام پر بھی متعین کیا تھا کہ ٹیپو کی رعایا کو وہ اپنا ہمنوا بنائے۔

(N.A., Mly. Cons., Feb. 22, 1799, vol. 254 A., p. 3332)
Gleig, Munro, i, p. 227;

100. کرمانی کا بھی بیان ہے کہ شگاف پڑنے کی خبر ٹیپو کو نہیں دی گئی تھی۔

National Library of Scotland (MS). Journal of the .101
War with Tipu Sultan, 1799, p. 162.

Shastri, Petric Papers (I.H.R.C., xviii, p. 289). .102

Ibid., 294-5. .103

Mysore Pradhans, p. 4. .104

حیدر علی کے وقت سے راجا کے خاندان نے انگریزوں کے ساتھ جو سازشیں کیں، ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے:
W.P., B.M., 13665, ff. 39a-42a.

Shama Rao, Modern Mysore (From the beginning to 1868), .105
p. 270.

106. دیکھیے کتاب کا صفحہ 35 نیز

107. دیکھیے کتاب کا صفحہ 179۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: Mysore Pardhans, p. 9, 10, 30.

108. Shama Rao, Modern Mysore (From the beginning to 1868), p. 271.

109. W.P., B.M., 13627, Clive to Wellesley, Nov. 29, 1798, f. 70 a. Henry Wellesley to Arthur Wellesley, Aug. 7, 1801.

والزلی کے ساتھ رانی کی ریشہ دوانیوں کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Hayavadana Rao, Mysore gazatteer. ii p. 2710.

110. کرمانی، ص 388.

111. ایضاً، ص 389.

112. ایضاً، نیز تاریخ ٹیپو، و 111 a.

113. کرمانی، ص 390.

کرمانی کا بیان ہے کہ ٹیپو نے غداروں کی فہرست سیّد صاحب کے حوالے کی تھی اور وہ کھلے دربار میں فہرست کو دیکھ رہا تھا کہ محل کے ایک فراش کی نظر میر صادق کے نام پر پڑی جو سرِ فہرست تھا۔ فراش نے میر صادق کو اس کی خبر دی۔ لیکن کرمانی کو سیّد صاحب سے ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ خود سیّد صاحب ہی نے میر صادق کو اس کی اطلاع دی ہو۔ کیونکہ اتنے اہم اور خُفیہ کاغذ کا عام دربار میں پڑھا جانا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔

بیسواں باب

نظم و نسق اور معاشیات

دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی طرح ٹیپو بھی مطلق العنان تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اہم معاملات میں وہ اپنے خاص خاص فوجی و غیر فوجی افسروں سے صلاح و مشورہ کرتا تھا، لیکن ان کے مشوروں پر عمل درآمد کرنے کا وہ پابند نہیں تھا۔ آخری فیصلہ خود اسی کا ہوتا تھا۔ سلطنت کے جملہ قانونی، عدالتی اور انتظامی اختیارات اسی کے ہاتھ میں تھے۔ وہ خود اپنا وزیر خارجہ تھا اور تمام اہم مراسلت وہ خود کرتا تھا۔ وہ اپنا کمانڈر انچیف بھی تھا۔ جنگ کے وقت اصلی فوج کی کمان اسی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ مختلف محاذوں پر لڑنے کے لیے جن جرنلوں کو وہ بھیجتا تھا وہ اسی کے احکام کی پابندی کرتے تھے۔ وہی اپیل کی سب سے بڑی عدالت بھی تھا اور امیر و غریب کے ساتھ یکساں انصاف کرتا تھا۔

اس کے اختیارات پر اگرچہ کوئی دستوری پابندی عائد نہیں ہوتی تھی، تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ کوئی غیر ذمہ دار حکمراں تھا۔ اس کے برعکس اپنے منصب کے فرائض کا اسے بدرجہ اتم احساس تھا۔ رعایا کو وہ "خدا، مالک حقیقی، کی بے مثل امانت[1]" تصور کرتا تھا۔ اس عقیدے کے پیش نظر اپنی رعایا کی خوشحالی میں اضافے کی کوششوں میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا اور صبح سے شام تک ریاست کے کاموں میں مشغول رہتا۔ تمام سرکاری محکموں کی وہ خود نگرانی کرتا۔ اپنے افسروں کی تساہلی اور جبر و تعدی کی روک تھام کے لیے انھیں عبرتناک سزائیں دیتا۔ میکنزی کے الفاظ میں ٹیپو نے "خوش انتظامی کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے پورے نظام میں صحت مندی کی روح پھونک دی تھی اور ریاست کے معاشی وسائل کو جس طرح سے اس نے منظم کیا تھا، پڑوسی ریاستوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی .... درمیانی کارندوں کو انکی بے ایمانیوں کی سخت سزائیں دے کر سلطان اپنی رعایا کو، جن میں بیشتر ہندو تھے، سیاہ کار افسروں کی بداعمالیوں سے

محفوظ رکھتا ہے[2]

ٹیپو اپنے افسروں سے صرف یہی نہیں چاہتا تھا کہ سرکاری کاموں ہی میں وہ ایمانداری برتیں، بلکہ اس کی کوشش تھی کہ ان کی نجی زندگی بھی صاف ستھری ہو۔ چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ مالابار کے فوجدار ارشد بیگ کی ایک بیسوا سے آشنائی ہے تو اس نے ارشد بیگ کو تنبیہ کی اور اس عورت سے تعلق منقطع کرنے پر اصرار کیا۔ ارشد بیگ کو یہ مداخلت پسند نہ آئی اور اس نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ٹیپو کے مشورے پر اس نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ بیسوا، جسے قید کر لیا گیا تھا، شہر بدر کر دی گئی[3]

دوسری ہندوستانی ریاستوں کے مقابلے میں ریاست میسور کی سرگرمیوں کا دائرہ زیادہ وسیع تھا۔ دوسری ریاستوں کی توجہ امن و امان قائم رکھنے اور اپنی سرحدوں کو حملوں سے بچانے ہی تک محدود تھی۔ لیکن ان باتوں کے علاوہ ٹیپو نے اور ذمّہ داریاں بھی اپنے سر لے لی تھیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھا کہ یورپین اقوام کی برتری کا راز صنعت و تجارت کی ترقّی میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اس نے تاجر، صنعت کار، مہاجن اور صرّاف کا روپ بھی دھارا۔ اس معاملے میں وہ جدید مصر کے بانی محمّد علی کے مماثل تھا۔

اپنی رعایا کے فلاح و بہبود کے جوش میں ٹیپو نے سماجی مصلح کا جامہ بھی پہنا۔ اپنی قلمرو میں شراب اور دوسری منشیات کے استعمال کو اس نے ممنوع قرار دیا۔ میسوری فوج کے فرانسیسی سپاہیوں کے لیے شراب کی صرف ایک دوکان کھولنے کی اس نے رِللی کو اجازت دی تھی۔ غُلام زادوں یا ناجائز اولادوں کا باعزّت گھرانوں کی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنا ممنوع قرار دیا۔ قحبہ گری کی اور خانگی کاموں کے لیے لونڈیاں رکھنے کی اس نے ممانعت کی۔ کورگ میں چند شوہریت کے رواج کو ختم کرنے کی بھی اس نے کوشش کی[4] مالابار کے بعض علاقوں میں عورتیں کمر سے اوپر کے بالائی حصّے کو ڈھکتی نہیں تھیں۔ چنانچہ ٹیپو نے حکم جاری کیا کہ کوئی عورت برہنہ گھر کے باہر نہ نکلے[5] میسور شہر کے قریب کالی دیوی کے مندر میں انسانی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی؛ چنانچہ ٹیپو نے انسان کشی کو غیر قانونی قرار دیا۔ کسانوں کی خوشحالی میں اضافے کے لیے اس نے اضلاعی افسروں کو ہدایت کی کہ شادی بیاہ اور تہواروں کے موقعوں پر لوگ فضول خرچی کرتے ہیں، اس لیے ان تقریبوں کے اخراجات کی حد مقرّر کی جائے۔ چنانچہ کوئی گاؤں اپنی دولت کا ایک فیصد سے زیادہ حصّہ خیر خیرات اور تہواروں پر خرچ نہیں کر سکتا تھا[6]

ٹیپو کی حکومت میں شدید مرکزیت تھی۔ اپنے صوبائی اور اضلاعی افسروں کو وہ خود ہدایت بھیجتا تھا، جن کی وہ تعمیل کرتے تھے۔ اس کا حکم تھا کہ "احکام کے مطابق کام کرو اور اپنی مفروضہ تجویزوں پر نہ چلو۔"

باایں ہمہ خاصے اختیارات افسروں کو بھی حاصل تھے۔ اگر اس کے احکام پر وہ بہت لغوی طور پر عمل کرتے اور احکام کی روح کو سمجھنے میں فہم سے کام لے کر اپنی ذمہ داری کو نہ نبھاتے تو وہ ان کو سرزنش کرتا۔[7] عام طور پر اپنے افسروں کی رہنمائی کے لیے ٹیپو رہنما اصول متعین کر دیا کرتا تھا، اور وہ اپنی فہم اور ادراک کے مطابق کام کرتے تھے۔

ٹیپو نے اپنی حکومت کو "سلطنتِ خُداداد" کا نام دیا تھا۔[8] لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ صرف مُسلمانوں ہی کے لیے تھی۔ مسلمانوں پر شرع محمدی کے مطابق اور ہندوؤں پر ان کے مذہبی قوانین کے مطابق حکومت کی جاتی تھی، جن میں اس نے کبھی مداخلت نہیں کی۔ اس نے اپنی رعایا کو مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ میسور کی قدیم روایات کا بھی وہ احترام کرتا تھا۔ چنانچہ میسور کی قدیم دیہی پنچایتوں کو اس نے بے روک ٹوک کام کرنے دیا۔ منرو نے 17 / جنوری 1790 کو اپنے والد کو لکھا تھا کہ "میسور کی حکومت دُنیا کی سب سے زیادہ سیدھی سادھی مطلق العنان حکومت ہے، جس کے ہر شعبہ میں، چاہے وہ فوجی ہو یا غیر فوجی، باضابطگی اور نظم وضبط پایا جاتا ہے، جو حیدر علی کی غیر معمولی ذہانت کا تخلیق کردہ ہے اور جس میں اعلا نسبی کے ادعا کی ہمت شکنی کی جاتی ہے۔ خودسر سرداروں اور زمینداروں کو مطیع کیا جاتا ہے یا کچل دیا جاتا ہے۔ سختی اور غیر جانب داری سے انصاف کیا جاتا ہے۔ ایک بڑی اور تربیت یافتہ فوج ہر وقت تیار رہتی ہے، اعتماد اور اہمیت کے محکمے ایسے لوگوں کے بھی سپرد کیے جاتے ہیں جنھوں نے گمنامی سے ترقی کی ہو۔ اس سے حکومت کو وہ تقویت حاصل ہوتی ہے جس کی مثال ہندوستان میں کہیں اور نہیں ملتی۔"[9] اسی طرح مور نے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر لکھا تھا کہ "کسی اجنبی مُلک سے گزرتے ہوئے جب ایک شخص دیکھتا ہے کہ وہاں زراعت کی حالت اچھی ہے، مُلک محنتی لوگوں سے بھرا ہے، نئے نئے شہر بس رہے ہیں، تجارت ترقی پر ہے، شہروں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ہر اُس چیز کی فراوانی ہے جس سے خوش حالی ٹپکتی ہو، تو قدرتی طور پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اس مُلک میں ایک ایسی حکومت ہے جو اپنے عوام کے جذبات سے ہم آہنگ ہے۔ یہی نقشہ ٹیپو کے مُلک کا ہے اور وہاں کی حکومت کے بارے میں ہمارا یہی خیال ہے۔"[10]

مرکزی حکومت

ٹیپو کو ایک خاصا اچھا نظامِ حکومت اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ جدّت پسندی اور اصلاح کے جوش میں اس نے بہت سی تبدیلیاں بھی کیں۔ اس نے عظیم مُغلوں سے بہت سی چیزیں مستعار لیں اور جو یورپین کمپنیاں ہندوستان میں قائم تھیں ان کی وساطت سے مغربی سیاسی تصوّرات بھی اس نے

اخذ کیے۔ ڈوڈول کے بیان کے مطابق ٹیپو پہلا ہندوستانی فرمانروا تھا جس نے اپنے نظم و نسق میں مغربی طور طریقے داخل کرنے کی کوشش کی۔[11]

مرکز میں سات خاص کچہریاں یا محکمے تھے۔ ہر محکمے کا ایک بورڈ ہوتا تھا جو ایک اعلا افسر اور اس کے ماتحت افسروں پر مشتمل ہوتا۔ اس طرح سے سات بورڈ تھے اور ہر بورڈ کا علاحدہ علاحدہ وقتاً فوقتاً اجلاس ہوتا، جس میں متعلقہ شعبے کے معاملات زیر بحث آتے۔ کارروائی کے رجسٹر میں ہر ممبر اپنے خیالات قلمبند کرنے کے بعد اپنے دستخط ثبت کرتا۔ یہ رجسٹر کارروائی ایک سر بمہر صندوق میں رکھا جاتا۔ تمام فیصلے ووٹوں کی اکثریت سے کیے جاتے۔ ان بورڈوں کی کارروائیوں سے ٹیپو کو ہمیشہ مطلع کیا جاتا تھا۔ کسی معاملے میں اگر اخفا کی ضرورت ہوتی تو متعلقہ محکمے کا ایک سکریٹری خود رپورٹ لکھتا اور خود جا کر سلطان کی خدمت میں پیش کر کے اس کی تحریری رائے حاصل کرتا۔[12] اکثر مختلف بورڈوں کے مشترک جلسے بھی ہوتے جن میں مشترکہ دلچسپی کے مسائل زیر بحث آتے۔ ٹیپو کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی اسے کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو پورا دن وہ غور و خوض میں گزارتا۔ اس کے بعد اپنے خاص افسروں کی رائے طلب کرتا۔ وہ لوگ پہلے آپس میں اس معاملے پر بحث کرتے پھر اپنی تحریری رائے پیش کرتے۔ ان کی آرا کو اپنی رائے سے مقابلہ کرنے کے بعد ہی وہ قطعی احکام جاری کرتا۔[13]

کچہری میر آصف (شعبۂ محاصل و مالیات)

اس شعبہ کے سربراہ کے مختلف نام تھے ——— صاحب دیوان[14] حضور دیوان[15] میر آصف[16]۔ یہی افسر ٹیپو کی حکومت کا اہم ترین افسر ہوا کرتا تھا۔ اس کے ماتحت پانچ اور افسر ہوتے تھے۔ ان سب کو میر آصف[17] کہتے تھے۔ مرکزی مالیاتی بورڈ ان سب افسروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر افسر شعبے کی ایک یا دو شاخوں کا نگراں ہوتا تھا اور اس کے ماتحت سر رشتے دار اور متصدی ہوتے تھے۔ حسابات فارسی، کنڑ اور مرہٹی تین زبانوں میں رکھے جاتے تھے۔[18] میر صادق محاصل اور مالیات کے بورڈ کا صدر اور ٹیپو کا خاص دیوان تھا۔ لیکن وہ وزیر یا وزیر اعظم نہ تھا۔ کیونکہ ٹیپو کی حکومت میں اس طرح کا کوئی عہدہ ہی نہیں تھا۔ میر صادق کی تنخواہ 105 اور 2 پگوڈا سالانہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ایک چھوٹی سی جاگیر بھی تھی اور ایک سو پگوڈا سالانہ کا الاؤنس بھی اسے دیا جاتا تھا۔ اس کے پانچوں ماتحت افسروں کو 5,460 پگوڈا سالانہ دیا جاتا تھا۔[19]

کچہری میر میران (فوجی شعبہ)

اس شعبے کا بھی دوسرے شعبوں کی طرح ایک بورڈ تھا۔ پرنیا اس شعبے کا سربراہ اور بورڈ کا صدر تھا۔ وہ

سب سے بڑا میر میران تھا۔ اس کی تنخواہ اور جاگیر بھی میر صادق کے برابر ہی تھی۔ اس کے ماتحت پندرہ افسر تھے، جنھیں 12,880 پگوڈا سالانہ تنخواہ ملتی،[20] اور انھیں میر میران کہا جاتا تھا۔[21]

کچہری میر میران (زمرہ)

یہ دوسرا شعبہ ٹیپو نے 1793 میں قائم کیا تھا، اور یہ اس فوج کی دیکھ بھال کرتا تھا جو میسور ہی میں پیدا ہونے والے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس شعبے کا سربراہ محمد رضا تھا، جسے 1,050 پگوڈا سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی جاگیر بھی اسے دی گئی تھی۔ دس افسر اس کے تحت میں تھے۔ آٹھ افسروں کو سات سات سو پگوڈا سالانہ اور باقی دو کو پانچ پانچ سو پگوڈا سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ سب افسروں کے پاس جاگیریں بھی تھیں۔[22]

کچہری میر صدر (ذخائر حربی کا اور حفاظتی فوج کا شعبہ)

یہ شعبہ خاص خاص افسروں کے بورڈ پر مشتمل تھا اور ان ہی میں سے کوئی ایک افسر اس شعبے کا سربراہ ہوتا تھا۔ یہ شعبہ ذخائر حربی کی نیز سامان حرب کی تیاری کی نگرانی کرتا تھا۔ سلطنت میں جتنے بھی قلعے تھے ان کے معقول دفاع کے لیے سپاہیوں کا، رسد کا اور سامانِ جنگ کا انتظام بھی اسی شعبے کے سپرد تھا۔[23] محافظ فوج اور فوجی حساب کتاب بھی اسی کے سپرد تھا۔ اس شعبے کے سربراہ غلام علی خاں کو میر الصدور کہا جاتا تھا۔ ان کی تنخواہ 840 پگوڈا سالانہ تھی۔ اس کے تحت آٹھ افسر تھے جنھیں 5,250 پگوڈا سالانہ ملتے تھے۔[24]

کچہری ملک التجار (شعبہ تجارت)

اس شعبے کا کام تجارت و صنعت کی نگرانی تھا۔ 1796 تک بحری سررشتہ بھی اسی کے سپرد تھا۔ اس شعبے کے سربراہ اور آٹھ افسروں پر مشتمل ایک تجارتی بورڈ تھا۔[25] اس کے سربراہ احمد خاں کو 840 پگوڈا سالانہ ملتے تھے اور اس کے ماتحت افسروں کو 3,920 پگوڈا سالانہ دیے جاتے تھے۔[26]

کچہری میریم (بحری شعبہ)

پہلے بحری سپاہ شعبۂ تجارت کے تحت تھی اور بحری تجارت اسی کے سپرد تھی۔ 1796 میں بحریہ کا ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، جو اس شعبے کے خاص خاص افسروں پر مشتمل تھا، جن میں سے ایک افسر بورڈ کا سربراہ

ہوتا تھا۔[27] حافظ محمد میر یم تھا۔ اسے 630 پگوڈا سالانہ ملتے تھے۔ اس کے تحت سات افسر تھے جنھیں 3570 پگوڈا سالانہ دیے جاتے تھے۔[28]

کچہری میر کاظم (خزانہ اور ٹکسال کا شعبہ)

اس شعبے کا بورڈ شعبے کے افسروں پر مشتمل ہوتا تھا اور ان ہی میں سے ایک افسر بورڈ کا سربراہ ہوتا تھا۔ محمد امین جو اس شعبے کا سربراہ تھا، اسے 5 59 پگوڈا سالانہ تنخواہ دی جاتی تھی اور ایک جاگیر بھی اسے ملی تھی۔ اس کے سات ماتحت افسروں کو 730, 2 پگوڈا سالانہ ملتے تھے۔[29] ہر افسر یا داروغہ کے سپرد ایک علاحدہ محکمہ ہوتا اور اس کے تحت میں نائب داروغہ اور متصدی ہوتے تھے۔

توشہ خانہ یا خزانہ وہ مقام تھا جہاں سرکاری کاغذات رکھے جاتے تھے۔ تمام حکم نامے اور دوسرے کاغذات جن پر سلطان کے دستخط ہوتے ایک سربمہر صندوق میں محفوظ کیے جاتے تھے اس پر شعبے کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ ضرورت کے وقت ان دستاویزوں کی نقلیں متعلقہ افراد سے حاصل کی جاسکتی تھیں۔[30]

توشہ خانے کو ٹیپو نے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا ــــ نقدی اور جنسی۔ نقدی میں سونا اور زرِ نقد رکھا جاتا تھا۔ جنسی میں پھل، ملبوسات (شالیں، اونی اور ریشمی کپڑے)، سرکاری دستاویزیں اور دوسری اشیا رکھی جاتی تھیں۔ یہ واضح نہیں ہے کہ سامان حرب بھی یہاں رکھا جاتا تھا یا نہیں۔[31]

سرنگاپٹم میں پانچ ٹکسالیں تھیں۔ ایک ٹکسال جو محل کے حدود میں تھی، وہاں سونے اور چاندی کے سکّے ڈھالے جاتے تھے۔ باقی چار جو محل کے باہر تھیں، تانبے کے سکّے ڈھالتی تھیں۔ ہر ٹکسال کا ایک داروغہ ہوتا جو خزانے کے شعبے کے تحت ہوتا تھا۔ خزانے کا بڑا داروغہ ٹکسالوں کو سونا، چاندی اور تانبہ مہیا کرتا اور جب سکّے ڈھل جاتے تو گن کر انھیں خزانے میں جمع کرتا۔[32] مختلف محکموں کی رقموں کو بھی وہ خزانے میں جمع کرتا۔ مثلاً ایکبار اسے حکم موصول ہوا کہ پانچ لاکھ روپے ایک الگ صندوق میں رکھ دیے جائیں اور اس صندوق پر ایک چٹ یہ لکھ کر لگادی جائے کہ یہ رقم ایک نہر کی تعمیر کے لیے ہے اور اس میں سے ایک پائی بھی کسی دوسرے کام پر خرچ نہیں کی جاسکتی ہے۔[33]

یہ خاص سات شعبے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور بھی اتنا ہی اہم شعبہ تھا ــــ ڈاک اور خبر رسانی کا شعبہ۔ یہ بھی ایک داروغہ کے تحت سرنگاپٹم میں تھا۔ اس کے تحت بہت سے داروغہ تھے، جو سلطنت کے خاص خاص شہروں میں تعینات ہوتے تھے۔ یہ اس اعتبار سے ایک اہم شعبہ تھا کہ اس کی وساطت سے ٹیپو اپنے مرکزی اور صوبائی افسروں کی سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا۔ اس محکمے میں بہت سے جاسوس بھی ملازم

تھے، جو خبریں حاصل کرنے کے بعد داروغہ کے پاس لاتے اور وہ ان خبروں کو ہرکاروں کی معرفت راجدھانی کو بھیجتا۔ ان ہرکاروں کو بعض اوقات پانچ میل فی گھنٹہ کے اوسط منزلیں طے کرنی پڑتی تھیں[34]۔

ان آٹھ اہم شعبوں کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے شعبے بھی تھے۔ عمارات عامّہ کا شعبہ ایک داروغہ کے تحت تھا۔ ایک محکمہ غلاموں کی دیکھ بھال کا تھا۔ ایک مندروں کا بھی محکمہ تھا جو ایک منیجر کے تحت تھا[35]۔ گھوڑوں اور اعلیٰ نسل و تربیت کے لیے نیز محل کے لیے گھی دودھ فراہم کرنے کی غرض سے چکا دیوراج وڈیار (1673 تا 1704) کے تحت کیرن بیرک (محکمۂ مویشیان) کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ اسے بنّیا چاوری یا مکھن کا محکمہ کہا جاتا تھا۔ ٹیپو نے اس کا نام بدل کر امرت محل کر دیا، لیکن بعد میں اسے پھر کیرن بیرک ہی کہا جانے لگا۔ یہ محکمہ سرکاری بھیڑ، گائے، بھینس وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا تھا[36]۔ میسور کے ضلع میں، بلکہ پورے جنوبی ہند میں، امرت محل یا سلطانی نسل کے مویشی سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حیدر علی نے ایک مفتوح پالیگار سے مویشیوں کی یہ نسل حاصل کی تھی۔ ٹیپو نے اس نسل کے مویشیوں کی پرداخت پر بے حد توجہ دی تھی[37]۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح میسوری گھوڑوں کی نسل کو بہتر بنانے کی انتہائی کوشش کی تھی۔ بے قاعدہ سوار دستوں کے لیے گھوڑے عرب گھوڑوں اور مرہٹہ گھوڑیوں سے حاصل کیے جاتے تھے[38]۔

سلطنت کا سب سے اہم افسر میر صادق تھا، جسے حضور دیوان کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد پرنیا کا نمبر تھا۔ وہ میر میران کے شعبہ کا سربراہ ہی نہیں تھا بلکہ میر آصف بورڈ کا ممبر بھی تھا۔ ان دونوں کے بعد دوسرے افسروں اور ان کے ماتحتوں کا نمبر آتا۔ مرکز میں ان کے علاوہ اور بھی دوسرے افسر اہم عہدوں پر فائز تھے۔ مثلاً ٹیپو کا پیشکار خاص تھا[39] اور عرض بیگی تھا[40]، جو لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتا تھا۔ میر سامان تھا جو شاہی امور خانہ داری کا مہتمم ہوتا[41]۔ قلعہ سرنگاپٹم کا قلعدار تھا جس کے ہاتھ میں قلعہ کا سارا انتظام ہوتا اور جو سیاسی قیدیوں کی بھی دیکھ بھال کرتا۔ سرنگاپٹم کا کوتوال تھا۔ راجدھانی میں امن و امان برقرار رکھنا اسی کی ذمّہ داری تھی۔ قاضی سرنگاپٹم پوری سلطنت کا سب سے بڑا قاضی ہوتا تھا اور سلطنت کے مختلف شہروں کے قاضی اس کے ماتحت ہوتے تھے۔

صوبائی و مقامی نظم و نسق

صلح نامۂ منگلور کے بعد ٹیپو نے اپنی مملکت کو سات 'آصفی ٹکڑیوں' یا صوبوں میں تقسیم کیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ان کے حدود وسیع ہیں اور اس سے عُمدہ حکومت کی راہ میں رُکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، اس نے صوبوں کی تعداد نو کر دی۔ 1784 میں یہ تعداد بڑھ کر سترہ ہو گئی۔ انگریزوں سے جنگ ختم ہونے کے

بعد صوبائی سرحدوں میں اس نے پھر تبدیلی کی۔ چنانچہ 1794 میں اس کی سلطنت میں 37 'آصفی ٹکڑیاں' اور 1024 'عملداری ٹکڑیاں' تھیں[42] اس نوع کی مسلسل تبدیلیاں عمدہ حکمرانی کی راہ میں یقیناً حائل ہوئی ہوں گی۔

ہر صوبے میں ایک آصف یا صوبیدار اور ایک فوجدار یا فوجی گورنر ہوتا تھا۔ آصف محاصل کا اور فوجدار امن عامہ کا ذمہ دار ہوتا۔ دونوں کے دائرۂ اختیار کو اس لیے واضح طور پر الگ کر دیا گیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی بہت زیادہ بااختیار نہ ہو جائے[43] بعض صوبوں میں دو آصف ہوتے ——— آصف اور نائب آصف[44] آصف کے تحت سر رشتہ دار، متصدی، منشی، ہرکارے اور نقل نویس ہوتے جو انتظامی کاموں میں اس کی مدد کرتے۔ سال میں ایک بار، عید الفطر کے موقع پر، ہر آصف اپنے نائب کے ساتھ سرنگا پٹم میں حاضر ہوتا۔ ان کی آمد کے بعد ان کے حسابات کی جانچ پڑتال ہوتی اور وہ سلطان کے سامنے پیش کیے جاتے[45] 1799 کے بعد آصف کا عہدہ اُڑا دیا گیا، لیکن فوجدار کا باقی رہا۔

ٹکڑیوں کو بھی عملداری ٹکڑیوں میں یا اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر عملداری ٹکڑی میں تیس سے چالیس تک گاؤں ہوتے تھے، اور ہر ٹکڑی میں ایک عامل ہوتا، جسے عملدار بھی کہتے تھے۔ اس کے نیچے طرفدار، سر رشتہ دار، منشی اور ہرکارے ہوتے[46] ضلع کا افسر اعلا ہونے کی وجہ سے ضلع کے تمام کسانوں کی فلاح و بہبود، زراعت کی ترقی اور کمانداروں کے لیے ذخیرے اور رسد کی فراہمی اس کے فرائض میں داخل تھی[47] وہ متعلقہ کچہری کے سامنے جواب دہ ہوتے جہاں وہ اپنے حسابات اور وصول شدہ رقمیں بھیجتے تھے[48]

راجاؤں کے وقت کی طرح گاؤں کا انتظام پٹیل اور شام بھوگوں (محاسبوں) کے ہاتھ میں تھا۔ پٹیل سڑکوں کی دیکھ بھال کرتے، سڑکوں کے دونوں طرف درخت نصب کراتے، گاؤں کے بسنے والوں کی حفاظت کرتے اور پنچائت کی مدد سے ان کے جھگڑے طے کراتے۔

سرنگا پٹم سے احکام فارسی، کنڑ اور مرہٹی تین زبانوں میں بھیجے جاتے تھے۔ حکم نامے آصف کے نام جاتے جو ان کی نقل عملدار کو اور عملدار طرفدار کو اس ہدایت کے ساتھ بھیجتا کہ اسے سارے ضلع میں مشتہر کر دیا جائے۔ محاصل کے حسابات طرفدار کنڑ میں تیار کر کے عملدار کو بھیجتا، جس کے دفتر میں ان کا فارسی اور مراٹھی میں ترجمہ کیا جاتا۔ ان میں سے ہر ایک کی نقل سر رشتہ دار کے پاس محفوظ رہتی اور ایک فارسی نقل آصف کو بھیج دی جاتی[49]

ٹیپو اپنے افسروں سے انتہائی ایمانداری برتنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ عاملوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا کہ "تمھیں اور تمھارے ماتحتوں کو اتنی تنخواہیں دی جاتی ہیں جو تمھاری ضرورت کے لیے کافی ہوں۔ اس لیے تم سے توقع کی جاتی ہے کہ تم کسی بڑی یا چھوٹی تدلیس کے مرتکب نہ ہو گے"۔... "غلط بیانی، اخلاق اور مذہب

دونوں کے نقطۂ نگاہ سے یہ بہت بڑا جرم ہے۔[50] 5 جون 1794 کو ٹیپو نے آصفوں اور ان کے ماتحتوں کو سرنگاپٹم طلب کیا اور ان سے کہا کہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق حلف لیں کہ وہ رشوت نہیں لیں گے اور اپنے فرائض ایمانداری و دیانتداری سے ادا کریں گے۔[51]

دیہات میں پٹیل پنچائتوں کی مدد سے انصاف کیا کرتے تھے۔ شہروں میں یہ کام آصف، عامل اور فوجدار انجام دیتے تھے۔ ہر شہر میں قاضی اور پنڈت ہوتے جو بالترتیب مسلمانوں اور ہندوؤں کے مقدموں کا فیصلہ کرتے۔ ان فیصلوں کے خلاف سرنگاپٹم کی عدالت عالیہ میں اپیل کی جاسکتی تھی، جس میں ہندو اور مسلمان جج تھے۔ اپیل کی سب سے بڑی عدالت خود سلطان تھا۔

مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ غداروں اور قاتلوں کو دار پر چڑھا دیا جاتا۔ سزائے موت کا ایک عام طریقہ یہ بھی تھا کہ مجرم کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے ہاتھی کے پیر سے باندھ دیا جاتا، جو اسے کھینچ کر مار ڈالتا۔ کبھی کبھی چوروں، باقی داروں اور غداروں کو سزا دینے کے لیے ناک، کان، ہاتھ اور پیر کاٹ دیے جاتے۔ اکثر انھیں مخنث کر دیا جاتا۔[52] سرکاری منشیوں کو کوڑے مار کر عدول حکمی اور تساہلی کی سزا دی جاتی۔[53]

نظامِ محاصل

1760 میں حیدر علی نے مالوالی، کنانور، دھام پوری، پناگرام اور ٹنکاری کوٹائی کے اضلاع ٹیپو کو جاگیر کے طور پر عطا کیے تھے۔ ان اضلاع کا انتظام کرنے کے سلسلے میں ٹیپو کو محاصل سے متعلق وافر معلومات حاصل ہو گئی تھیں، اور یہ اضلاع خاصے خوش حال ہو گئے تھے۔ جب وہ میسور کا حکمراں بنا تو ابتدائی دور کے تجربات اس کے بہت کام آئے۔[54]

ٹیپو کا نظامِ محاصل حیدر علی ہی کے نظام کے مماثل تھا، البتہ اس نے کچھ مزید کارکردگی اس میں پیدا کر دی تھی۔ نظامِ اراضی کا اصول یہ تھا کہ کاشتکار اور اس کے ورثا جب تک زمین کو جوتتے بوتے اور مالگذاری ادا کرتے اس وقت تک وہ اس پر قابض رہتے۔ لیکن یہ شرطیں اگر وہ پوری نہ کرتے تو حکومت کو اس کا اختیار تھا کہ اس زمین کو وہ دوسرے کاشتکار کو منتقل کر دے۔[55] ایسی خشک اراضی کے کاشتکار کو، جس کی سیرابی کا انحصار صرف بارش پر ہو، لگان نقد ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ رقم پیداوار کی قیمت کے ایک تہائی کے برابر ہوتی تھی۔ تر علاقے جہاں تالابوں یا دریاؤں سے آبپاشی کی جاتی تھی وہاں کاشتکاروں کو مالگذاری جنس کی شکل میں ادا کرنی ہوتی تھی اور یہ پیداوار کے تقریباً نصف حصے کے برابر ہوتی تھی۔ لیکن یہ بھی بالعموم نقد ہی، ضلع کے عام نرخ کے حساب سے، ادا کی جاتی تھی۔ لیکن عامل اور کاشتکار اگر نرخ پر متفق نہ ہوتے تو

مالگذاری جنس میں ادا کی جاتی۔[56] تر علاقے میں تشخیص دو سے بارہ گوڈا فی کنڈی کے نرخ سے اور خشک علاقے میں ڈھائی سے تیرہ گوڈا کے نرخ سے کی جاتی تھی۔ گنے پر ٹیکس سولہ سے بہتر گوڈا فی کنڈی کے نرخ سے وصول کیا جاتا۔ یہ پالیسی بنگلور اور مادگیری کے اضلاع میں حیدر علی اور ٹیپو دونوں نے اختیار کی تھی لیکن چیتل درگ کے ضلع میں کنوؤں سے آبپاشی کی جانے والی اراضی سے دس سے تیس گوڈا وصول کیے جاتے تھے لیکن کسانوں کی راحت رسانی کے لیے ٹیپو نے خشک علاقے میں اتنی اراضی دینی منظور کی تھی جو ایک ہل سے جوتی جا سکے۔ میسور اور سرنگاپٹم کے اضلاع کا غلّہ راجدھانی میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔[57] بارہ محال کے خشک علاقے میں خشک اراضی کا لگان کبھی بھی فی ایکڑ نصف روپے سے کم، یا ایک گوڈا (تقریباً تین روپے) سے زیادہ نہیں تھا۔ تر علاقے میں لگان کی شرح بالعموم چوگنی ہوتی تھی۔ 1792 میں جب یہ ضلع انگریزوں کو ملا تو انھوں نے بھی تشخیص کی یہ شرح برقرار رکھی۔[58] کنارا میں تمام لگان نقد وصول کیا جاتا تھا۔ گوشوارے میں درج کیا جانے والا لگان۔ جو جنس کی شکل میں ہوتا، وہ فصل کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا جو گیر زنوں میں ذخیرہ کی جاتی تھی، بلکہ نقد لگان کے ایک حصے کے مساوی ہوتا تھا۔[59] منرو کے بیان کے مطابق کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں سرکار کا حصہ ایک تہائی سے زیادہ رہا ہو۔ بہت سی حالتوں میں تو یہ پانچویں، چھٹے یا بعض میں تو کل پیداوار کے دسویں حصے سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔[60]

ٹیپو کے دورِ حکومت میں زیرکاشت رقبے میں خاصا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کاشتکاروں کو اراضیاں مناسب شرحوں پر دی گئیں۔ بنجر اراضی پر پہلے سال لگان معاف ہوتا، دوسرے سال عام شرح کا ایک چوتھائی وصول کیا جاتا اور پھر بعد کے برسوں میں مروجہ شرح کے مطابق لگان تشخیص کیا جاتا۔ ایسی اراضی پر پہلے سال کوئی لگان وصول نہ کیا جاتا جو دس سال سے اُفتادہ رہی ہو۔ دوسرے سال عام شرح اور تیسرے سال مکمل شرح تشخیص کی جاتی۔ پہاڑی یا پتھریلی اور شور اراضی پر بھی پہلے سال لگان معاف ہوتا، دوسرے سال عام شرح کا چوتھائی، تیسرے سال نصف اور چوتھے سن مکمل شرح سے وصول کیا جاتا۔ یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کمپنی نے بھی زیرِ کاشت رقبے میں اضافے کے لیے یہی طریق کار اختیار کیا تھا۔[61]

گنے، گیہوں اور جو کی کاشت سے نیز پان، انناس، سال، ببول، ساگون، آم، سوپاری اور صندل کی شجرکاری سے بھی ٹیپو کو گہری دلچسپی تھی۔ لیکن بھنگ کی کاشت پوری ریاست میں ممنوع تھی۔ سوپاری کی شجرکاری کرنے والے پہلے پانچ سال کے لیے ٹیکس کی ادائگی سے بری ہوتے تھے۔ چھٹے سال سے لے کر درخت کے پھل لانے کے وقت تک ٹیکس کی عام شرح کا صرف نصف وصول کیا جاتا۔ اس کے بعد پھر پورا ٹیکس وصول کیا جاتا۔ پان کی کاشت کرنے والے پہلے تین برسوں تک ٹیکس کی مروجہ شرح کا نصف ادا کرتے۔ چوتھے سال سے پوری

شرح کے مطابق ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا۔ ناریل لگانے والوں کے ساتھ بھی یہی استثنا برتا جاتا ہے[62]
ریشم سازی کی صنعت کو فروغ دینے کی بھی ٹیپو کو بڑی فکر تھی۔ چنانچہ اس نے بارہ محال کے باشندوں کو شہتوت کے درخت نصب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن انگریزوں سے 1790 کی جنگ کے باعث، اور پھر اس علاقے کے کمپنی کے قبضے میں چلے جانے کی وجہ سے وہاں کے باشندوں نے شہتوت کی شجرکاری چھوڑ دی۔[63] ٹیپو کے بنگلور اور سرنگاپٹم کے باغات میں، جنھیں لال باغ کہا جاتا تھا، نرسریاں تھیں جہاں دنیا بھر کے ملکوں سے بیج اور پودے لاکر لگائے جاتے تھے۔ ان نرسریوں میں پہلے مربع تختے بنائے جاتے، پھر روشیں بنا کر انھیں ایک دوسرے سے جدا کیا جاتا اور روشوں کے کنارے کنارے سرو کے درخت لگائے جاتے۔ تمام تختے پھل پیدا کرنے والے درختوں اور سبزیوں کے پودوں سے بھر جاتے۔ ہر درخت کی پود کے لیے الگ الگ تختے ہوتے۔ شہتوت، کپاس اور نیل کے پودوں سے اور آم، سیب، نارنگی اور امرود کے درختوں سے دونوں باغ بھرے تھے۔ راس امید سے لائے ہوئے اناناس اور شاہ بلوط کے درخت بھی وہاں موجود تھے۔

ضلع کا افسر اعلا ہونے کی حیثیت سے کسانوں کو استحصال سے بچانا عامل کے فرائض میں داخل تھا۔ سال کے اختتام پر وہ ضلع کا دورہ کرتا اور زیرِ کاشت رقبے کی جانچ پڑتال کرتا۔ ضلع کے بارے میں وہ ایک رپورٹ بھی تیار کرتا جس میں ضلع کے مواضعات کی تعداد، زیرِ کاشت زمین کا رقبہ، کسانوں اور ان کے خاندانوں کی تعداد، ان کی ذات اور پیشے درج کرتا۔[64] کاشتکار جو غربت کی وجہ سے ہل خریدنے کے اہل نہ ہوتے انھیں تقاوی دی جاتی اور مقامی افسروں اور ساہوکاروں کے استحصال سے انھیں بچانے کی تدبیریں کی جاتیں۔ کسانوں کو بلا مزدوری ادا کیے ہوئے کھیتوں پر کام میں لگانا پٹیلوں کے لیے ممنوع تھا۔ اگر کوئی پٹیل اس کی خلاف ورزی کرتا تو اس کی پوری فصل ضبط کر لی جاتی۔[65] کاشتکاری کا عام رواج تھا، لیکن ایک آدمی کو ایک ہی گاؤں کا ٹھیکہ مل سکتا تھا، اور اُسے اس امر کی ضمانت دینی ہوتی تھی کہ تمام محصولات کی وہ پوری پوری ادائیگی کرے گا۔ اس بات کا خیال رکھنا عامل کے فرائض میں داخل تھا کہ ٹھیکیدار کسانوں پر ظلم نہ کرے۔ وہ پورے ضلع کا دورہ کرتا اور ٹھیکیدار سے جو مجموعی رقم طے ہوتی اس کے حساب سے کاشتکاروں کو ادائیگی کی شرح بتاتا۔[66] لگان کی وصولی میں نرمی برتی جاتی اور سال بھر کے اندر تین قسطوں میں لگان ادا کیا جاتا۔[67] عامل کے ظلم کی وجہ سے کوئی کسان اگر فرار ہو جاتا، تو متمول کسان کے لیے بیس پگوڈا اور غریب کسان کے لیے دس پگوڈا عامل کو ادا کرنے پڑتے۔ کسان جو بھاگ کر ملک سے باہر چلے جاتے انھیں واپس لانے کی کوشش کی جاتی۔ عاملوں، سررشتہ داروں اور طرفداروں کے لیے کسانوں سے خوراک لینا ممنوع تھا۔ سرکاری محصولات کے علاوہ کسان سے کوئی اور رقم وصول نہیں کی جا سکتی تھی۔ کسان کو کسی افسر کے خلاف اگر کوئی شکایت ہوتی تو اس کی

تحقیقات کی جاتی۔[68] فصل کی خرابی یا کسی اور وجہ سے اگر کسانوں کے لیے لگان ادا کرنا ممکن نہ ہوتا تو عامل فوراً سلطان کو اس کی اطلاع دیتا۔ عام طور پر اس طرح کے حالات میں سلطان لگان معاف کر دیا کرتا تھا۔ 1786 میں جب سلطان ادونی سے گزر رہا تھا تو کوڈی کنڈ کے عامل نے عرض کی کہ اس گاؤں کی آبادی بہت کم ہے۔ یہاں آباد ہونے کی ترغیب دینے کے لیے لگان معاف کر دیا جائے اور کچھ دوسری مراعات دی جائیں۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کرلی اور اس کے نتیجے میں مضافات شہر میں ایک آبادی سلطان پیٹھ کے نام سے قائم ہوگئی۔[69]

ٹیپو سے پہلے کچھ درمیانی لوگ مالیانہ وصول کرتے اور اسے سرنگاپٹم بھیجتے تھے۔ یہ کام بالعموم ساہوکار کرتے تھے اور اس کے لیے کمیشن وصول کرتے تھے۔ یہ ایک ناقص انتظام تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ایک غیر ضروری خرچ ہوتا تھا اور پھر ساہوکاروں کو کسانوں کا استحصال کرنے کا بھی موقع ملتا تھا۔ ٹیپو نے اسے ختم کر کے محاصل کی وصولی اور اسے راجدھانی بھیجنے کے لیے خود اپنے افسر مقرر کیے۔[70] محصولات کے قاعدوں میں بدعنوانیوں کے امکانات کا سدباب کرنے کے لیے اس نے ایک ایسے محکمے کے قیام کی تجویز بھی سوچی تھی، جس میں بڑے بڑے عہدوں کے ساتھ ایسے الاؤنس بھی ہوں جس سے اس محکمے میں کام کرنے والوں میں مسابقت اور دیانتداری کا جذبہ پیدا ہو۔[71] لیکن اس نوع کے کسی محکمے کے قیام کا ہمیں پتہ نہیں چلتا۔

1788 میں ٹیپو نے اپنی سلطنت کے محاصل کی ازسرنو جانچ پڑتال کے لیے صوبائی کچہریوں کو ہدایت کی۔[72] اس پڑتال کی بنیاد پر، جو ایک ایک گاؤں میں کی گئی تھی، اس نے ناجائز انعامی اراضیوں کو ضبط کرلیا۔ لیکن جو جائز اور سند یافتہ معافیاں تھیں انھیں ہاتھ نہیں لگایا گیا، بلکہ مندروں، مسجدوں اور برہمنوں کو نئی نئی معافیاں دی گئیں۔ منرو بھی انعامی اراضیوں پر قبضہ کرنے میں ٹیپو کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ "یہ نہیں ہے کہ انعام کو واپس لینے میں ہندو راجا ٹیپو سے زیادہ محتاط تھے۔ ... ہر راجا انعام میں اراضیاں دیا کرتا تھا، اگر انھیں واپس نہ لیا جاتا تو اس طرح سے جلد ہی پورا ملک انعامی بن جاتا۔"[73]

سرکاری افسروں کو تنخواہ کے عوض میں جاگیریں دینے کے رواج کو ٹیپو نے ختم کر دیا تھا اور انھیں نقد تنخواہیں دی جانے لگی تھیں۔ لیکن چند افسروں کو اور اپنے چار بڑے بیٹوں کو جاگیریں رکھنے کی ٹیپو نے اجازت دی تھی۔ فتح حیدر اور عبدالخالق کے پاس بارہ بارہ ہزار پگوڈا کی اور معیزالدین اور معین الدین کے پاس چار ہزار تین سو پگوڈا کی جاگیریں تھیں۔ سید صاحب کے پاس بارہ ہزار پگوڈا کی اور قمرالدین خاں کے پاس چار ہزار پگوڈا کی جاگیریں تھیں۔ حیدر علی کے مقبرے کے لیے چار ہزار کی جاگیر اور اس کے خاندان کے لیے 26,680 پگوڈا کی جاگیر اور خود اپنے خاندان کے لیے ٹیپو نے 26,008 پگوڈا کی جاگیریں دی تھیں۔ مسجدوں اور مندروں کی جاگیریں دو لاکھ پچاس ہزار پگوڈا کی تھیں۔[74]

پالیگاروں کو برقرار رکھنے کے ٹیپو خلاف تھا، جو اس کے اقتدار کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے اور اپنی لوٹ مار اور باہمی چپقلش سے مُلک کے امن وامان کو درہم برہم کرتے تھے۔ پہلے اس نے صرف ان پالیگاروں کے علاقوں کا الحاق کرلیا جو اس کے وفادار نہیں تھے، اور ان پالیگاروں کو ہاتھ نہیں لگایا جو پابندی سے خراج ادا کرتے تھے اور سرکاری سپاہ کے لیے اپنے حصّہٴ رسد کے سپاہی فراہم کیا کرتے تھے۔[75] لیکن اپنے اقتدار کے آخری دور میں اس نے تمام زمینداروں کو ان کی موروثی جائیدادوں سے محروم کر دیا۔ بہر کیف، جیسا کہ ولکس نے لکھا ہے کہ:

"پالیگاروں نے دغابازی کے ذریعے سے عاملوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے وجود کو برقرار رکھا اور ٹیپو کو بتایا گیا کہ پالیگاروں کو ختم کر دیا گیا ہے۔"[76]

مالابار کے مخصوص حالات کی بنا پر ٹیپو نے وہاں محاصلات کی جو پالیسی اختیار کی تھی، وہ سلطنت کے بقیہ حصّوں سے مختلف تھی۔ حیدر علی کے حملے کے وقت وہاں اراضی پر کوئی ٹیکس نہیں تھا، لیکن ایک عام امدادی چندہ وصول کیا جاتا تھا جو پوری پیداوار کے پانچویں حصّے کے برابر ہوتا تھا۔ خود راجاؤں کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں تھیں اور پھر تجارت، ٹکسال، جرمانوں، خام سونے کے حق شاہی، ہاتھی اور ہاتھی دانت، ساگوان کی لکڑی اور الائچی کی آمدنیاں بھی ان کے پاس تھیں۔[77] مالابار کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ وہاں پیمائش کا کبھی کام ہی نہیں ہوا تھا۔ پیمائش بالعموم اس طرح ہوتی تھی کہ مزروعہ رقبے کو دھان بوئے جانے والے 'پورے' سے ناپا جاتا تھا۔[78]

1773 میں جب حیدر علی نے سری نواس راؤ کو مالابار کا صوبیدار مقرر کیا تو محاصل کے باضابطہ نظام کو جاری کرنے کی کوشش کی گئی جو کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوسکی۔ حیدر علی کے انتقال کے بعد ہی ٹیپو نے ارشد بیگ خاں کو مالابار کا گورنر مقرر کیا تو اس نے محاصل کے نظام کی اُن سابقہ خرابیوں کو دُور کرنے کی کوشش کی جو کہ انگریزوں کے 1784 میں میسور کو صوبہ واپس دیے جانے کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن ارشد بیگ خاں اور ٹیپو دونوں کی نگرانی کے باوجود زیادہ کامیابی نہ ہوسکی۔ وجہ یہ تھی کہ بہت سے زمینداروں (جنم کاروں) نے افسروں کو رشوت دے کر اپنی اراضیوں کی تشخیص کم شرح پر کرالی اور جو بہت غریب تھے اور جن میں رشوت دینے کی سکت نہ تھی ان کی اراضیوں کی تشخیص بھاری شرحوں پر کی گئی۔ ٹیپو کو جب اس کا علم ہوا تو اس تفاوت کو دُور کرنے کے لیے اس نے راما ننگم پلے کو حکم دیا کہ نئے طریقے پر دہ از سرِ نو پڑتال کرے۔ ارشد بیگ خاں نے یہ عام حکم بھی جاری کیا تھا کہ جنوبی مالابار کی سرسبز اراضیوں اور باغات کی زمینوں پر بیس فیصدی ٹیکس کم کر دیا جائے۔ یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ کوششیں کس حد تک کامیاب ہوئیں۔ لیکن جنوبی مالابار میں ٹیپو کا جاری کردہ نظام گزشتہ صدی تک رائج رہا، اور شمالی مالابار کے اس بندوبست پر بھی اثر انداز ہوا جو انگریزوں نے کیا تھا۔[80]

میسوریوں کے مالابار فتح کرنے سے پہلے نمبودری برہمن اور نائر اپنے علاقوں کے بڑے حصّے کو ٹھیکے پر

کاشتکاروں کو دیا کرتے تھے، جنھیں کنام دار کہا جاتا تھا۔ لیکن ارشد بیگ نے یہ بندوبست کاشتکاروں سے طے کیا کہ جس کے مطابق پوری پیداوار کا $\frac{6}{20}$ حصہ حکومت کو ملنا چاہیے۔ اس نے حساب لگایا تھا کہ کاشتکار کو کل پیداوار کا $\frac{3}{20}$ ملنا چاہیے۔ منافع اور بوائی کے مصارف $\frac{11}{20}$ ہوں گے۔ باقی $\frac{6}{20}$ حصہ حکومت کو ملنا چاہیے۔ اس نے یہ تصور کر لیا تھا کہ تخم کے ایک پورے میں اوسطاً دس پورے پیدا ہوں گے۔ اس میں سے $5\frac{1}{2}$ کاشتکار کو ملے گا اور $4\frac{1}{2}$ حکومت اور زمینداروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ یہ حساب ارشد کے اس عام تخمینے پر درست اُترتا تھا کہ 7,43,481 پورے تخم سے 2,31,481 ہون پیدا ہوگا، اس کے حساب سے بوئے جانے والے فی پورے کا نرخ تقریباً تین فینم کے مساوی ہوگا۔[81]

پھل دار درختوں، مسالوں اور سبزیوں کے متعلق ٹیپو کی محصولات کی پالیسی نہایت نرم تھی۔ کاجو، الائچی، دارچینی اور سبزیاں جیسی نقد فصلیں محصول سے مستثنا تھیں۔ ناریل کے وہ درخت جن میں دس سے زیادہ پھل نہیں آتے تھے، ان پر بھی کوئی محصول نہ لیا جاتا۔[82]

حیدر علی نے مالابار پر جب حملہ کیا تو ان راجاؤں کی ریاستیں برقرار رکھی گئیں جنھوں نے اطاعت قبول کرلی اور خراج دینے کا وعدہ کیا۔[83] ٹیپو نے بھی یہ پالیسی جاری رکھی۔ انتقالِ اراضی کے مروّجہ مقامی طریقوں میں ٹیپو اور حیدر علی دونوں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وارڈن کا بیان ہے کہ "وہ لوگ متصرفوں کو مُستبدانہ طور پر نہ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے اور نہ انھیں برطرف کرکے اپنے مقرّبین یا متوسّلین کو ان کی جگہ پر فائز کرتے تھے۔"[84] البتّہ وہ راجا جنھوں نے بغاوت کی تھی یا جو مُلک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، میسور کی حکومت نے ان کی جائدادوں پر قبضہ کرکے کاشتکاروں سے براہِ راست ان کا بندوبست کرلیا۔ لیکن اس عمل کا اثر بہت دوُر تک نہیں ہوا، جیسا کہ وارڈن نے بھی اعتراف کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "مُسلمان حکومتوں کے عہد میں زمینداری کی جائدادیں اس درجہ افراتفری کا شکار نہیں ہوئیں، جیسا کہ بورڈ سمجھتا ہے۔"[85]

معاہدۂ سرنگاپٹم (1792) تک محاصل سے ٹیپو کی آمدنی 68,89,893 پگوڈا (دو کروڑ روپے سے اوپر) تھی، جس میں کرنول کے خراج کی 66,666 پگوڈا کی رقم بھی شامل تھی۔[86] اس معاہدے کے بعد، جس کی وجہ سے وہ نصف سلطنت سے محروم ہو گیا تھا، اس کی آمدنی بقدر 35 تا 40 لاکھ پگوڈا کم ہو گئی تھی۔ اس تخفیف کو پورا کرنے کے لیے، 1795ء میں، اس نے تشخیص میں $37\frac{1}{2}$ فیصدی کا اضافہ کیا (30 فیصدی محصولات میں اور $7\frac{1}{2}$ فیصدی تہ بازاری میں)۔[87] لیکن اس کے باوجود اس کی آمدنی سابقہ اعداد و شمار تک نہیں پہنچ سکتی تھی، تاہم اس نے انتظام اتنی خوش اسلوبی سے کیا کہ جب سرنگاپٹم کا سقوط ہوا تو اس کا خزانہ بھرا پڑا تھا۔

تجارت وصنعت

سابقہ ہندوستانی حکمرانوں میں کسی کو بھی تجارت وصنعت سے وہ شغف نہ تھا جو ٹیپو سلطان کے حصے میں آیا تھا۔ یورپی ملکوں کی مثالوں سے متاثر ہو کر صرف ٹیپو ہی نے یہ محسوس کیا تھا کہ تجارت اور صنعت ہی کو فروغ دے کر ملک عظیم اور طاقتور بن سکتا ہے۔ اہل یورپ ہی کی طرح ٹیپو نے بھی کوٹھیاں قائم کرکے اپنی سلطنت کی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس کی دو کوٹھیاں کچھ میں تھیں جو 1789 میں قائم کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک مُنڈھی میں اور دوسری مُندرا میں تھی۔ ان میں سات داروغہ اور ڈیڑھ سو سپاہی تھے۔ یہ کوٹھیاں میسور اور کچھ کے مابین وسیع پیمانے پر کاروبار کرتی تھیں[88]۔

ٹیپو نے ایک کوٹھی ارموز میں موتیوں کی خریداری کے لیے قائم کی تھی۔ اس کی ایک کوٹھی جدہ میں بھی تھی[89]۔ اس نے عدن، بوشہر اور بصرہ میں بھی کوٹھیاں قائم کرنے کی ناکام کوششیں کی تھیں۔ لیکن مسقط میں ایک کوٹھی 1785 میں قائم ہو گئی تھی[90] جو اس اعتبار سے بے حد اہم تھی کہ اسی کی وساطت سے میسور کی مصنوعات خلیج فارس کے ملکوں تک لے جائی جاتی تھیں اور خلیج فارس کی اشیا میسور لائی جاتی تھیں۔ برآمدات میں عمارتی لکڑی، صندل کی لکڑی، ریشم، الائچی، سیاہ مرچ، چاول، ہاتھی دانت اور کپڑا شامل تھا۔ درآمدات میں زعفران کے تخم، ریشم کے کیڑے، گھوڑے، پستہ، کشمش، پہاڑی نمک، موتی، گندھک، تانبہ، کھجور اور چینی کے معمولی برتن شامل تھے۔ ریشم کی صنعت کے لیے ریشم کے کیڑوں کی، فوج کے لیے گھوڑوں کی اور بارود کے لیے گندھک کی ضرورت ہوتی تھی۔ برآمدات میں چاول کی اہمیت سب سے زیادہ تھی، کیونکہ جب بھی منگلور سے اس کی برآمد رک جاتی تو عمان کے لوگوں کو شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑتا[91]۔ مالاباری سال کی لکڑی خلیج فارس میں کشتیاں بنانے کے کام آتی تھی اور یہ کالی کٹ سے برآمد کی جاتی تھی[92]۔ کپڑے مختلف اقسام کے برآمد کیے جاتے۔ ان میں سے کچھ تو میسور ہی میں تیار کیے جاتے اور باقی ہندوستان کے مختلف حصوں سے لائے جاتے[93]۔

تجارتی نقطۂ نگاہ سے مسقط کی بہت زیادہ اہمیت اس لیے تھی کہ ہندوستان، بحیرۂ احمر اور خلیج فارس کے ملکوں کے مابین تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا تھا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ٹیپو، اپنے باپ کی طرح، مسقط میں اپنا ایک وکیل متعین کرتا تھا، جو اس کے مفادات کی نگرانی کے علاوہ امام مسقط کے ساتھ دوستانہ روابط کو برقرار رکھنے میں بھی ممد ہوتا تھا[94]۔ امام بھی ان جذبات کا دوستانہ جواب دیتا تھا۔ چاول نیز میسور کی دوسری اشیا کے حصول کے لیے منگلور پر عمان کے انحصار کا بھی امام کو احساس تھا۔ اسی کے پیش نظر ٹیپو کی رعایا کے ساتھ وہ ترجیحی سلوک کرتا تھا۔ مسقط میں اہل یورپ کو 5 فیصد، ہندوستانیوں کو 8 فیصد اور ایرانیوں کو

$6\frac{1}{2}$ فیصد چنگی ادا کرنی ہوتی تھی، لیکن میسوریوں کو صرف 4 فیصد چنگی دینی پڑتی تھی۔ اس کے معاوضے میں میسور کی بندرگاہوں میں بھی امام اور اس کی رعایا کو اسی طرح کی مراعات حاصل تھیں۔[95]

ہندوستان کے انگریزی اور فرانسیسی کارخانوں کے طرز پر مسقط کا کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔ کارخانے کا سربراہ ایک داروغہ ہوتا تھا۔ اس کے تحت میں متصدی، گماشتے اور سپاہیوں کا ایک گروہ ہوتا۔ خرید و فروخت یا تو براہِ راست خود داروغہ کرتا یا دلالوں کی معرفت کی جاتی تھی۔ مسقط اور بوشہر میں ٹیپو کا دلال سیٹھ ماؤ تھا۔ بصرہ میں اس کا بڑا دلال متسلم کا ایک یہودی معتمد عبداللہ تھا۔[96] مسقط کے داروغہ سے ٹیپو کی مسلسل مراسلت رہتی تھی۔ خرید و فروخت، دوسرے تجارتی معاملات اور کارخانے کے انتظام کی بابت ٹیپو داروغہ کو تفصیلی ہدایت بھیجتا رہتا تھا۔ مثلاً مسقط کے داروغہ میر کاظم کو ایک مراسلے میں اس نے لکھا تھا کہ جو موتی اس نے خریدے ہیں وہ گراں ہیں اور یہ کہ اسے بحرین سے موتی خریدنا چاہیے جہاں وہ ارزاں نرخ پر ملتے ہیں۔ اسی مراسلے میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ صندل کی لکڑی اور سیاہ مرچ کا نرخ اس وقت مسقط میں کم ہے، اس لیے قیمت بڑھنے تک مال کو روکا جائے، اور مستولی جہاز بنانے کے لیے وہ دس جہاز ساز بھیجے۔[97] ایک دوسرے خط میں صندل کی لکڑی فروخت کیے جانے کا نرخ اس نے لکھا، جس کے مطابق اوّل درجے کی لکڑی 120 پگوڈا فی کنڈی، دوسرے درجے کی 100 پگوڈا فی کنڈی، تیسرے درجے کی 90 پگوڈا فی کنڈی اور چوتھے درجے کی 80 پگوڈا فی کنڈی فروخت کی جاتی تھی۔[98] ایک اور خط میں سلطان نے داروغہ کو ہدایت کی تھی کہ جزیرہ قشم سے ریشم کے کیڑے، اور ان کے ساتھ ریشم سازی کے چند ماہرین کو بھی، سرنگاپٹم روانہ کرے۔[99] اسی طرح بعض دوسرے خطوط میں اس نے داروغہ کو ہدایت کی تھی کہ ایران سے زعفران کے بیج اور گندھک، اور مسقط سے کھجوریں خریدی جائیں، نیز یہ کہ مالابار کے ساحل پر صدف گیری قائم کرنے کے لیے بحرین سے موتی نکالنے والے غوّاص بھیجے جائیں۔[100]

میسور اور خلیج فارس کے درمیان جو درآمد و برآمد ہوتی تھی، اس کی مقدار کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ گورنر بمبئی کے نام مسقط کے ایک دلال کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال پانچ یا چھ مال بردار جہاز مسقط آتے ہیں جن پر ٹیپو کا جھنڈا نصب ہوتا ہے۔[101] ہندوستانیوں اور عربوں کی مستولی کشتیاں اور ڈونگیاں ان کے علاوہ تھیں جو خلیج فارس اور مالابار کے درمیان دوڑتی رہتی تھیں۔ ٹیپو اپنی ساری الائچی چونکہ ساحل عرب ہی پر فروخت کرتا تھا،[102] اس لیے تجارت خاصی وسیع رہی ہوگی۔

تجارت سے ٹیپو کو جس حد تک دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیگو سے بھی اس نے تجارتی روابط قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لیے محمد قاسم کو اپنا ایلچی بنا کر وہاں کے راجا کے پاس بھیجا تھا۔[103] ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپنے ملک کی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے فرانس اور ترکی بھی اس نے

سفارتیں بھیجی تھیں۔ بحری قزاقوں کے خوف سے چینی تاجر اپنا سامان ساحلِ مالابار تک لانا نہیں چاہتے تھے، اس لیے ٹیپو نے اپنے افسروں کو حکم دیا تھا کہ میسور کے جنگی جہاز چینی جہازوں کو اپنی حفاظت میں لائیں[104] آرمینی تاجروں کو چونکہ سوداگری کے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا، اس لیے میسور میں ان کے بسنے کی ہمت افزائی کی جاتی تھی، ان کی رہائش کے لیے معقول مکانات فراہم کیے جاتے تھے۔ خرید و فروخت کی انھیں آزادی ہوتی تھی اور اپنا سامان بلا محصول ادا کیے ہوئے درآمد کرسکتے تھے[105] لیکن مالابار کے ساتھ یورپی کمپنیوں کی تجارت پر ٹیپو نے شدید پابندیاں عائد کی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں تلیچری کی انگریزی آبادی اور ماہی کی فرانسیسی آبادی کی تجارت زوال پذیر ہوگئی۔

نجی تجارت کی ٹیپو نے اگرچہ اجازت دے رکھی تھی تاہم وہ خود اپنے ملک کا ملک التجار بن گیا۔ خام سونا، تمباکو، صندل کی لکڑی، قیمتی دھاتوں، ہاتھی، ناریل اور سیاہ مرچ پر ریاست کی اجارہ داری تھی۔ یہی حال عمارتی لکڑی کا بھی تھا۔ جنگل کے مالکوں کو لکڑی کی قیمت تین روپے کنڈی کے حساب سے ادا کی جاتی تھی۔ مالابار کے جنگلوں سے تین ہزار گوڈا کی آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عمارتی لکڑی کی اجارہ داری صرف ساگوں کی لکڑی تک محدود تھی۔ آبنوس اور دوسری قسم کی لکڑیاں فروخت کرنے کی تاجروں کو عام اجازت تھی۔ ساگون کی لکڑی کی منڈی کالی کٹ تھا اور وہاں سے وہ منگلور بھیجی جاتی تھی جہاں ٹیپو کے لیے جہاز بنائے جاتے تھے، اور باقی لکڑی ہندوستانی، عرب اور یورپی تاجروں کو فروخت کی جاتی تھی۔ ساگون کی لکڑی کی کٹائی ایک موپلا کے سپرد تھی، لیکن بعد میں اس کی جگہ پر ایک برہمن کو مقرر کیا گیا[106] ٹیپو کے حکم سے راجا رامچندر نے ریاست کے تمام تعلقوں میں سرکاری دوکانیں کھولی تھیں جو سونا، چاندی اور دوسری اشیا فروخت کرتی تھیں[107] مزید براں سلطان نے مقامی ساہوکاروں کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی تھی اور ہنڈی کی لین دین اور مبادلے کا کام بھی خود ہی کرنا چاہا تھا۔

اپنی سلطنت کی تجارت اور لین دین میں جو گہری دلچسپی ٹیپو نے لی تھی اس کا اندازہ ان دو احکام سے ہوتا ہے جو 25 مارچ 1793 کو اور 2 اپریل 1794 کو اس نے جاری کیے تھے۔ یہ احکام محکمۂ تجارت کے ان نو سربراہوں کے نام جاری کیے گئے تھے، جنھیں ملک التجار کہا جاتا تھا۔ ان احکام کے مطابق انھیں جہازرانی اور تجارتی کوٹھی کی نگرانی کرنی تھی اور اس کا خیال رکھنا تھا کہ برآمد کیے جانے والے ہاتھی اور دوسری اشیا، مثلاً ریشمی وسوتی کپڑے، صندل کی لکڑی، سیاہ مرچ، الائچی، چاول، سونا، چاندی اور گندھک موجود رہے۔ ان لوگوں کو جملہ خریداری آصفوں کی معرفت کرنی تھی اور برآمدی سامان پر عام تاجروں کی طرح محصول ادا کرنا تھا۔ غیر ملکیوں کے میسور میں بسنے کی انھیں ہمت افزائی کرنی تھی۔ اندرون و بیرونِ ملک کی تجارتی کوٹھیوں کے لیے اہل اور قابل

اعتماد کماشتے اور متصدی مقرر کرنے تھے، جو تجربہ کار، حساب کتاب میں ماہر اور دغابازی وخیانت کی روک تھام کے اہل ہوں۔ محکمۂ تجارت کے سربراہوں اور ان کے ماتحتوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس بات کا حلف لینا تھا کہ اپنے فرائض منصبی وہ دیانتداری سے ادا کریں گے۔ اگر کوئی افسر بے ایمانی کا مرتکب ہو تو دوسرے تمام افسروں کو اس کی حرکت کو اس طرح بے نقاب کرنا چاہیے کہ اس سے اس کو عبرت ہو اور اس کی اطلاع سلطان کو دی جائے تاکہ مجرم کو وہ مناسب سزا دے سکے۔ شعبے کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ دوسرے ملکوں میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کے لیے وہاں کے حکمرانوں کی اجازت حاصل کرے۔ ان تجارتی کوٹھیوں کو غیر ملکوں کی نادر مصنوعات خرید کر میسور بھیجنی تھیں اور ان کے معاوضے میں میسور کی مصنوعات وہاں فروخت کرنی تھیں۔ میسور میں تیس تجارتی کوٹھیاں اور ہندوستان کے دوسرے حصّوں اور بیرونِ ملک میں سترہ تجارتی کوٹھیاں تھیں[108] لویٹ کی غلط فہمی پر ... کچھ اور مسقط کی تجارتی کوٹھیاں سقوطِ سرنگاپٹم کے بعد بھی میسور کی حکومت ہی کے تحت رہیں، لیکن 1800 کے اواخر میں انھیں بند کر کے ان کے ملازمین کو میسور واپس لوٹنے کا حکم دیا گیا[109]

ٹیپو نے ایک تجارتی کمپنی بھی قائم کی تھی تاکہ اس کی رعایا کو تجارت اور سوداگری سے شغف پیدا ہو۔ ہر شخص اس کے حصے خرید کر سکتا تھا۔ کوئی بھی جو پانچ سے پانچ سو روپیوں تک جمع کرتا وہ سال کے آخر میں پچاس فیصدی منافع کا حقدار ہوتا۔ پانچ سو سے پانچ ہزار تک جمع کرنے والے کو پچیس فیصدی اور پانچ ہزار سے زیادہ جمع کرنے والے کو بارہ فیصدی منافع دیا جاتا۔ اگر کوئی حصہ دار اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا تو اسے اصل رقم مع سود کے واپس مل جاتی۔ کم رقم لگانے والوں کی ہمت افزائی کے لیے انھیں زیادہ منافع دیا جاتا تھا[110]

میسور میں صنعت کی ترقی کے لیے ٹیپو نے فرانس کے صنّاعوں کی خدمات حاصل کی تھیں جنھیں لوئی شانزدہم نے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے مہم جو فرانسیسیوں سے، انگریز مفرورین اور انگریز قیدیوں سے بھی کام لیا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ عثمانی سلطان کو بھی اس نے لکھا تھا کہ وہ ایسے آدمی اسے مہیا کرے جو اس کی مملکت میں صنعتوں کو ترقی دے سکیں۔

ٹیپو نے سرنگاپٹم، چیتل درگ، بنگلور اور بدنور میں مختلف اقسام کے کارخانے قائم کیے تھے، جن میں یورپین اور ہندوستانی صنّاع کام کرتے تھے اور جہاں قینچی، چاقو، ریت گھڑیاں، تفنگ، دستی بندوقیں، بارود، کاغذ، گھڑیاں اور ظروف تیار کیے جاتے تھے۔ ایک فرانسیسی انجینئر نے پانی سے چلنے والا ایک انجن تیار کیا تھا جو توپوں میں سوراخ کرتا تھا[111] بدنور کا سامانِ حرب تیار کرنے والا کارخانہ بیس ہزار دستی بندوقیں سالانہ تیار کرتا تھا اور اس نے، سلطان کے دعوے کے مطابق، اسلحہ کے معاملے میں اسے خود کفیل بنا دیا تھا[112] قلعہ سرنگاپٹم

میں کاغذ سازی کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔[113] راجدھانی کے قریب پتھر کی کانوں میں مختلف وضع کے پتھر تراشے جاتے تھے۔ میسور میں جو بارود بنائی جاتی تھی وہ انگریزوں کی بنائی ہوئی بارود سے بہتر ہوتی تھی۔[114] چناپٹنا میں شیشے کے آلات تیار کیے جاتے تھے۔ یہ جگہ ان فولادی تاروں کے لیے بھی مشہور تھی، جو موسیقی کے آلات میں استعمال ہوتے تھے اور جو ہندوستان کے مختلف حصوں کو بھیجے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ چناپٹنا میں بہتر قسم کی شکر بھی تیار کی جاتی تھی، مگر اس کے بنانے کی ترکیب کو صیغۂ راز میں رکھا جاتا تھا۔[115] چکبال پور کی قند نہایت اعلا درجے کی اور صاف کی ہوئی شکر نہایت سفید اور عُمدہ ہوتی تھی۔ اس کی تیاری کا طریقہ ٹیپو کا ایجاد کردہ تھا اور اسے راز میں رکھا جاتا تھا۔[116] تعلقہ دیوانہالی میں تیار کی جانے والی شکر بھی اعلا درجے کی ہوتی تھی جو ان چینیوں کی مدد سے تیار کی جاتی تھی جنھیں اسی مقصد کے لیے ٹیپو کے حکم سے لایا گیا تھا۔[117] بنگلور کے بنکر نہایت اعلا درجے کا کپڑا تیار کرتے تھے لیکن 1799 میں سقوطِ سرنگاپٹم کے بعد عدم سرپرستی کی وجہ سے یہ صنعت زوال پذیر ہوگئی۔[118] ریشم کی صنعت کے فروغ کے لیے بنگال اور مسقط سے ریشم کے کیڑے لائے گئے تھے اور شہتوت کے درخت لگانے کی ہمت افزائی کی گئی تھی۔ ساحلِ مالابار پر ایک صدف گیری قائم کرنے کی بھی کوشش کی گئی تھی اور اس مقصد کے لیے مسقط سے غوّاص لائے گئے تھے۔

جنگی سپاہ

ٹیپو کے پاس ایک باضابطہ مستقل فوج تھی، جو نظام اور مرہٹوں کے مقابلے میں بہتر مسلح، بہتر تربیت یافتہ اور زیادہ جنگ آزمودہ تھی۔ کیمبل کے بیان کے مطابق "ٹیپو ایک مستعد، اولوالعزم اور مہم جو حکمراں ہے۔ جن ایشیائی سلطنتوں سے ہم واقف ہیں ان کے مقابلے میں ٹیپو کی فوجی تنظیم بہتر ہے۔[119]" اسی طرح ولیم میکلوڈ نے لکھا تھا کہ "ٹیپو ہی ایک ایسا حکمراں ہے جس نے اپنی فوج کو ایک باضابطہ منصوبے کے تحت تربیت دی ہے اور اسے منظّم کیا ہے۔ اس معاملے میں وہ غیر مقلّد ہے اور ہر اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، جس سے اس کی سپاہ کی کارکردگی میں اضافہ ہو۔[120]" ایک فرانسیسی نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ ٹیپو کے "توپخانے کی حالت بہت اچھی ہے اور اس کی نہایت عُمدہ دیکھ بھال ہوتی ہے۔ اس کی سپاہ جنگی مُشکلات کا مقابلہ کرنے کی عادی ہے۔ دوسرے دیسی حکمرانوں کے مقابلے میں اس کی سپاہ کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے اور وہ بہت تربیت یافتہ ہے۔ انگریزوں کے لیے وہ ہیبت بن گیا ہے۔ صوبہ یا مرہٹوں کی فوج اس کا مقابلہ کرنے کی اہل نہیں ہے۔[121]"

[122] ٹیپو کے باضابطہ رسالے قرابینوں اور تلواروں سے تو مسلح رہتے مگر ان کا کوئی امتیازی لباس نہیں تھا،

مگر گھوڑوں کے جسم پر وہ تسمہ بھی نہ ہوتا جس کا ایک سرا گھوڑے کے تنگ میں اور دوسرا پوزی میں بندھا ہوتا ہے۔ اسی سے انگریز ان میں اور نظام یا مرہٹوں کے سواروں میں تمیز کرتے تھے۔[123] ٹیپو کے بے ضابطہ سوار بھی بہت زیادہ کار آمد تھے۔ وہ ہر طرح کی تنگی برداشت کر سکتے تھے۔ باضابطہ سواروں کے مقابلے میں وہ زیادہ تجربے کار تھے، خطروں سے کم گھبراتے اور دشمن کی خامی سے فائدہ اُٹھانے کے زیادہ اہل تھے۔[124] ٹیپو کی پیدل فوج کے سپاہی یورپی سپاہ کی طرح دستی بندوقوں اور سنگینوں سے لیس ہوتے تھے، جو خود اسی کے مُلک میں فرانسیسی ساخت کی بنائی جاتی تھیں۔ اس کے پاس انگریزی اور فرانسیسی اسلحے بھی کثیر مقدار میں تھے لیکن میسور کے بنے ہوئے اسلحہ کے استعمال کو وہ ترجیح دیتا تھا، اگرچہ وہ ہمیشہ عُمدہ قسم کے نہیں ہوتے تھے۔ اس کی ہلکی توپیں فرانسیسی صنّاعوں کی مدد سے میسور ہی میں ڈھالی جاتی تھیں۔ ان کے دہانے چونکہ انگریزی توپوں سے بڑے ہوتے اور وہ دُور مار ہوتیں اس لیے میدانِ جنگ میں زیادہ موثّر ثابت ہوتیں۔ اسی بنا پر حیدر اور ٹیپو دونوں کو گولا باری میں انگریزوں پر خاصا تفوّق حاصل رہا تھا۔ پیدل فوج کی تربیت یورپین طرز پر ہوتی تھی۔ کمان کی اصطلاحیں فارسی کی ہوتی تھیں۔ ان کے لباس میں ارغوانی رنگ کی ایک سوُتی صدری ہوتی جس پر شیر کی کھال جیسے گُل ہوتے، سرخ یا زرد رنگ کی پگڑی ہوتی اور مختصر سا ڈھیلا ڈھالا پاجامہ ہوتا۔[125] امن کے دنوں میں پیدل فوج کا بڑا حصّہ جزیرۂ سرنگا پٹم ہی میں رہتا اور سوار راجدھانی سے قریب تر کسی ایسے مقام پر رکھے جاتے جہاں چارہ آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ ٹیپو اس پالیسی کو غلط سمجھتا تھا کہ فوج کا بڑا حصّہ کسی ایسی جگہ پر رکھا جائے جہاں آسانی سے وہ اس کا معائنہ نہ کر سکے، اور شاذونادر ہی وہ افسروں کو زیادہ مدّت تک ایک ہی دستے میں رہنے دیتا تھا۔[126] فوجی ڈسپلن کو وہ بڑی سختی سے برقرار رکھتا تھا۔ اس نے حکم جاری کیا تھا کہ معرکۂ کارزار کے دوران اگر کوئی سپاہی فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے گولی ماردی جائے۔[127] تنخواہ کی تقسیم کے لیے ٹیپو کے مہینے مختلف ہوتے تھے، جو کبھی 36 کا،[128] کبھی 45 یا 50 کا بلکہ کبھی تو 60 دنوں کا بھی ہو جاتا تھا۔[129]

ٹیپو فوجی اقتدار خود اپنے ہی ہاتھ میں رکھتا تھا، اور چونکہ امن اور جنگ دونوں زمانوں میں وہ فوج کے ساتھ ہی رہتا تھا، اس لیے اس کی موجودگی سے فوجیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جو جذبہ پایا جاتا تھا، وہ دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی فوج میں ناپید تھا۔ اس کی فوج جاگیرانہ طرز پر منظّم نہیں کی گئی تھی اور یہی اس کی قوّت کا سب سے بڑا سرچشمہ تھا۔[130] وہ اپنی فوج کے لیے رنگروٹ میسور ہی سے نہیں بلکہ پڑوسی ریاستوں سے بھی حاصل کرتا تھا۔ سپاہیوں کے خاندانوں کو سرنگا پٹم یا بنگلور یا بدنور میں رہنا پڑتا تھا۔[131] میسور سے بھرتی کیے جانے والے سپاہیوں کو 'زمرہ' کہا جاتا تھا۔ ان کی پگڑی سبز ہوتی جس پر سُرخی مائل پٹّی ہوتی۔ بیرونِ سلطنت بھرتی کیے جانے والوں کو 'غیر زمرہ' کہا جاتا تھا اور ان کی پگڑیاں صرف سبز ہوتیں۔[132] ٹیپو نے

برہمنوں، درویشوں اور تاجروں کو فوجی بھرتی سے مستثنا کردیا تھا۔ ہندوؤں میں راجپوتوں اور مرہٹوں کو بھرتی کیا جاتا۔ مسلمانوں میں شیخ، سیّد، مغل اور پٹھانوں کو بھرتی ہونے کی ترغیب دی جاتی۔[133]

ٹیپو کے ابتدائی دورِ حکومت میں میسوری فوج کو قشونوں، رسالوں اور جوقوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر قشون ایک سپہدار کے زیرِ کمان ہوتا، اس کے ساتھ ایک بخشی اور متعدد متصدی ہوتے۔ ہر رسالے کا سربراہ رسالدار اور ہر جوق کا ایک جوقدار ہوتا۔ نیچے کے عہدوں میں سرخیل، جمعدار، دفعدار اور یزکدار ہوتے تھے۔[134]

سپہدار کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنے قشون کے افسروں اور سپاہیوں کی دیکھ بھال کرے۔ جمعداروں اور دوسرے چھوٹے افسروں کو ترقی دینے نیز سزا دینے کا بھی اُسے اختیار تھا۔ سزا دینے کے سلسلے میں کورٹ مارشل میں ملزم پر مقدمہ چلانا ضروری تھا۔ لیکن کسی رسالدار کو سزا یا انعام دینے سے پہلے سلطان کے سامنے رپورٹ پیش کرنا لازمی تھا۔ سپہدار ہر مہینے بخشی اور متصدیوں کو ساتھ لے کر سپاہیوں کی حاضری لیتا اور ان کے اسلحہ اور ساز و سامان کا معائنہ کرتا۔ اس کے بعد بخشی کے ساتھ مل کر وہ رپورٹ تیار کرتا اور اسے سلطان کی خدمت میں پیش کرتا۔ یہ دیکھنا اس کے فرائض میں داخل تھا کہ قشون کے پاس وافر مقدار میں رسد موجود ہے، انکی بندوقیں صاف ہیں اور روزانہ پابندی سے پریڈ ہوتی ہے۔ اگر کسی معاملے میں اسے دشواری پیش آتی تو وہ رسالداروں سے مشورہ کرتا اور ان کی تحریری رائے لیتا۔ اگر اختلاف رائے ہوتا تو باہمی رضا مندی سے فیصلہ کیا جاتا۔[135] بخشی کا کام یہ تھا کہ ہر ماہ اپنے قشون کی تنخواہ کا چٹھا تیار کرے اور پھر رقم سرنگاپٹم سے منگا کر مہینے کی پہلی تاریخ سپہدار کی موجودگی میں تقسیم کرے۔[136] رسالدار کا کام یہ تھا کہ سپاہیوں کو، علاوہ جمعرات کے، جو چھٹی کا دن ہوتا تھا، قواعد کرائے۔[137]

فوج میں ایک اور اہم افسر سرزکچی ہوتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ فوج کی حالت معلوم کرنے کے لیے ہر روز وہ رسالہ میں جاتا اور اپنی رپورٹ پہلے سپہدار کو، پھر حضوری میں جیش کچہری کو اور آخر میں سلطان کو پیش کرتا۔ سرزکچی کا فرض یہ تھا کہ فوج کے ساتھ رسالدار اور سپہدار کا رابطہ برقرار رکھے۔ رسالہ میں گھوم پھر کر وہ سپاہیوں کی عادات اور ان کے اسلحہ کی کیفیت معلوم کرتا اور اس کی اطلاع رسالدار اور سپہدار کو دیتا۔ جنگ کے دنوں میں اس کا ایک کام یہ بھی ہوتا تھا کہ کمانڈروں کے احکام وہ اس کے ماتحتوں تک پہنچائے۔ فوجوں کی قواعد کے وقت بھی اسے یہ دیکھنے کے لیے موجود رہنا پڑتا کہ قواعد ٹھیک سے کرائی جا رہی ہے یا نہیں۔ اس کی کارکردگی اگر ترقی کی حقدار ہوتی تو ترقی دے کر اسے جوقدار بنا دیا جاتا، اور اگر سزا کا مستحق سمجھا جاتا تو اسے سرخیل کر دیا جاتا۔[138]

کچھ عرصہ بعد ٹیپو نے فوج کی تنظیمِ نو کی۔ اس کے نتیجے میں بخشی فوج کا اہم ترین افسر بن گیا، جو اب تک صرف تنخواہیں تقسیم کرتا تھا۔ عسکر (سواروں) کو چار کچہریوں (بریگیڈوں) میں اور ہر کچہری کو پانچ موکموں (رجیمنٹوں) میں تقسیم کیا گیا۔ ہر کچہری یا موکم میں سپاہیوں کی تعداد متعین نہیں تھی۔ کچہری کے کمانڈر کو بخشی اور موکم کے کمانڈر

کو موکمدار کہا جاتا تھا۔ موکم کو چار رسالوں (اسکویڈرنون) میں تقسیم کیا گیا۔ ہر رسالہ میں کمانڈر کے درجے کا ایک رسالدار ہوتا۔ رسالوں کو یازدوں (ٹولیوں) میں تقسیم کیا گیا۔ ہر یاز کا سربراہ ایک یزکدار (کیپٹن) ہوتا، جس کے تحت میں سرخیل (لیفٹننٹ)، حولدار اور سپاہی ہوتے[139]

سلحداروں (بے ضابطہ سواروں) کی کور نہیں بنائی جاتی تھی۔ ہر پارٹی کا کمانڈنگ افسر جس طرح مناسب سمجھتا، انتظام کرتا۔ بے ضابطہ سوار اگرچہ بے حد کارآمد ہوتے تھے، تاہم ان کے لیے کوئی خاص ڈسپلن نہیں تھا۔ باضابطہ رسالوں کے گھوڑے حکومت کی ملکیت ہوتے تھے، اور حکومت ہی ان کو وردیاں اور اسلحہ فراہم کرتی تھی۔ اس کے برعکس بے ضابطہ سواروں کے گھوڑے یا تو کمانڈر کے ہوتے تھے یا خود سواروں کے، اور حکومت ان کے مالکوں کو پابندی سے ماہواری تنخواہ ادا کرتی تھی ـــــ دورانِ ملازمت گھوڑا اگر مر جاتا تو حکومت اس کی قیمت ادا کرتی۔ باضابطہ رسالے کو جو مالِ غنیمت ملتا اس کا نصف حصہ حکومت کو ملتا اور باقی سواروں میں تقسیم ہو جاتا۔[140]

جیش (پیدل) کو چار کچہریوں (بریگیڈوں) میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر کچہری میں چار قشون (رجمنٹیں) ہوتیں۔ ہر قشون میں چار جوق (کمپنیاں) ہوتیں۔ ہر کچہری کی کمان ایک بخشی کے ہاتھ میں ہوتی، جس کے ساتھ متعدد محاسب اور بہت سے منشی ہوتے۔ ہر قشون کا اعلا افسر سپہدار (کمانڈنٹ) ہوتا۔ ہر رسالہ کی کمان ایک سالدار کے ہاتھ میں ہوتی۔ جوق کا سربراہ جوقدار (کیپٹن) ہوتا، جس کے نیچے سرخیل، جمعدار اور سپاہی ہوتے۔[141]

ہر قشون میں جوقدار کے تحت بان اندازوں کا عملہ ہوتا، اور صوبیداروں کے تحت توپچیوں کا عملہ ہوتا، جن میں توپیں رکھنے والے بھی شامل ہوتے۔ ہر قشون میں توپوں کی تعداد کا کور کے سپاہیوں کی تعداد اور ان کے کام کی نوعیت پر انحصار ہوتا۔ چنانچہ قشون میں ایک سے لے کر پانچ تک توپیں ہوتیں۔ ہر قشون کا سرخ تکونا جھنڈا ہوتا، جس میں کوروں کی تفریق کے لیے سبز حاشیہ اور آویزہ نما لٹکن ہوتا۔

فوج کا عام انتظام محکمۂ میر میران سے متعلق تھا۔ معاہدۂ سرنگاپٹم (1792) کے بعد اُن فوجیوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک علاحدہ شعبہ قائم کیا گیا جو سلطنت میسور ہی کے باشندے تھے۔ محکمۂ میر صدر قلعوں کے استحکامات کے معائنے کا اور قلعوں کو سامانِ رسد، اسلحہ اور سپاہی فراہم کرنے کا ذمّہ دار تھا۔[142] لیکن فوجی پالیسی سے تعلق رکھنے والے معاملات کے بارے میں سُلطان ہی فیصلہ کرتا تھا، جو خود اپنا کمانڈر انچیف تھا۔

ٹیپو کی فوج کی تعداد بھی متعین نہ تھی، بلکہ فوجی ضروریات اور وسائل کے مطابق اس میں کمی وبیشی ہوتی رہتی تھی۔ الکزینڈر ریڈ کے بیان کے مطابق تیسری اینگلو میسور جنگ کے آغاز کے وقت ٹیپو کی فوج میں تین ہزار باضابطہ اور پانچ ہزار بے ضابطہ سوار، تین ہزار لوٹی، اڑتالیس ہزار باضابطہ پیدل، دس ہزار اسد الٰہی، ساٹھ ہزار ہرکارے جو توڑے دار بندوقوں اور تلواروں سے مسلح تھے، تین ہزار نیزہ بردار تھے۔[143] تیسری اینگلو میسور

جنگ کے دوران ٹیپو کی فوج اٹھارہ ہزار سواروں اور پچاس ہزار باضابطہ پیدل سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ ایک لاکھ بے ضابطہ پیدل فوج قلعوں کی محافظت اور مالیانہ کی وصولیابی میں لگی تھی[144] لیکن معاہدۂ سرنگاپٹم (1792) نے اُسے اپنی فوج کم کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چنانچہ 1793 میں میسور کی فوج سات ہزار باضابطہ اور چھ ہزار بے ضابطہ سواروں، تین ہزار پیدلوں، پانچ ہزار تین سو مالیانے کے ہرکاروں، چھتیس ہزار کنڈچاروں (بے ضابطہ ہرکاروں) اور دو ہزار توپخانہ والوں پر مشتمل تھی۔[145] دوسرے سال مزید کمی ہوئی اور اس کی تعداد گھٹ کر 6450 باضابطہ، 7500 بے ضابطہ سوار، 360 آناد سواروں، 23,800 پیدل فوج، 3,500 افراد متعلق توپخانہ بشمول بان انداز اور سرنگاپٹم، بدنور، چیتل درگ نیز دوسرے قلعوں کے لیے بارہ ہزار حفاظتی سپاہ تک محدود رہ گئی۔ 1794 میں فوج کے اخراجات 24,30,186 پگوڈا تھے، جس میں مختلف قلعوں کی حفاظتی فوج کے اخراجات شامل نہیں تھے، جو 5,70,331 پگوڈا تھے۔[146] جولائی 1798 میں ٹیپو کی فوج میں چھ ہزار باضابطہ اور سات ہزار بے ضابطہ سوار، تیس ہزار باضابطہ پیدل، چار ہزار احمدی یا اسدالٰہی، پندرہ سو نیزہ بردار، آٹھ ہزار ہرکارے اور چھ ہزار سفر مینا تھے۔[147] ٹیپو کی فرانسیسی فوج میں چار افسر، چالیس یورپین سپاہی، ساڑھے تین سو مخلوط النسل اور کافر افریقی قبائلی تھے جو ریلی کی جمعیت میں تھے۔ ان کے علاوہ جزیرۂ فرانس سے جو جمعیت اپریل میں آئی تھی اس میں چھ افسر، پچاس یورپین سپاہی اور سو مخلوط النسل اور کافر تھے۔[148] ولزلی نے ٹیپو کو اگرچہ جارحانہ منصوبہ رکھنے کا ملزم گردانا تھا۔ تاہم میکلوڈ کے بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دسمبر 1798 سے قبل کی تنخواہ دیے جانے کے وقت فوج کی جو تعداد تھی وہ اسی سال جولائی کی تعداد سے کم تھی۔ پیدل سپاہ کی تعداد 22,375 تھی جس میں قلعہ سرنگاپٹم کی 3,828 حفاظتی فوج بھی شامل تھی۔ لیکن دوسرے قلعوں کی حفاظتی فوج اور رنگروٹ اس میں شامل نہیں تھے۔ باضابطہ سوار 2,662 اور بے ضابطہ 7,087 تھے۔[149] لیکن جب ولزلی نے اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرلیں تو ٹیپو نے بھی اپنی فوج میں اضافہ کیا۔ چنانچہ چوتھی اینگلو میسور جنگ کے وقت اس کے پاس 3,502 سوار اور 9,392 بے ضابطہ سوار تھے، 23,483 باضابطہ پیدل سپاہی اور 6209 باضابطہ رضاکار تھے۔ ان کے علاوہ 4,747 توڑیدار، بندوقچی اور ہرکارے تھے۔[150]

ٹیپو کی فوج میں فرانسیسی اتنے اہم نہیں تھے، جتنے کہ وہ نظام اور سندھیا کی فوجوں میں تھے۔ پیرون نے جو فوج تیار کی تھی اس میں آٹھ ہزار سوار اور دو ہزار پیدل تھے اور اس نے سندھیا پر بڑا اثر جما لیا تھا، نیز اس پر اور اس کی فوج پر بھی سندھیا کو کوئی اختیار نہیں تھا۔ اسی طرح ریمنڈ نے چودہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل منظم فوج تیار کی تھی اور نظام پر اس کا بے حد اثر تھا۔ لیکن ٹیپو کی فوج میں جو فرانسیسی تھے وہ ہمیشہ اس کے ملازم ہی رہے، آقا کبھی نہ بن سکے۔ تیسری اینگلو میسور جنگ کے وقت اس کی فرانسیسی کور میں ریلی کی کمان میں 350 سپاہی

تھے۔ 1791 میں لیلی کی وفات کے بعد اس کی جگہ ویگی نے لی۔ 1794 میں فرانسیسی کور میں بیس یورپین تھے جن میں کچھ سوئز بھی تھے۔ ان کے علاوہ دو سو ہندوستانی عیسائی بھی تھے۔ ویگی 1794 میں مرگیا اور اس کی جگہ اِم، کو ئیٹھن نے لی۔ سقوطِ سرنگاپٹم کے وقت فرانسیسی کور میں چار افسر اور پینتالیس بے کمیشن افسر اور سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ انگریزی فوج کے مفرورین بھی تھے، جنھوں نے ٹیپو کی ملازمت اختیار کرلی تھی، مگر ان کی تعداد کا علم نہیں ہے[152]۔

بحریہ

حیدر علی نے بحریہ تیار کرنے کی دوبار کوشش کی تھی۔ اس کی پہلی کوشش کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بحری کمانڈر، اسٹین نٹ، بھاگ کر انگریزوں سے مل گیا اور اپنے ساتھ متعدّد جہاز بھی لے گیا۔ اس نقصان کے بعد بھی حیدر علی نے یورپین ماہرین کی مدد سے دوبارہ ایک بیڑہ تیار کیا۔ اس مرتبہ سر ایڈورڈ ہیگیز نے اس کے بیڑے کی کمر توڑ دی۔ 1780 میں منگلور میں داخل ہوکر اس نے بہت سے لنگر انداز جہازوں کو تباہ کردیا تھا۔

ٹیپو نے جب اپنے باپ کی جگہ لی تو انگریزوں کے تباہ کردہ جہازوں کی جگہ پر دوسرے جہازوں کو لانا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ وہ اپنی فوج کو مضبوط تر کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے پاس چھوٹے بڑے بہت سے جنگی جہاز تھے: لیکن ان سے وہ صرف تاجروں کو بحری قزّاقوں سے محفوظ رکھنے ہی کا کام لیتا تھا۔ تعداد اور سامانِ جنگ دونوں اعتبار سے وہ انگریزی بحریہ کا مقابلہ کرنے کے اہل نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تیسری اینگلو میسور جنگ میں میسوری بحریہ نے افسوسناک کردار ادا کیا اور انگریزوں نے آسانی سے ٹیپو کے مالاباری مقبوضات پر قبضہ کرلیا۔ بلکہ مرہٹہ بحریہ بھی میسور کی ایک بندرگاہ پر قابض ہوگیا جو ضلع کاروار میں تھی۔

ٹیپو نے اپنی حکومت کے آخری چند برسوں میں ایک بحریہ تعمیر کرنے کی طرف توجّہ دی۔ 1796 میں ایک میریم کے تحت بحریہ کا بورڈ بنایا، جس کے تحت تیس میر بحر، ایک میرزائے دفتر، ایک متصدّی اور بڑا سا عملہ تھا۔ میر بحر بندرگاہوں پر مقیم ہوتے تھے۔ بحریہ میں بائیس بڑے جنگی جہاز اور بیس چھوٹے جنگی جہاز تھے۔ بڑے جنگی جہازوں کو اوّل اور دوم دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان پر بالترتیب بہتّر اور باسٹھ توپیں ہوتی تھیں۔ چھوٹے جنگی جہازوں پر چھیالیس توپیں ہوتی تھیں۔ جہازوں کی تعمیر کے لیے تین گودیاں بنائی گئی تھیں۔ ایک منگلور میں، دوسری میرجان کے نزدیک واجد آباد میں اور تیسری مولد آباد میں تھی۔ مالابار کے

جنگلوں سے ساگوان کی لکڑی کاٹ کر کالی کٹ سے گودیوں کو بھیجی جاتی تھی۔ جہازوں کے نقشے خود سلطان بنا کر بھیجتا تھا۔[153] یہ منصوبہ بڑے جوش و خروش سے ہاتھ میں لیا گیا تھا، لیکن سقوطِ سرنگاپٹم کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا۔
ٹیپو کی شکست کے بعد منگلور، کنداپور اور تدری سے جو جہاز ملے تھے، ان کی فہرست یہ ہے[154]:

منگلور میں

رواں:

جہاز	1	27 X 104 فٹ	(Ship)
گراب اسنو	1	24 X 112 فٹ	(Grab snow)
گیلی واٹ	1	16 X 70 فٹ	(Gallivat)
نیا جہاز	1	32 X 112 فٹ	

گودی میں:

جہاز	1	40 X 120 فٹ	(Ship)
اسنو	1	—	(Snow)
گراب	1	طول 65 فٹ	(Grab)
گیلی واٹ	1	18 X 78 فٹ	(Gallivat)
گیلی واٹ	3	60 تا 70 X 14 تا 15 فٹ	(Gallivats)
سامان لے جانے والی بڑی کشتی	1		(Lorge luggage boat)

ان سب کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کشتیاں بھی تھیں۔

کنداپور میں

بڑی مستولی کشتی	1	—	(Largedow)
اسنو	1	20 X 60 فٹ	(Snow)
گیلی واٹ	3	—	(Gallivats)
چھوٹی کشتیاں	3	—	

تمدری میں

تین جہاز، جن میں سب سے بڑا 110 فٹ کا تھا

دو جہاز، 105 فٹ کے

تین جہاز، 95 فٹ کے

پانچ گیلی واٹ (Gallivats)

دو بڑی کشتیاں جو سمندر میں اُتارے جانے کے لیے تیار تھیں

ان سب کا تناسب معقول اور صناعی عُمدہ تھی۔

(باب 20 کے حاشیے)

1. O.R., No. 16, Tipu to Nizam.

2. Mackenzie, ii, pp. 72-3.

3. Kirkpatrick, p. 464.

4. Ibid., No. 14; see also Buchanan, ii, pp. 411-12, for details about the custom of polyandry prevalent in Malabar.

5. کرمانی، ص 398

6. Crisp. Mysorean Revenue Regulations, p. 25.

7. Kirkpatrick, pp. 210-11.

8. دیکھیے کرک پیٹرک، کرمانی اور بیٹسن ـــــ یہ عجیب بات ہے کہ سلطان کے کتب خانے کی کتابوں پر جو مہریں ہیں ان کے علاوہ اور کسی جگہ "سلطنتِ خداداد" کا نام نظر نہیں آتا۔ تاریخ خداداد میں ٹیپو کی حکومت کو "احمدی سرکار" اور سلطان التواریخ میں سرکار اسداللہی" کہا گیا ہے۔ کرک پیٹرک نے بھی بعض مقامات پر یہی موخرالذکر نام استعمال کیا ہے۔

9. Gleig, Munro, i, p. 84.

10. Moor, p. 201.

11. Rushbrook Williams, Great Men of India, p. 216. (Chapter on Tipu Sultan by Dodwell); also A.N., C2 172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 178 b, f. 207 b.
See S.C. Sen Gupta, Government and Administrative System of Tipu Sultan and Journal of the Dept. of Letters, xix, xxi (Calcutta University).
یہ دونوں مقالات اگرچہ مطبوعہ ماخذ پر مبنی ہیں تاہم بیحد معلومات افزا ہیں۔ ان سے استفادہ کے لیے میں صاحبِ مقالات کا ممنون ہوں۔ مونیران نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا۔

12. Kirkpatrick, Appendix E, pp. xxxiii seqq.
یہ قواعد و ضوابط صرف تجارت ہی کے شعبے کے لیے نہیں تھے، بلکہ دوسرے شعبوں میں بھی وہ نافذ تھے۔ ان شعبوں کے طریق کار کی تفصیلات کے لیے دیکھیے :

I.O., 4685 (Persian), ff 8a–9a

13. Beatson, p. 157; Edmonstone pp. 13–19, 22-3, 29; Kirkpatrick, Appendix D, p. xxix

14. کرمانی، ص 280، 378، 381۔ کرمانی نے میر صادق کو عام طور پر 'دیوان' لکھا ہے۔

15. Kirkpatrick, No. 318

16. I.O. Mss. Eur. C. 10, p. 208

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک نائب دیوان بھی ہوتا تھا۔ 1794 میں اشرف علی خاں اس عہدے پر فائز تھا۔

(Mly. Sundry Book, vol. 101, 1792–95, p. 112)

17. Edmonstone, pp. 23, 29

18. M.R., Mly. Sundry Book, vol. 1792–95, p. 112

19. N.A., Sec. Cons., July 23, 1799, vol. viii B, pp. 1158 seqq.

20. Ibid.

21. کرمانی، ص 375۔ 1793 میں ٹیپو نے بہت سے افسروں کو میر میران کا خطاب دیا تھا۔ سید غفار کو سب سے پہلے یہ خطاب دیا گیا تھا۔ محمد رضا، خان جہاں خاں، پرنیا اور دوسرے افسروں کو یہ خطاب سید غفار کے بعد ملا تھا۔

22. N.A., Sec. Cons., July 23, 1799, vol. viii B, pp. 1158 seqq.

23. Kirkpatrick, Appendix, p. xiv footnote; also I.O., 4685 (Persian) f. 26 b

24. N.A., Sec. Cons., July 23, 1799, vol. viii B, pp. 1158 seqq

25. Edmonstone, pp. 23, 29

26. N.A., Sec. Cons., July 23, 1799, vol. vii B, pp. 1158 seqq

27. Edmonstone, pp. 16, 29; Kirkpatrick, Appendix K, pp. ixvii–vii

28. N.A., Sec. Cons. July 23, 1799, vol. viii B, pp. 1158 seqq

کرک پیٹرک (p.1xxvii) کے مطابق میر میم گیارہ تھے۔

29. *Ibid.*

30. Kirkpatrick, Appendix E, p. xxxv

31. *Ibid.*, pp. 81-2, No. 251

32. *Ibid.*, Nos. 400, 416

33. *Ibid.*, No. 400

34. *Ibid.*, pp. 215-6

35. M.A.R., 1938, pp. 123-5

36. Wilks, i, p. 121 footnote

37. Rice, Mysore and Coorg, ii, p. 203

38. *Ibid.*, i, p. 166; Buchanan, i, p. 121

39. M.R., Mly. Sundris, vol. 106 (1799), p. 24

40. کرمانی، ص 379.
معلوم ہوتا ہے کہ عرض بیگی دو تھے۔ ایک دن کے لیے اور ایک رات کے لیے۔
(I.O. MSS. Eur. C. 10, p. 210)

41. Bara Mahal Records, Section 1, p. 8

42. N.A., Sec. Cons. July 23, 1799, vol. viii B, p. 980 seqq

43. Bara Mahal Records, Section 1, p. 157; Wilks, Report on the Interior Administration of Mysore, p. 34

44. M.R., Mly Sundry Book, vol. 109 A, p. 207
ریڈ کے بیان کے مطابق ایک دوسرے کے تدارک کے لیے بعض اضلاع میں دو سے چار تک فوجدار ہوتے تھے۔
(Bara Mahal Records, Section 1, p. 152).

45. I.O. 4685 (Persian), f. 22 b.

46. Mack MSS. 15-6-8 (Athavana tantaria); see also Rice, Mysore and Coorg, i, p. 489.

47. See Crisp, Mysorean Revenue Regulations; for the

duties of the Amils.

.48 Bara Mahal Records, Section 1, p. 8.

.49 Mack MSS, 15-6-8 (Athavana tantria); see also Rice, Mysore and Coorg, i, p. 489.

.50 Crisp, Mysore Revenue Regulations, p. 89.

.51 Q. J. M. S., x, Oct. 1919.

.52 دیکھیے کتاب کا صفحہ 71، 76، 271۔ نیز
Punganuri, p. 35; I.O. 4685 (Persian), ff 157a-b, 198 a-b.

.53 Kirkpatrick, No. 1.

.54 دیکھیے کتاب کا صفحہ 8 نیز
Bara Mahal Records, Section 1, p. 145; Rice, Mysore and Coorg, ii, p. 247.

.55 Wilks, Report on the Interior Administrations of Mysore, art. 35.

.56 Ibid., art. 45.

.57 Wilks, Notes on Mysore, p.p. 5-7.
میسور میں اراضی کی پیمائش حقیقتاً نہیں ہوتی تھی۔ کسی رقبے میں تخم ریزی کے لیے جو بیج درکار ہوتے تھے ان کی مقدار سے اراضی کی پیمائش کی جاتی تھی۔ ایک کنڈی اراضی بوئے جانے والے بیجوں کی ایک کنڈی کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن خشک زمین کے مقابلے میں تر زمین میں بوائی کے لیے بیجوں کی چوگنی مقدار درکار ہوتی تھی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ایک کنڈی خشک زمین چار کنڈی تر زمین کے برابر تھی۔

.58 Gleig, Munro, i, pp. 204, 206.

.59 Ibid., p. 290.

.60 Ibid., p. 291.

.61 Bara Mahal Records, Section 1, p. 22.

Crisp, Mysorean Revenue Regulations, pp. 10–16. .62

Bara Mahal Records, Section iv, p. 75. .63

Crisp, Mysorean Revenue Regulations, pp. 16 – 17. .64

Ibid., pp. 2, 4. .65

Ibid., pp. 5-7. .66

رایاکوٹائی تعلقہ میں کچھ سواروں نے کسانوں کو پریشان کیا تھا۔ سلطان کو جوں ہی اس کی اطلاع ہوئی، اس نے آصف کو لکھا کہ کسانوں کی حفاظت کی جائے۔

(I.D. (Perssian), f. 30 b).

Ibid., pp. 22, 28. .67

Ibid., pp. 26, 28. .68

Mack MS, on Hindupur taluk, cited in Anantapur Gazetteer, p. 174. .69

Bara Mahal Records, Section 1, p. 151; Ibid., Section viii, pp. 46– 7. .70

Ibid., p. 151. .71

Ibid., p. 153. .72

Ibid. section, v, vii , p. 101. .73

N.A., Sec. Cons., July 23, 1799, viii B, pp. 1174 - 75. .74

Wilks, Report on the Interior Administration of Mysore, Art 10 – 12. .75

Wilks, Notes on Mysore, p. 6. .76

Spencer, A Report on the Administration of Malabar, July 28, 1801, page 2, para 7. .77

Buchanan, ii, p. 355. .78

79. Ibid., 446.

80. Innes, Gazetteer of the Malabar and Anjengo Dists. i, p. 326 (1951 ed.); Logan i, p. 630.

81. Minute of John Shore, pp. 9-10; Spencer, A Report on the Administration of Malabar, July 28, 1801, p. 10, para 37; see also Warden, Report on the Land Tenures in Malabar, pp. 7-8, 19.

82. Buchanan, ii, pp. 404-05.
اس مصنّف نے محصولات کی شرح تو لکھی ہے، لیکن اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ٹیپو کی فرمانروائی کے کس حد سے متعلق ہے۔

83. Warden, Report on Land Tenures in Malabar, p. 7.

84. Ibid. p. 8

85. Ibid.
زمورن خاندان کے ایک نوجوان راجا نے ایک موپلا باغی گورکل کے مقابلے میں ارشد بیگ کو مدد دی تھی اس کے انعام میں ٹیپو نے راجا کو ایک جاگیر عطا کی تھی۔
(Spencer, A Report on the Administration of Malabar, July 28, 1801, p. 7, para 22.)

86. M.R., Mly. Sundries, vol. 106, (1799) Appendix 12, pp. 51 seqq.

87. Ibid., Mly. Sundry Book, vol. 101, 1792-95, pp. 107-8,
ایک دوسری جگہ میکلوڈ کہتا ہے کہ ٹیپو کی آمدنی 83,67,549 پگوڈا تھی جس میں دس لاکھ کی وہ رقم بھی شامل تھی جس کا 1795 میں اس نے اضافہ کیا تھا۔
(Mly. Sundry Book, 109 A - 1799, pp. 205-7).
ریڈ نے بھی یہی اعداد و شمار لکھے ہیں، لیکن میں انھیں بہت زیادہ مُبالغے پر مبنی سمجھتا ہوں۔ میکلوڈ یہ بھی کہتا ہے کہ 1792 سے ٹیپو کی وصولیابی صرف 25 سے 30 لاکھ پگوڈا کے درمیان میں رہی تھی۔ ٹیپو کے انتظامیہ کی کارکردگی

اور اس کی سخت گیری کے پیش نظر طلب اور وصولی میں اتنا تفاوت نہیں ہو سکتا تھا۔

88. N.A., Pol. Pro., Aug. 4, 1797, Cons. No. 4.

89. Kirkpatrick, Nos. 160, 172.

90. Selections from State Papers, Bombay, No. cc|vii.

91. Salil b. Razik, History of the Imams and Seyyids of Oman, Trans. G.P. Badger, pp. 170-71 and W. I.
حیدر علی اور امام کے تعلقات کے لیے بھی اس کتاب کو دیکھنا چاہیے۔

92. Hourani, Arab Seafaring in the Indian Ocean, pp. 89-90; see also Selections from the Records of the Bombay Government (New Series), No. 24, p. 613, Nos. 159, 172, 206, 207.
چونکہ ٹیپو نے انگریزی اور پرتگالی تاجروں کے لیے چاول کی خرید ممنوع قرار دی تھی، اس لیے مسقطی تاجروں کے بھیس میں چاول خریدنے کے لیے وہ دوسروں کو منگلور بھیجتے تھے۔ ٹیپو کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے احکام جاری کیے کہ اس کی مملکت میں صرف وہی تاجر چاول خرید سکتے ہیں جن کے پاس یا تو پاسپورٹ ہو یا مسقط کی میسوری کوٹھی کے داروغہ کا دستخطی اور مُہری سرٹیفکیٹ ہو۔

93. وقائع منازلِ روم میں مختلف اقسام کے کپڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سفید باریک ململ، جسے شلا کہتے تھے، غالباً ڈھاکہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ ایک معمولی موٹا کپڑا، کھادی نرملی، عادل آباد (آندھرا پردیش) کے مقام نرمل سے لایا جاتا تھا۔

94. Selections from the State Papers, Bombay, p. 337.

95. وقائع منازلِ روم، مرتبہ محب الحسن، ص 28۔ نیز دیکھیے:
Kirkpatrick, Tipu to Seth Mao, Jan 6, 1786, p. 239.

96. وقائع میں ان دلالوں کے نام باربار آتے ہیں۔ عبداللہ اور دوسرے دلالوں کے ناموں کے لیے دیکھیے:
Appendix, B, s.v.

97. Kirkpatrick, No. 200.

98. Ibid., No. 122.

99. Ibid., No. 1551

100. Ibid., No. 258.
101. Selections from State Papers, Bombay No. cclvii, p. 337.
102. Van Lohuizen, The Dutch E.I.C. and Mysore, p. 142
103. Kirkpatrick, No. 211.
104. Ibid., Appendix E, p. xxxvii.
105. Ibid., No. 425.
106. Malabar Sec. Com. Diaries (Revenue), Aug. 31 to Sept. 26, 1797, vol. 1710, pp. 89, 236, 238; Ibid., Jan. 17, 1799, pp. 90, 94; Forest Records, vol. 2408, p. 33.
107. Kirkpatrick, No. 98.
108. Ibid., Appendix E, pp. xxxiii–xxxv, xliii; I.O. 4685 (Persian) ff 11a– 19a.
109. I.O. Home Misc. Series, No. 475, pp. 355–58, 360–63
110. Ibid., p. xliv; I.O. 4685 (Persian), ff. 20a–b.
111. Buchanan, i, p. 70; A.N., C^{2} 172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, f. 208a.
112. A.N., C^{2} 172, Tipu to Cossigny, July 5, 1786, ff. 45a seqq.
113. Asiatic Annual Register, (1799), p. 243.
114. Ibid.
115. Buchanan, i, pp. 145 seq.
116. Ibid, p. 340.

117. Rice, Mysore and Coorg, ii, p. 56.

118. Buchanan, i, pp. 203 seq.

119. Cornwallis papers, P.R.O., 30/11/118, Campbell to Cornwallis, May, 1787, f. 88 b.

120. Mly. Sundry Book, vol. 101 (1792-95), p. 93.

121. P.A. MS., No. 1337; see also A.N., $C^2$172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, ff. 207 a-b.

مونیران کا خیال تھا کہ دیسی حکمرانوں کے توپخانے کا تو ذکر ہی کیا، ٹیپو کا توپخانہ یورپی توپخانوں سے بھی بہتر تھا۔ پانڈیچری کا گورنر کونوے بھی ٹیپو کے توپخانے کی عمدگی کا معترف تھا۔ اس کا بیان ہے کہ توپخانوں کو کھینچنے کے لیے ٹیپو کے یہاں چالیس ہزار بیل تھے۔
(A.N., $C^2$184, Colonies, Conway to de la Luzerne, Feb. 6, 1788, f. 33 a).

122. Mly. Sundry Book, vol. 101 (1792-95), p. 111.

123. P.R.C., iii, Nos. 311, 314.

124. Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 100.

125. Ibid. p. 110; W.P.B.M. 13659, pp. 79-85. (I.H.R.C., xix, pp. 134-38).

126. M.R., Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 93.

127. شستری، فتح المجاہدین، و 36 b.

مونیران بھی ٹیپو کے فوجی ڈسپلن پر سختی سے کاربندی کا معترف ہے۔ دیکھیے:
(A.N., $C^2$172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, f. 207 b).
ٹیپو کے فوجی ڈسپلن کے لیے اسی کتاب کا صفحہ 349 دیکھیے۔

128. وقائع، مرتبہ محب الحسن، ص 68.

129. A.N., $C^2$172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, f. 207 a; $C^2$184, Colonies, Conway to de la Luzerne, Feb. 6, 1788, f. 32 b.

130. W.P., B.M. 13659.

131. ششتری، فتح المجاہدین، و f 60 b

132. I.O. MSS. Eur. C. 10, p. 224; Mly. Sundry Book, vol. 102 b (1796-97), p. 572.

133. Mack. MSS., I.O. No. 46, p. 129; Mly. Sundry Book, vol. 102 B, p. 572.

134. ششتری، فتح المجاہدین، و 71a.

135. ایضاً: و 60b - 61b. — Ibid.

136. ایضاً: و 62 b. — Ibid.

137. ایضاً: و 63a-b. — Ibid.

138. ایضاً: و 62 a, 63 a. — Ibid.

139. M. R., Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 101; W.P., B.M., 13659.

140. Martin, Wellesley's Despatches, Appendix C, P. 653; Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 94.

141. Ibid., p. 101; W.P., B.M. 13659.

142. دیکھیے کتاب کا صفحہ 334

143. I.O. MS. No. 46, pp. 134-35.

W. P. ,B.M. 13659 کے مطابق 1790 میں پینتالیس ہزار باضابطہ پیدل اور بیس ہزار سوار فوج میں تھے۔ اس تعداد میں بے ضابطہ ہرکارے یا کنڈچار شامل نہیں تھے۔ قیدیوں کی ایک علاحدہ بٹالین تیار کرنے کی حیدر کی پالیسی کو ٹیپو نے بھی برقرار رکھا۔ حیدر نے اس بٹالین کو چیلوں کا نام دیا تھا۔ ٹیپو نے اس نام کو بدل کر اسداللہی یا احمدی فوج کر دیا تھا۔

144. Dirom, p. 249.

145. W.P., B.M. 13659.

146. M.R. Mly. Sundry Book, vol. 101, pp. 101-107.

147. W.P., B.M. 13458, f. 119 a.

.148 Ibid., 119 b. See also pp. 288–89 and footnote 2.

.149 M.R. Mly. Sundry Book, vol. 102 B, pp. 567 seqq.

.150 Owen, Wellington's Despatches, p. 60.

.151 P.A., MS., No. 2140; M.R. Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 111.

.152 Ibid., vol. 109 A, pp. 199–201, 202–3, Harris to Wellesley, May 22, 1799.

.153 Kirkpatrick, Appendix K, pp. lxxix seqq.

کرک پیٹرک کے بیان کے مطابق ملک التجار ۹ تھے۔

see also I.O. 4685 (Persian) f. 6 b.

.154 I.O., Home Misc. Series, vol. 457, pp. 240–43.

اکیسواں باب

ریاست اور مذہب

غیر مسلموں کے باب میں ٹیپو کی جو پالیسی تھی، اس کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ کرک پیٹرک کے نزدیک ٹیپو "عدم رواداری، متعصب یا غضبناک تشدد"[1] تھا۔ ولکس نے اپنی تاریخ میسور میں جبریہ تبدیل مذہب کے، اجتماعی ختنوں کے، مندروں کے ڈھانے اور ان کی جائدادوں کے ضبط کیے جانے کے قصے بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ٹیپو "ایک کٹر متعصب" تھا اور اس نے "ایک ایسے عہد میں بدترین قسم کی مذہبی عقوبت رسانی کی تجدید کی جبکہ وہ صرف تاریخ کی کتابوں ہی تک محدود رہ گئی تھی"[2]۔ رابرٹس اور سار ڈیسائی جیسے بعض جدید مورخوں نے بھی اسی نوع کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان حضرات کے برعکس سریندر ناتھ سین کا خیال ہے کہ ٹیپو متعصب نہیں تھا اور جب بھی اس نے جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا۔ اس کا مقصد مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھا[3]۔ ڈاڈول بھی اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس کی روش کا اگر معتدل انداز میں جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ متعصب اور روایتی جابر نہیں، بلکہ ایک مہم جو انسان تھا، جو ایک ایسی دنیا میں گامزن تھا، جہاں نئی نئی قوتوں کے دروازے حال ہی میں کھل گئے تھے، جن پر اسے کوئی اختیار حاصل نہیں تھا اور جو اس کے دائرۂ فہم سے بھی کچھ حد تک بلند تھیں[4]۔"

اس باب میں یہ دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ٹیپو متعصب نہیں بلکہ ایک روشن خیال حکمراں تھا، جس نے اپنی حکومت میں ہندوؤں کو اعلا منصب عطا کیے، انھیں پرستش کی مکمل آزادی دی، مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دیں، بت تراشنے کے لیے رقمیں دیں اور ایک موقع پر تو مندر تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے کبھی کبھی اپنی ہندو رعایا کے ساتھ بدسلوکی بھی کی، لیکن یہ مذہب کی بنا پر نہیں کی گئی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے نمک حرامی کی تھی۔ اس نے بھی اپنے باپ حیدر علی کی طرح مذہب اور سیاست

کو ایک دوسرے سے الگ رکھا اور شاذ ہی اس نے انتظامی معاملات میں اپنے ذاتی عقائد کو اثر انداز ہونے دیا۔ نمک حرامی اور غداری کرنے والی مسلمان رعایا کے ساتھ بھی وہ یکساں سختی برتتا تھا۔

حیدر علی نے ہندوؤں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا تھا۔ ٹیپو نے بھی اپنے باپ کی اس پالیسی کو جاری رکھا۔ پرنیا میر آصف کے بیحد اہم منصب پر اور کرشنا راؤ کو افسر خزانہ کے عہدے پر اس نے فائز کیا تھا۔ شمیا آینگر ڈاک اور پولیس کا وزیر تھا۔ اس کے بھائی نرسنگا راؤ کے پاس سرنگاپٹم میں متعدد اہم عہدے رہے تھے۔ سری نواس راؤ اور اپاجی رام ٹیپو کے معتمد خصوصی تھے، جنھیں اہم سفارتی مشنوں پر بھیجا جاتا تھا۔ مولچند اور سوجان رائے مغل دربار میں اس کے وکیل تھے[5]۔ نائک راؤ اور نائک سنگانا پر بھی سلطان کو حد درجہ اعتماد تھا[6]۔ اس کا پیشکار خاص سبا راؤ ہندو تھا[7]۔ اس کا ایک منشی نرسنیا بھی ہندو ہی تھا[8]۔ ایک برہمن کو کورگ کا فوجدار مقرر کیا گیا تھا[9]۔ ایک اور برہمن کو مالابار کے جنگل کاٹنے کا بلا شرکت غیرے ٹھیکہ دیا گیا تھا[10]۔ ایک دوسرے برہمن کو کوئمبٹور کا آصف مقرر کیا گیا، پھر یہی عہدہ اسے پالگھاٹ میں دیا گیا[11]۔ ٹیپو کے بہت سے عامل اور مال کے افسر ہندو تھے۔ فوج میں بھی ہندوؤں کو اہم عہدے دیے گئے تھے۔ ہری سنگھ بے قاعدہ سواروں کا رسالدار تھا[12]۔ نائروں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے روشن خاں کے ساتھ سری پت راؤ کو بھی متعین کیا گیا تھا۔ سیواجی، جو مرہٹہ تھا، اس کے ہاتھ میں تین ہزار سواروں کی کمان تھی اور 1791 میں بنگلور کے محاصرے کے وقت وہ بڑی دلیری سے لڑا تھا۔ راما راؤ نامی ایک برہمن بھی سواروں کا کمانڈر تھا۔

میسور کے محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ڈائرکٹر راؤ بہادر نرسمہاچار کو 1916 میں خطوط کا ایک بنڈل سرنگیری کے مندر میں ملا تھا۔ یہ خطوط جو ٹیپو نے مندر کے پجاری کے نام لکھے تھے، وہ اس کی مذہبی پالیسی پر بہت روشنی ڈالتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹہ سواروں نے رگھوناتھ راؤ پٹوردھن کی قیادت میں سرنگیری پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مجروح و مقتول ہوئے، جن میں کچھ برہمن بھی تھے۔ مرہٹوں نے مندر کی ساری قیمتی املاک کو لوٹا اور سار دادیوی کی مورتی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی بے حرمتی کی۔ ان حالات کی بنا پر مندر کے سوامی کو وہ جگہ چھوڑنی پڑی اور وہ کارکل کے مقام پر رہنے لگا۔ اس نے ٹیپو کو مرہٹوں کے حملے کی اطلاع دیتے ہوئے مندر کی تقدیس کو بحال کرنے کے سلسلے میں اس سے امداد کی درخواست کی تھی۔ یہ خبر سن کر ٹیپو کو رنج ہوا اور غصہ بھی آیا۔ جواب میں اس نے لکھا کہ "جو لوگ ایسے متبرک مقام کی بے حرمتی کرتے ہیں انھیں اس کلجگ میں بھی جلد ہی اپنی بداعمالیوں کی سزا اس شعر کے مطابق مل جاتی ہے: لوگ بداعمالیاں تو ہنس ہنس کر کرتے ہیں، لیکن اس کے نتائج انھیں رو رو کر بھگتنے ہوتے ہیں۔" گروؤں کے ساتھ غداری کرنے کے نتیجے میں انسان کی نسل ہی منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بدنور کے آصف کو اس نے حکم دیا کہ

سارداد یوی کے مندر کی تعمیر کے لیے دوسو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دوسو راحتی کا غلہ اور دوسرا سامان ، جس کی ضرورت ہو، فراہم کیا جائے۔ سوامی کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے ٹیپو نے اس سے درخواست کی کہ دیوی کے مندر کی تعمیر اور برہمنوں کو کھلانے کے بعد "ہماری خوشحالی کے لیے اور دشمن کی تباہی کے لیے دعا کیجیے"۔ مندر میں دیوی کی مورتی نصب کیے جانے کے بعد سوامی نے ٹیپو کے لیے پرساد اور شال بھیجی۔ اور اس کے جواب میں اس نے بھی دیوی کے لیے پوشش اور سوامی کے لیے ایک جوڑا شال بھیجی۔

دوسرا خط ست چندی جاپ اور سہسرا چندی جاپ کے مصارف کی تفصیلات موصول ہونے کی رسید میں لکھا گیا تھا۔ ٹیپو نے اس امر پر مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے کہ مُلک کی خوشحالی اور دشمن کی بربادی کی دُعا کے لیے یہ جاپ کیے جائیں گے۔ اس نے اس خط میں سوامی کو اطلاع دی تھی کہ اس نے اپنے افسروں کو حکم دیا ہے کہ سرنگیری جا کر ان تقریبات کا اہتمام کریں۔ سوامی سے اس نے درخواست کی تھی کہ جاپ کرنے والے برہمنوں کو نقد انعام تقسیم کرے اور ایک ہزار برہمنوں کو روزانہ کھلائے۔ بعد کے ایک خط میں، جو اسی سال لکھا گیا تھا، اس بات پر طمانیت کا اظہار تھا کہ سہسرا چندی جاپ شروع ہوگیا ہے۔ اسی عہد کی دو اور دستاویزیں ملتی ہیں، جن میں سے ایک دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنور کے آصف کو ٹیپو نے ہدایت کی تھی کہ دیوی کے لیے ایک پالکی بھیجی جائے۔ دوسری دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی کے استعمال کے لیے بھی ایک پالکی بھیجی گئی تھی۔ 1792 کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی کے استعمال کے لیے چادری کا ایک جوڑا بھیجا گیا تھا جس میں چاندی کی موٹھ لگی تھی۔

یہ تمام خطوط "پُر تعظیم لب و لہجہ میں لکھے گئے ہیں، جس سے ایک مقدّس شخصیت کے لیے احترام کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔" ان خطوط سے اس مُہمل خیال کی بھی واضح تردید ہوتی ہے کہ ٹیپو اپنی ہندو رعایا پر ظلم کرتا تھا۔ اگر وہ متعصّب ہوتا تو ایک پجاری کو نہ تو وہ 'جگت گُرو' لکھتا اور نہ مورتی تیار کرنے کے لیے اور ہندو مذہبی تقریب کے لیے روپیہ اور سامان ہی فراہم کرتا۔

اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوامی کے ساتھ اور مندر کے لیے جو فیاضی اس نے برتی تھی اس کا مقصد ایک ایسے وقت میں اپنی ہندو رعایا کی دلجوئی کرنا اور ان کا سرگرم تعاون حاصل کرنا تھا، جبکہ وہ ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا تھا۔ لیکن اس بات کو بھی دھیان میں رکھنا چاہیے کہ مندر میں دلچسپی اور سوامی سے موانست صرف جنگ ہی کے دنوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کا سلسلہ انتزاعِ سلطنت کے وقت تک جاری رہا۔ وہ برابر سوامی کی خیریت دریافت کرنے کے لیے خطوط لکھتا اور کبھی کبھی اس کے لیے شالیں اور دیوی کے لیے ملبوسات بھیجتا۔ 1793 میں، جبکہ دشمنوں سے اس کی صلح تھی، سوامی کے ایک خط کے جواب میں، جو

یاترا سے واپسی پر سوامی نے لکھا تھا، ٹیپو نے لکھا کہ "آپ جگت گرو ہیں۔ آپ ہمیشہ ریاضت میں مشغول رہتے ہیں تاکہ ساری دُنیا کی فلاح ہو اور لوگ آسودہ حال رہیں۔ مہربانی فرما کر پرماتما سے ہماری فلاح کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ جہاں کہیں بھی آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو گی وہاں بارانِ رحمت کا نزول ہو گا اور وہاں فصلیں اچھی ہوں گی۔" ٹیپو اگر متعصب ہوتا تو ایک ہندو پروہت کو نہ تو وہ اس طرح مخاطب کرتا، اور نہ پوجا پاٹ کی ایسی رسموں کو پسند کرتا اور نہ ان کی ہمت افزائی کرتا، جو اس کے مذہب کے منافی تھیں۔

مزید براں ٹیپو نے سرنگیری کے مندر ہی تک اپنی سرپرستی محدود نہیں رکھی۔ اس نے اپنی مملکت کے دوسرے مندروں کی بھی سرپرستی کی۔ تعلقہ ننجن گوڑ کے ایک گاؤں کلالے کے مندر میں نقرئی ظروف ــــــ چار پیالوں، ایک پلیٹ اور اُگالدان ــــــ کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ٹیپو نے مندر کی نذر کیے تھے۔[13] اسی طرح میلوکوٹ کے نرائن سوامی کے مندر میں بھی کچھ جواہرات اور چاندی کے برتن ہیں، جن پر کندہ عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں ٹیپو نے نذر کے طور پر بھیجا تھا۔[14] ٹیپو نے 1785 میں اسی مندر کو بارہ ہاتھی[15] اور 1786 میں ایک نقارہ[16] بھی نذر کیا تھا۔ ایک مرصّع پیالہ، جس کے نچلے حصے میں پانچ قیمتی جواہرات جڑے تھے، 'ٹیپو سلطان پادشاہ' نے ننجان گوڑ کے سری کنٹیشور مندر کو پیش کیا تھا۔[17] سرنگاپٹم کے رنگاناتھ مندر میں بھی چاندی کے سات پیالے اور ایک کافوردان ہے، جن کی کندہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 'ٹیپو سلطان پادشاہ' نے تحفہ کے طور پر پیش کیے تھے۔[18] ننجن گوڑ کے مندر ننجاندلیشور میں ایک لِنگ ہے جسے 'پادشاہ' یا 'پادشاہ لِنگ' کہتے ہیں اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ٹیپو کے حکم سے نصب کیا گیا تھا۔[19]

ٹیپو پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی مملکت کے تمام مندروں اور برہمنوں کی ساری جائدادیں ضبط کر لی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ان اراضیوں کو ضبط کیا تھا، جن پر ناجائز قبضہ تھا اور ان تمام جائدادوں کو چھوڑ دیا تھا جن کے لیے سابقہ حکمرانوں کی سندیں پیش کی گئی تھیں۔ بعض اوقات تو خود ٹیپو نے مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دی تھیں۔ ایک مراٹھی سند کے مطابق، جو اس نے اپنے عامل دار کو بنیا کے نام جاری کی تھی، پشپاگیری کے سوامی کو تھونگاپلی اور گولاپلی کے مواضعات کی مالگذاری وصول کرنے کا حق دیا گیا تھا۔[20] گانجی کوٹہ کے انجانیا سوامی مندر میں پوجا کے لیے ٹیپو نے ایک شخص رامچار نامی کو موضع کوٹھانوتالا، جو ضلع کڈاپہ میں ہے، معافی میں دیا تھا۔[21] اسی طرح تعلقہ کمال پورہ میں بھی بہت سے برہمنوں کو معافیاں دی گئی تھیں۔[22] 1794 میں منظر آباد تعلقہ کے ایک برہمن مہاراج ہریپا کو بھی 'انعام' میں ٹیپو نے اراضی دی تھی۔[23] دریائے تنگ بھدرا کے کنارے کنڑ رسم خط کا ایک منظوم سنسکرت کتبہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ٹیپو نے برہمنوں اور مندروں کو معافیاں عطا کی تھیں۔[24] برہمنوں اور مُسافروں کو کھلانے کے لیے

بھی اراضیاں اس نے وقف کی تھیں۔ بارہ محال کے عاملدار ہرداسیہ کو اس نے حکم دیا تھا کہ دیوا دیام اور برہما دیام (مندروں اور برہمنوں کی معافیوں) کے علاوہ باقی تمام معافیوں پر قبضہ کرلیا جائے۔[25] 1794 میں دھرم پوری کے ایک برہمن نرسمہا جوشی کے لیے اس نے دس پگوڈا سالانہ کا پشتینی وظیفہ منظور کیا تھا۔[26]

ٹیپو نے ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی مکمل آزادی دی تھی۔ سری رنگا ناتھ کا مندر قلعہ سرنگاپٹم کے حدود میں، محل سے صرف ایک سو گز مغرب میں، واقع تھا جہاں سے سلطان روزانہ مندر کے گھنٹوں کی آوازیں اور برہمن پجاریوں کے بھجن سنا کرتا تھا، لیکن اس نے کبھی بھی اس میں مداخلت نہیں کی۔ قلعہ میں، محل ہی کے قریب، نرسمہا اور گنگا دھریسورا کے دو اور مندر بھی تھے۔ لیکن نہ تو ان مندروں میں اور نہ ان ہزارہا مندروں میں جو اس کی مملکت کے طول و عرض میں پھیلے تھے، اس نے ہندوؤں کو کبھی پوجا پاٹ کی ممانعت کی۔ اس کے برعکس برہمنوں کو ان کے مذہبی رسوم کی ادائگی کے لیے اکثر نقد رقمیں دیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں ٹیپو نے اپنے افسروں کو ہدایت کی تھی کہ سہسرا چنڈی جاپ کے لیے سرنگیری مٹھ کے سوامی کو تمام ضروری اشیا فراہم کی جائیں۔ اسی طرح رایاکوٹائی کے لیے دو پگوڈوں کے اس نے وظائف مقرر کیے۔ ان مندروں کے پجاریوں نے 1793 میں اپنی سندیں منرو کے سامنے پیش کر کے یہ استدعا کی تھی کہ ان کے وظائف جاری رکھے جائیں، کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی مذہبی رسوم ادا نہ کرسکیں گے۔[27] ہندو اور مسلمان دونوں کو ان کے مذہبی تہواروں کے موقعوں پر نقد رقمیں دی جاتی تھیں۔ ایک سند کے مطابق ٹیپو نے حکم دیا تھا کہ ضلع کڈاپہ کے مقام پولی وندرا کے ونکٹاچیلی مندر میں پوجا پاٹ جاری رکھا جائے اور انجنیا سوامی کے مندر میں بھی پوجا پاٹ کا جو سلسلہ منقطع کردیا گیا تھا دوبارہ شروع کیا جائے۔[28] ایک موقع پر تو اس نے ایک مندر تعمیر کیے جانے کا حکم بھی جاری کیا تھا۔ 1780 میں جب حیدر نے کرناٹک پر حملہ کیا تو کانجی ورم میں اس نے گوپور مندر کی بنیاد رکھی تھی، لیکن وہ اسے مکمل نہیں کرا سکا تھا۔ تیسری اینگلو میسور جنگ کے زمانے میں جب ٹیپو اس مقام پر گیا تو مندر کی تکمیل کے لیے دس ہزار ہون کا عطیہ دیا۔ اس جگہ اپنے قیام کے دوران میں رتھ کے تہوار میں بھی اس نے حصہ لیا اور اس موقع پر جو آتش بازیاں چھوڑی گئی تھیں اس کے اخراجات بھی اسی نے برداشت کیے تھے۔[29]

میسور کے پراکلا مٹھ میں ایک سند ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میلوکوٹ کے ایک مندر میں کسی بھجن کے گائے جانے کے بارے میں ہندوؤں کے دو فرقوں میں تنازعہ پیدا ہوگیا تھا، جسے طے کرنے کے لیے ٹیپو نے ثالث کے فرائض انجام دیے تھے۔ یہ سند کنٹر زبان میں ہے اور ٹیپو نے اسے جاری کیا تھا۔ اس کی پیشانی پر ٹیپو سلطان کے نام کی ایک مہر بھی ہے جو فارسی میں ہے، اور یہ ریاست کے مندروں کے شعبے کے منیجر کے نام جاری کی گئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ میلوکوٹ کے مندر میں گائے جانے والے بھجن کے سلسلے میں

ٹیپو کے ایک افسر شمایا نے چونکہ قدیم رواج کی خلاف ورزی کی ہے، اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ بھجن دونوں طریقوں سے گایا جائے۔ مندروں کے شعبے کے منیجر کو یہ مزید حکم دیا گیا تھا کہ واڈگلائی اور ٹنکالائی فرقے جو اس بھجن کو گاتے ہیں، ان دونوں کے ساتھ وہ انصاف برتے اور یہ کہ ٹنکالائی فرقے کے رشی کی مورتی کو میلوکوٹ میں اس کی قدیم جگہ پر نصب کیا جائے۔[30]

اب سوال یہ ہے کہ ٹیپو اگر متعصب نہیں بلکہ روشن خیال اور روادار حکمراں تھا تو کورگ اور مالابار میں اس نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر کیوں مجبور کیا؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اس کے اس طرز عمل کی پشت پر مذہبی نہیں بلکہ سیاسی محرکات کارفرما تھے۔ تبدیلِ مذہب کو وہ اپنی اس رعایا کے لیے ایک سزا متصور کرتا تھا جو بار بار بغاوت کے جرم کی مرتکب ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے افسروں کو یہ حکم دیا تھا کہ کورگ اور مالابار کے لوگ اپنی باغیانہ روش سے باز نہ آئیں تو انھیں مسلمان بنایا جائے۔ کوسگنی کے نام ایک خط میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ "بغاوت کی سزا کے طور پر" اس نے نائروں کو مسلمان بنایا ہے، کیونکہ اس سزا کے وہ اس لیے مستحق تھے کہ "انھوں نے چھ بار بغاوت کی اور چھ بار میں نے انھیں معاف کیا۔"[31] ٹیپو کو توقع تھی کہ اس سزا سے کورگ کے نائروں کو وہ مطیع بنا سکے گا۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ کورگ اور مالابار کے کتنے باشندوں کو مسلمان بنایا گیا۔ اس سلسلے میں انگریزوں کے بیانات کو باور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بڑی حد تک ان کا مقصد ٹیپو کو بدنام کرنا اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا تھا۔ مسلمانوں کے بیانات کو بھی اس سلسلے میں قابلِ اعتماد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ سلطان کو وہ اسلام کا علمبردار بنا کر پیش کرنے پر تُلے رہتے ہیں۔ ان میں مبالغہ آرائی کا، واقعات کی تکذیب کا اور انھیں توڑ مروڑ کر کے پیش کرنے کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ وہ سلطان کے گرد ایک مذہبی ہالہ بنانا اور اسے مذہبی ہیرو بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً صاحب سلطان التواریخ کا بیان ہے کہ کورگ میں ستّر ہزار ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا گیا۔[32] لیکن یہ ایک مہمل بیان ہے، کیونکہ اس وقت کورگ کی آبادی بھی اس سے بہت کم تھی۔[33] اس سے قطع نظر رامچندر راؤ پنگنوری کے مطابق پانچ سو مرد، عورتوں اور بچوں کو مسلمان بنا کر، گروہوں کی شکل میں سرنگاپٹم، بنگلور اور دوسرے قلعوں میں بھیجا گیا تھا۔[34] اس کے برعکس مور، جو ٹیپو کی مذہبی پالیسی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتا ہے، کورگ میں مذہبی جبر و تعدّی کے بارے میں خاموش ہے۔

ٹیپو کی مذہبی پالیسی کا جائزہ لیتے وقت اسے بھی نظر انداز کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے تبدیلِ مذہب برضا و رغبت کیا تھا۔ مثلاً ایک کورگی لیڈر رنگا نائر، جو فرار ہو گیا تھا، ٹیپو کی دعوت پر واپس آیا اور اس نے قبول اسلام کیا۔[35] کچھ ایسے باغی بھی تھے، جو سلطان کو خوش کرنے کے لیے مسلمان ہو گئے، اور اس نے ان کے تبدیلِ

مذہب کو اس توقع پر خوش آمدید کہا کہ تبدیلِ مذہب کے بعد اس کے ساتھی اس سے بدظن ہو جائیں گے اور اس طرح سے وہ خطرناک نہ رہے گا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان لوگوں کو تبدیلِ مذہب کی اس نے ترغیب بھی دی ہو۔ لیکن یہ خیال ٹیپو کی اس روایتی تصویر سے یکسر مختلف ہے جس میں بعض مصنفین نے اسے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی مسلسل جدوجہد میں انتہائی منہمک اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے والوں کے قتلِ عام میں مصروف دکھایا ہے۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کورگ اور مالابار کے علاوہ سلطنت کے کسی اور حصے میں ٹیپو نے تبدیل مذہب کی پالیسی اختیار نہیں کی، کیونکہ ان علاقوں میں بغاوتیں شاذ ہی ہوتی تھیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ مالابار میں بھی ٹیپو نے مندروں کی اور برہمنوں کی سرپرستی برابر جاری رکھی تھی۔ 1789 میں جب اس نے ٹراونکور کی طرف کوچ شروع کی تو 14 سے 29 دسمبر تک اس نے تریچور میں پڑاؤ کیا تھا۔ اس موقع پر فوجیوں کے لیے کھانا پکانے کے برتن وڈکوناتھن کے مندر سے مستعار منگوائے گئے تھے۔ تریچور سے روانگی کے وقت برتن اس نے واپس ہی نہیں کیے بلکہ کانسی کا ایک بڑا سا شمعدان بھی مندر کی نذر کیا۔[36] مالابار کے دوسرے حصوں میں بھی اس نے مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دیں، جن کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے:[37]

1. چیلم برا، تعلقہ ارانڈ، کے مانور مندر کو 42.70 ایکڑ تر اراضی اور 3.29 ایکڑ باغ کی اراضی۔
2. وائلاتورامسوم، تعلقہ پونانی، کے تروانچکسولم مندر کو 208.82 ایکڑ تر اراضی اور 3.29 ایکڑ باغ کی اراضی۔
3. گوروپاؤر امسوم، تعلقہ پونانی، کے گوروپاؤر مندر کو 46.02 ایکڑ تر اراضی اور 458.32 ایکڑ باغ کی اراضی۔
4. قصبہ امسوم، تعلقہ کالی کٹ، کے تریکنیشور وٹاکورم کنکاؤ مندر کو 122.70 ایکڑ تر اراضی اور 73.36 ایکڑ باغ کی اراضی۔
5. کڈلیکادامسوم، تعلقہ پونانی، کے کٹم ماڈاتھل سری کمارن (نمبودری پد) مندر کو 27.97 ایکڑ تر اراضی اور 6.91 باغ کی اراضی۔
6. تریکندیور امسوم، تعلقہ پونانی، کے تریکندیور سومہام مندر کو 20.63 ایکڑ تر اراضی اور 10.41 ایکڑ باغ کی اراضی۔
7. تریچور میں ندویل مداتھل تروممبو کو 40.26 ایکڑ تر اراضی، 22.13 باغ کی اراضی اور 4.17 ایکڑ خشک اراضی۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ٹیپو نے ہندوؤں کو اعلا عہدوں پر مامور کیا، برہمنوں اور مندروں کو معافیاں

دیں، مورتیاں نصب کرائیں، ہندوؤں کے مذہبی تہواروں کے لیے امداد ہی نہیں دی بلکہ ان سے اپنا اعتقاد بھی وابستہ کیا، اور ان عظیم الشان مندروں کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی جو اس کی ریاست کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان حالات میں یہ ناقابلِ یقین ہے کہ ایسا حکمراں جس نے اس درجہ رواداری اور فیاضی کا مظاہرہ کیا ہو اور جو اس درجہ وسیع العقائد ہو، اس نے ہندوؤں کے ساتھ مذہبی زیادتی کا ارتکاب کیا ہو۔

ٹیپو پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بھی اس نے جبر و زیادتی کی۔ لیکن اس کی تائید میں کوئی قابلِ اعتماد ثبوت نہیں ملتا۔ عیسائیوں کے ساتھ بھی ٹیپو کی جو روش تھی اس کی پُشت پر مذہبی نہیں بلکہ سیاسی فکر کارفرما تھی۔ عیسائیوں کے ساتھ بھی اس نے فیاضانہ سلوک کیا اور صرف اس حالت میں انھیں سزا دی جب انھوں نے غدّاری کا ارتکاب کیا۔

دوسری اینگلو میسور جنگ میں کنارا کے عیسائیوں نے انگریزوں کو قابلِ ذکر امداد دی تھی۔ میتھوز نے جب مغربی ساحل پر حملہ کیا تو اس علاقے کے عیسائیوں نے انگریزی فوج کی رہنمائی و جاسوسی کی اور منگلور اور صوبہ بدنور کو فتح کرنے میں میتھوز کی امداد کی۔[38] میسوری فوج کے تقریباً 35 عیسائیوں نے فرار ہو کر انگریزی فوج کی ملازمت اختیار کی۔[39] مزید براں کنارا کے عیسائیوں نے انگریزوں کو مالی امداد بھی دی۔ بدنور کے سقوط سے قبل میتھوز نے ایک خط میں لکھا تھا کہ کنارا کے عیسائیوں سے اس نے 33,000 روپے قرض لیے ہیں۔ اسی خط میں اس نے درخواست کی تھی جو شخص بھی اس تحریر کو پڑھے تو اسے چاہیے کہ کسی بھی پریسیڈنسی کی کونسل کے پریسیڈنٹ کو اس واقعے کی اطلاع دیدے۔[40]

میسوریوں نے جب منگلور کا محاصرہ کیا تو کنارا کے عیسائیوں نے خفیہ طور پر کیمبل کی مدد کرنے کے علاوہ قاسم علی اور محمد علی سے ساز باز کر لی، جنھوں نے انگریزوں سے مل کر ٹیپو کو ختم کرنے کی سازش کی تھی۔[41] فادر ڈون جواکیوم ڈی میرانڈا نے، جو ماونٹ ماریان سمینری کا سربراہ تھا، انگریزی محافظ فوج کے لیے چاول کے ایک ہزار بورے فراہم کیے۔[42] لیکن اس کے باوجود ٹیپو نے اس کو معاف کر دیا، احترام کے ساتھ اسے بار یاب کیا، احکام جاری کیے کہ کوئی شخص اس کی ہتک نہ کرے اور اس کی سفارش پر ڈیڑھ سو عیسائیوں کو رہا کر دیا۔[43] بایں ہمہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہو جانے کے بعد کوسگنی نے میسور کی فوج سے جب کنارہ کشی اختیار کی تو فادر جواکیوم ہی نے اسے پناہ دی اور ساحل تک اس کی رہنمائی کی۔[44]

یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ٹیپو نے عیسائیوں کو سزائیں دیں۔ فادر جواکیوم کو ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا اور ایک خصوصی عدالت کے سامنے پیش کیے جانے کے بعد اسے بھی ماونٹ ماریان کی پوری عیسائی آبادی کے ساتھ جلاوطن کر کے کوچین بھیج دیا گیا۔[45] کنارا کے بعض عیسائیوں کو گوا جلاوطن کیا گیا، کچھ کو قیدی بنا کر سرنگاپٹم اور

چیتل درگ بھیج گیا اور ایک عیسائی کو محمد علی اور قاسم علی کی سازش میں شرکت کی بنا پر پھانسی دی گئی۔[46]
بہر کیف ٹیپو کے احکام سے متاثر ہونے والوں میں عیسائیوں کی صحیح تعداد کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ گوا کے وائسرائے نے سکریٹری آف اسٹیٹ کے نام ایک خط میں یہ تعداد بیس ہزار بتائی ہے[47] لیکن ایک بعد کے خط میں نکالے جانے والے عیسائیوں کی تعداد اسی نے چالیس ہزار لکھی ہے۔[48] ایک دوسرے ماخذ کے مطابق تیس ہزار ہی جلاوطن کیے گئے تھے۔[49] ولکس کا یہ بیان انتہائی مبالغہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جلاوطن کیے جانے والوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ آگے چل کر پیری مونیران کی سفارش پر ٹیپو نے فادر جوا کیوم کو منگلور
واپس آجانے کی اجازت دے دی تھی اور اس کے ساتھ اس کے ادارے کے بہت سے عیسائی بھی واپس آگئے تھے۔[50]

ٹیپو کے خلاف اس الزام کی کسی ذریعے سے بھی تائید نہیں ہوتی کہ بہت سے عیسائیوں کو بھی اس نے مسلمان بنایا تھا۔ لیکن بہت سے عیسائیوں نے قید کی زندگی سے اُکتا کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن سرنگاپٹم اور چیتل درگ کے قلعوں میں عیسائیوں کی کثیر تعداد قید رہنے کے بعد بھی اپنے مذہب پر قائم رہی تھی۔ اس کا ثبوت ٹیپو کے ایک خط سے ملتا ہے جو 1798 میں اس نے گوا کے وائسرائے اور آرک بشپ کو لکھا تھا۔ اس خط میں ٹیپو نے کچھ پادریوں کے بھیجنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ عیسائی قیدی اپنے طریقے پر عبادت کر سکیں جو اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس نے ان گرجاؤں کی تعمیر کا بھی وعدہ کیا جو گر گئے تھے۔[51] گوا کے وائسرائے کی سفارش پر، یا معافی مانگنے کی وجہ سے، بہت سے عیسائی پادریوں کو رہا کر دیا گیا تھا اور بلا مزاحمت کے انھیں گوا جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تمام عیسائیوں کو ٹیپو کے ہاتھوں مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حقیقتاً صرف کنارا ہی کے عیسائیوں کے ساتھ سختی برتی گئی تھی۔ ان میں سے بیشتر گوا کے تارکین وطن تھے۔ جو کلیسائی قاعدوں کے مطابق گوا کے آرک بشپ کے ماتحت تھے۔ ٹیپو ان پر اس لیے بھروسہ نہیں کرتا تھا، کیونکہ پرتگالیوں کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ اس سے قطع نظر، انھوں نے متواتر میسوری حکومت سے غداری کی تھی۔ حیدر علی نے ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا تھا، تاہم 1768 میں منگلور کو فتح کرنے میں انھوں نے انگریزوں کی مدد کی تھی۔[52] ٹیپو کے عہد میں بھی انھوں نے بے وفائیاں کیں اور ریاست کی سلامتی کو ان سے خطرہ تھا اسی لیے انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اس کے برعکس شامی عیسائیوں کے ساتھ ٹیپو کا طرز عمل بہت اچھا تھا۔ میسور میں آرمینی تاجروں کے بسنے کی بھی اس نے ہمت افزائی کی اور انھیں ہر طرح کی آسانیاں فراہم کی گئیں۔[53] مزید براں اس کی فوج میں بھی بہت سے عیسائی تھے جنھیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ کنارا کے ان عیسائیوں کو بھی،

جو عدم وفاداری کے مُرتکب ہوئے تھے، اس شرط پر سلطنت میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تھی کہ منگلور کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے ریاست کو جو تین کروڑ کا نقصان ہوا ہے اس کا تاوان وہ ادا کریں، کیونکہ اس سلسلے میں انھوں نے انگریزوں کی مدد کی تھی۔ گوا کے نئے تارکین وطن کو بھی اس شرط پر بسنے کی اجازت دی گئی تھی کہ میسور کے قوانین کی وہ پابندی کریں گے۔[54] ان تمام باتوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی مملکت کے عیسائیوں کے ساتھ ٹیپو کے طرزِ عمل کا محرّک مذہبی جذبہ نہیں تھا بلکہ سیاسی مصالح تھے۔ کنارا کے عیسائیوں کو اس لیے سزا نہیں دی گئی تھی کہ وہ عیسائی تھے، بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے غدّاری کی تھی۔ اور یہ تصوّر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر یہ لوگ سلطان کے وفادار رہتے تو بھی ان کے ساتھ زیادتی کی جاتی۔

مہدویوں کے بارے میں بھی ٹیپو کی پالیسی مذہبی جذبات پر نہیں بلکہ سیاسی مصالح پر مبنی تھی۔ ٹیپو جب دیوانہالی میں تھا اور یرغمالی شہزادوں کی مدراس سے مراجعت کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں تو اسی روز رات کو مہدوی اپنی ایک مذہبی تقریب کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ قصّہ 27 رمضان 1208 ہجری (28 اپریل 1794) کا ہے۔[55] سلطان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا، کیونکہ اس نے ہمیشہ انھیں عقیدے اور عبادات کی آزادی دی تھی۔ لیکن مہدوی چونکہ نہایت بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے، جس سے دوسرے مسلمان فوجیوں کی عبادت میں خلل پڑ سکتا تھا، جو کیمپ میں اس رات عبادت کرنے والے تھے اور اس سے تصادم کا خطرہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے اپنے دیوان میر صادق کو یہ پیغام لے کر مہدویوں کے سردار کے پاس بھیجا کہ کیمپ سے کچھ دُور جا کر وہ عبادت کریں جہاں ان کے لیے خیمے نصب کر دیے جائیں گے اور دوسری ضروریات بھی مہیا کی جائیں گی۔ سردار نے یہ تجویز قبول کر لی، لیکن رات کو تین ہزار مہدویوں نے وہیں اپنی مخصوص عبادت شروع کر دی، جسے سُن کر ٹیپو کی بھی آنکھ کھل گئی۔ دوسرے دن صبح کو اس عدولِ حکمی پر سلطان نے مہدویوں کے دو سرداروں مہتاب خاں اور عالم خاں، کو قید کرنے کا حکم دیا اور صرف مہدوی سپاہیوں ہی کو نہیں بلکہ اپنی قلمرو کے تمام مہدویوں کو اس نے جلاوطن کر دیا۔ صرف سیّد محمد خاں کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا، جن کا ٹیپو بے حد احترام کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود سیّد محمد خاں نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ میسور سے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ سرنگاپٹم پہنچنے کے بعد اس نے سیّد محمد خاں کو نظر بند کر دیا، اور پھر 1799 میں اس وقت انھیں رہائی ملی جب انگریزوں کا وہاں قبضہ ہو گیا۔ لیکن مہتاب خاں اور عالم خاں کو ٹیپو نے 1795 میں رہا کر دیا تھا۔[56]

سوال یہ ہے کہ ایک عدولِ حکمی کے جُرم میں ٹیپو نے اتنی سخت سزا کیوں دی؟ اور پھر چند اشخاص کے جُرم کی سزا سارے مہدویوں کو کیوں دی؟ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ٹیپو کو ان پر غدّاری کا شُبہ تھا، اور 27 رمضان کے واقعے نے اس کی تصدیق کر دی۔ وہ چونکہ ایک متّحد اور مربوط فرقہ تھا، جس کے افراد پر اب وہ

اعتماد نہیں کر سکتا تھا، اس لیے پورے فرقے کو اس نے مُلک بدر کر دیا۔ یہ کہنا دُشوار ہے کہ اس کے شُبہات صحیح تھے بھی یا نہیں، تاہم جس آسانی سے انگریزوں نے مہدویوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اس سے گمان ہوتا ہے کہ ٹیپو کے شکوک بالکل بے بُنیاد نہیں تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے، جیسا کہ کرمانی نے لکھا ہے، کہ اس میں میر صادق کی ریشہ دوانیوں کو دخل رہا ہو۔[57] کیونکہ ان کی جلا وطنی کے نتائج بڑے افسوسناک ثابت ہوئے۔ چوتھی اینگلو میسور جنگ میں مہدویوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور ٹیپو کو شکست دینے میں ان کی کوششوں کو بھی خاصا دخل تھا۔

(باب 21 کے حاشیے)

1. دہلی میں دوسرا وکیل مکند راؤ تھا۔ Kirkpatrick, p. x.

2. Wilks, ii, p. 766.

3. Sen, Studies in Indian History, pp. 166-67.

4. Rushbrook Williams, Great Men of India, (Chapter on Tipu Sultan by Dodwell), p. 217.

5. دیکھیے کتاب کا صفحہ 129. دہلی میں دوسرا وکیل مکند راؤ تھا۔ Kirkpatrick, No. 73 and

6. Punganuri, pp. 42, 47

7. دیکھیے کتاب کا صفحہ 257

8. M.A.R., 1916, p. 75.

9. تاریخ کورگ، ورق 27a.

10. Mal.Sec.Com., vol. 1716, Jan 1799, p. 94.

11. Malabar Commission, First Commissioner's Diaries, vol. ii, No. 1663, p. 223.

12. کرمانی، ص 279.

13. M.A.R., 1917, p. 59.

14. Ibid., pp. 21, 37.

15. Epigraphica Carnatica, iii, sr. 77.

16. M.A.R., 1916, p. 39.

17. Ibid., 1912, pp. 23, 40.

18. Ibid., p. 58.

19. Ibid., 1940, p. 26.

20. Local Records, vol. iv, p. 434, Cited in Tipu's. Endowments to Hindu Institutions, I.H.C., 1944, p. 416.

21. Local Records, iv, p. 434.

22. Ibid., ii, pp. 294-95.

23. Epigraphica Carnatica, vol. v, part 1, Mj. 25, p. 268
24. Local Records, xxiv, p. 16, cited in I.H.C., 1944, p. 417
25. Baramahal Records, Section 5, pp. 39, 116

ٹیپو نے برہمنوں کو جو معافیاں دی تھیں، ان کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Subbaraya Chetty, New Light on Tipu Sultan, pp. 89-91

26. Baramahal Records, Section xxviii, p. 98
27. Ibid., Section xxii, p. 8
28. Local Records, iv, p. 280, cited in I.H.C., 1944, p. 417
29. Khare, viii, No. 3286
30. M.A.R., 1938, pp. 123-25
31. A.N., C[2] 172, Tipu to Cossigny, March 3, 1788, f. 35a

سلطان التواریخ، و 47. 51؛ تاریخ خدادادی، ص 55، 2-61.

اس بحث کے سلسلے میں سین کا بھی یہی خیال ہے کہ "ٹیپو تبدیل مذہب کو شدید ترین سزا سمجھتا تھا۔"

(Sen, Studies in Indian History, pp. 166-67).

32. سلطان التواریخ، ص 47. 51؛ تاریخ خدادادی، 55، 2-61.
33. دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ 79 حاشیہ 4.
34. Punganuri, p. 37
35. کرمانی، ص 298.

کچھ ایراواؤں اور ہلویاؤں نے بھی، جن کی کورگ میں اکثریت تھی، اسلام قبول کیا ہوگا، جنھیں برسراقتدار کوڈاگاؤں نے غلام بنا رکھا تھا اور جنھیں وہ حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ کم ذات کے مالاباریوں کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے جنھوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسلام قبول کیا ہوگا اور اس طرح سے اپنی سماجی حیثیت بہتر بنائی ہوگی۔

36. یہ معلومات کالی کٹ یونیورسٹی کے شعبہ آرٹس کے ڈین محی الدین شاہ کی نوازش سے حاصل ہوئی ہیں، جنھوں نے مندروں کے ریکارڈس کی بنیاد پر "میسور کے حکمراں اور تریچور" کے عنوان سے انگریزی میں ایک ملیالی روزنامہ کے لیے مقالہ لکھا تھا۔ دیکھیے:
The Light, April 26, 1969.

37. ڈاکٹر سی۔ کے۔ کریم (اسسٹنٹ ایڈیٹر، کیرالا گزیٹیر) کا ممنون ہوں، جنھوں نے یہ معلومات مجھے بھیجی ہیں۔

Pissurlencar, Antigualhas, fasc., ii, No. 77; W.P.B. M. 37274, pp. 33–4; see also A.N., C²172, Monneron to Cossigny Sept. 14, 1786, ff. 2019 seq. .38

Cited in Saldhana, The Captivity of Canara Christians under Tipu, p. 18, footnote b .39

The Captivity, Sufferings and Escape of James Scurry, pp. 99–100 footnote .40

Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 79 .41

Ibid. .42

I.O., Portug. Records, Conselho Ultramarinho, vol. 2, part 2, letter from Father of Mt. Marian to Viceroy, pp. 371–73 .43

معلوم ہوتا ہے کہ مارلات نے بھی ٹیپو سے فادر جوایکوم کی سفارش کی تھی۔

(Ibid., Ducument 8, de Moralat to Filicis and Ramos Nobre Monrao, Oct. 17, 1783 pp. 432–33)

Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 79; A.N., C²172, Instructions by Cossigny to Monneron, ff. 197a seq. .44

Pissurlencar, Antigulhas, fasc. ii, No. 79; I.O., Portug. Recds., Conselho Ultramarinho, vol. 2, part 2, Father Joaquim to Viceroy, pp. 575–78. فادر جوایکوم کہتا ہے کہ چالیس ہزار عیسائی جلاوطن کیے گئے تھے۔ (Ibid., pp. 582–83) .45

Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 79 .46

Ibid., No. 77 .47

Ibid., No. 81 .48

Ibid., No. 80. .49

50. A.N., C²172, Instructions by Cossigny to Monneron, Feb. 2, 1786, ff. 199 a - 200 a

51. Saldanha, The Captivity of Canara Christians under Tipu, pp. 29 - 30

52. حیدر علی اور مالاباری عیسائیوں کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے :
Moraes, Muslim Rulers of Mysore and their Christian Subjects, pp. 443 - 45, (I.H.C. 1944)

53. Kirkpatrick, No. 425

54. Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 75, Tipu to the Viceroy of Goa, March 24, 1784.

55. 27 رمضان کی رات کو عربی میں لیلۃ القدر اور فارسی میں شب قدر کہتے ہیں۔ یہ رات مسلمانوں کے لیے اس وجہ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ پیغمبر اسلام اسی رات کو جب مکہ کے باہر غار حرا میں مراقبہ کے عالم میں تھے کہ قرآن کی پہلی آیت ان پر نازل ہوئی۔ اسی مناسبت سے 27 رمضان کی رات کو مسلمان عبادت کرتے ہیں۔ مہدوی بھی اس رات کو عبادت کے علاوہ ذکر بھی کرتے ہیں۔

56. Wilks, ii, pp. 597 - 98

57. کرمانی، ص 79 - 378۔ نیز دیکھیے سید عزیز کی 'مشاہیر مہدوی' اول، ص 96 - 100.

بائیسواں باب

نظرثانی اور فیصلہ (نتیجہ)

کم ہی ہندوستانی حکمرانوں کو اس درجہ مطعون کرنے اور غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی جتنی کہ ٹیپو کو کی گئی ہے۔ "اس کی شخصیت کو" تھامسن اور گیریٹ کے الفاظ میں "ننگ انسانیت عفریت بنا کر پیش کیا گیا ہے ؎" اس سے بہت پہلے، 1794 میں، مور نے لکھا تھا کہ ٹیپو کے "مہربانوں نے کئی برسوں سے ایسی اصطلاحوں کی جستجو میں ہماری زبان کے لغت کھنگال ڈالے ہیں جن سے وہ اس کی ذات اور اس کے کردار سے اپنے تنفر کا اظہار کر سکیں۔ سب وشتم کے خزانے خالی ہو چکے ہیں، تاہم اب بھی بہت سے اہل قلم اس پر ماتم کناں ہیں کہ وہ جس ذلت آمیز انداز میں اسے پیش کیے جانے کا مستحق سمجھتے ہیں اس کے کلی اظہار کے لیے انگریزی زبان کی وسعت ناکافی ہے ؎" ٹیپو کی شہادت کے بعد کرک پیٹرک اور ولکس نے ٹیپو کو رسوا کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور انگریز اور ہندوستانی دونوں مورخوں نے ان کے بیانات کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا۔

ٹیپو کو بدنام کیے جانے کے اسباب کا پتہ لگانا دشوار نہیں ہے۔ ٹیپو کے ساتھ انگریزوں کے تعصب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے اپنا زبردست حریف اور بدترین دشمن سمجھتے تھے، کیونکہ اس نے دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی طرح انگریزی کمپنی کا خراج گزار بننے سے انکار کر دیا تھا۔ بہت سے مظالم جن کا اسے ملزم گردانا گیا ہے ان لوگوں کی اختراع تھے، جن میں اس کے خلاف تلخی و ناراضگی اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھوں انھیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا، یا یہ وہ لوگ تھے جنھیں اس نے قید کیا تھا، لیکن وہ اپنے کو اس سزا کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی ٹیپو کو غلط رنگ میں پیش کیا جو اس کے خلاف کمپنی کی جارحانہ جنگوں کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے مضطرب تھے۔ اس کے کارناموں کو کم کر کے اور اس کے کردار کو

سیاہ کر کے اس لیے بھی پیش کیا گیا تھا کہ میسور کے لوگ اسے بھول جائیں اور راجا کے حلقہ بگوش ہو کر نئی حکومت کو استحکام بخشیں۔

بایں ہمہ ٹیپو کے تمام معاصرین اور بعد کے مصنفین نے اسے بدمعاش، ظالم اور ناکارہ نہیں سمجھا ہے۔ ایک فرانسیسی افسر کے بیان کے مطابق "ٹیپو نے کاشتکاروں کو خوشحال بنایا اور ہندوستانی تاجروں کو تحفظ دیا[3]" انگریز بھی جب تک اپنے مصالح اور جذبات کی رو میں بہے نہیں تھے، اس وقت تک ٹیپو کے کردار اور اس کے انتظامِ سلطنت کے بارے میں ان کی بھی رائے اچھی تھی۔ حیدر علی کی وفات کی خبر سن کر مدراس کے گورنر میکارٹنی نے لکھا تھا کہ "ممکن ہے کہ حیدر کے جواں سال اور جواں ہمت جانشین کو، ان نفرین خلائق عیوب اور مظالم کے بغیر، جو اسے ورثے میں ملے ہیں، اس اقتدار کے حصول اور ان عزائم کی تکمیل میں کامیابی نصیب ہو، جو کمپنی کے سکون و عافیت کے حق میں مضر ہیں[4]" دو ماہ بعد اس نے پھر لکھا کہ "ٹیپو صاحب کے مزاج اور رجحانِ طبع کے متعلق جو معلومات میں حاصل کر سکا ہوں، وہ اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ اپنے باپ حیدر علی کے مقابلے میں وہ زیادہ خدا ترس اور متمدن کردار کا مالک ہے[5]" ٹیپو کے کٹر دشمن ڈنڈاس نے لکھا تھا کہ حیدر کے بعد میسور کی سلطنت کا خاتمہ ہی ہو جاتا، اگر "ٹیپو سلطان کو اپنے باپ کی اہلیت و طاقت کی میراث نہ ملی ہوتی[6]" فروری 1790 میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کو ہندوستان سے ایک انگریز نے لکھا تھا کہ "مشرق کے تمام فرمانرواؤں میں ٹیپو صرف ہمت و جرأت ہی میں فوقیت نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کے کردار کے بہت سے پہلو ایچلز کی تصویر کے مقابلے میں پیش کیے جا سکتے ہیں[7]" مور، ڈائرم، میکنزی اور سر جان شور کو بھی اس کا اعتراف تھا کہ ٹیپو ایک رحم دل و شفیق آقا اور ایک لائق و ہر دلعزیز حکمراں تھا، جس نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود میں اضافہ کیا۔ ربنل نے بھی، جو سلطان سے انتہائی عناد رکھتا تھا، اعتراف کیا ہے کہ اس میں "مالیات کی اور جنگ کی عظیم اہلیتیں[8] تھیں۔ مل اگرچہ برطانوی تعصب سے یکسر دامن کش نہیں ہو سکا تھا، تاہم اس نے بھی لکھا ہے کہ "داخلی حکمرانی میں بڑے سے بڑے مشرقی فرمانروا سے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے" اور اس کی قلمرو میں "بہترین زراعت ہوتی تھی اور اس کی رعایا ہندوستان میں سب سے زیادہ خوشحال تھی[9]" موجودہ دور میں ٹیپو کا زیادہ معروضی انداز میں مطالعہ کیے جانے کی وجہ سے، اسی نوع کے خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے، تاہم آج بھی بعض مصنفین ولکس اور کرک پیٹرک کے خیالات ہی کا اعادہ کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔

ٹیپو باوقار شکل و صورت کا مالک تھا۔ اس کا رنگ گندمی، ہاتھ پیر نازک اور چھوٹے، ناک عقابی، آنکھیں روشن اور چھوٹی اور گردن موٹی تھی۔ اس کی صحت بہت اچھی تھی اور عمر میں اضافے کے ساتھ اس کی شاہ

شخصیت کے وقار میں اوراضافہ ہوا تھا۔[10] اس نے داڑھی نہیں رکھی تھی، لیکن اپنے باپ کے برعکس بھویں، پلکیں اور موچھیں تھیں۔

اس کے لباس میں سادگی، مگر نفاست ہوتی تھی اور اپنے درباریوں کو بھی سادگی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا۔ اسی بنا پر اس نے عبا، قبا اور ڈھیلے ڈھالے پاجاموں کو ممنوع قرار دیا تھا۔[11] لیکن سفر میں وہ کوٹ پہنتا جس پر زری کا کام ہوتا اور شیر کی کھال کی طرح کی سُرخ دھاریاں کڑھی ہوتیں۔[12] دربار کے وقت وہ بیش قیمت لباس زیب تن کرتا۔ لیکن دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کے برعکس وہ جواہرات استعمال نہ کرتا۔ صرف دو وقت وہ سادہ کھانا کھاتا۔ دسترخوان پر اس کے خاص افسر اور دو یا تین بیٹے ہوتے۔ کھانے کے دوران میں تاریخ، حدیث، فقہ اور سیرت کی کتابیں پڑھوانے کا بھی وہ شائق تھا۔ اپنے درباریوں سے قصے اور لطیفے بھی وہ سنتا، لیکن فحش مذاق اسے پسند نہیں تھا۔[13] اس میں ذہانت اور قوت عمل کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ روزانہ سولہ گھنٹے وہ تندہی سے کام کرتا۔ نظم ونسق کے ادنا گوشوں پر بھی اس کی نظر رہتی اور تفریحی مشاغل کے لیے بہت کم وقت بچتا۔ البتہ تفننِ طبع کے لیے کبھی کبھی رقص دیکھتا تھا۔[14]

طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے وہ بستر سے اُٹھ جاتا، غسل کرتا اور نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر ورزش کرتا تھا۔[15] پھر اپنے فوجی اور غیر فوجی افسروں کو باریاب کرنے کے لیے دربار ہال میں جاتا۔[16] اس وقت اس کے ہاتھ میں تسبیح، سر پر چھوٹی سی بُرہانپوری پگڑی، جسم پر قمیص اور سفید عبا ہوتی۔ قمیص میں تانبے اور سونے کے بند ہوتے اور عبا میں ہیرے کے بٹن ٹنکے ہوتے۔ تنگ پاجامے کی جیب میں ولایتی گھڑی ہوتی۔ پیر میں چمڑے کے جوتے ہوتے جن میں مہمیز لگی ہوتی۔ پھر وہ جمعدارخانے کے معائنے کے لیے جاتا، جہاں جواہرات، ظروف، پھل اور دوسری اشیا رکھی جاتی تھیں۔ وہاں مختلف شعبوں کے داروغاؤں کو ہدایت دینے کے بعد وہ پھر دربار ہال میں واپس آتا۔ جہاں نجومیوں سے اپنے ستاروں کی کیفیت سُنتا اور خط بنواتا۔[17] نو بجے اپنے دو تین بیٹوں اور چند افسروں کے ساتھ ناشتہ کرتا، جو اخروٹ، بادام، پھل اور دودھ پر مشتمل ہوتا۔ ناشتے کے دوران اپنی ماضی کی جنگوں کا اور مستقبل کے منصوبوں کا ذکر کرتا، اور اپنے سکریٹریوں کو اہم خطوط لکھواتا۔[18]

ناشتے کے بعد ٹیپو لباسِ فاخرہ زیب تن کرتا۔ پگڑی سُرخ یا ارغوانی یا زردی مائل ارغوانی سبز رنگ کی ہوتی جس میں سُنہرے تار ہوتے، ہیرے کی کلغی ہوتی اور اس کے دونوں جانب پھُندنے لٹکتے۔ جسم پر عمدہ سفید کپڑے کی چُست صدری ہوتی، جس کی آستینوں پر چُنٹ ہوتی۔ صدری کمر پر تنگ ہوتی۔

لیکن سامنے کے دونوں پلّے ڈھیلے ڈھالے ہوتے جنھیں سینے پر ہیرے کے ایک بٹن سے بند کیا جاتا تھا۔ کمر پر سنہرے حاشیہ کا ایک پٹکا ہوتا۔ داہنے ہاتھ کی ایک انگلی میں ہیرے کی یا لعل یا زمرد کی جڑاؤ انگوٹھی ہوتی جو روزانہ اس کے سات ستاروں کی روش کے اعتبار سے بدلتی رہتی تھی۔[19]

ٹیپو جب دربارِ عام میں داخل ہوتا تو دو عرض بیگی، میر تشریفات اور اعلا فوجی اور غیر فوجی افسر کورنش بجا لانے کے لیے حاضر ہوتے۔ اس وقت داروغۂ ڈاک ایک تھیلا پیش کرتا جو خطوط اور عرضیوں سے بھرا ہوتا۔ تمام شعبوں کے سربراہ خبریں سلطان کو سناتے۔[20] تختِ شاہی کے سامنے تمام شعبوں کے سربراہوں کے علاوہ اس کے فارسی، کنڑ، تلگو اور مراٹھی سکریٹری بیٹھتے، جن سے وہ خطوط لکھواتا۔ اسی موقع پر مختلف شعبوں کے ماہانہ حسابات بھی وہ دیکھتا اور احکام جاری کرتا۔[21]

تین بجے کے قریب سلطان دربار سے اٹھ کر خوابگاہ میں جاتا اور وہیں ظہر کی نماز ادا کرتا۔ اس کے بعد ڈھلائی کے اور دوسرے کارخانوں کا اور فوجوں کا معائنہ کرتا۔ قلعہ سرنگاپٹم میں اگر مرمّت کا کام چل رہا ہوتا تو اس کو بھی دیکھتا۔ غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد، بازار سے ہوتا ہوا، محل کو واپس لوٹتا۔[22]

محل پہنچنے کے بعد مختلف شعبوں کی کارگزاریاں اور دن بھر کی خبریں سنتا۔ پھر احکام جاری کرتا۔ خطوط لکھواتا اور درخواستوں کے جواب دیتا۔ رات کے اوقات وہ عموماً اپنے تین بڑے بیٹوں، چند خاص افسروں، قاضی اور اپنے خاص منشی حبیب اللہ کے ساتھ گزارتا۔ یہ لوگ رات کے کھانے میں بھی شریک ہوتے۔ ٹیپو کی گفتگو بڑی دلچسپ، پُرلطف اور نصیحت آموز ہوتی تھی۔ کھانے پر جو لوگ موجود ہوتے ان سے وہ علمی اور مذہبی موضوعات پر باتیں کرتا۔ اکثر بڑے بڑے مورّخوں کے اقتباسات اور شعرا کا کلام بھی وہ پڑھ کر سناتا۔ کھانے کے بعد محفل برخاست کر کے کچھ دیر وہ تنہا چہل قدمی کرتا۔ پھر بستر پر لیٹ کر وہ مذہبی یا تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرتے کرتے سو جاتا۔[23]

حیدر علی ٹیپو کی شادی ایک نوائطی امام صاحب بخشی کی لڑکی سے کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ٹیپو کی والدہ اور محل کی دوسری خواتین نے اس کی مخالفت کی۔ ان کی خواہش تھی کہ شاہزادے کی شادی رقیّہ بانو سے کی جائے جو لالہ میاں کی بیٹی اور برہان الدین کی بہن تھی۔ بالآخر 1774 میں ٹیپو کی شادی دونوں کے ساتھ ایک ہی رات میں ہوئی۔[24] 1792 میں جب انگریزوں نے سرنگاپٹم میں ٹیپو کے مورچے پر دھاوا بولا تو اس کے دوسرے دن رقیّہ بانو کا انتقال ہو گیا۔ تین سال بعد، 1795 میں سیّد صاحب کی بیٹی خدیجہ زماں بیگم سے ٹیپو نے عقد کیا۔ 1797 میں ان کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا، لیکن چند ہی روز کے اندر بچّہ اور زچّہ دونوں کا انتقال ہو گیا۔[25]

کرمانی نے ٹیپو کی کسی اور شادی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آرتھر ولزلی کا بھی یہی کہنا ہے کہ سقوطِ سرنگاپٹم کے

وقت ٹیپو کی ایک ہی بیوی تھی، جسے سلطان بیگم صاحب یا پادشاہ بیگم کہا جاتا تھا اور جو امام صاحب بخشی کی بیٹی اور غلام حسین خاں کی بہن تھی۔ غلام حسین خاں کو عام طور پر نواب پانڈیچری کہا جاتا تھا اور چندا صاحب کی اولاد سمجھا جاتا تھا۔[26] ماریوٹ نے، جو 1800 میں قلعہ سرنگاپٹم کا ذمہ دار افسر تھا، ٹیپو کی ایک اور بیوی کا ذکر کیا ہے، جس کا نام بوراتی بیگم تھا اور جو دہلی کے ایک امیر میر محمد پسند بیگ کی بیٹی اور سید محمد خاں کی نواسی تھی، جو کبھی کشمیر کے صوبیدار رہے تھے۔[27] ولزلی کا خیال تھا کہ ٹیپو کے بڑے بیٹے فتح حیدر خاں کی ماں روشنی بیگم مدخولہ تھی۔ لیکن خود شاہزادے کا دعوا تھا کہ اس کی ماں اس کے باپ کی خاص محل تھی۔[28]

بہرکیف یہ بتانا دشوار ہے کہ ٹیپو کے حرم میں کتنی مدخولہ تھیں۔ کرمانی، میکنزی، ڈائرم، بیٹسن اور دوسرے معاصرین کی تاریخوں میں کسی بھی مدخولہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے بیان کے مطابق سلطان بڑی محتاط اخلاقی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن آرتھر ولزلی اور میریوٹ کا بیان ہے کہ ٹیپو کے محل میں 193 مدخولہ عورتیں اور ایک سو لونڈیاں تھیں۔[29] مگر ایک دوسری جگہ میریوٹ نے کسی بھی مدخولہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔[30] یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اہلِ یورپ کو محل کی ہر عورت مدخولہ نظر آتی تھی۔ وہ لوگ اس بات کو محسوس ہی نہیں کرتے تھے کہ محل میں اتائیں، باورچنیں، مُغلانیاں، اُستانیاں، خادمائیں، صفائی کرنے والیاں اور دوسری عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

ٹیپو نے بارہ بیٹے چھوڑے تھے۔ ان کے نام یہ تھے: فتح حیدر، معین الدین سلطان، عبدالخالق سلطان، معیز الدین سلطان، محمد سبحان سلطان، شکر اللہ سلطان، غلام احمد سلطان، غلام محمد سلطان، سرور الدین سلطان، محمد یٰسین سلطان، جمیل الدین سلطان اور مُنیر الدین سلطان۔[31] کرمانی کے بیان کے مطابق ٹیپو نے صرف ایک لڑکی چھوڑی تھی، جس کی حسین علی خاں سے شادی ہوئی تھی۔[32] لیکن آرتھر ولزلی نے چار لڑکیوں[33] کے اور میریوٹ نے آٹھ کے نام لیے ہیں۔[34]

ٹیپو فطرتاً نہایت شفیق تھا۔ اپنے بیٹوں کو اس نے معقول تعلیم و تربیت دی۔[35] اس کے دو یا تین بیٹے ہمیشہ اس کے ساتھ دسترخوان پر ہوتے تھے، جو کھانے کے دوران میں ہونے والے معلومات افزا مباحثوں کو سنا کرتے تھے۔ اپنے بچوں سے محبت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ 1792 میں کورگ سے وہ صرف اس خیال سے دستبردار ہو گیا اور جنگ نہیں چھیڑی کہ اس کے ان دو شاہزادوں کو گزند نہ پہنچنے پائے جو انگریزوں کے پاس یرغمال کے طور پر تھے۔ ٹیپو اپنے ضعیف العقل بھائی پر بھی مہربان رہتا تھا، اگرچہ حیدر علی کی وفات کے بعد لوگوں نے ٹیپو کو تخت و تاج سے محروم کرنے کے لیے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی ماں کا بھی بیحد احترام کرتا تھا اور ہمیشہ نہایت ادب سے اس کو مخاطب کرتا۔ باپ کی بھی وہ حد درجہ تعظیم کرتا تھا اور

ریاستی پالیسی میں بھی اس کے نقشِ قدم پر چلتا تھا۔

ٹیپو کے کردار کا یہ پہلو بھی قابلِ تعریف ہے کہ اپنے دوستوں سے بھی اسے گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ 1783 میں انگریزوں نے صلح کی یہ شرط رکھی کہ جو فرانسیسی جنگ میں اس کے حلیف تھے، انھیں ان کے حوالے کر دے تو اس نے یہ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ ان کی حفاظت کا وہ وعدہ کر چکا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے[36] اسی طرح 1799 میں جب جاپیوس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سلطان اگر صلح کرنا چاہتا ہے تو ان فرانسیسیوں کو، جو اس کی ملازمت میں ہیں، انگریزوں کے حوالے کر دے، تو سلطان نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ کسی حالت میں بھی وہ دغا نہیں کر سکتا۔[37]

اپنے افسروں کے ساتھ ٹیپو کا سلوک شفقت آمیز ہوتا تھا۔ وہ انھیں جو خطوط لکھتا تھا وہ بھی محبت آمیز ہوتے تھے[38] ان کی صحت کی بھی اسے فکر رہتی تھی۔ اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اُن کے لیے وہ دوائیں بھی تجویز کرتا[39] اپنے افسروں میں اسے اپنے برادرِ نسبتی بہار الدین پر سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ جو 1790 میں سرنگاپٹم کی جنگ میں کام آئے تھے۔ سید غفّار، سید حامد اور محمد رضا پر بھی ٹیپو کو بےحد اعتماد تھا اور یہ لوگ بھی آخر وقت تک اس کے وفادار رہے۔ ان کے علاوہ پرنیا، بدر الزماں خاں اور میر صادق سے بھی وہ صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا۔ صلحِ سرنگاپٹم تک یہ لوگ بھی سلطان کے وفادار رہے۔ لیکن اس کے بعد انگریزوں نے انھیں خرید لیا تھا۔ بہرکیف چند اعلا افسروں کے علاوہ اس کے تمام چھوٹے بڑے مُلازمین اس کے وفادار رہے۔

ٹیپو اچھا شہسوار بھی تھا اور پالکی کی سواری سے اس کو نفرت تھی، جسے صرف عورتوں اور معذوروں کے استعمال کے لیے وہ موزوں سمجھتا تھا۔[40] وہ مشّاق نشانہ باز اور شکار میں تعاقب کرنے کا شوقین تھا۔ سدھائے ہوئے چیتوں سے وہ ہرن کا شکار کیا کرتا تھا۔ اس کام کے لیے سرنگاپٹم کے جنوب مغرب میں ایک میدان مخصوص تھا، جسے رمنا کہتے تھے۔[41] وہ ایک لائق جنرل اور جری سپاہی تھا۔ اس کا ثبوت وہ اَن گنت جنگیں ہیں جو انگریزوں سے، نظام سے اور مرہٹوں سے اس نے لڑی تھیں۔ اس کی بہادری سے اس کے سپاہیوں میں خطرے کے وقت بےخوفی، عزم و اعتماد اور جوش و خروش پیدا ہوتا تھا۔ اسے اپنے فوجیوں کا بھی بےحد خیال رہتا تھا۔ اپنے کمانڈروں کو زخمیوں کی دیکھ بھال کا اور طویل مارچ کے بعد سپاہیوں کے آرام کا خیال رکھنے کی وہ ہدایتیں بھی جاری کیا کرتا تھا۔[42] جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کے عزیزوں کو انعام کے نام سے وظائف دیے جاتے تھے۔ لیکن اگر وہ لوگ اپنا انتظام خود کرنے کے اہل ہوتے تو وظیفے کا سلسلہ منقطع کر دیا جاتا تھا۔ مگر بعض وظائف نسلاً بعد نسل بھی جاری رہتے تھے۔[43] ان اسباب کی بنا پر فوج میں ٹیپو حد درجہ ہر دلعزیز تھا۔ میسوری فوج کی اس کے ساتھ وفاداری کا ڈائرم نے بھی اعتراف کیا ہے۔[44] ولکس

کا بھی یہی بیان ہے کہ فوج آخر وقت تک ٹیپو کی وفادار رہی۔[45] مور نے لکھا ہے کہ ٹیپو کے ساتھ فوج کی "محبت اور وفاداری کی ایسی مثالیں ملتی ہیں، جس کی تعریف کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے اور جس کی دوسری مثال بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ بلا کسی سے مقابلہ کیے ہوئے، کیونکہ مقابلہ کرنا مناسب نہ ہوگا، یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کونسی فوج، اتنے نامساعد حالات میں، ٹیپو کی فوج سے زیادہ جاں نثاری کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔" مور ہی مزید لکھتا ہے:
"جب ہم دیکھتے ہیں کہ دو سال تک شکستوں کا سامنا کرنے کے بعد بھی آخری وقت تک فوج اسی جوش و خروش سے لڑتی ہے جس جوش و خروش سے وہ ابتدا میں میدانِ جنگ میں اُتری تھی، تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے پر ہم مجبور ہوتے ہیں کہ اس عمل کی پُشت پر احکام کی بے چون و چرا اطاعت سے زیادہ کوئی ارفع و اعلا جذبہ کارفرما تھا، جو اس کمانڈر سے وفاداری اور دلی تعلق ہی سے پیدا ہو سکتا ہے جو ان کے اندر دائمی فرض کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔[46]"

ٹیپو اپنے افسروں اور فوجیوں ہی میں نہیں بلکہ اپنی رعایا میں بھی بے حد مقبول تھا۔ میکنزی تیسری اینگلو میسور جنگ میں انگریزی فوج کے ساتھ تھا، اس نے لکھا ہے کہ "فخر کرنے کے لیے ہمارے پاس ایسی بہت کم مثالیں نہیں ہیں جن میں اس کی رعایا کو اپنی کامیابیوں کا سبز باغ دکھا کر اس کی حکمرانی کا جوا اُتار پھینکنے اور عیسائی حکمرانوں کے کریمانہ اثرات کا حلقہ بگوش بنانے میں ہم کامیاب ہو سکے ہوں۔[47]" اسی طرح مور نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ "یہ یقین کرنے کے اسباب ہمارے پاس موجود ہیں کہ اس کی رعایا بھی کسی اور حکمراں کی رعایا کی طرح خوشحال تھی۔ ہمیں کوئی ایسی مثال یاد نہیں آتی کہ ہم نے ان کی زبان سے شکایتیں یا بےاطمینانی کا زیرِ لب اظہار ہی سُنا ہو۔ اگر اسباب موجود ہوتے تو اس کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس وقت ٹیپو کے دشمن برسرِاقتدار تھے اور اس کے کردار کو داغدار کرنے کا انعام مل سکتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے فاتحین کے احکام کو بظاہر قبول کر لیا، لیکن ایسا نہیں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سابقہ حکومت کی جابرانہ محکومی سے انھیں نجات مل گئی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس جو نہی انھیں موقع ملتا ہے اپنے نئے آقاؤں کی وہ مُخبری کرتے ہیں اور بڑی خوشی سے سابقہ وفاداری کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔[48]" آج بھی میسور کے لوگ ٹیپو کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں اور یہ اس حالت میں ہے جبکہ پچھلے ڈیڑھ سو برسوں میں اس کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے۔

ٹیپو کے تمام معاصرین، خواہ دوست ہوں یا دشمن، اس بات پر متفق ہیں کہ وہ مغرور، خود نگر اور تحکم پسند تھا۔[49] لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ وہ عیوب ہیں جو ایک ایسے شخص میں لازماً پیدا ہو جاتے ہیں جس نے شاہی خاندان میں جنم لیا ہو، جسے اپنی اہلیتوں کا احساس ہو، جو ایک وسیع اور خوشحال سلطنت کا مالک ہو اور جس

کے پاس ہندوستان کی بہترین فوج ہو۔ بااین ہمہ غرور اور تحکم پسندی کے باوجود وہ کریمانہ فطرت اور دلکش شخصیت کا مالک بھی تھا اور صرف اسی وقت اسے غصہ آتا جبکہ اس کے اسباب موجود ہوتے۔ لیکن اس کی خارجی خوش طبعی کے پردے میں مصمم عزم و استقامت اور عظیم خود اعتمادی پوشیدہ تھی جو ناکامی، مصائب اور اہانت کے سامنے بھی متزلزل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ان صفات کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں سنگدلی و سفّاکی نہ تھی۔ انسانوں کو قتل کرنے، ایذا پہنچانے یا نزع کے عالم میں انھیں دیکھنے میں اسے کبھی بھی لطف نہیں آتا تھا صرف ایسے لوگوں کو وہ سزا دیتا جو اس کے لیے یا اس کی ریاست کے لیے خطرناک ہوتے تھے۔ لیکن اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ حریفوں نے اگر اطاعت قبول کرلی اور وفاداری کا عہد و پیمان کرلیا تو اس نے انھیں معاف بھی کر دیا بسا اوقات اس کی یہ رحمدلی بے محل بھی ہوتی تھی۔ اس کی مثالیں میر صادق، پرنیا اور قمرالدین خاں ہیں، جو غداری کے مرتکب ہوئے تھے، تاہم اس نے انھیں معاف کرکے انکے سابقہ عہدوں پر انھیں بحال رکھا۔ لیکن ان لوگوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا جو اس کی مخالفت کے مسلسل مرتکب ہوتے رہے تھے یا جنھوں نے بار بار غدّاری کا ارتکاب کیا تھا۔ ایسے لوگوں کو سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی اس زمانے میں سزاؤں کے جو طریقے رائج تھے وہ انتہائی خوفناک تھے۔

ٹیپو کے کردار کا ایک اور پہلو اس کی بڑھی ہوئی حوصلہ مندی تھی۔ لیکن اس میں نئی فتوحات حاصل کرنے کا اتنا دخل نہیں تھا، بلکہ اپنی اس مملکت کو وہ برقرار رکھنا چاہتا تھا جو اسے اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کو طاقتور اور خوشحال بنانے کا خواہاں تھا، تاکہ اس کو نام و نمود حاصل ہو اور آنے والی نسلیں اسے یاد رکھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مذہب امن کا پیرو تھا۔ اگر اسے موقع ملتا تو اپنی سلطنت کے حدود کو وسعت دینے میں بھی اسے کوئی تامل نہ ہوتا[50] لیکن جتنی جنگیں بھی اسے لڑنی پڑیں ان میں سے کوئی بھی خود اس کی برپا کی ہوئی نہیں تھی۔ یہ تمام لڑائیاں اسے اپنے دفاع میں لڑنی پڑی تھیں۔ فن جنگ سے زیادہ فن صلح سے اسے دلچسپی تھی۔ وہ ایک عظیم سپاہی تھا، لیکن وہ عظیم تر منتظم بھی تھا۔ انتظامی میدان میں جو کارنامے اس نے انجام دیے، ان ہی پر اس کی عظمت کا انحصار ہے۔

سول اور فوجی انتظام کے لیے تخلیقی قوت کا، پیش قدمی کرنے کی اہلیت کا، سخت محنت کا اور جزئیات پر نظر رکھنے کی صفات کا جہاں تک تعلق ہے، ٹیپو کا شمار ہندوستان کے عظیم ترین فرمانرواؤں میں ہونا چاہیے۔ بلاشبہ اس نے غلطیاں بھی کیں۔ مثلاً اس نے بار بار اپنی صوبائی سرحدوں میں ردّ و بدل کیا اور سوار فوج کم کر دی۔ بعض اوقات اس کے افسروں نے اس کے احکام کی پابندی نہیں کی۔ اس کے منصوبوں سے ہمدردی رکھنے والوں کی اور انھیں عملی جامہ پہنانے والوں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی۔ بااین ہمہ ایک مضبوط حکومت کے قیام میں اور اپنی

رعایا کی خوشحالی میں اضافہ کرنے میں اُسے کامیابی ہوئی۔ اس نے پند و نصائح سے' سزائیں دے کر اور ذاتی توجہ سے انتظامی خرابیاں دُور کیں اور تغلب کا خاتمہ کیا۔ اس نے زراعت کو ترقی دی، تجارت کو فروغ دیا، سڑکیں بنوائیں، غیر قانونی معافیوں کو اور اکثر درمیانی زمینداروں کو ختم کیا۔ منرو اور ریڈ نے، جنھیں اُن اضلاع کا انتظام سونپا گیا تھا جو سابق میں سلطنتِ میسور کا حصّہ تھے، اگرچہ ٹیپو کے انتظام کی شدید نکتہ چینی کی ہے، تاہم جگہ جگہ انھوں نے توصیفی انداز میں ٹیپو کی کارکردگی کا بھی اعتراف کیا ہے۔ ڈائرم نے 92-1790 کے زمانے کے بارے میں لکھا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت آباد تھی اور زمین کی اہلیت کے مطابق پوری پوری زراعت ہوتی تھی۔ میدانِ جنگ کی فوج کے نظم کا اور اس کی وفاداری کا، آخری شکست کے وقت تک برقرار رہنا اس امر کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے کہ فوج کے لیے جو قواعد و ضوابط بنائے گئے تھے، وہ بہترین قسم کے تھے۔ اس کی حکومت اگرچہ سخت اور مطلق العنان تھی، تاہم وہ ایک مہذب اور لائق حکمراں کی مطلق العنانی تھی[51]۔ ایک دوسرے موقع پر ڈائرم ہی نے لکھا کہ ٹیپو کے "دانشمندانہ اقدام کی وجہ سے اس کا علاقہ نظام کے علاقے کے مقابلے میں بہت ترقی یافتہ ہے، زراعت بھی خوب ہوتی ہے، رعایا خوش اور مطمئن معلوم ہوتی ہے، اس کے برعکس دوسروں کی رعایا پر ہر طرف سے ظلم ہوتا رہتا ہے[52]۔"

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ تیسری اینگلو میسور جنگ میں ٹیپو کو جو شکست ہوئی تھی اس نے اس کی سلطنت کو دائمی طور پر کمزور اور اس کے مُلک کو تباہ کر دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی پیدا کردہ تباہ کاری اور بدنظمی پر اس نے بڑی سُرعت سے اس طرح قابو حاصل کر لیا تھا کہ اس کی حکومت جلد ہی مستحکم اور موثر بن گئی اور مُلک خوشحال ہو گیا۔ سر جان شور نے تسلیم کیا تھا کہ "اپنے تجربوں کی بنا پر ہمیں اس کی لیاقت کا علم ہے۔ اس کے مُشیر و صلاح کار تو ہیں، لیکن کوئی وزیر نہیں ہے۔ وہ خود معائنہ کرتا ہے، انتظام کرتا ہے اور خود ہی اپنی حکومت کی ادنا تفصیلات پر بھی نظر رکھتا ہے.... اس کی قلمرو کے کاشتکار مطمئن ہیں، انھیں ان کی محنت کا صلہ ملتا ہے اور ان کی ہمّت افزائی کی جاتی ہے[53]۔" انگریزوں نے 1799 میں جب میسور کو فتح کر لیا تو ملک کی خوشحالی دیکھ کر انھیں حیرت ہوئی[54]۔ یہ رائے اُن لوگوں کی تھی جن کی "کُھلی ہمدردیاں برطانیہ کے ساتھ" تھیں، اور یہ اس امر کی واضح علامت ہے کہ اس کا سبب ٹیپو کی "داخلی قوت کا غیر معمولی منبع" تھا، اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے مقابلہ کر لیا "ان تین جنگوں کے نتائج کا، جو ایک یورپی طاقت سے اسے لڑنی پڑی تھیں اور اس کے بعد بھی اس کی سلطنت برقرار رہی[55]۔"

ٹیپو میں "جدّت پسندی اور تجسّس کا بھی مادہ تھا جو اکبر کی یاد دلاتا ہے۔ نئی تقویم، ناپ تول اور پیمائش کے نئے پیمانے اور نئے سکّوں کی ایجاد میں بھی وہ اپنی تخلیقی اہلیت صَرف کیا کرتا تھا[56]۔" یہ سچ ہے کہ اس کی لائی ہوئی بعض تبدیلیاں غیر ضروری تھیں۔ لیکن اس کی جدّتوں کا مقصد بڑی حد تک انتظامِ سلطنت کو اور

اپنی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ اس نے مُسلم قمری تقویم کو بعض انتظامی دشواریوں کی بنا پر منسوخ کر کے اس کی جگہ پر ایک نئی تقویم روشناس کی جو قمری شمسی حساب پر مبنی تھی۔ نئے سکّے جو اس نے جاری کیے ان میں حُسن اور نفاست تھی۔ اس نے قحبہ گری اور نشہ آور اشیا کا استعمال ممنوع قرار دیا، کیونکہ انھیں اپنی رعایا کے حق میں اس نے مُضر سمجھا تھا۔ وہ پہلا مشرقی حکمراں تھا جس نے مُلکی انتظام میں مغربی طور طریقوں سے کام لیا۔ مغربی علوم کو وہ مُشتبہ نظروں سے نہیں دیکھتا تھا[58] بلکہ ان سے اپنے مُلک کے دفاع کا اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کا اس نے کام لیا تھا۔ فرانسیسیوں سے اور انگریزی جنگی قیدیوں اور مفرورین سے اپنی فوج کو تربیت دینے کا، اسلحہ خانے کو منظّم کرنے کا اور مُلک کی پیداوار اور صنعت و حرفت میں مغربی طریق کار کو روشناس کرنے کا کام لیا۔ اپنے مُلک کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے وہ میسوری مصنوعات ہی استعمال کرتا تھا اور اپنے افسروں کو بھی ان کے استعمال کی ہدایت کرتا تھا۔ ان تمام اقدامات کی پُشت پر خود کفالت کی وہ پالیسی کار فرما تھی، جو آج کی ریاستیں اختیار کر رہی ہیں۔ تجارت کی اہمیت کو محسوس کر کے اس نے اپنے مُلک کے سب سے بڑے تاجر کا روپ اختیار کیا۔ ملک اور بیرونِ ملک میں اس نے تجارتی کوٹھیاں قائم کیں اور بہت سے مُلکوں کے ساتھ تجارتی روابط پیدا کیے۔

ٹیپو پہلا ہندوستانی تھا جس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اپنے بیٹے کو وہ یورپ میں تعلیم دلائے۔ لوئی شانزدہم کے دربار میں ٹیپو کا جو سفیر متعیّن تھا اس نے فرانسیسی حکومت کو مطلع کیا تھا کہ اس کے آقا کی خواہش ہے کہ اس کا ایک بیٹا پیرس میں تعلیم حاصل کرے۔ فرانسیسی اربابِ اختیار نے اس خیال کو پسند کیا، لیکن ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ فرانس آنے سے قبل، یا سفر کے دوران، شاہزادہ فرانسیسی زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھ لے اور ریاضی و علم الاحصار کی واقفیت حاصل کر لے۔ ہندوستان میں فرانسیسی زبان کی تعلیم دینے والا ملنا مشکل نہ ہوگا۔ پیرس میں تعلیم کے اخراجات تقریباً چالیس یا پچاس ہزار روپے سالانہ ہوں گے، جو سلطان کو برداشت کرنا پڑیں گے۔ لیکن شہزادہ اگر تعیّش کی زندگی نہ گزارے تو اخراجات بقدر نصف کم ہو سکتے ہیں[59] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسری اینگلو میسور جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے ٹیپو کا یہ منصوبہ عمل میں نہ آسکا، کیونکہ معاہدۂ سرنگاپٹم کے نتیجے میں اسے اپنے دو بیٹوں کو یرغمال کے طور پر انگریزوں کے سپرد کرنا پڑا تھا۔

ٹیپو اگرچہ سُنّی مسلمان تھا، لیکن تشیّع کی طرف بھی اس کا کچھ رُجحان تھا۔ وہ سچا مذہبی انسان تھا۔ اپنی سلطنت کا نام اس نے سلطنتِ خُداداد رکھا تھا۔ پنج وقتہ نماز پڑھتا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا۔ اس کے دِل میں حضرت علی کی بیحد عزّت و عقیدت تھی۔ اپنے اسلحوں پر اس نے 'اسداللہ الغالب' کندہ کرایا تھا[60] جو حضرت علی کا لقب تھا۔ شیعہ ائمہ سے بھی اسے عقیدت تھی، چنانچہ اپنے بہت سے سکّوں کو ان کے ناموں سے اس نے موسوم کیا تھا۔ اس کے کُتب خانوں کی کتابوں پر فاطمہ، حَسن اور حُسین کے ناموں کی مہریں تھیں۔ اس نے اپنے

جو سفیر قسطنطنیہ بھیجے تھے انھیں ہدایت کی تھی کہ نجف اشرف اور کربلائے معلّیٰ میں حضرت علی اور حضرت امام حسین کے مقبروں پر اس کی طرف سے نذریں پیش کریں، اور سلطان سے درخواست کریں کہ نجف میں چونکہ پانی کی قلت ہے اس لیے وہاں ایک نہر تعمیر کرانے کی اسے اجازت دی جائے، جس میں فرات سے پانی لایا جائے گا۔[1]

تصوّف سے بھی ٹیپو کو گہری دلچسپی تھی۔ اس کی سرپرستی میں متعدد کتابیں بھی اس موضوع پر لکھی گئی تھیں۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی اولیا سے عقیدت رکھتا تھا اور بہت سے مزاروں کو اس نے معافیاں بھی دی تھیں ہندو سادھوؤں، سنتوں اور دیوتاؤں سے بھی اسے عقیدت تھی۔ اپنے باپ ہی کی طرح وہ ضعیف العقیدہ بھی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ بعض مذہبی رسوم کی ادائگی سے بلائیں ٹل سکتی ہیں۔ اس کے دربار میں جو جوتشی ملازم تھے، ان سے اپنے ستاروں کے بارے میں وہ صلاح و مشورہ کرتا تھا۔ فوجی کامیابی کے حصول کے لیے برہمنوں کو بھوج دیتا اور مذہبی رسوم کی ادائگی کے اخراجات برداشت کرتا۔ ہر سنیچر کو، بلاناغہ، نجومیوں کی صلاح کے مطابق ساتوں ستاروں کو سات مختلف اقسام کی اجناس، تل کے تیل سے بھرا ہوا لوہے کا ایک تسلا، آسمانی رنگ کی ایک ٹوپی اور ایک کوٹ، ایک سیاہ بکرا اور کچھ نقد رقم بھینٹ چڑھاتا۔ یہ تمام چیزیں برہمنوں اور غریبوں میں تقسیم کی جاتیں۔[2]

ایک شخص جو اس درجہ وسیع الخیال اور وسیع العقیدہ ہو اسے کٹّر مذہبی سمجھنا یا اس کے اقدامات کو مذہب پر محمول کرنا غلطی ہوگی۔ اس نے کورگی ہندوؤں اور نائروں کو اگر کچلا تو مسلمان موپلاؤں کو بھی نہیں بخشا۔ اس نے کچھ کورگیوں اور نائروں کو اگر مسلمان بنایا تو یہ اس نے مذہب کی بنا پر نہیں بلکہ سیاسی اسباب کی بنا پر کیا۔ اس نے انھیں امن کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی، لیکن انھوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ دوسروں کی عبرت کے لیے انھیں اس نے مسلمان بنایا۔

ملکی و غیر ملکی طاقتوں سے تعلقات قائم کرنے کے معاملے میں بھی ٹیپو، اپنے باپ ہی کی طرح، مذہب کا پاس نہیں کرتا تھا۔ فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے اور تجارتی روابط کو فروغ دینے کے لیے اس نے ایران، افغانستان اور عمان سفارتیں روانہ کیں۔ اس نے جو سفارت قسطنطنیہ بھیجی تھی اس کا ایک مقصد فوجی و تجارتی مقاصد کے علاوہ، اپنی جانشینی کی تصدیق کرانا بھی تھا، جو مغل دربار سے وہ حاصل نہیں کر سکا تھا۔ سوانور، کرنول، ادونی، حیدرآباد اور کرناٹک کے مسلمان حکمرانوں سے بھی اس نے اسی طرح جنگیں کیں، جس طرح مرہٹوں اور راجا ٹراونکور سے جنگیں کی تھیں۔

بایں ہمہ ریاستی پالیسیوں کے باب میں اگرچہ وہ مذہبی تفریق نہ برتتا، تاہم مقصد براری کے لیے مذہبی جذبات سے کام لینے میں بھی اسے تامّل نہ ہوتا۔ مثلاً انگریزوں کے مقابلے کے لیے نظام کو اپنانے کی کوشش میں اس نے مذہب کی دُہائی دیتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں کی فلاح کے لیے انھیں ماضی کے اپنے اختلافات

کو فراموش کر کے مشترک دشمن کے مقابلے کے لیے متحد ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح عثمانی سلطنت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے سلطان کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے اس نے اس ظلم و تعدی کا ذکر کیا جو انگریز ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ برت رہے تھے۔ جہاں مذہبی جذبات کا اظہار غیر موثر ثابت ہوتا وہاں وہ دوسری باتوں کا سہارا لیتا۔ مثلاً فرانس کو خود فرانس کے مفاد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس نے ان خطرات کی طرف اشارہ کیا جو برطانوی جارحانہ منصوبوں سے اسے درپیش تھے۔ اسی طرح کی اپیل اس نے مرہٹوں سے بھی کی نیز ان کے قوم پرستانہ جذبات کو اُبھارنے کی بھی اس نے کوشش کی۔

ٹیپو بھی دوسرے مطلق العنان فرمانرواؤں کی طرح خوشامد پسند تھا اور ان قصائد کو سن کر خوش ہوتا جن میں اس کے درباری شعرا اس کی فتحمندیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک تربیت یافتہ دماغ کا مالک بہت سے علوم سے واقف اور تمام موضوعات پر گفت گو کرنے کا اہل تھا۔ کنڑ اور ہندوستانی بول سکتا تھا، لیکن گفتگو عموماً فارسی میں کرتا تھا اور اس زبان میں وہ روانی سے لکھ بھی سکتا تھا۔[63] سائنس، طب، موسیقی، نجوم اور انجینیرنگ سے بھی اسے دلچسپی تھی، لیکن مذہب اور تصوف اس کے خاص موضوعات تھے۔ شعرا اور علما اس کے دربار کی زینت تھے۔ ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر وہ گفت گو کیا کرتا۔ خطاطی سے بھی اسے گہرا شغف تھا۔ رسالہ درخط طرز محمدی کے نام سے ایک فارسی کتاب بھی ملتی ہے، جس میں خطاطی سے متعلق خود اس کے وضع کردہ اصول درج ہیں۔[64] علم نجوم پر بھی اس نے ایک کتاب زبرجد کے نام سے تصنیف کی تھی۔[65] ان کتابوں کے علاوہ تصوف، موسیقی، تاریخ، طب، فنِ حرب، قانون اور حدیث کے موضوعات پر کم سے کم پینتالیس کتابیں اس کی سرپرستی میں تصنیف یا دوسری زبانوں سے ترجمہ کی گئی تھیں۔ اس کے پاس ایک نہایت بیش قیمت کتب خانہ بھی تھا، جس میں موسیقی، حدیث، فقہ، تصوف، ہندومت، تاریخ، فلسفہ، طب، صرف و نحو، نجوم، حربیات، شاعری اور ریاضی کے دو ہزار عربی، فارسی، ترکی، اُردو اور ہندی مخطوطات تھے۔ جن کتابوں کی جلد سازی سرنگاپٹم ہی میں ہوئی تھی، ان کے پٹھوں کے وسط میں خدا، محمدؐ، فاطمہ اور حسن و حسین کے نام اور چاروں کونوں پر چاروں خلفاء کے نام تمغے کی طرح سے لکھے ہوئے تھے۔ پیشانی پر 'سرکار خداداد' اور پائین میں 'اللہ کافی' لکھا ہوتا تھا۔ بعض مجلدات پر ٹیپو کی خاص مُہر بھی ملتی ہے۔[66]

سقوطِ سرنگاپٹم کے بعد کتب خانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں آگیا۔ کچھ مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کو (جسے اب ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کہتے ہیں)۔ نیز کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کے لیے الگ کر لیے گئے، باقی تمام مخطوطات ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کو دیدیے جو 1800 میں قائم کیا گیا تھا۔ 1830 میں جب کالج بند کیا گیا تو وہ مخطوطات ہندوستان و انگلستان کے کتب خانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔

ٹیپو نہایت ستھرے مذاق کا مالک تھا۔ اس کے سکے خطاطی کے بہترین نمونوں سے آراستہ کیے جاتے تھے۔ اس کا ڈبل روپے کا سکہ ان تمام سکوں سے زیادہ خوبصورت ہے، جو آج تک ہندوستان میں ڈھالے گئے ہیں۔ فنِ موسیقی کی وہ سرپرستی کرتا تھا اور اکثر رقص بھی دیکھتا تھا۔ اس کی رہنمائی میں حسن علی عزت نے 1785 میں مفتاح القلوب کے نام سے میسور کی موسیقی پر ایک کتاب تصنیف کی تھی[67] اس کے کتب خانے کی کتابیں بڑی فیاضی سے آراستہ و پیراستہ اور مطلا و مذہب کی جاتی تھیں۔ اس کا تخت نہایت حسین اور شاندار تھا، جو ایک لکڑی کے شیر کے سہارے استادہ تھا اور اس پر سونے کی چادر چڑھی تھی۔ اس کا ہشت پہل کٹھرا آٹھ فٹ لمبا اور پانچ فٹ چوڑا تھا، جس کے گرد ایک نیچا کٹھرا بھی تھا۔ کٹھرے پر شیروں کے چھوٹے چھوٹے دس طلائی سر رکھے تھے، جن میں بیش قیمت جواہرات جڑے گئے تھے۔ تخت کے دونوں جانب چاندی کے چھوٹے سے زینے تھے۔ چھتر لکڑی کا تھا جس پر خالص سونے کی ہلکی سی چادر چڑھی تھی۔ اس کے کنارے سنہرے تاروں میں پروئی ہوئی موتیوں کی جھالر تھی۔ چھتر پر چھوٹے کبوتر کے برابر ہُما تھی جو سلطان کے سر پر سایہ فگن رہتی تھی۔ یہ بھی طلائی اور سر سے پیر تک جواہرات سے ڈھکی تھی۔ ہندوستان میں اس کی قیمت کا تخمینہ سوا سو گنی تھا۔[68]

ٹیپو فنِ تعمیر سے بھی گہرا شغف رکھتا تھا۔ حیدر علی نے لال باغ اور قلعہ سرنگاپٹم کے درمیان، دریائے کاویری کے جنوبی کنارے پر دریائے دولت کے نام سے ایک تالستانی محل تعمیر کیا تھا۔ ٹیپو نے اس میں مزید اضافہ کیا اور یہ اس کی دل پسند تفریح گاہ بن گیا۔ یہ ایک دلکش عمارت ہے، جس کی نمایاں خصوصیت اس کی منقش دیواریں ہیں۔ "اس کی بے اندازہ سجاوٹ جس نے، اوپر سے نیچے تک، دیواروں کے چپے چپے کو اپنے دامن میں لے لیا ہے، اصفہان کے محلات کی یاد دلاتی ہے[69]" اس کی اندرونی دیواروں پر دل کھول کر طغرائی نقش و نگار بنائے گئے تھے اور بیرونی دیواروں پر انگریزوں پر ٹیپو کی فتوحات کی تصویر کشی کی گئی تھیں۔ قلعہ میں بھی ٹیپو نے ایک محل تعمیر کرایا تھا، جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ یہ باہر سے نہایت معمولی قسم کی عمارت معلوم ہوتی تھی مگر اس کا اندرونی حصہ نہایت شاندار تھا۔[70] مشرقی، یا بنگلور دروازہ، سے متصل ایک مسجد ہے جو ٹیپو نے 1787 میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ ایک نہایت نفیس عمارت ہے جس کے دونوں میناروں میں شوکت و وقار کا امتزاج نظر آتا ہے۔ جزیرہ کی انتہائی حد پر حیدر علی کا مقبرہ ہے جسے ٹیپو نے تعمیر کرایا تھا اور وہ خود بھی وہیں مدفون ہے۔ یہ مربع عمارت ہے، جس پر ایک گنبد ہے جو سیاہ سنگ مرمر کے روغنی ستونوں پر استادہ ہے۔ قلعہ بنگلور کے محل کی تعمیر کا کام حیدر نے 1781 میں شروع کیا تھا اور ٹیپو نے 1791 میں اسے مکمل کیا۔ یہ بھی دریائے دولت کے طرز کی نہایت شاندار عمارت تھی۔ میکنزی نے اس محل کے بارے میں لکھا ہے کہ "آگرہ اور دہلی کے محلوں سے اگر قطع نظر کر لیا جائے، تو یہ مشرق کی نہایت ہوادار اور خوشنما عمارت ہے[71]" حیدر اور ٹیپو

دونوں ان مغل عمارتوں کی طرزِ تعمیر سے بے حد متاثر تھے جو سیرا کے مقام پر سیرا کے مغل صوبیدار دلاور خاں نے بنوائی تھیں۔

ٹیپو پہلا شخص تھا جس نے مالابار میں سڑکیں بنوائیں۔ اس کے عہد سے پہلے ملک میں آمد و رفت کا واحد ذریعہ کشتیاں تھیں، اور ان سے سامان لانے اور لے جانے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ ٹیپو ہی نے اس علاقے میں پہیہ دار گاڑیاں روشناس کیں۔[72] مالابار کے جوائنٹ کمشنر میجر ڈاؤ کے الفاظ میں "ٹیپو نے سڑکوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا اور بڑی حد تک اسے مکمل کر کے سڑکوں کا ایک جال سا بچھا دیا، جس کی وجہ سے مالابار کے بڑے بڑے مقامات ایک دوسرے سے مل گئے۔ سڑکوں کا سلسلہ انتہائی جنگلی علاقوں تک پھیل گیا۔[73] سلطنت کے دوسرے علاقوں میں بھی ٹیپو نے سڑکیں تعمیر کرائیں۔ سب سے مشہور شاہراہ جو اس کے نام سے وابستہ ہے کاویری کے ناہموار مشرقی کناروں سے ہوتی ہوئی ہسور اور دھرم پوری تعلقوں کے مغربی حصے تک چلی جاتی ہے۔[74] دھرم پوری تعلقہ کے مختلف مقامات کو ملانے والی ایک سڑک بھی اس نے بنوائی تھی، جس کی "شاندار روشوں کے اور اس کی بنیاد کا کام دینے والی سنگ بستہ راہوں کے آثار اب بھی جگہ جگہ مل جاتے ہیں۔"[75] سلطان نے ایک اور اہم سڑک تعمیر کرائی تھی جو کرشناگری کو یودی کوٹا سے ملاتی تھی۔[76] مسافروں کی راحت رسانی کے لیے ٹیپو نے مالابار میں سرائیں بھی بنوائی تھیں، جن کا پہلے کوئی وجود نہ تھا اور ان کے انتظام کے لیے میسور سے ہندو لائے گئے تھے۔[77]

تعمیرِ عامہ کے شعبوں میں ٹیپو کو نہروں کے شعبے سے خاص دلچسپی تھی۔ 1791 میں سرنگاپٹم سے چند میل کے فاصلے پر اس نے ایک بند تعمیر کرایا، جس کے پشتے کی بلندی ستر فٹ تھی۔[78] داروجی کے مقام پر بھی سلطان نے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کرایا تھا، جس کے عظیم الشان پشتے کا طول تقریباً ڈھائی میل اور بلندی، بعض مقامات پر، بیتالیس فٹ ہے۔[79] ایک اور بڑا تالاب، جسے موتی تالاب کہتے ہیں۔ جو ہویا سلاؤں کا بنوایا ہوا تھا، سلطان نے اس کی مرمت کرا کر اس کی شکل ہی بدل دی۔[80] تالاب بنوانے کے لیے وہ اپنی رعایا کی ہمت افزائی بھی کرتا تھا۔ اس مقصد کے لیے انھیں زمین دیتا اور جب تالاب بن کر تیار ہو جاتا تو جاگیر دی جاتی۔ تالاب بنوانے والوں کو انھیں اچھی حالت میں رکھنا بھی پڑتا تھا اور اگر رقوم کی کمی کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر پاتے تو انھیں مالی امداد دی جاتی۔ عاملوں کے پاس بہت بڑا عملہ ہوتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ تالابوں اور نہروں کی وہ مرمت کراتے رہیں۔[81]

ٹیپو کو اس کی انگریز دشمن پالیسی کے لیے، مرہٹوں اور نظام کو اپنانے میں ناکامی کے لیے اور فرانسیسیوں سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کے لیے موردِ الزام گردانا گیا ہے۔ لیکن ان تنقیدوں کا اگر عمیق تجزیہ کیا جائے

تو یہ اعتراضات بے بنیاد ثابت ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹیپو انگریزوں کا مخالف تھا، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اگرچہ ان کے ساتھ امن و آشتی سے رہنا چاہتا تھا، تاہم انھیں اس سے خصومت تھی۔ منگلور کے صلح نامہ کے فوراً ہی بعد انگریزوں نے اس کے خلاف پیشوا سے اور نظام سے ساز باز شروع کر دی۔ مرہٹوں اور نظام نے جب میسور پر حملہ کیا تو معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میکفرسن نے 1786 میں ان لوگوں کو فوجی امداد دینے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ کارنوالس نے بعد میں امداد کی پیش کش اس خوف سے واپس لے لی تھی کہ کمپنی کہیں ٹیپو سے اور فرانسیسیوں سے جنگ میں نہ اُلجھ جائے، کیونکہ کمپنی اس جنگ کے لیے تیار نہیں تھی، تاہم ٹیپو کے ساتھ اس کی روش دوستانہ نہ ہوسکی، بلکہ اس نے نظام کو اور مرہٹوں کو ٹیپو کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور ان معاہدوں کے برعکس جو کمپنی نے حیدر علی اور ٹیپو سے کیے تھے[83]، کارنوالس نے ایک خط میں میسور کو فتح کرنے میں نظام کو کمپنی کی امداد کا یقین دلایا۔[82] ٹیپو کے ساتھ کمپنی کی مخاصمت کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ کمپنی کا باج گزار بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس سے قطع نظر انگریز اپنے عزائم کی تکمیل کی راہ میں اسے سب سے بڑا روڑا سمجھتے تھے، کیونکہ وہی "ہندوستانی حکمرانوں میں بلاشبہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔" انھیں یہ خدشہ بھی تھا کہ اس نے "حکومت میں جس پختگی کے ساتھ نظم و ضبط اور فوج میں ڈسپلن قائم کر لی ہے اس سے دیسی حکمرانوں میں اس کا مرتبہ بلند ہوگیا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ یقیناً روز بہ روز قوی تر ہوتا جائے گا۔"[84] اسی خطرے کے پیش نظر کارنوالس نے اس پر حملہ کیا اور اس کی نصف مملکت سے اسے محروم کر دیا۔ لیکن اس سے بھی انگریز مطمئن نہ ہوئے۔ وہ تو اس کے مکمل خاتمے کے درپے تھے۔ منرو نے 21 ستمبر 1798 کو لکھا تھا کہ " ہماری پہلی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ٹیپو مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ سرنگاپٹم اور بنگلور پر قابض ہو جانے کے بعد جب جنگیں اور ہمسایہ حکومتوں کے انقلابات ہمارا ساتھ دیں گے تو کسٹنا کی طرف بڑھنا دشوار نہ ہوگا۔ اس طرح کے مواقع آتے ہی رہیں گے، کیونکہ ان علاقوں میں کوئی بھی ایسی حکومت نہیں ہے، جسے حکومت کہا جا سکے۔"[85]

نظام اور مرہٹے بھی ٹیپو کے مخالف تھے۔ انھیں اس سے حسد تھا، وہ اس کی اہلیتوں سے خائف تھے اور اپنے ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کر لینے کے لیے بھی وہ مضطرب تھے جن کو حیدر علی نے فتح کیا تھا۔ 1780 میں مرہٹوں نے دریائے کرشنا کے جنوب کے اضلاع پر حیدر علی کے اقتدار کو اگرچہ تسلیم کر لیا تھا، تاہم جلد ہی انھوں نے ان علاقوں کی واپسی کا مطالبہ بھی شروع کر دیا۔ 1782 میں اگر حیدر علی کا انتقال نہ ہوگیا ہوتا تو دیر سویر مرہٹوں نے اس سے جنگ چھیڑ دی ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدر علی کی زندگی ہی میں میسور پر حملے کے لیے انھوں نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا تھا، لیکن اپنے داخلی اختلافات کی وجہ سے وہ حملہ کرنے سے قاصر رہے۔ جب ٹیپو

برسرِ اقتدار آیا تو انھوں نے اس سے اپنے کھوئے ہوئے علاقے کا مطالبہ کیا۔ ٹیپو ان کے ساتھ امن و آشتی سے رہنا چاہتا تھا، بشرطیکہ وہ اس کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کریں اور وہ سلطنت اسی کے قبضے میں رہنے دیں جو اسے اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ لیکن مرہٹوں نے سابقہ معاہدوں کو نظر انداز کرکے میسور پر حملے کے سلسلے میں نرگنڈ کے حکمراں کی امداد کی، جو ٹیپو کا باج گزار تھا۔ مرہٹوں کو دوست بنانے کے لیے ٹیپو نے کٹور اور بادامی کے اضلاع ان کے حوالے کر دیے۔ تاہم 1787 کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1790 میں وہ اس اتحاد میں شریک ہو گئے جو انگریزوں نے ٹیپو کے خلاف قائم کیا تھا۔ لیکن اس نے دوبارہ ان سے دوستی کرنے کی کوشش کی اور اس امر کی طرف انھیں توجہ دلائی کہ وہ نہیں، بلکہ انگریز ان کے حقیقی دشمن ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ انگریز یہاں تجارت کرنے آئے تھے، لیکن مغل حکومت کی شکست و ریخت سے اور ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ اُٹھا کر ایک سلطنت قائم کرنے میں انھیں کامیابی ہوئی ہے اور اب پورے ملک کو فتح کر لینے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس کی یہ تنبیہ صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ ہندوستانی حکمرانوں نے حقیقت حال کی طرف سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی نظریں وقتی فوائد پر اس درجہ مذکور تھیں کہ اپنی پالیسی کے عواقب پر ان کی نظر جا ہی نہ سکی۔ ان کا خیال تھا کہ ٹیپو کے خلاف انگریزوں سے اتحاد کرکے ان کے مقاصد بہتر طریقے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ روش اختیار کرکے وہ خود اپنی بربادی کو دعوت دے رہے تھے۔

اس پس منظر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد ہی اس کے اسباب سمجھ میں آ سکتے ہیں کہ ٹیپو نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنے کی کوشش کیوں کی اور فرانس و ترکی میں اپنی سفارتیں کیوں بھیجی تھیں۔ ٹیپو نے اپنے کو بے یار و مددگار اور دشمنوں کے نرغے میں گھرا دیکھ کر ان فرانسیسیوں کے ساتھ اتحاد کرنے کی کوشش کی، جن سے دوستی کی روایت اسے اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ اسی بنا پر اس نے فرانس متعدد سفارتیں بھیجیں۔ فرانس کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات سے نابلد ہونے کی وجہ سے ٹیپو کو یقین تھا کہ انگریزوں سے رقابت کی وجہ سے فرانس اس کی مدد کرے گا۔ اگرچہ فرانس نے اسے امیدیں دلائیں، لیکن وقت پر اس کی مدد کے لیے وہ کبھی آگے نہیں آیا۔ اس کی کچھ وجہ تو فرانس کی داخلی دشواریاں تھیں اور کچھ وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے باب میں فرانس کی پالیسی دُور اندیشی اور جرأت مندی سے عاری تھی۔ اس نے اپنے سفیر ترکی اس لیے بھیجے کہ وہ ترکی کے سلطان کا تعاون حاصل کریں اور اس سے درخواست کریں کہ وہ انگریزوں سے اس کی صلح صفائی کرا دے۔ لیکن فرانس کی طرح سلطان بھی اپنی داخلی مشغولیتوں اور اپنے یورپی عہد و پیمان کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔ اپنے دشمنوں کے گھیرے کو توڑنے کے لیے ٹیپو نے ایک وقت میں یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے سفیر انگلستان بھیجے جو ان سازشوں کو شاہ انگلستان

کے سامنے بے نقاب کریں، جو کمپنی کے مُلازمین اس کے خلاف کر رہے تھے۔

بہر کیف ٹیپو پہلا ہندوستانی حکمراں نہیں تھا جس نے بیرونی ملکوں سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ حیدر علی نے ایران دو بار سفارتیں بھیجیں، بلکہ اس نے ایک ہزار ایرانی سپاہ بھی حاصل کی تھی[86]۔ رگھوناتھ راؤ پیشوا نے اپنے حریف کے خلاف انگریزی حکومت کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک ایجنٹ انگلستان بھیجا تھا[87]۔ 1786ء میں پونا کی حکومت ایک سفارت جزیرۂ فرانس بھیجنا چاہتی تھی[88]۔ مزید براں ٹیپو نے جتنے مشن بھیجے تھے، وہ سب سیاسی مقاصد ہی کے لیے نہیں تھے۔ ایران، مسقط اور پیگو جو مشن اس نے بھیجے ان کا مقصد اپنے مُلک کی تجارت کو فروغ دینا تھا۔ فرانس اور ترکی جو سفیر بھیجے گئے تھے انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ میسور اور متعلقہ ملکوں کے درمیان تجارتی روابط قائم کریں اور سلطنتِ میسور کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ان مُلکوں سے ماہرین حاصل کریں۔ ترکی جو سفیر بھیجے گئے تھے ان کے سپرد یہ خدمت بھی کی گئی تھی کہ اس کی تخت نشینی کی سلطانِ ترکی سے سند حاصل کریں۔

ٹیپو نے بیرونی ملکوں کو جو سفارتیں بھیجی تھیں، انھیں بعض مقاصد کے حصول میں کامیابی بھی ہوئی۔ خلیج فارس کے ملکوں سے انھوں نے تجارتی روابط قائم کیے اور اس کے لیے جو خطابات وہ لائے انھوں نے اس کی تخت نشینی کو قانونی حیثیت دی۔ میسور میں صنعتوں کو روشناس کرنے کے لیے وہ ماہرین بھی اپنے ساتھ لائے۔ ان کامیابیوں کے دوش بدوش ان مشنوں نے ٹیپو سے انگریزوں کی مخاصمت میں مزید اضافہ بھی کیا اور یہی بالآخر اس کی بربادی کا سبب بن گئی۔ لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انگریز چونکہ ایک مستحکم اور خود مختار میسور کے وجود کو برداشت کرنے پر تیار نہیں تھے، اس لیے دیر یا سویر وہ جنگ کرنے کا کوئی جواز ڈھونڈھ ہی لیتے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ٹیپو نے اگر سفارت جزیرۂ فرانس نہ بھیجی ہوتی تو کچھ دیر کے لیے اسے دم لینے کی مُہلت مل جاتی۔

ٹیپو پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اپنی اس سوار فوج کو اس نے زوال پذیر ہونے دیا جو "مدراس کے لیے دہشت" بن گئی تھی نیز یہ کہ اپنے باپ کے طریقِ جنگ کو اس نے ترک کر دیا تھا۔ یہ اعتراض حق بجانب ہے، لیکن اُس کے زوال کا یہی "خاص سبب" نہیں تھا[89]۔

1780 میں حیدر علی کی سوار فوج کی تعداد چونتیس ہزار اور پیدل فوج کی تعداد پندرہ ہزار تھی[90]۔ لیکن ٹیپو نے 1790 تک اپنی پیدل فوج کی تعداد تو بڑھا کر پچاس ہزار کر دی لیکن سواروں کی تعداد گھٹا کر بیس ہزار[91] کر دی۔ یہ ایک غلط حکمت عملی تھی۔ پیدل فوج کو بہتر بنانا تو صحیح تھا، لیکن سوار فوج کو گھٹانا مناسب نہیں تھا جس نے انگریزوں کے خلاف جنگوں میں حیدر علی کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ یہ محسوس نہیں کر سکا تھا کہ اپنی پیدل فوج کو کبھی بھی اس درجہ بہتر بنانا اس کے لیے ممکن نہ ہو سکے گا، جتنی انگریزوں کی فوج تھی، کیونکہ ان ترقیوں

کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا جو یورپ میں رونما ہو رہی تھیں۔ باایں ہمہ جو تبدیلیاں اس نے کیں ان سے اس کی فوجی قوت میں کمی نہیں آئی، بلکہ اس کے برعکس وہ بیحد مرعوب کن بن گئی۔ اس کی کچھ وجہ تو وہ تبدیلیاں تھیں جو اس نے پیدل فوج اور توپخانے میں روشناس کی تھیں، اور کچھ وجہ یہ تھی کہ سواروں کی تعداد بہت زیادہ کم نہیں کی گئی تھی۔ مزید براں اگرچہ پیدل فوج سے کام لینا اس نے زیادہ کر دیا تھا، تاہم حیدر علی کے طریق جنگ کو خیر باد نہیں کہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی پیدل اور سپاہ دونوں فوجوں نے جو مناسب اور نمایاں کردار ادا کیا تھا اسی کی بدولت اسے مرہٹہ نظام اتحاد پر فتح حاصل ہوئی اور پھر انگریز، نظام و مرہٹہ وفاق کے معاملے میں تقریباً دو سال تک اس نے بہادری کے ساتھ جد و جہد کی۔ مرہٹوں کے خلاف جنگ میں اگرچہ اس کی پیدل فوج اور توپخانے کی برتری ہی نے مرہٹوں کو شکست دی، لیکن دشمن کو پریشان کرنے اور رسد کے راستوں کو روکنے میں اس کے سواروں نے بڑی مدد کی۔ میڈوز کے مقابلے میں بھی اسے جو کامیابی حاصل ہوئی وہ صرف سواروں ہی کی کارکردگی کا نتیجہ تھی۔ لیکن کارنوالس نے مئی 1791 میں جب سرنگاپٹم کی طرف پیش قدمی کی تو میسوری پیدل اور سوار فوجوں کے باہمی ربط نے اسے ارکیری کے آگے بڑھنے نہیں دیا اور پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ مگر جب دوسری بار کارنوالس نے چڑھائی کی تو ٹیپو اپنے سواروں سے مناسب طور پر کام نہ لے سکا۔ لیکن اس کی لاتعداد پیدل فوج نے اس شدت سے مزاحمت کی کہ گورنر جنرل صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جنگ میں ٹیپو کی شکست کا اصل سبب یہ تھا کہ مرہٹے اور نظام انگریزوں کی مدد کر رہے تھے۔[92]

معاہدۂ سرنگاپٹم نے ٹیپو کو اس کی نصف مملکت سے محروم کر دیا اور اسے اپنی فوج میں تخفیف کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن اس سے غلطی یہ ہوئی کہ پیدل فوج کے ساتھ ساتھ سواروں کی تعداد بھی اس نے کم کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نظام اور مرہٹوں کی متحدہ فوج کو شکست دینے کی صلاحیت تو اس میں اب بھی باقی رہی،[93] لیکن انگریزوں کا مقابلہ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا۔ اس کی پیدل فوج 'جو تعداد اور اسلحہ کے اعتبار سے انگریزوں سے کم نہیں تھی'،[94] اسے کم کر دینے کے بعد اسے اپنی سوار فوج کو بہتر بنانا چاہیے تھا، جو آرتھر ولزلی کے الفاظ میں "دنیا میں بہترین قسم کی تھی۔"[95]

دوسری غلطی اس نے یہ کی کہ جو بھی سوار فوج اس کے پاس تھی، اس سے پورا پورا فائدہ وہ اٹھا نہ سکا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ "برطانیہ کے مقابلے میں اس کا حقیقی مفاد حرکت کی صلاحیت میں ہے۔" اس نے بارہ محال کو تباہ کرنے کے کام میں اپنے سواروں سے کام نہیں لیا جس کے نتیجہ میں انگریزوں کے لیے رسد رسانی دشوار ہو جاتی۔ چارے کے سامان کو برباد کر کے اور انگریزی فوج کو ہراساں کر کے ہیرس کی پیش قدمی کو روکنے

کے لیے اس نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ فارسٹ کے الفاظ میں وہ صرف " دیواروں اور خندقوں " کی جنگ لڑتا رہا۔ قلعہ سرنگا پٹم کے دفاع میں بہت زیادہ توجہ اس نے اس امید پر دی کہ طویل عرصے تک وہ انگریزوں کا مقابلہ کر سکے گا اور بالآخر رسد کی کمی سے اور بارش کا موسم شروع ہونے کے بعد جب دریائے کاویری میں طغیانی ہوگی تو فوجی اقدام انگریزوں کے لیے ممکن نہ ہوگا، اور پھر وہ محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ٹیپو نے اگرچہ یہ تمام غلطیاں کیں، تاہم یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی شکست کی راہیں اس کے افسروں نے ہموار کی تھیں۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان افسروں نے انگریزوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا، اور بالآخر قلعہ سرنگا پٹم کو اطاعت قبول کر لینی پڑی۔ اگر یہ روش انھوں نے اختیار نہ کی ہوتی تو مقابلہ زیادہ شدید تر اور طویل تر ہوتا۔ اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ٹیپو نے اگر حیدر علی کی فوجی تنظیم کو اور اس کے طریق جنگ کو خیرباد نہ کہا ہوتا تو اسے شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ وہ اسے نظرانداز کرتے ہیں کہ 1790 اور 1799 کے حالات 1767 اور 1780 کے حالات سے یکسر مختلف تھے اور حیدر علی کو ان نامساعد حالات میں جنگیں نہیں کرنی پڑی تھیں جو ٹیپو کو درپیش تھے۔ ایک تو حیدر علی انگریزوں کے ساتھ جنگوں میں کبھی یکا و تنہا نہیں رہا۔ دوسرے یہ کہ اسے کسی اتحاد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پہلی اینگلو میسور جنگ میں حیدر علی کو نظام کی حمایت حاصل تھی۔ دوسری اینگلو میسور جنگ میں فرانسیسی اس کے حلیف تھے اور دوسری آسانی یہ تھی کہ ایک طرف نظام غیر جانبدار رہا اور دوسری طرف مرہٹے بھی انگریزوں سے برسرپیکار تھے۔ اس کے برعکس ٹیپو کو اینگلو، مرہٹہ، نظام اتحاد کا اور اینگلو نظام اتحاد کا تنہا مقابلہ کرنا پڑا۔ دوسرے یہ کہ حیدر علی سے جنگوں کے وقت انگریزوں کے پاس سوار فوج نہیں تھی۔ لیکن تیسری اینگلو میسور جنگ کے وقت نظام نے اور مرہٹوں نے انگریزوں کو سوار فوج مہیا کر دی تھی۔ اور آخری اینگلو میسور جنگ کے وقت خود انگریزوں نے بھی اپنی سوار فوج تیار کر لی تھی، جس نے ٹیپو کے سواروں کو غیر موثر بنا دیا تھا۔[96] کارنوالس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میسور کے سبک یورش سوار " نیزوں کی جنگ میں انتہائی فوقیت رکھتے ہیں " اور یہ کہ " ایسے حریف کا مقابلہ تباہی کو دعوت دینا ہے۔" چنانچہ کمان سنبھالتے ہی اس نے مقابلے کے لیے " ارتکاز کو بنیادی نکتہ " قرار دیا۔[97] اس حکمت عملی نے جسے آگے چل کر ہیرس نے بھی اختیار کیا، میسوری سوار فوج کی کارکردگی کو حیدر علی کے سواروں کی کارکردگی کے مقابلے میں کہیں زیادہ کم کر دیا۔ مزید براں حیدر علی اور کمپنی کی فوجوں کا تناسب چار اور ایک کا تھا۔[98] لیکن تیسری اینگلو میسور جنگ میں ٹیپو کی اور کمپنی کی فوجوں کا تناسب دو اور ایک کا تھا۔ معاہدۂ سرنگا پٹم نے ٹیپو کی قوت میں کمی اور کمپنی کی قوت میں اضافہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چوتھی اینگلو میسور جنگ میں ٹیپو کی فوج کی تعداد کم اور انگریزوں کی بہت زیادہ تھی اور وہ بہتر طور پر مسلح بھی تھی۔ آخر

اینگلو میسور جنگ میں انگریزی سپاہ کی تعداد، اسلحہ، وسائل اور حکمت عملی کی برتری کی وجہ ٹیپو کے اقدامات میں، اسٹورٹ کے مقابلے کے لیے بڑھنے کے علاوہ، اس جوش اور چابکدستی کی کمی تھی جو سابقہ معرکوں میں اس کا طرۂ امتیاز رہی تھی۔

ان باتوں کے علاوہ، دوسری اہم بات جو تیسری اور چوتھی اینگلو میسور جنگ پر فیصلہ کن حد تک اثر انداز ہوئی، وہ کمپنی کی تنظیم میں تبدیلی تھی۔ 1784 تک یہ بہت کمزور تھی۔ پٹ کے انڈیا ایکٹ نے اور تکملے کے ایکٹوں نے بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ پہلے گورنر جنرل کونسل کے رحم وکرم پر تھا، اب اسے اقتدار اعلا کے اختیارات حاصل ہوگئے۔ سابق میں سول اور فوجی عمال کے اختلافات جنگوں کی رفتار پر اثرانداز ہوتے تھے لیکن گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کے اختیارات کے ایک ہی ذات میں مرکوز ہو جانے کے بعد ان اختلافات کا سدباب ہوگیا۔ مزید براں، سابق میں بمبئی اور مدراس کے ارباب اختیار نے خارجہ تعلقات کے باب میں گورنر جنرل کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی، لیکن اب ماتحت حکومتوں پر اسے مکمل اختیارات دیدیے گئے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ کارنوالس اور ولزلی دونوں ٹیپو کے خلاف اس سے کہیں زیادہ موثر طور پر جنگ جاری رکھ سکے، جو ہیسٹنگز حیدر علی کے خلاف کر سکا تھا۔

پٹ کے انڈیا ایکٹ نے ایک اور تبدیلی روشناس کی۔ 1784 تک انگلستان کی حکومت نے صرف کبھی کبھی کمپنی کے معاملات میں مداخلت کی تھی، لیکن اب اُسے کلّی اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔ یہ اقدام اس لیے اور بھی ضروری ہوگیا تھا کہ امریکی نو آبادیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی تلافی کے لیے کمپنی کو اب قومی پالیسی کے آلۂ کار کا کردار ادا کرنا تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ حیدر علی نے صرف انگریز کمپنی ہی کا مقابلہ کیا تھا، لیکن ٹیپو کو "ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کا متفقہ مقابلہ کرنا پڑا، اور جنگ کے لیے دونوں کے وسائل یکجا کر دیے گئے تھے"[99]۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ٹیپو ایک ایسی قوم کا مقابلہ کر رہا تھا جو منظم و متحد تھی، جس میں خود اعتمادی تھی اور جس کی رہنمائی متوسط طبقے کے ہاتھ میں تھی۔ وہ فنی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ اور وسائل سے مالا مال تھی۔ اس کے برعکس ہندوستان جاگیردارانہ، ذات پات زدہ، شکستہ ہمت، اتحاد نا آشنا اور قومی محسوسات سے بیگانہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پیش نظر کوئی مشترکہ مقصد بھی نہیں تھا۔

ان تمام خامیوں کے باوجود نظام اور مرہٹوں نے اگر ٹیپو کا ساتھ دیا ہوتا تو انگریزوں کو شکست دینے میں اسے کامیابی ہوئی ہوتی لیکن انھوں نے نہ صرف اس کے ساتھ اتحاد کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ اس کے دشمن کے ساتھ ہوگئے۔ چنانچہ انھوں نے کارنوالس کو مدد دی۔ اسی کی بدولت وہ ٹیپو کو شکست دے سکا۔ یہ بڑی فیصلہ کن شکست تھی کیونکہ اس نے ٹیپو کو معذور کر دیا اور بالآخر ولزلی نے اس کا قطعی خاتمہ کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ 1799 میں

مرہٹوں نے انگریزوں کو مدد نہیں دی، لیکن انھوں نے ٹیپو کے ساتھ اتحاد عمل بھی نہیں کیا۔ مرہٹوں کی غیر جانبداری سلطان کے لیے 1790 میں مفید ہو سکتی تھی، لیکن اس وقت اسے سب سے زیادہ ضرورت تھی ان کی فوجی امداد کی۔ فرانسیسی بھی 1790 کی طرح اس موقع پر بھی اس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے برخلاف انگریزوں کی مدد نظام نے کی۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی ٹیپو کو یکا و تنہا دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پھر جبکہ اس کی فوج اور اس کے وسائل محدود ہو چکے تھے، انگریزوں کے پاس پہلے سے زیادہ بڑی اور بہتر مسلح فوج تھی اور وہ پہلے سے وسیع تر وسائل کے مالک تھے۔ ان حالات میں اس کی شکست ناگزیر تھی اور اس جگہ پر اگر حیدر علی ہوتا تو اسے بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ ٹیپو اپنے کو بچا سکتا تھا، اگر اس نے انگریزی کمپنی کا باجگزار بننا قبول کر لیا ہوتا۔ لیکن وہ اس درجہ آزادی پسند، غیور، باصلاحیت اور سرگرم تھا کہ اس حیثیت کو قبول کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اپنی سلطنت اور اپنی جان دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور اس کے ساتھ ہی اس کے خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

(باب 22 کے حاشیے)

1. Thompson and Garratt, Rise and Fulfilment of British Rule in India, p. 206
2. Moor, p. 193
3. P.A. MS. No. 1337, The letter is addressed to the Minister of Marine and Colonies, 1790
4. Mly. Cons., Dec. 14, 1782, vol. 84 A, p. 3901, Minute of the Committee
5. Ibid., Feb. 11, 1783, vol. 86 A, p. 608, President's Minute
6. Scotish Record office, iv/33/9 - 1792
7. A Letter to a Member of Parliament, p. 10
8. Rennell, Memoirs, p. C xxxix
9. Mill, vi, p. 105
10. Beatson, p. 152
11. کرمانی، ص 398 Beatson, p. 153, Wilks, ii, p. 761
12. کرمانی، ص 398
13. ایضاً:
14. A.N., C^2 172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, f 207 a. کرمانی، ص 398
15. انڈیا آفس کے ایک مخطوطے کے مطابق ورزش کرنے کے بعد ٹیپو بہت ہلکا ناشتہ کرتا جس میں زنجبیل کا مغز بھی ہوتا تھا۔ (I.O. MSS, Eur, C. 10, p. 205)
16. I.O. MSS, Eur, C. 10, p. 205
17. Ibid., p. 206; see also Beatson, p. 159
18. I.O. MSS, Eur, C. 10, p. 208, Beatson, pp. 159-60
19. I.O. MSS, Eur, C. 10, p. 207
20. Ibid., pp. 209-10

21. Ibid., pp. 212, 215–16

22. Ibid., p. 221

23. Beatson, pp. 160–61

24. کرمانی، ص 155.

25. ایضاً، ص 78–377. مائلزم نے کرمانی کی تاریخ کا جو ترجمہ کیا ہے اس کے مطابق ان کے بطن سے بیٹی پیدا ہوئی تھی۔

26. M.R., Mly. Cons.Sept.4, 1799, A. Wellesley to Mornington Aug. 19, vol. 257 b. p. 5868; I.O., Home Misc. No. 461, Marriott to Webbe, July 2, 1800, p. 172

27. Ibid., p. 173

28. M.R., Mly. Cons., Dec. 19, 1799, Dowton to Col. Wilks, Nov. 13, 1799, vol. 261a, p. 7513

29. M.R., Mly. Cons. Sept. 4, 1799, p. 5868

میریوٹ کے بیان کے مطابق محل میں بہت سی لونڈیاں تھیں جو قسطنطنیہ اور جارجیا سے خرید کر لائی گئی تھیں۔

(I.O., Home Misc., No. 416, Marriott to Webbe, July 2, 1800, p. 170)

30. Ibid., p. 176

31. کرمانی، ص 395.

M.R., Mly. Cons., Sept. 4, 1799, vol. 257 b, p. 5868;

32. کرمانی، ص 395

33. M.R., Mly. Cons., Sept. 4, 1799, vol. 257 b, p. 5868

34. I.O., Home Misc., 508, pp. 280–82, Marriott to the Vellore Mutiny Commission of Enquiry, Aug. 8, 1806; Ibid., No. 461, f 280 b, Marriott to Webbe, June 2, 1800.

35. یرغمالی شاہزادوں نے کارنوالس اور دوسرے انگریزوں پر جو اثرات چھوڑے تھے اس کے لیے دیکھیے کتاب کا صفحہ 256.

36. دیکھیے کتاب کا صفحہ 57.

37. دیکھیے کتاب کا صفحہ 328.

38. قمرالدین خاں اور بُرہان الدین کو جو خطوط اس نے لکھے تھے وہ کرک پیٹرک کی کتاب میں موجود ہیں۔

39. اور بہت سے خطوط ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ٹیپو کو اپنے افسروں اور کلرکوں کی صحت کی فکر رہتی تھی۔ اور ان کی بیماریوں کے لیے نسخے تجویز کرتا تھا۔ (Kirkpatrick, No. 115)

40. Beatson, p. 153; Wilks, ii, p. 761

41. Milfred Archer, Tipus Tigers, pp. 6-7

42. Kirkpatrick, No. 101

43. Baramahal Records, Section 4, p. 98

44. Dirom, p. 249

45. Wilks, ii, p. 762

46. Moor, p. 197

47. Mackenzie, ii, p. 72

48. Moor, p. 202

49. I.O. MSS. Eur. C. 10, p. 205, Cossigny to Minister of Marine, June 20, 1786, f. 203a; also Bib. Nation. MS., Francaise, Nouvelle Acquisition, No. 9368, de Morlat to Suffren, Feb. 1783, ff. 469b-470b.

50. ٹیپو کے کردار کے اس پہلو کے لیے دیکھیے Moor. p.193 نیز A.N., $C^2$172, Monneron to Cossigny, Sept. 14, 1786, f. 208a

51. Dirom; p. 249

52. I.O. MSS. Eur. f. 76. It is neither paged nor foloid.

53. Malcolm, History of India, ii, Appendix ii, pp. ix-ixi

54. Owen, Wellington's Despatches, p. xxvi

55. Roberts, India Under Wellesley, p. 60

56. Thompeon and Garratt, Rise and Fulfilment of British Rule in India, p. 206

57. ٹیپو نے اپنی رعایا سے کہا تھا کہ جو لوگ شادی کرنے کے خواہاں ہیں، لیکن مالی دشواریوں کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے، انھیں شادی کے اخراجات، ان کی ذات پات کے قاعدوں کے مطابق، وہ خود ادا کرے گا۔ لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا تھا۔ (I.O. Mack. MSS. No. 46, p. 122).

58. پانڈیچری کے گورنر کوگنی سے ٹیپو نے درخواست کی تھی کہ اس کے لیے ایک ٹیلسکوپ تھرمامیٹر اور بادپیما مہیا کیا جائے۔
(A.N. C^2 236, Cossigny to Minister of Marine, May 4, 1786, No. 35)

59. A.N., C^2 189, de la Luzerne to Conway, Oct. 12, 1788, f. 360 a; also Ibid., Minute of the letter to Ruffin, the French Gouernments interpreter of Oriental language, f. 361 a

60. Beatson, p. 155

61. Hikmet Bayur, Mysor Sultane aali Osmani Padishah Larindan 1. Abdul hamaid VE III. Selim Arasindaki Mektuplasma, Letter No. 4; also Hukm-namah, R.A.S.B. MSS No. 1677; and Waqai, p. 48

62. I.O. MSS. Eur. C. 10, p. 206
سقوطِ سرنگاپٹم سے قبل 4 مئی 1799 کی صبح کو اس نے جو مذہبی رسمیں ادا کیں ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب کا صفحہ 315
Michaud, i, p. 83.

63. اس ماخذ کے مطابق ٹیپو متعدد یورپی زبانوں میں بھی گفت گو کر سکتا تھا۔

64. Islamic Culture, xiv, No. 2, p. 151

65. Ibid., p. 152

66. Stewart, A Descriptive Catalogue of Tipoo's Oriental Library, p. v.

ایک ماخذ کے مطابق 1889 مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور فورٹ ولیم کالج کو دیے گئے تھے۔
(W.P., B.M. 26583).

.67 Islamic Culture, xiv, No. 2, p. 158.
ٹیپو کے حکم کے مطابق 'جلوہ نامہ' کے نام سے ایک اور کتاب مرتب کی گئی تھی جس میں شادی بیاہ کے موقع پر
گانے جانے والے گیت یکجا کیے گئے تھے۔ (Ibid., p. 105).

.68 Beatson, p. 154 footnote.

.69 Rees, The Duke of of Clarence in South India, p. 81

.70 Buchanan, i, p. 69

.71 Mackanzie, ii, p. 46

.72 Gazet. of the Malabar and Anjengo Dist., i, p. 268,
Buchanan, ii, p. 434.

.73 Gazet. of Malaber and Anjengo Dist., i, p. 268;
اینس نے ٹیپو کی بنوائی ہوئی سڑکوں کی تفصیل بھی قلمبند کی ہے۔ (Ibid. pp. 268–69)

.74 Gazet. Salem D 1st. volume i, part i, p. 194

.75 Ibid., vol. i, part ii, p. 191

.76 Ibid., vol. i, part i, p. 194

.77 Buchanan, ii, pp. 413, 427

.78 Epigraphica Carnatica, iii, Sr. 17

.79 Bellary Dist. Gazet., p. 258
1851 کے سیلاب میں یہ تالاب یکسر برباد ہو گیا تھا۔ 1853 میں ضلع کے کلکٹر نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔

.80 M.A.R., 1939, p. 28

.81 Baramahal Records, Section 1, p. 180; Crisp, Mysore
Revenue Regulations, p. 20

.82 دیکھیے کتاب کا دسواں باب۔

.83 Rennell, Memoirs, p. Cxxxix

84. I.O. Mack. MSS., No. 46, p. 137
85. Gleig, Munro, i, p. 203
86. دیکھیے کتاب کا صفو ، حاشیہ
87. دیکھیے کتاب کا صفو ، حاشیہ
88. A.N., $C^2$127, Cossigny to Minister, Jan. 20, 1786, f. 142a
89. Fortescue, iv, part ii, p. 745
90. Wilks, i, p. 812 footnote
91. دیکھیے کتاب کا صفو

ساؤلک کے بیان کے مطابق ٹیپو نے سوار فوج کی تعداد تیس ہزار سے گھٹا کر چودہ یا پندرہ ہزار کر دی تھی۔
(A.N., $C^2$169, from de Souillac, Sept. 15, 1785, No. 15, f. 48 b).

92. سولھویں باب کے آخری حصّے میں اس پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔
93. Ross, Cornwallis, ii, p. 171; 17. R., Mly. Sundry Book, vol. 101, p. 109.
94. انگریزی فوج کی تعداد، بشمول حیدرآبادی امدادی سپاہ، بیالیس ہزار تھی، اور انھیں مزید کمک پریسیڈنسیوں سے مل سکتی تھی، لیکن ٹیپو کے پاس جنگ میں حصّہ لینے والی سپاہ کی تعداد اُنتیس ہزار تھی۔
(Gleig, Munro, i, p. 215)
95. Owen, Wellington's Despatches, p. 62.
96. اس جنگ میں انگریزوں کے پاس 4,400 سوار تھے، ان کے علاوہ نظام نے بھی 9621 سوار فراہم کیے تھے
97. Fortescue, iii, p. 609.
98. Sinha, Haider Ali, p. 260 (1949)
99. Mill, v, 326

ضمیمے

ضمیمہ الف

ٹیپو اور پرتگالی

ہندوستان میں جو پرتگالی تھے حیدر علی نے ان سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کی نیز انگریزوں اور مرہٹوں کے خلاف ان کی فوجی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انھوں نے اس کی سلسلہ جنبانی کو نظر انداز ہی نہیں کیا، بلکہ 1768 میں منگلور کو فتح کرنے میں انگریزوں کو مدد دی اور سداسیوگڑھ پر قبضہ کرنے کی بھی انھوں نے کوشش کی جو حیدر علی کا مقبوضہ تھا۔[1] بایں ہمہ منگلور کے ساتھ پرتگالیوں کی جو تجارت تھی، اس میں اس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ لیکن 1776 میں جب انھوں نے اس کے ساتھ اس بنا پر ایک جارحانہ معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا کہ یورپ میں انگریزوں کے ساتھ ان کے نہایت خوشگوار تعلقات ہیں تو اس نے وہ تمام تجارتی مراعات ختم کر دیں، جو انھیں اس کی مملکت میں حاصل رہی تھیں۔[2]

حیدر علی کی وفات پر پرتگالی وائسرائے نے ٹیپو کو تعزیتی خط لکھا اور اس کی تخت نشینی کی تہنیت پیش کرتے ہوئے یہ درخواست بھی کی کہ میسور میں جو تجارتی مراعات پرتگالیوں کو حاصل تھیں۔ اور جنھیں اس کے باپ نے منسوخ کر دیا تھا، بحال کر دی جائیں۔[3] لیکن دریں اثنا میتھوز نے مغربی ساحل پر جب حملہ کیا تو ٹیپو کی رومن کیتھلک رعایا نے میتھوز کو مالی و فوجی امداد دی اور منگلور اور دوسرے مقامات کو فتح کرنے میں بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔[4] پھر جب ٹیپو نے منگلور کا محاصرہ کیا تو اس وقت بھی انھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ گوا کے لاٹ پادری کو چونکہ رومن کیتھلکوں پر کلیسائی اقتدار حاصل تھا، اس لیے ٹیپو کو یقین تھا کہ گوا کی حکومت ہی کی مرضی سے انھوں نے انگریزوں کو امداد دی ہے۔ چنانچہ اس نے پرتگالیوں کو سزائیں دیں اور اپنی قلمرو میں ان کی تجارتی مراعات بحال کرنے سے انکار کر دیا۔[5]

ان تمام باتوں کے باوجود گوا کے وائسرائے سے ٹیپو کی دوستانہ مراسلت جاری رہی۔ اسی کی درخواست

پر سلطان نے ان پادریوں اور کچھ عیسائیوں کو بھی رہا کر دیا جو غداری کے مرتکب ہوئے تھے، اور منگلور سے چاول کے علاوہ، جس کی خود ٹیپو کو اپنی فوج کے لیے ضرورت تھی، باقی تمام اشیا کی تجارت کی پرتگالیوں کو اجازت دیدی[6]
اپنے باپ ہی کی طرح ٹیپو بھی اپنے حریف کے مقابلے کے لیے پرتگالیوں سے اتحاد کرنے کا خواہاں تھا، اور اس کے معاوضے میں اپنی مملکت میں وہ تمام مراعات بحال کرنے کے لیے بھی تیار تھا جو سابق میں انھیں حاصل رہی تھیں۔ مگر انگریزوں سے دوستی کی بنا پر انھوں نے ٹیپو کا حلیف بننا پسند نہ کیا۔ انھوں نے سداسیوہ گڑھ پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کی۔ وہ ایک ایسی قوت کا ساتھ دینے سے جھجک رہے تھے جس سے گوا کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب مرہٹوں نے ٹیپو کے خلاف ایک جارحانہ دفاعی معاہدے کی تجویز پرتگالیوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ تجویز قبول کرلی۔ اس مجوزہ معاہدے کی خاص دفعات، پرتگالیوں کی مجوزہ ترمیموں کے ساتھ ساتھ، ذیل میں درج کی جاتی ہیں[7]:

1. پیشوا کا خیال ہے کہ ٹیپو کو تباہ کر دیا جائے۔ اس کام میں پرتگالیوں کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے گا، ٹیپو سے صلح نہیں کی جائے گی، لیکن اگر کوئی صورت باقی نہ رہی اور جنگ ختم کرنی ہی پڑی تو پرتگالی یہ متصور نہ کریں گے کہ مرہٹوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔
پرتگالی پیشوا کے حلیف بننے کے لیے تیار ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)
2. مرہٹے جب جنوب کی سمت سے ٹیپو کی مملکت پر حملہ کریں گے تو پرتگالی ساحلی علاقوں میں اس کے خلاف فوجی کارروائی کریں گے۔
پرتگالی اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)
3. جنگ کے خاتمے پر پیشوا وہ تمام رقم پرتگالیوں کو ادا کرے گا جو اس سلسلے میں وہ صرف کریں گے۔ اس کے معاوضے میں پرتگالی تمام مفتوحہ علاقہ مرہٹوں کے حوالے کر دیں گے۔
پرتگالی کوئی رقم لینا پسند نہ کریں گے۔ بلکہ وہ سنڈا کو اپنے قبضے میں رکھنے کو، نیز دوسرے علاقوں کو جو مرہٹے انھیں دینا چاہیں گے، اپنے تصرف میں رکھنے کو ترجیح دیں گے۔ (پرتگالی ترمیم)
4. صلح کے وقت پیشوا کو اگر ٹیپو سے تاوانِ جنگ کی رقم ملی تو پرتگالیوں کو اخراجاتِ جنگ ادا کیے جائیں گے اور ٹیپو پر زور دیا جائے گا کہ پرتگالیوں کے مفتوحہ علاقے کا کچھ حصہ ان کے قبضے میں وہ رہنے دے۔
اگر پیشوا کو تاوانِ جنگ ملتا ہے اور اس کے معاوضے میں مقبوضہ علاقے اسے ٹیپو کو واپس کرنے پڑتے ہیں، تو پرتگالی بھی یہی کریں گے۔ لیکن ٹیپو سے وصول ہونے والی رقم کا ایک حصہ انھیں بھی دیا جائے گا۔ (پرتگالی ترمیم)

5. اگر پیشوا کو ٹیپو سے کوئی رقم نہ ملی تو پرتگالی اخراجاتِ جنگ کی ادائگی کا مطالبہ نہ کریں گے۔
پرتگالی اس شرط کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مفتوحہ علاقے کو واپس نہ کریں گے، بشرطیکہ پیشوا نے اس قربانی کا ان سے مطالبہ نہ کیا۔ (پرتگالی ترمیم)
6. صلح کے معاہدے کے بعد ٹیپو نے اگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پرتگالیوں پر حملہ کیا تو پیشوا ان کی مدد کرے گا۔
پرتگالی اس کو قبول کرتے ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)
7. مرہٹے جن علاقوں کا الحاق کرلیں گے، ان میں پرتگالیوں کو وہ تمام مراعات پیشوا دے گا، جو سابق میں انھیں حاصل تھیں۔
پرتگالی اسے قبول کرتے ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)
8. پرتگالی قلمرو میں نہ تو ہندوؤں کو عیسائی بنایا جائے گا اور نہ وہاں گاؤکشی ہوگی اور نہ مندروں کو منہدم کیا جائیگا۔ اس کے معاوضے میں پیشوا وعدہ کرتا ہے کہ اپنے مسلمان سپاہیوں کو وہ ہدایت کرے گا کہ عیسائیوں کو وہ مسلمان نہ بنائیں۔
پرتگالی نہ تو برہمنوں اور مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کریں گے، اور نہ گاؤکشی کریں گے، سوا اس حالت کے کہ گائیں عیسائیوں کی مملوکہ ہوں۔ (پرتگالی ترمیم)
9. میسوری اور مرہٹہ بحریہ میں تصادم اگر ہوا تو پرتگالی مرہٹوں کا ساتھ دیں گے۔
پرتگالی اسے قبول کرتے ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)
10. ٹیپو کے علاقے پر قبضہ کرنے اور اسے سزا دینے کے بعد سداسیوا گڑھ کا قلعہ نیز زمیم اور اس کی ملحقہ اراضی پرتگالیوں کے قبضے میں دیدی جائے گی۔
پرتگالی اسے قبول کرتے ہیں۔ (پرتگالی ترمیم)

اس معاہدے کی اگرچہ کبھی بھی توثیق نہ ہوسکی اور پرتگالیوں نے پیشوا کو کسی قسم کی فوجی امداد بھی نہیں دی۔ تاہم پرتگالیوں کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات کشیدہ رہے۔ تیسری اینگلو میسور جنگ شروع ہوئی تو پرتگالیوں نے یہ سوچ کر کہ یہ جنگ ٹیپو کا خاتمہ کردے گی، 30 جون 1791 کو قلعہ سداسیوا گڑھ پر قبضہ کرلیا[8] لیکن انھیں مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ ٹیپو کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ انگریزوں سے صلح ہوجانے کے بعد ٹیپو نے قلعہ سداسیوا گڑھ کے انخلا کا مطالبہ کیا۔ گوا کے پرتگالی اربابِ اختیار نے یہ محسوس کیا کہ انھوں نے ٹیپو کے مطالبے کو رد کردیا تو اس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں رونما ہوسکتا ہے، جو گراں خرچ ہونے کے علاوہ

تباہ کن بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ ٹیپو منگلور سے چاول کی برآمد کو روک کر گوا کو بھوکا مار سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس شرط کے ساتھ قلعہ واپس کر دیا کہ پُرتگالیوں کو مملکت میسور سے تجارت کرنے کی اجازت ہوگی۔[9] قبضہ مل جانے کے بعد ٹیپو نے اپنے تمام افسروں کو ہدایت کی کہ میسور کی تمام بندرگاہیں پُرتگالی تاجروں کے لیے کھول دی جائیں اور رعایتی قیمت پر منگلور سے چاول برآمد کرنے دیا جائے۔[10] اس کے معاوضے میں ٹیپو یہ چاہتا تھا کہ گوا میں اسے ایک تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن پُرتگالی اس خوف سے اس کے لیے تیار نہیں ہو سکے کہ انگریز اس سے ناراض ہوں گے۔[11] مگر ان تمام باتوں کے باوجود پُرتگالیوں سے ٹیپو کے تعلقات خوش گوار رہے۔

(ضمیمہ الف کے حاشیے)

1. سداسیواگڑھ شمالی کنارہ ضلع کے کاروار تعلقہ کا ایک گاؤں ہے، جو مغربی ساحل پر کاروار سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مقام پر چونکہ ایک مسلمان پیر کا مزار ہے، اسی مناسبت سے پرتگالی اسے 'پیرو' کہتے ہیں۔

2. Sinha, Haider Ali, pp. 156-59

3. Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, Nos. 77, 78.

4. دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ 164-66

5. Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 72

6. Ibid., Nos. 79, 81

7. Ibid., No. 90

8. Ibid., No. 101

9. Ibid., Nos. 102-04; I.O., Portug. Records, Conselho Ultramarinho, vol. 3, part-2, Bundle 68, No. 35, Francisco da Cunha e Meneses to Martinho de Mello e Castro, March 10, 1793, pp. 720-23

10. Pissurlencar, Antigualhas, fasc. ii, No. 109; I.O., Portug. Records, Conselho Ultramarinho, vol. 3, part 3, Bundle 68, No. 35, Francisco de Cunha e Meneses to de Mello e Castro, March, 10, 1793, pp. 723 seq.

11. Ibid.

ضمیمہ ب

ٹیپو اور انگریز جنگی قیدی

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ انگریز جنگی قیدیوں کے ساتھ ٹیپو کا سلوک سخت ہی نہیں بلکہ جابرانہ تھا۔ تھامسن اور گیریٹ نے لکھا ہے کہ "وہ اپنے خطوط میں قلعوں کا محاصرہ کرنے والے کمانڈروں کو یہ ہدایت دیا کرتا تھا کہ پہلے پناہ دینے کی پیش کش کی جائے اور جب وہ قبول کر لی جائے تو سب کو، بلا تفریق جنس تہ تیغ کر دیا جائے۔ قیدیوں کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ جب جنگ شروع ہوتی تو، ابتدائی انتظام کے طور پر، بچ رہنے والے قیدیوں کو بھی قتل کر دیا جاتا[1]" براؤننگ کے بیان کے مطابق، صلح نامہ منگلور کے بعد، "قید کی مصیبتیں برداشت کرنے والوں کی اکثریت، شدائد کی تاب نہ لاکر یا تو جاں بحق ہو گئی یا پھر ٹیپو کے جلادوں نے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا[2]"

یہ تمام نتائج جو اخذ کیے گئے ہیں، متعصبانہ اور یک طرفہ ہیں۔ ٹیپو نے شہزادگی اور حکمرانی کے زمانوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا، سوا ان حالتوں کے جب خود قیدیوں نے اپنی شدید حرکتوں سے سختی برتے جانے کی دعوت دی۔ 1780 میں بیلی کے تحت لڑی جانے والی انگریزی فوجوں کو حیدر علی نے جب شکست دی تو "متعدد افسر ٹیپو کے سامنے پیش کیے گئے۔ ٹیپو بڑی انسانیت سے ان کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے انھیں اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی، انھیں بسکٹ پیش کیے اور پانچ پگوڈا فی کس دیے۔ ایک صاحب، کیپٹن مانٹیتھ نے، جو شادی شدہ تھے، اپنی بیوی کے پاس مدراس خط بھیجنے کی اجازت چاہی تو ان کی یہ خواہش بخوشی منظور کر لی گئی[3]" اسی طرح 18 فروری 1782 کو جب برتھ ویٹ کے دستے کے کچھ افسر ٹیپو کے ہاتھ آئے تو "ان کی ضروریات کی طرف اس نے ہر ممکن توجہ دی۔ اس نے صرف کپڑے اور روپے ہی انھیں نہیں دیے بلکہ اپنے قلعداروں کو سختی سے تاکید کی کہ کانجی ورم تک ان کی کوچ کے دوران، جہاں اس وقت حیدر علی کی

فوج کا پڑاؤ تھا، ان کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔[4]"

ٹیپو کے حکمراں بن جانے کے بعد بھی جنگی قیدیوں کے باب میں اس کی روش میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی۔ خود ایک قیدی نے اس کی تصدیق کی ہے کہ "جو لوگ بنگلور میں قید تھے انھیں اپنی ضروریات کی چیزیں خریدنے ہی کی صرف اجازت نہ تھی، بلکہ اپنی گرفتاری کے آخری زمانے میں تو اس کی بھی اجازت تھی کہ مختلف نظر بند کیمپ جا جا کر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کریں۔[5]" سید ابراہیم جو بنگلور میں ٹیپو کا کمانڈنٹ اور قیدیوں کا نگراں تھا، قیدیوں کے ساتھ اس کا سلوک اتنا اچھا تھا کہ مدراس کے گورنر لارڈ کلائو نے سید ابراہیم کے انتقال کے بعد، اس کی قبر پر یادگار کے طور پر مقبرہ تعمیر کیے جانے کا حکم دیا۔[6] قمر الدین خاں بھی قیدیوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔[7] کیپٹن ناش اور لیفٹننٹ شالمرس، جو 1791 میں کوئمبٹور میں گرفتار ہوئے تھے، ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا گیا تھا کہ انھیں کسی قسم کی شکایت نہیں تھی اور وہ خوش و خرم اور صحت مند نظر آتے تھے۔[8]

ان تمام مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا ہی سلوک کیا جاتا تھا اور وہ خوش ہی رہتے تھے۔ اس کا انحصار بڑی حد تک ان کے نگرانوں پر ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض جگہوں پر، دوسری جگہوں کے مقابلے میں، وہ خوش رہتے تھے۔ چنانچہ "جو افسر بدنور میں مجروح ہوئے تھے ان کے ساتھ دوسری جگہوں کے مقابلے میں بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ انھیں اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے کپڑے، ڈولیاں، کرسی، میز، چھری، کانٹے اور دوسری چیزیں اپنے پاس رکھیں۔ قلم، روشنائی اور کاغذ کا بھی وہ آزادانہ استعمال کر سکتے تھے۔[9]" دوسرے کیمپوں میں افسر اگر بدذات اور سخت گیر ہوتے تو قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی بھی کی جاتی۔ لیکن ٹیپو کو، اپنے جاسوسوں کی معرفت یا کمپنی کے ارباب اختیار کی وساطت سے اس کی اطلاع ملتی تو وہ اپنے افسروں کو سرزنش کرتا اور قیدیوں کے ساتھ خوش سلوکی کی اور ان کی خبر گیری کی ہدایت کرتا۔[10]

یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ میتھوز اور بیلی کو بھی، اور سا افسروں کے ساتھ، ٹیپو کے حکم سے بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا تھا۔[11] لیکن یہ خیال قطعاً حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بریتھ ویٹ نے، جو کچھ عرصے تک سرنگا پٹم میں قید رہا تھا، مدراس کے گورنر میکارٹنی کو لکھا تھا کہ انگریز افسروں کے قتل کیے جانے کی افواہوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے، اور اس معاملے کی خود اس نے پوری جانچ کی ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ "بیلی کا ایک صفراوی مرض میں انتقال ہوا۔ اس مرض میں وہ کئی مہینوں سے مبتلا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ بچ بھی جاتا اگر طبی امداد اسے ملی ہوتی۔" بریتھ ویٹ نے جنرل میتھوز کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے ایک ہوادار اور خوشگوار جگہ پر رکھا گیا تھا۔ اس کے پاس دو انگریز ملازم اور ایک کم ذات ہندوستانی باورچی تھا۔ میز، کرسیاں، پلنگ، چھری اور کانٹے بھی اسے فراہم کیے گئے تھے۔ اسے شراب اور شکر ملتی تھی اور کچھ روپیہ بھی دیا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ اسے ہر طرح کا آرام میسر تھا۔

لیکن وہ اس سلوک کا مستحق نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی خود اپنی مصیبت کو دعوت دی۔ وہ انتہائی بدمزاج تھا۔ ایک دن اپنے محافظوں کے جمعدار کی موجودگی میں کسی کو ایک پگوڈا دیا۔ جمعدار نے کیمپ کے نگراں کو اس کی اطلاع دی۔ ٹیپو کے افسروں نے آکر اس سے ساری رقم لے لی، جو بقدر ایک ہزار پگوڈا نکلی۔ یہ رقم بدنور کے خزانے کا ایک حصّہ تھی، جسے میتھوز نے، معاہدہ سقوط کی خلاف ورزی کرکے، اپنے پاس رکھا تھا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد اس نے اپنے مُلازم کو پیٹا، جو اس سے لے لیا گیا۔ اپنے انگریز ملازموں سے وہ بہت زیادہ باتیں کیا کرتا تھا، جس سے سازش کا شُبہ ہوا، اور وہ بھی اس سے واپس لے لیے گئے اور اس کا راشن کم کر دیا گیا پھر جب اپنے ایک محافظ کو بھی اس نے زدوکوب کیا تو اس کے ہتھکڑیاں ڈالدی گئیں۔ اس کے بعد میتھوز نے پلنگ پکڑ لیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ کھانا بھی چھوڑ دیا۔ صرف تھوڑا سا خشک چاول کھالیتا۔ ہتھکڑیاں ڈالے جانے کے ساتویں دن، 6 ستمبر کو، وہ جاں بحق ہوگیا[12]۔

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جبکہ ٹیپو کو اپنی طبعی رحم دلی کو خیرباد کہہ کر انگریز قیدیوں کے ساتھ سختی برتنی پڑی تھی۔ اس طرح کے مواقع اس وقت پیدا ہوتے جب وہ بھاگنے کی یا غدّاری کرنے کی کوشش کرتے، اس کے خلاف سازش کی یا کسی قسم کی شرارتیں کرتے، تو ان کے ساتھ سختی برتی جاتی۔ مُسلمانوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے اکثر وہ کتّوں کا ختنہ کرکے انھیں سرنگاپٹم کی سڑکوں کی طرف بھگا دیا کرتے تھے[13]۔ ایک بار محرّم کے دنوں میں ایک قیدی رات کو بھاگ نکلا اور اس نے تعزیوں کی بے حُرمتی کی[14]۔ ایک دوسرے موقع پر کچھ قیدیوں نے شمایا، رنگا آئر اور دوسروں کے ساتھ مل کر میسور کے سابق ہندو حکمراں کو بحال کرنے کی سازش کی[15]۔ قیدیوں کا آپس میں یا اپنی حکومت سے خُفیہ مراسلت کرنا بھی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ متعدد بار انھوں نے بھاگنے کی کوشش کی، اور اکثر انھیں کامیابی بھی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قیدی باقی رہے انھیں مشکوک نظروں سے دیکھا گیا۔ ان ہی اسباب کی بنا پر قیدیوں کے ساتھ سختی برتنے پر ٹیپو مجبور ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو اس کے اقتدار کی جڑیں اس سے کمزور ہوتیں۔ سزائیں سخت، مگر وحشیانہ نہیں ہوتی تھیں، جو "قیدیوں کو ارادی طور پر قتل کرنے سے بہت مختلف تھیں، جس کا معاصر انگریزوں نے ٹیپو سلطان کو ملزم گردانا ہے۔ کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی، جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہو[16]۔"

اس کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ منگلور اور سرنگاپٹم کے صلح ناموں کے بعد ٹیپو نے تمام انگریز قیدیوں کو رہا نہ کیا ہو۔ 2 اگست 1783 کو جب منگلور کی عارضی صلح عمل میں آئی تو اس وقت 4261 قیدی تھے۔ صلح منگلور کے بعد یہ تمام قیدی ویلور واپس بھیج دیے گئے[17]۔ اسی طرح تیسری اینگلو میسور جنگ کے بعد بھی وہ تمام قیدی واپس کیے گئے، جو لڑائی کے دوران گرفتار ہوئے تھے، ورنہ ٹیپو کے وہ بیٹے بھی واپس

نہ کیے گئے ہوتے جو انگریزوں کے پاس یرغمال رکھے گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انگریز اس لیے مطمئن نہیں تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر انگریز جو میسور میں ہے، اسے واپس کیا جائے۔ لیکن بعض قیدی مدراس جانے پر رضامند نہیں تھے، کیونکہ انھوں نے ٹیپو کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ میسور میں بعض مفرورین بھی تھے، جنھیں قیدی شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجوں میں مفرور ہوجانا ایک عام بات تھی حقیقت یہ ہے کہ "مدہوش ہونے کے بعد فرار ہوجانا ایک انتہائی عام جُرم تھا"[18] ان لوگوں نے مفرور ہونے کے بعد چونکہ ٹیپو کی مُلازمت اختیار کرلی تھی اس لیے وہ واپس جانا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ "فرار ہونے کی سزا صرف پُرانے گیریزوں کی اُکتا دینے والی زندگی میں واپسی ہی نہیں تھی، بلکہ کم ازکم قید، ورنہ گولیوں کی باڑھ کا سامنا یا پھانسی کا پھندا بھی ہوسکتا تھا۔"[19] ٹیپو بھی یقیناً ان کے واپس جانے پر اصرار نہیں کرتا تھا، کیونکہ صنّاع کی حیثیت سے وہ اس کے لیے مفید تھے۔ اس سے قطع نظر میکارٹنی، گورنر مدراس، نے یہ شرط قبول کرلی تھی کہ جن میسوریوں نے تلیچری میں پناہ لی ہوگی کمپنی نہ توانھیں واپس کرے گی اور نہ ان مفرورین کی واپسی کا مُطالبہ کرے گی جنھوں نے ٹیپو کی ملازمت اختیار کرلی ہوگی اور واپس جانے پر رضامند نہ ہوں گے۔[20]

ٹیپو پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ اس نے قیدیوں کو مُسلمان بنایا۔ یہ بھی ایک جھوٹا الزام ہے۔ جو لوگ مسلمان ہوئے انھوں نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ اپنا مذہب انھوں نے یا تو انعام واکرام کی خاطر تبدیل کیا، یا پھر قید وبند کی اُکتا دینے والی زندگی سے رہائی کے لیے۔ ٹیپو ایسے انگریزوں کو بھرتی کرنے کے لیے چونکہ مُضطرب رہا کرتا تھا جو فوج کو آراستہ کرنے یا تربیت دینے میں ماہر ہوں، اس لیے اس کے افسر بھی ایسے لوگوں کو اِسلام قبول کرنے اور ٹیپو کی مُلازمت اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے لیے مستعد رہتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ قبول اسلام کے بعد ہی وہ میسور سے جانا پسند نہ کریں گے۔ لیکن، جیسا کہ ڈاڈ ویل نے لکھا ہے، "اس بات کے باور نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ ان لوگوں کے علاوہ کسی کا مذہب تبدیل نہیں کیا گیا، جنھوں نے اپنی آزادی خریدنے کے لیے ایسا کیا۔"[21]

---

1. Thompson and Garratt, Rise and Fulfilment of British Rule in India, p. 176
2. Browning, Haider Ali and Tipu Sultan, p. 102
3. Ibid., p. 126
4. Ibid., p. 126
5. Ibid., p. 168
6. M.A.R., 1925, p. 9
7. Mly. Sundry Book, vol. 60 A., Maj. Lysaght to Qumar-uddin, No. 27, 1783, p. 139.
8. Dirom, p. 190.
9. Lawrence, Captives of Tipu Sultan, p. 168
10. M.R., Mly. Sundry Book, vol. 60 A., p. 219
11. Wilks, ii, p. 217

یہ خبر بنگال کے ایک اخبار میں بھی شائع ہوئی تھی۔

12. N.A., Sec. Pro., Nov. 1, 1784.

میکارٹنی نے اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "کرنل برتھ ویٹ کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرنے کی قوائی شہادتیں بھی موجود ہیں کہ جنرل میتھوز کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ رہا دوسرے لوگوں کا معاملہ، ان کی موت کے بارے میں ہمارے پاس ممکنہ معلومات نہیں ہیں۔ ہمارے شبہات کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں، لیکن ٹیپو کو ان کے قتل کا ملزم گردانے کے لیے ہمارے پاس معقول شہادتیں نہیں ہیں۔"

(Macartney Papers, Bodleian MS. Eng. hist. C. 79, Macartney to Hastings Oct. 29, 1784).

13. Lawrence, Captives of Tipu Sultan, p. 12
14. Bristow, A Narrative of the Sufferings of Bristow, p. 45
15. Ibid., p. 32; Lawrence, Captives of Tipu Sultan, p. 140.

16. Rushbrook Williams, Great Men of India, p. 215 (Chapter on Tipu Sultan, by Dodwell); Mill, vi p. 106.
مل نے لکھا ہے کہ "اس کے مظالم کا زیادہ ذکر ہم اس وجہ سے سنتے ہیں کہ ہمارے ملک ہی کے لوگ اس کا شکار ہوئے تھے۔"

17. M.R., Mly. Count. Corresp. vol. 33 B, No. 124, Tipu to Governor, June 28, 1784, p. 294.
ٹیپو کا کہنا تھا کہ قیدیوں کی دستیابی کی دو رسیدیں اس کے پاس ہیں، جن پر گورنر کی مہریں ثبت ہیں۔ نیز دیکھیے:
(Mly. Desp. to England, 1782-83, vol. 18, pp. 160-61)
میکارٹنی کے بیان کے مطابق بھی ٹیپو نے جملہ قیدیوں کو رہا کر دیا تھا، جن میں بارہ سو یورپین اور تین ہزار ہندوستانی تھے۔
(Macartney Papers, Bodleian MS. Eng. hist. C.106, Macartney to Sullivan, May 1, 1784, f. 17a).

18. Dodwell, The Nabobs of Madras, p. 25.

19. Ibid., p. 86

20. M.R., Mly. Cons. Oct. 6, 1783, vol. 93 A, p. 4332

21. Rushbrook Williams, Great men of India, (Chapter on Tipu Sultan, by Dodwell).

ضمیمہ ج

ٹیپو کے جاری کردہ سکّے، بہ اعتبار اقسام و تعداد، اس کے باپ کے سکّوں سے کہیں زیادہ تھے، اور ہنڈرسن کے الفاظ میں اس کے "بہت سے طلائی و نقرئی سکّے عربی رسم خط کی تزئینی قدر و قیمت کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں اور اس میں شبہ ہے کہ ٹیپو کے ڈبل روپے سے زیادہ دیدہ زیب سکہ کبھی بھی ہندوستان میں ڈھالا گیا ہو۔"[1] ٹیپو کے سونے، چاندی اور تانبے کے سکّے بارہ ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے، جو سرنگاپٹم، بدنور، گوٹی، بنگلور، چیتل درگ، کالی کٹ، سیتا منگلم، ڈنڈی گل، گورماکنڈ، دھاروار، میسور اور فرخ یا فرخ آباد میں تھیں۔

ٹیپو نے اپنے دورِ حکومت کے پہلے سال میں، انگریزوں سے جنگ کی وجہ سے، صرف چند ہی سکّے سرنگاپٹم اور بدنور کی ٹکسالوں سے جاری کیے تھے۔ پانچویں سال میں کالی کٹ کے علاوہ باقی تمام ٹکسالیں کام کر رہی تھیں۔ کالی کٹ کی ٹکسال کی جگہ فرخ نے لے لی تھی۔ اس کے سالِ جلوس کے دسویں سال سے سکّوں کی ڈھلائی صرف سرنگاپٹم، بدنور اور گوٹی میں ہوتی تھی۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ٹیپو کے کسی سکّے پر نہ تو اس کا نام ہوتا تھا اور نہ مغل فرمانروا شاہ عالم ثانی کا، جسے وہ اپنا شہنشاہ تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن طلائی اور نقرئی سکّوں پر اس کے باپ کے نام کا پہلا حرف 'ح' کثرت سے ملتا ہے۔ ان سکّوں پر اکثر ایک جانب "دین احمد روشن ز فتح حیدر است" اور دوسری جانب "ہو السلطان الوحید العادل" مضروب ہوتا تھا۔

ٹیپو کے دورِ حکومت کے پہلے چار برسوں میں جو سکّے جاری کیے گئے تھے ان پر ہجری تاریخیں ملتی ہیں، اور اعداد عموماً بائیں سے دائیں جانب پڑھے جاتے ہیں، لیکن پانچویں سال کے اواخر سے

ٹیپو کی مولودی تقویم کی تاریخیں درج کی جانے لگیں، اور اعداد دائیں سے بائیں جانب پڑھے جانے لگے۔ چوتھے سال کے سکوں پر 1200 ہجری کی تاریخ ملتی ہے، لیکن پانچویں سال کے سکوں کی تاریخ 5121 (1215 ہجری) ہے۔ خود ٹیپو کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 4 مئی 1783 کو اس کی تخت نشینی عمل میں آئی تھی۔

مولودی تقویم کے احیا کے بعد ٹیپو نے اپنے سکوں کے نئے نام بھی ایجاد کیے، جو عموماً سکوں کی پشت پر ہوتے تھے۔ طلائی و نقرئی سکوں پر پیغمبر، پہلے دو خلفا اور بارہ شیعہ اماموں کے نام ہوتے تھے۔ تانبے کے سکوں پر، علاوہ ڈبل پیسے کے جس پر تیسرے خلیفہ کا نام ہوتا تھا، ستاروں کے عربی نام ہوتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ طلائی و نقرئی سکوں پر نام پہلی بار 1216 ہجری میں یا اس کے بعد نظر آتے ہیں، مگر تانبے کے سکوں کا جہاں تک تعلق ہے، ڈبل پیسے کے علاوہ جس پر عثمان کا نام درج ہے اور جو 1218 میں جاری کیا گیا تھا، باقی تمام سکے 1221 سے پہلے جاری نہیں کیے گئے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ طلائی فنم (سکوں) پر کوئی نام نہیں ہوتا تھا۔

طلائی سکے

مہر یا احمدی کا نام پیغمبرِ اسلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کا مقررہ وزن 211 گرین اور قیمت چار پگوڈا کے برابر ہوتی تھی۔

نصف مہر یا صادقی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق اور چھٹے شیعہ امام حضرت جعفر صادق کے نام سے موسوم تھا۔ اس کا مقررہ وزن 106 گرین تھا اور قیمت دو پگوڈا کے برابر تھی۔

چوتھائی مہر یا فاروقی کا نام خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کو سلطان پگوڈا بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا مقررہ وزن ½ 52 گرین تھا اور قیمت ½ 3 روپے کے برابر تھی۔

ٹیپو کے سب سے چھوٹے طلائی سکے کو فنم کہتے تھے۔ اس نے اس کا نام راحتی بھی رکھا تھا۔ اس کا عام وزن پانچ سے چھ گرین تک یعنی بقدر 1/10 پگوڈا ہوتا تھا۔ اس سکے کا سائز اگرچہ چھوٹا تھا، تاہم یہ جنوبی ہند میں بہت چلتا تھا۔

احمدی سرنگاپٹم اور بدنور کی ٹکسالوں میں اور صادقی صرف سرنگاپٹم کی ٹکسال میں ڈھالا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی سکہ بھی زیادہ تعداد میں ڈھالا نہیں جاتا تھا۔ پگوڈا اور فنم بہت زیادہ عام تھے۔ پگوڈا سرنگاپٹم، بدنور اور دھارواڑ میں اور فنم کالی کٹ، فرخ، ڈنڈی گل، بدنور، دھارواڑ اور سرنگاپٹم کی ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے۔

نقرئی سکے

ڈبل روپیہ یا حیدری حضرت علی کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن 352 تا 355 گرین ہوتا تھا۔

روپیہ یا انعامی بارہ شیعہ اماموں کے ناموں سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن 175 تا 178 گرین ہوتا تھا۔

عابدی یا نصف روپیہ چوتھے امام کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن 87 گرین تھا۔

باقری یا چوتھائی روپیہ پانچویں امام کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن 43 گرین تھا۔

جعفری یا $\frac{1}{8}$ روپیہ چھٹے امام کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن بیس گرین تھا۔

کاظمی یا $\frac{1}{16}$ روپیہ ساتویں امام کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن دس گرین تھا۔

خضری یا $\frac{1}{32}$ روپیہ حضرت خضر کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ اس کا عام وزن پانچ گرین تھا اور یہ ٹیپو کا سب سے چھوٹا سکہ تھا۔

یہ تھیں ٹیپو کے نقرئی سکوں کی سات قسمیں۔ ڈبل روپیہ سرنگاپٹم، بدنور اور کالی کٹ کی ٹکسالوں میں، روپیہ بدنور اور دھاروار کی ٹکسالوں میں، نصف روپیہ سرنگاپٹم اور بدنور کی ٹکسالوں میں، اور چوتھائی روپیہ صرف سرنگاپٹم کی ٹکسال میں ڈھالا جاتا تھا۔

تانبے کے سکے

ڈبل روپیہ یا عثمانی تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے نام سے نسبت رکھتا تھا۔ یہ نام 1218 تا 1221 جاری رہا، لیکن 1221 کے بعد اس کا نام مشتری ہو گیا۔ اس کا وزن 331 سے 351 گرین تک ہوتا تھا۔ پیسہ زہرہ کہا جاتا تھا۔ اس کا وزن 174 گرین تھا۔ نصف پیسے کو بہرام (مریخ) کہا جاتا تھا اور اس کا عام وزن 87 گرین تھا۔ چوتھائی پیسے کو اختر (ستارہ) کہتے تھے۔ اس کا عام وزن 42 گرین ہوتا تھا۔ $\frac{1}{8}$ پیسے کو قطب کہتے تھے اور اس کا عام وزن 18 گرین ہوتا تھا۔

تانبے کے سکے ٹیپو کی تمام بارہ ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے۔ طلائی و نقرئی سکوں کے برعکس تانبے کے سکوں پر، سیدھے رُخ کی طرف، بلا استثنا ہاتھی کے مختلف اندازوں کی شبیہیں ہوا کرتی تھیں۔ ہاتھی آراستہ و پیراستہ ہوتا تھا۔ ہندوستان میں عموماً ہاتھی کو چونکہ امارت کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حیدر علی نے اسے روشناس کیا تھا۔ ٹیپو نے بھی اپنے باپ کی طرح، اسے اپنے تانبے کے سکوں پر جاری رکھا۔

(ضمیمہ ج کے حاشیے)

1. Henderson, The Coins of Haider Ali and Tipu Sultan, p. vii;

ٹیپو کے سکوں کے مزید مطالعے کے لیے دیکھیے:

Taylor, The Coins of Tipu Sultan; and Indian Antiquary, vol. xviii

---

ضمیمہ د

تقویم

ٹیپو نے جنوری اور جولائی 1784 کے درمیانی زمانے میں ایک نئی تقویم کا اجرا کیا، کیونکہ ہجری سال جو بارہ قمری مہینوں کا ہوتا تھا، اس سے انتظامی دُشواریاں پیدا ہوتی تھیں۔ ٹیپو نے جس تقویم کو روشناس کیا، وہ 'قمری شمسی برسوں' کے بارہ مہینوں پر مشتمل تھی۔ دونوں تقویموں میں سال کے 354 دِن ہوتے تھے۔ شمسی سال کے مُقابلے میں اسلامی سال میں گیارہ دِن کم ہوتے تھے، جنھیں کھپایا نہیں گیا تھا۔ ٹیپو نے لوند کے مہینوں کے اصول کو اختیار کیا تاکہ اس کی تقویم شمسی سال کے مطابق ہوسکے۔ اس طریق کو ہندو تقویم سے مستعار لیا گیا تھا۔ ہندو تقویم میں فاضل مہینہ عام مہینوں کے بعد آتا تھا، لیکن ٹیپو کی تقویم میں یہ پہلے آتا تھا۔ ٹیپو کی تقویم کے مہینوں کے نام یہ تھے: احمدی، بہاری، جعفری، دارائی، ہاشمی، واسطی، زبرجدی، حیدری، طلوعی، یوسفی، یازدی اور بیاضی —— پہلا، چوتھا، پانچواں، آٹھواں، نواں اور گیارھواں مہینہ اُنتیس دن کا ہوتا تھا۔ باقی تمام مہینے تیس دِن کے ہوتے تھے۔ پہلے مہینے کا نام پیغمبرِ اسلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ حیدری میں حضرت علی یا ٹیپو کے باپ حیدر علی کی نسبت تھی۔ بہاری میں موسمِ بہاراں کی مناسبت تھی۔ ہاشمی حضرت محمدّ کے جد کے نام سے اخذ کیا گیا تھا۔ باقی ناموں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ البتہ تمام مہینوں کے نام کا پہلا حرف حروفِ تہجی کے اعداد کی ترتیب سے مطابقت رکھتا تھا۔ حروف تہجی کے ہر حرف کی ایک عددی قدر ہوتی ہے۔ لیکن گیارہ

اور بارہ کو ظاہر کرنے والا چونکہ کوئی حرف نہیں ہے اس لیے یازدی اور بیاضی دونوں کے ناموں کے پہلے دو حرفوں کی قدر کو ملا کر گیارہ اور بارہ کے عدد نکالے گئے تھے۔

قرن کے برسوں کو جو نام دیے گئے تھے ان میں بھی پہلے دو ناموں، احد اور احمد کو چھوڑ کر جو خدا اور رسول کے نام ہیں، باقی تمام ناموں میں ترسیم اعداد کے ابجدی اصول کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ ہر نام کے حرفوں کے اعداد کو ملا کر سال کا عدد نکلتا تھا۔ ٹیپو کی تقویم کا قرن، ہندو تقویم کی طرح، ساٹھ سال کا ہوتا تھا۔

1787 میں ٹیپو نے دوبارہ ایک اصلاح شدہ تقویم روشناس کی۔ لیکن یہ تبدیلی صرف مہینوں اور برسوں کے ناموں میں ردّ و بدل ہی تک محدود رہی۔ مگر ناموں میں ابجد نہیں بلکہ ابتث (ا ب ت ث) کے اصول کو مدنظر رکھا گیا تھا[1] اور اس میں بھی، سابق کی طرح حروف کی عددی قدر سے مہینے اور سال کی ترتیب ظاہر ہوتی تھی۔ ٹیپو کی اصلاح کردہ تقویم کے مہینوں کے نام تھے : احمدی، بہاری، تقی، ثمری، جعفری، حیدری، خُسروی، دینی، ذاکری، رحمانی، رازی اور ربّانی —— ہر مہینے کے دِنوں کی تعداد حسب سابق تھی۔ اسی طرح گیارہ اور بارہ کو ظاہر کرنے والے حروف چونکہ نہیں تھے، اس لیے دو حرفوں کے اعداد کو ملا کر گیارہ اور بارہ بنائے گئے تھے۔

ٹیپو نے نئی تقویم کا نام مولودی رکھا تھا،[2] جو پیغمبرِ اسلام کی ہجرت کے سال سے نہیں بلکہ ان کے مبعوث ہونے کے سال سے شروع ہوتا ہے۔ ہجری سال 622 عیسوی سے آغاز ہوا، لیکن پیغمبرِ اسلام نے اپنی رسالت کا اعلان 609 عیسوی کے قریب کیا تھا۔ اس حساب سے مولودی سال کا آغاز سالِ ہجرت سے تیرہ سال پہلے ہوتا ہے۔

ٹیپو کے سرکاری کاغذات، سکّوں اور اس کے درباریوں کی تصانیف پر اس کی نئی تقویم ہی کے حساب سے تاریخیں درج کی جاتی تھیں۔ اس کے دورِ حکومت کے طالب علم کے لیے اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔

—— ضمیمہ د کے حاشیے

1. ابجد اور ابتث کے عربی حروف کی عددی قدر کے لیے دیکھیے ٹیلر کی کتاب :

The Coins of Tipu Sultan, pp. 16 – 18.

2. کرمانی نے بھی اس کا نام "مولودی تقویم" لکھا ہے۔ (دیکھیے ص 328) نیز مولودی تقویم کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے :

Islamic Culture, vol. xiv, No. 2, pp. 161 – 64

ضمیمہ س

کتابیات

الف۔ معاصر تصانیف (فارسی)

نشانِ حیدری : از حسین علی خاں کرمانی[1]

کرمانی ٹیپو کا درباری تھا اور حیدر علی کی مُلازمت میں بھی رہا تھا۔ سقوطِ سرنگاپٹم کے بعد انگریزوں کا قیدی بنا۔ یہ کتاب انگریزوں ہی کی سرپرستی میں اس نے کلکتے میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا رُجحان انگریزوں ہی کی طرف ہے۔ اس سے قطع نظر، اس کی درج کردہ تاریخیں بالعموم غلط ہیں اور واقعات کا تسلسل بھی درست نہیں ہے۔ اس نے ٹیپو کے نظم و نسق، فوج اور اس کی رعایا کی حالت کے بارے میں بھی بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔ مزید براں، ٹیپو کے کردار کا جو خاکہ اس نے پیش کیا ہے وہ مجموعی طور پر اگرچہ ہمدردانہ ہے، تاہم وہ خود چونکہ کٹر متعصب تھا، اس لیے سلطان کو بھی وہ اسی رنگ میں پیش کرتا ہے۔ گویا ٹیپو کے ہر اقدام کا محرک مذہبی جذبہ ہی ہوتا تھا اور بزورِ شمشیر اسلام کی اشاعت ہی اس کی زندگی کا نصب العین تھا۔ ان تمام خرابیوں کے باوجود نشانِ حیدری اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو حیدر اور ٹیپو دونوں سے قریبی واقفیت رکھتا تھا اور یہی ایک ایسی معاصر تصنیف ہے جس میں تفصیلی حالات ملتے ہیں اور جو حیدر علی اور ٹیپو سلطان دونوں کے عہد پر حاوی ہے۔

تاریخ ٹیپو سلطان[2] مصنف لامعلوم :

یہ میسور کی (1713 تا 1799) مختصر تاریخ ہے۔ لیکن اس پر کتاب کا نام درج نہیں ہے۔ اس میں صرف چند ہی تاریخیں درج کی گئی ہیں اور واقعات کا تسلسل بھی اکثر صحیح نہیں ہے۔ میسور کے نظم و نسق کے بارے میں بھی بہت کم معلومات اس میں ملتی ہیں۔ ان باتوں کے باوجود یہ تصنیف

اس اعتبار سے بے حد مفید ہے کہ یہ متوازن نقطۂ نگاہ سے اور غیر جانبداری سے لکھی گئی ہے۔ اس کا خاتمہ انگریزوں کے اس طرزِ عمل کی تعریف کرتا ہے کہ سقوطِ سرنگاپٹم کے بعد ٹیپو کے خاندان کے ساتھ انھوں نے فیاضانہ سلوک کیا۔

تاریخِ میسور : فارسی میں :

اس کی نشاندہی عبدالقادر سروری نے میسور یونیورسٹی جرنل[3] میں کی ہے۔ یہ انڈیا آفس کے متذکرہ بالا مخطوطے کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس کا مخطوطہ 112 اوراق پر اور یہ 54 اوراق پر مشتمل ہے۔

سلطان التواریخ[4] : مصنّف لامعلوم :

اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں اور دوسرا مدراس کی اورینٹل مانسکرپٹ لائبریری میں ہے۔ میں نے موخرالذکر نسخہ استعمال کیا ہے۔ ولکس اور کرک پیٹرک نے اس کے مصنّف کا نام زین العابدین شستری لکھا ہے، لیکن مخطوطے میں کسی جگہ بھی مصنّف کا نام نہیں ملتا۔ اگر شستری اس کا مصنّف ہوتا تو اسے اپنا نام ظاہر کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوتی۔ بہرکیف یہ کسی ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو سلطان سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ کیوں کہ مصنّف کے بیان کے مطابق اس کے بعض ٹکڑے خود ٹیپو کے لکھوائے ہوئے تھے (ورق 8 ب)۔ ابتدائی 9 اور آخری 81 اوراق میں ٹیپو کے اجداد کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں، جو نہایت مجمل ہیں۔ باقی حصے میں سلطان کی تخت نشینی سے لے کر مالابار کی بغاوت (1789) تک کے حالات لکھے گئے ہیں۔ لیکن نہ تو تاریخیں لکھی گئی ہیں اور نہ نارگنڈ اور کتّور پر میسوریوں کے حملوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ میسور مرہٹہ جنگ (87-1785) کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ لیکن مرہٹوں کی فوجی کارروائیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ ان خامیوں کے باوجود اس میں مفید معلومات ملتی ہیں (بعض اعتراضات جو آگے آنے والی تاریخِ خُداداد پر کیے گئے ہیں، وہ اس پر بھی منطبق ہوتے ہیں)۔

تاریخِ خُداداد[5] : مصنّف لامعلوم :

یہ مخطوطہ ناقص الطرفین ہے۔ اس کا آغاز یکایک، محاصرۂ بدنور سے اور اختتام ٹیپو اور مرہٹوں کے معاہدے (1787) کی پہلی دفعہ پر ہو جاتا ہے۔ کرک پیٹرک نے اسے ٹیپو کی خود نوشت سمجھا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ سلطان التواریخ کی نقل ہے جو صیغۂ واحد متکلّم میں لکھی گئی ہے۔ اگر یہ سلطان کی خود نوشت ہوتی تو اپنی نجی زندگی کا، اپنے درباریوں کا اور اپنی رعایا کا وہ کچھ نہ کچھ ذکر ضرور کرتا۔ تاریخ اور سوانح سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے تزکِ جہانگیری،

بابرنامہ اور اسی نوع کی دوسری کتابیں اس نے ضرور دیکھی ہوں گی۔ لیکن ان کتابوں کے برعکس اس میں "مردود و ملعون کفار" کے خلاف ٹیپو کی مُہموں کے واقعات بے روح اور غیر مربوط انداز میں قلمبند کیے گئے ہیں۔ نہ تو واقعات کا تسلسل ہی صحیح ہے اور نہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخیں ہی لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے بیانات بھی غلط ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا ہے کہ انگریزی وکیلوں کو مدراس سے منگلور تک کی مسافت طے کرنے میں چھ مہینے لگ گئے، اور یہ کہ دو مہینے تک سودے بازی کرنے کے بعد منگلور کے معاہدے پر دستخط ہو سکے (ورق 27)۔ واقعہ یہ ہے کہ کمشنروں کے پہنچنے میں چار ماہ کا عرصہ لگا تھا اور ان کے منگلور پہنچنے کے ایک ماہ کے اندر معاہدہ ہو گیا تھا۔ اگر اس تاریخ کا مصنّف خود ٹیپو ہوتا، جسے تفصیلات سے گہرا شغف تھا، تو وہ اس نوع کی غلطیاں نہ کرتا۔

اس تاریخ میں اور بھی بہت سی اہم خامیاں ہیں۔ نارگنڈ اور کٹور کے قلعوں پر حملوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح مرہٹہ میسور جنگ کے بہت سے واقعات نظرانداز کیے گئے ہیں۔ دوسری طرف بہت سے ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جو کبھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے۔ مثلاً اس تاریخ میں لکھا گیا ہے کہ معاہدہ منگلور پر دستخط کیے جانے کے وقت "کمشنر معاہدہ ہاتھ میں لیے ہوئے دو گھنٹے تک برہنہ سر کھڑے اس کی منظوری حاصل کرنے کے لیے خوشامدیں اور التجائیں کرتے رہے۔ اسی سلسلے میں آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ 1785 میں جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کے بعد ٹیپو نے ان کے لیے گدھوں کا انتظام کیا، جو نمک کے ایک تاجر سے حاصل کیے گئے تھے، اور وہ لوگ گدھوں پر بیٹھ کر جلوس کی شکل میں میسور سے گزرے۔ لوگوں نے ان کا مضحکہ اُڑایا اور اسی طرح وہ مدراس میں داخل ہوئے (ورق 42)۔ اسی طرح مرہٹہ سواروں کو بھی 1787 میں ٹیپو سے صلح نامہ کرنے کے لیے مضطرب دکھایا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بڑے گڑگڑاتے ہوئے انداز میں معذرت کی، جنگ شروع کرنے کی غلطی کا اعتراف کیا اور سلطان سے التجا کی کہ نالائق پیشوا پر، جو اس کے بیٹے کی جگہ ہے، رحم کرے اور صلح کرلے (ورق 9-88)۔

یہ بھی دلیل پیش کی جا سکتی تھی کہ شیخی بازی سے رغبت ہونے کی وجہ سے ٹیپو واقعات کو غلط انداز میں پیش کرتا تھا۔ لیکن اگر اس کو ہم باور بھی کرلیں کہ ٹیپو شیخی باز تھا اس لیے اس نے مبالغے سے کام لیا تو بھی اس کی کوئی وجہ نہیں ملتی کہ اس نے ایسی باتیں کیوں لکھی ہوں گی جو ظہور پذیر ہی نہیں ہوئیں۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی خود نوشت سوانح حیات جب اُس کے بعد لوگ پڑھیں گے تو اس غلط بیانی پر اس کو بدنام ہی تو کریں گے۔

اس تاریخ کے مطالعے سے ٹیپو کی جو تصویر اُبھر کر آتی ہے وہ ایک مذہبی دیوانے کی ہے جو غیر مسلموں کو تہ تیغ کرنے اور انھیں جبراً مسلمان بنانے میں مشغول رہا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ سلطان کی یکسر غلط تصویر ہے۔ اس سے قطع نظر کتاب غیر شائستہ اور غیر مہذب الفاظ اور فقروں سے بھری پڑی ہے۔ ٹیپو کے دشمنوں کو "نااہل" دکھایا گیا ہے۔ ملکوجی ہولکر کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ "اپنی قوم کے نااہل سرداروں میں اعلا مرتبہ رکھتا ہے"۔ کورگیوں کو "حرامزادہ اور رنڈی بچہ" اور نظام اور پیشوا کو "دو حرامزادے" کہا گیا ہے۔ ٹیپو نہایت مہذب اور شائستہ انسان تھا، وہ اس طرح کی رکیک زبان استعمال ہی نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان التواریخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعض ٹکڑے خود ٹیپو نے لکھوائے تھے، لیکن اُس میں بھی ٹیپو کے مخالفوں کے لیے ناشائستہ القاب استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔ یہ باور کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس مفروضہ تصنیف میں اس نے شائستگی کے تمام آداب کو بالائے طاق رکھ دیا ہو۔ کسی نے بھی آج تک ایسی خود نوشت نہیں لکھی جس میں خود اپنی غلط تصویر پیش کی گئی ہو۔ گویا تاریخ خداداد کے بیشتر حصّوں میں خود "مصنّف" نے اپنے عہد حکومت اور اپنے کردار کی تنقیص کی ہے۔

تاریخ حامد خاں[6] : از حامد خاں :

حامد خاں جارج کچھری کا میر منشی اور کارنوالس کا پرائیوٹ سکریٹری تھا۔ ٹیپو کے خلاف گورنر جنرل کی مُہموں (92-1791) میں اس کے ہم رکاب رہا تھا۔ اس کی تصنیف میں حیدر علی کی پوری تاریخ اور ٹیپو کی معاہدۂ سرنگاپٹم (1792) تک کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے۔ تقریباً نصف کتاب میں حیدر علی کے خاندانی حالات، ابتدائی زندگی اور اس کے دورِ حکومت کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن ان موضوعات پر ان کے بیان کردہ واقعات ہر جگہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ یہ حقیقتاً تیسری اینگلو میسوَر جنگ کی، خصوصاً کارنوالس کی فوجی کارروائیوں کی، تاریخ ہے، جو حامد خاں نے تفصیل اور صحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہ واقعات جو اس نے اپنے تجربے اور مُشاہدے کی بنا پر بیان کیے ہیں، ان سے انگریز اور ہندوستانی مصنّفین کے بیان کردہ واقعات کی تصحیح اور ان پر مزید اضافہ بھی ہوتا ہے۔[7]

تاریخ کورگ[8] : از حسین خاں لوہانی :

حسین خاں لوہانی مہاراجا ویر راجندر ودیار (1834-1789) کا منشی تھا۔ مہاراجا مذکور کے ایماء پر کنٹر زبان کی کتاب، تاریخ راجگان کورگ، (از 1047 ہجری مطابق 38-1637 عیسوی تا 1222 ہجری مطابق 1807) کا لوہانی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کتاب سے ٹیپو کے ساتھ

تعصب اور انگریزوں کے ساتھ جانبداری کا اظہار ہوتا ہے۔ تاہم اس میں مفید معلومات ملتی ہیں۔ حیدر علی کے کورگ فتح کرنے کا، کورگیوں کی بغاوت کو کچلنے کی ٹیپو کی کوششوں کا اور ٹیپو کے خلاف ویرراجا کی انگریزوں کو امداد دینے کا تفصیلی حال بھی اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ مزید براں اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ ابرکرومبی نے کس طرح کارنوالس کو اس بات پر راضی کیا تھا کہ سرنگاپٹم کی صلح کانفرنس (فروری تا مارچ 1792) کے وقت انگریزوں کو ملنے والے اضلاع میں کورگ کو بھی شامل کیا جائے۔

وقائع منازلِ روم ۹ھ

یہ اس سفارت کی ڈائری ہے جو ٹیپو نے 1786 میں قسطنطنیہ بھیجی تھی اور سفارت کے سکریٹری خواجہ عبدالقادر کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں تاریخیں مولودی تقویم کے مطابق لکھی گئی ہیں، لیکن اکثر مقامات پر، ہجری تاریخیں بھی ملتی ہیں۔ اس میں ان مقامات کا، جہاں جہاں یہ سفارت دورانِ سفر گئی تھی اور ان لوگوں کا جن سے اس کی ملاقاتیں ہوئی تھیں، تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ ڈائری سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سفارت کا خاص مقصد میسور کی تجارت کو فروغ دینا نیز مسقط، ایران اور سلطنتِ عثمانی میں تجارتی مراعتیں حاصل کرنا تھا۔ یہ ڈائری صرف 19 ربیع الاوّل 1201 ہجری مطابق 9 جنوری 1787 ہی تک لکھی گئی تھی، جبکہ سفیر بصرہ ہی میں تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ تک ان کے سفر کے، ان کے استقبال کے اور دوسرے متعلقہ واقعات اس میں نہیں ملتے ہیں۔ مخطوطے کے آخر میں علی رضا کان دری کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیر قسطنطنیہ سے ہوتے ہوئے جدّہ، مکّہ اور مدینہ گئے اور حج کرنے کے بعد منگلور واپس لوٹے۔

فتوح المجاہدین ۱۵ھ: از زین العابدین شستری :

زین العابدین میر عالم کا بھائی تھا۔ اوائل عمر میں اس نے حیدر آباد سے نکل کر حیدر علی کی ملازمت اختیار کی اور پھر ٹیپو کا مصاحب بن گیا۔ یہ کتاب اس نے سلطان کے ایما پر لکھی تھی۔ میسوری فوج کی تعداد کا تو اس نے ذکر نہیں کیا ہے، لیکن فوجی قواعد و ضوابط اور تنظیم کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہی ایک ایسی فارسی تصنیف ہے جس میں ٹیپو کے فوجی نظم و نسق پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سے ان معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، جو انگریزی ماخذ سے حاصل ہوتی ہیں۔

حدیقۃ العالم : از میر عالم۔ حیدر آباد، 1266 مطابق 1850 :

ابوالقاسم موسوی شستری ملقب بہ میر عالم، ایرانی النّسل تھا۔ اسے نظام کا بیحد اعتماد حاصل تھا اور نظام نے اسے متعدّد سیاسی سفارتوں پر مامور کیا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ ایک انگریزی ایجنٹ تھا۔ اسی نے

1790 میں انگریزوں اور نظام کو متحد کیا اور ٹیپو کے زوال میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان خدمات کے معاوضے میں انگریزوں نے اسے چوبیس ہزار روپے سالانہ کی پنشن عطا کی[11] 1803 میں نظام نے اسے اپنا وزیراعظم مقرر کیا۔

حدیقۃ العالم قطب شاہیوں کی اور نظام کی تاریخ ہے، جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد کا خاتمہ سقوطِ سرنگاپٹم (1799) پر ہوتا ہے۔ مرہٹہ میسور جنگ (87-1785) کے لیے اور تیسری اینگلو میسور جنگ میں نظام کی فوجی کارروائیوں کے لیے یہ کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ لیکن وہ چونکہ ایک انگریز آوردہ تھا اس لیے ٹیپو کے ساتھ وہ تعصب برتتا ہے اور ان واقعات کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے جن سے اس کے آقاؤں کی توہین ہوتی ہو۔

حکم نامہ[12]:

یہ ان احکام کا مجموعہ ہے جو ٹیپو نے ان سفیروں کو بھیجے جنھیں اس نے ترکی روانہ کیا تھا، اور جنھیں ترکی سے فرانس اور انگلستان جانا تھا۔ لیکن یہ سفارت قسطنطنیہ سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی اور فرانس ایک جداگانہ سفارت بھیجی گئی تھی۔ اس سفارت کو بھی یکساں ہدایات دی گئی تھیں۔ حکم نامہ نمبر 1676 میں وہ ہدایتیں ملتی ہیں جو فرانس میں مذاکرات کے سلسلے میں جاری کی گئی تھیں۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں بھی ٹیپو کے بہت سے حکم نامے ملتے ہیں، لیکن ان سے بہت کم مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

مراۃ الاحوال : از احمد بن محمد علی بن محمد باقر:

اوائل مئی 1805 میں احمد ہندوستان وارد ہوا۔ اس نے ہندوستان کے شمالی اور جنوبی خطوں کا سفر کیا۔ اس نے میر صادق کی غداری کا ذکر کیا ہے، جس کا تذکرہ اس نے حیدرآباد کے دوران قیام سنا ہوگا۔

تاریخ فتح علی شاہ : از مرزا محمد سروئی۔

زینت التواریخ : از مرزا رضا بندہ تبریزی، مرزا عبدالکریم اشتہردی اور دیگر مصنفین۔

مفرح القلوب : از مرزا محمد نادم بارفروشی۔

تاریخ جہاں آرا : از مرزا محمد صادق ہما مروازی۔

تاریخ ذوالقرنین : از مرزا فضل اللہ خاوری شیرازی۔

ٹیپو نے جو سفارت فتح علی شاہ قاچار کے دربار میں بھیجی تھی، اس کا ان تمام تاریخوں میں اجمالی ذکر ملتا ہے۔ فتح علی شاہ قاچار کے عہد کے مورخین میں مرزا فضل اللہ نے مربوط انداز میں واقعات بیان کیے ہیں، اور اس کا بیان نسبتاً زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہے۔

---

1. R.S.B. MS 200- edition: Bombay 1307/1890. Translated into English by Colonel W. Miles, in two Volumes
(a) The History of Hyder Naik... Nawab of Karnatak and Balaghat, London 1842.
(b) The History of Tipu Sultan, being a Continuation of the Nishan-e-Hyduri. London
ترجمہ قابل اعتماد نہیں ہے، اس لیے بمبئی ایڈیشن کو استعمال کیا گیا ہے اور R.A.S.B. MS. سے اس کا مقابلہ کر لیا گیا ہے۔

2. Tarikh-i-Tipu Sultan, Author not known, I.O. MS. 5 F. 3059 (Mackenzie Collection).

3. A Persian MS. History of Mysore, described by A. Qadir Sarwari in the Mysore University Journal (New Series), V. No. 1, pp. 23-40

4. Sultan-ut-Tawarikh, Author not known, I.O. MS. 521, Government Oriental MSS. Library, Madras, MS. 288.

5. I.O. MS. 2990

6. Bankipur MS. 619.

7. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کا مقالہ I.H.C.R., xxiii, pp. 13-15

8. R.A.S.B. MS. 201

9. R.A.S.B. MS. 1678.

10. R.A.S.B. MS. 1669.

11. Briggs, The Nizam, p. 139

12. R.A.S.B. MS. 1677